فتاویٰ حقانیہ

٤

از افادات

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
ودیگر مفتیانِ کرام دارالعلوم حقانیہ

بنگرانی و اہتمام

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم جامعہ حقانیہ

ترتیب

مفتی مختار اللہ حقانی

ناشر
جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ (الآیۃ)

جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے نصف صدی کے فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ حقانیہ

جلد چہارم

افادات
شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ودیگر مفتیان کرام
جامعہ دارالعلوم حقانیہ

نگرانی واہتمام
مولانا سمیع الحق مہتمم واستاذ حدیث
جامعہ دارالعلوم حقانیہ

ترتیب مفتی مختار اللہ حقانی

شائع کردہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ پاکستان

(جملہ حقوق واشاعت وطباعت بحق ادارہ محفوظ ہیں)

نام کتاب .... فتاویٰ حقانیہ (جلد چہارم)

افادات .... شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ ودیگر مفتیان کرام جامعہ ہذا

نگرانی واہتمام .... شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، مہتمم جامعہ ہذا

ترتیب .... مولانا مفتی مختار اللہ حقانی استاذ شعبہ التخصص فی الفقہ والافتاء

ضخامت .... ۶۱۴ صفحات

تاریخ طبع ہفتم ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء

طابع .... مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک
Mob:0300-4572899

ناشر .... جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

فہرست مضامین جلد چہارم

عنوانات صفحہ

کتاب الزکوٰۃ

باب صدقۃ الفطر ۳۳
صدقۃ الفطر میں غناء کا نصاب ۳۳
زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے وجوب کا نصاب
صدقہ فطر کی مقدار ۳۴
صدقۃ الفطر میں شرعی صاع معتبر ہوگا یا مروجہ صاع؟ ۳۴
حکومت کے جرمانہ کی ادائیگی میں صدقہ فطر سے تعاون کرنا ۳۵
اجرت میں صدقہ فطر دینا جائز نہیں ۳۵
صدقہ فطر میں تحری معتبر نہیں ۳۶
بیوی کا فطرانہ کس کے ذمہ واجب ہے ۳۷
کیا قرض معاف کر دینے سے صدقہ فطر ادا ہوگا یا نہیں؟ ۳۷

عنوانات صفحہ

صدقہ فطر اور قربانی میں احتیاط ۳۸
رمضان کے دوران صدقہ فطر ادا کرنا ۳۸
کیا فطرانہ میں غلہ کی قیمت دینا جائز ہے ۳۹
علاقائی سطح پر گندم کی قیمت میں تفاوت کی صورت میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟ ۳۹
نصف صاع سے کم آٹا صدقہ فطر میں دینے کا حکم ۴۰
غیر منصوص اشیاء میں فطرانہ کا حکم ۴۰
میوہ جات میں گندم کی قیمت کا اعتبار ہوگا ۴۱
کم سنی میں بچی کے نکاح کی وجہ سے اس کے صدقہ فطر کا حکم ۴۱
حقیقی بھائی کو صدقہ فطر دینا جائز ہے۔ ۴۲
صدقہ فطر دوسرے شہر کو منتقل کرنا کیسا ہے؟ ۴۲
نابالغ بچے کا فطرانہ اس کے والد پر واجب ہے ۴۳
قیدیوں کو صدقہ فطر دینا جائز ہے ۴۳
پچاس روپے کے نصاب پر قربانی فطرانہ کی تحقیق ۴۴
زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے نصاب میں مال نامی اور غیر نامی کا فرق ۴۴

عنوانات صفحہ
کیا صدقۂ فطر کے لیے عامل مقرر کرنا ضروری ہے ۴۵
صدقۂ فطر میں اسی ملک کی کرنسی کا اعتبار ہے ۴۵
بھائی کی طرف سے ادا کردہ صدقۂ فطر کی رقم لینے کا حکم ۴۶
زمیندار کے لیے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم ۴۶
باب مصارف الزکوٰۃ ۴۷
مالدار کو زکوٰۃ دینے کا حکم ۴۷
صاحب جائیداد کو زکوٰۃ دینا ۴۷
گائے بیل کے مالک کو زکوٰۃ دینے کا حکم ۴۸
غنی آدمی کا زکوٰۃ قبض کرکے پھر فقیروں کو دینے کا حکم ۴۹
اصول و فروع زکوٰۃ کا مصرف نہیں ۴۹
رشتہ دار کو زکوٰۃ دینے میں صلہ رحمی کی رعایت ہے ۵۰
بہن بھائی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے ۵۰
کسی غریب کو ہبہ یا قرض کے نام سے زکوٰۃ دینا ۵۱
جس شخص کی آمدنی میں بچت نہ ہو تو وہ زکوٰۃ کا حقدار ہے ۵۱
صاحب نصاب شخص کے بچوں کو زکوٰۃ دینا ۵۲
مہاجرین کو زکوٰۃ دینے کا حکم ۵۳
کسی غیر مسلم کو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ دینے کا حکم ۵۳
نابالغ کو زکوٰۃ دینے کا حکم ۵۴

عنوانات صفحہ
علمِ دین کا طالب زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے ۵۴
کسی دینی مدرسے کے مالدار استاد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ۵۵
سادات زکوٰۃ کا مصرف نہیں ۵۵
کسی مستحق کو مقدار نصاب زکوٰۃ دینا جائز ہے ۵۶
عصری علوم حاصل کرنے والے طالبعلم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے ۵۶
مالدار طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ۵۷
مدارس عربیہ کو سفراء کے ذریعہ زکوٰۃ دینا ۵۸
میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے ۵۸
قریبی مدرسہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے مدرسہ میں زکوٰۃ دینے کا حکم ۵۸
کسی سیاسی تنظیم یا انجمن کو زکوٰۃ دینے کا حکم ۵۹
زکوٰۃ کی نیت سے کسی غریب کو کھانا کھلانا ۶۰
وکیل کا زکوٰۃ کی رقم کو خود استعمال کرنا ۶۰
وکیل کا اپنے اقرباء کو زکوٰۃ دینا ۶۱
غنی مجاہد کو زکوٰۃ دینا ۶۱
داماد کو زکوٰۃ دینا ۶۲
بہو کو زکوٰۃ دینا ۶۲
امام مسجد کو عشر و زکوٰۃ دینا ۶۳
مالدار امام مسجد کو صدقۂ فطر دینا ۶۳
زکوٰۃ میں دینی کتابیں دینا ۶۴
عیاشی کی وجہ سے مقروض کو زکوٰۃ دینا ۶۴
مقروض پر زکوٰۃ کا حکم ۶۵
زکوٰۃ دیتے وقت ظاہری حالت پر اکتفاء کرنا ۶۵

عنوانات	صفحہ
کاروبار کی جگہ ہی مستحقین میں زکوٰۃ تقسیم ہوگی	۶۶
زکوٰۃ کی رقم سے دینی کتاب چھپوانا	۶۶
مدارس اور خانقاہوں میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا	۶۷
دینی مدارس یا رفاہی اداروں کے مال پر زکوٰۃ	۶۸
کسی سیاسی جماعت کو زکوٰۃ دینا	۶۸
ٹیکس کی ادائیگی سے زکوٰۃ اور عشر کا وجوب متاثر نہیں ہوتا	۶۹
موقوفہ زمین کے مقدمہ پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا	۶۹
زکوٰۃ کی رقم سے مشترکہ مفاد کے لیے سامان خریدنا	۷۰
کیا سُنی العقیدہ شخص کسی شیعہ کو زکوٰۃ دے سکتا ہے	۷۰
قسطوں پر کوئی چیز فروخت کرنا اور اس پر زکوٰۃ کا حکم	۷۱
حیلۂ زکوٰۃ کا حکم	۷۱
زکوٰۃ دینے کے بجائے قرضہ معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی	۷۲
زکوٰۃ کی رقم چوری ہوجائے یا کوئی جبراً چھین لے تو زکوٰۃ کے ادا ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ	۷۳
منی آرڈر کے ذریعہ زکوٰۃ بھیجنا کیسا ہے؟	۷۳
کسی دوسری جگہ رہنے والے رشتہ داروں کو زکوٰۃ بھیجنا	۷۴

عنوانات	صفحہ
زکوٰۃ کی رقم سے تقسیم کنندہ کو مزدوری دینا	۷۵
مدارس کے مہتمم زکوٰۃ کو اپنی صوابدید کے مطابق یا حیلۂ تملیک کے بعد خرچ کریں	۷۶
مدارسِ دینیہ کے مہتممین کو زکوٰۃ دینا	۷۶
مالدار کے لیے زکوٰۃ کا لینا صحیح نہیں	۷۷
کیا اموالِ ظاہرہ سے حکومت زکوٰۃ وصول کرسکتی ہے؟	۷۷
لٹ کرنے والوں کو زکوٰۃ دینا	۷۸
دینی مدارس میں زکوٰۃ کی تصریح ضروری ہے	۷۸
خرد برد کرنے والے کو زکوٰۃ کا وکیل بنانا	۷۹
فقیر عالمِ دین کو زکوٰۃ دینا افضل ہے	۸۰
مقدارِ نصاب زکوٰۃ میں دینا مکروہ ہے	۸۰
گھریلو ملازم کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۸۱
حکومت کی طرف سے مدارسِ دینیہ کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۸۱
سید اور کسی بزرگ کی اولاد میں باعتبار مصرفِ زکوٰۃ فرق ہے	۸۲
عباسی خاندان مصرفِ زکوٰۃ نہیں	۸۲
فقیر دائن کو زکوٰۃ لینا جائز ہے	۸۳
قرضہ کو زکوٰۃ میں مجرا کرنے کا حکم	۸۴
زکوٰۃ کی رقم سے دینی مدرسہ کے لیے قرآن مجید خریدنا	۸۴
سیّد فقیر کے لیے زکوٰۃ کی رقم سے کفن خریدنا	۸۵

عنوانات	صفحہ
زکوٰۃ و عشر آرڈیننس کا فقہی جائزہ اور ترامیم و تجاویز	۸۶
نصابِ زکوٰۃ	۸۹
سال گذرنے کا مسئلہ	۹۱
قرضوں کا مسئلہ	۹۲
اموالِ ظاہرہ و باطنہ	۹۳
زکوٰۃ کی نیت کا مسئلہ	۹۷
بینک اکاؤنٹ کے قرض ہونے کی حیثیت	۹۷
محتاط طریقہ	۹۸
سودی اکاؤنٹس اور زکوٰۃ	۹۸
نابالغ کی زکوٰۃ	۹۹
ترکے کا مال	۱۰۰
کمپنیاں اور شیئرز	۱۰۰
عشر بصورتِ نقد	۱۰۰
چوتھائی پیداوار کا عشر سے استثناء	۱۰۱
تاریخِ زکوٰۃ	۱۰۱
قیمتی پتھروں اور مچھلیوں کی زکوٰۃ	۱۰۲
مصارفِ زکوٰۃ	۱۰۲
خلاصۂ تجاویز برائے حکومت	۱۰۳
اسلامی قوانین کے نفاذ میں شیعہ سُنی تفریق تباہ کن ہے	۱۰۶

عنوانات	صفحہ
قصرِ اسلام میں شگاف کی سعی	۱۱۰
کیا زکوٰۃ ٹیکس ہے؟	۱۱۰
ملتِ حنیفیہ کی حفاظت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی قربانیاں	۱۱۱
ارکانِ خمسہ	۱۱۱
ارکان کا باہمی ربط و تعلق	۱۱۲
کسی ایک رکن سے انکار یا تبدیلی کرنا بھی کفر ہے	۱۱۳
منکرینِ زکوٰۃ اور فراستِ صدیقیؓ	۱۱۵
مانعینِ زکوٰۃ بھی زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھ رہے تھے	۱۱۶
زکوٰۃ کے مقادیر اور مصارف میں قطع برید جائز نہیں	۱۱۷
اسلامی ریاست کے مداتِ آمدنی	۱۱۷
جاہلی نظریات کی جدید تعبیر	۱۱۸
غفلت یا مداہنت کے ہولناک نتائج	۱۱۹
نفاق زدہ لوگوں کی مضحکہ خیز حالت	۱۲۰
ملتِ مسلمہ کا فریضہ	۱۲۱

کتاب الصوم

عنوانات	صفحہ
باب رؤیۃ الہلال	۱۲۵
اخبار رؤیت کیلئے شہادت کی شرائط ضروری نہیں	۱۲۵
دوربین سے ہلال دیکھنے والوں کی گواہی کا حکم	۱۲۵
اختلاف مطالع شرعاً معتبر نہیں	۱۲۶
شرعی ثبوت کے بعد عید منانے پر حکومت کا رکاوٹ ڈالنا بے دینی کے مترادف ہے	۱۲۷
رؤیت اور تکمیل ثلاثین کے علاوہ نفس حساب کا اعتبار نہیں	۱۲۷
تکمیل شعبان کے لیے ایک شخص کی گواہی قبول نہیں	۱۲۸
یوم الشک میں روزہ رکھنے کا حکم	۱۲۸
طلوع آفتاب کے بعد رؤیت ہلال کی اطلاع آنا	۱۲۹
دن کے وقت رؤیت کی خبر ہو تو امساک ضروری ہے	۱۳۰
رؤیت ہلال کمیٹی کے فیصلہ کی شرعی حیثیت	۱۳۱
ریڈیو اور ٹی وی کی خبر پر فرضیت رمضان کا حکم	۱۳۱
عید اور رمضان کے ثبوت کے لیے ٹیلیفون کی خبر کا حکم	۱۳۲
بذریعہ خط عید یا روزے کا حکم	۱۳۳
ٹیلیگرام سے عید و رمضان کا ثبوت	۱۳۳

عنوانات	صفحہ
ہلال کمیٹی کی موجودگی میں عالم دین کے فیصلے کا حکم	۱۳۴
صاف مطلع کے دوران جم غفیر ضروری ہے	۱۳۷
رؤیت ہلال کے بارے میں ایک استفسار کا جواب	۱۳۸
استفسار بالا کے جواب پر اشکال کا جواب	۱۳۸
باب تعریف الصوم واقسامہ	۱۴۲
روزہ کی نیت کا وقت	۱۴۲
روزہ کی فرضیت کے لیے عمر کی حد	۱۴۲
یوم الشک میں نفل کی نیت کے باوجود روزہ فرض شمار ہوگا	۱۴۳
پوری زندگی روزہ رکھنے کی منت ماننا	۱۴۳
شہر میں روزہ افطار کرنے کے بعد ہوائی جہاز کے ذریعے سورج دیکھنے سے روزہ دار کا حکم	۱۴۴
طویل النہار والے ممالک میں روزہ رکھنے کا طریقہ	۱۴۵
عیدین کے دن روزہ رکھنا ممنوع ہے	۱۴۶
مجنون پر روزے کا فدیہ واجب نہیں	۱۴۷
کس چیز سے روزہ افطار کرنا چاہیے ؟	۱۴۷
سحری و افطاری کا مستحب طریقہ	۱۴۷
کیا اذان فجر اتمام سحری کی دلیل ہے ؟	۱۴۸
صرف جمعہ کے دن روزے کا حکم	۱۴۹
ذی الحجہ میں ایام بیض کے روزوں کا حکم	۱۴۹

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
حاجی کے لیے یوم العرفہ کا روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟	۱۵۰	روزہ جلدی افطار کرنا بہتر ہے	۱۵۸
یوم عاشورہ کے روزے کا حکم	۱۵۰	رمضان میں ادویات سے حیض بند کرنے کا حکم	۱۵۸
رمضان المبارک میں مہمان کی خاطر و تواضع کا حکم	۱۵۱	زہریلے حشرات الارض کے کاٹنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا	۱۵۹
عاشورہ کے دن قضاء رمضان کا حکم	۱۵۱	بدنگاہی سے انزال مفسد صوم نہیں	۱۵۹
پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنے کا حکم	۱۵۲	منہ میں دوائی کے ذائقہ کا احساس مفسدِ صوم ہے	۱۶۰
پندرہ شعبان کے روزے کا شرعی حکم	۱۵۲	ملک کی تبدیلی پر روزہ کی تعداد میں پہلے ملک کا اعتبار ہوگا	۱۶۰
مروجہ افطار پارٹیوں میں شرکت کا مسئلہ	۱۵۳	فصل کی کٹائی کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا شرعی عذر نہیں	۱۶۱
مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں روزہ افطار کرنے کا حکم	۱۵۳	قاضی کیلئے مسندِ قضا روزہ نہ رکھنے کا سبب نہیں	۱۶۲
روزہ افطار کرنے کیلئے وقت مقرر کرنے کا حکم	۱۵۴	روزہ کی حالت میں انجکشن لگانا مفطرِ صوم نہیں	۱۶۲
روزے کی نیت عربی یا مادری زبان میں کرنے کا حکم	۱۵۴	روزے کی حالت میں شرمگاہ سے کھیلنا	۱۶۳
جہاز میں سفر کے دوران جہاز کا وقت روزہ افطار کرنے کے لیے معتبر ہوگا	۱۵۴	دانت نکالتے وقت نکلنے والے خون کے روزہ پر اثرات	۱۶۳
شوال کے چھ روزوں کا حکم	۱۵۵	قے کا بلا قصد آنا مفسدِ صوم نہیں	۱۶۴
باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد	۱۵۶	پانی میں غوطہ لگانا مفسد صوم نہیں	۱۶۵
مذی اور ودی کے نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا	۱۵۷	روزہ کی حالت میں احتلام ہوجانے کا حکم	۱۶۵
خاوند کی سخت طبیعت کی وجہ سے کھانے پینے چیزوں کا چکھنا	۱۵۶	روزہ میں بیوی سے بوس و کنار کا حکم	۱۶۵
حاملہ کو اگر خون آجائے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوتا	۱۵۷	روزہ کی حالت میں بھول کر کھانے پینے کا حکم	۱۶۶

عنوانات	صفحہ
حوض میں غسل کرتے وقت خروجِ ریح مفسدِ صوم نہیں	۱۶۶
نسوار کا استعمال مفسدِ صوم ہے	۱۶۷
بندوق کی گولی مفسدِ صوم ہے	۱۶۷
رحم میں دوائی رکھنا مفسدِ صوم ہے	۱۶۸
روزہ دار کے لیے ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنا	۱۶۸
بدنظری سے روزہ نہیں ٹوٹتا	۱۶۸
دانتوں سے خون آنا مفسدِ صوم نہیں	۱۶۹
انہیلر کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے	۱۷۰
حالتِ صوم میں آنکھوں میں دوائی ڈالنا	۱۷۰
روزہ کی حالت میں بار بار غسل کرنے یا سر دھونے کا حکم	۱۷۱
روزہ کی حالت میں بیوی سے بغل گیر ہونا	۱۷۱
باب القضاء والکفّارۃ	۱۷۲
سفر پر روانگی سے پہلے افطار کرنے والے کا حکم	۱۷۲
قصداً روزہ نہ رکھنے کا حکم	۱۷۲
رمضان میں دن کے وقت بیوی سے جماع موجبِ کفّارہ وقضاء ہے	۱۷۳
کفّارہ سے بچنے کا حیلہ	۱۷۴
روزہ کی حالت میں منجن کے استعمال کا حکم	۱۷۴

عنوانات	صفحہ
ناس کا روزہ اثر انداز ہونے کا حکم	۱۷۵
دھوئیں اور گرد وغبار کے روزے پر اثرات	۱۷۵
روزہ رکھنے کی طاقت کے باوجود فدیہ دینا بے سود ہے	۱۷۶
جبراً روزہ افطار کرانے پر قضاء لازم ہے	۱۷۶
غروبِ آفتاب سے قبل افطار موجبِ قضاء ہے	۱۷۷
بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے والے کا حکم	۱۷۷
میّت کے ذمہ روزوں کا حکم	۱۷۸
روزہ کی حالت میں دانت میں نسوار ڈالنا	۱۷۹
شرمگاہ میں انگلی داخل کرنے سے روزہ کا حکم	۱۷۹
عورت کے لیے کفّارہ کا طریقہ	۱۸۰
کفّارہ میں تداخل ممکن ہے	۱۸۰
روزہ کی حالت میں جماع مع حائل کا حکم	۱۸۱
اغلام بازی موجبِ کفّارہ وقضاء ہے	۱۸۱
روزہ کی حالت میں زنا کرنے پر قضاء اور کفّارہ کا وجوب	۱۸۲
جانور سے وطی کرنے پر روزہ کا حکم	۱۸۲
جماع کے بغیر انزال سے صرف قضاء واجب ہے	۱۸۲
غیر رمضان میں روزہ افطار کرنے سے صرف قضاء لازم ہے	۱۸۳
سفر میں روزہ نہ رکھنے پر صرف قضاء واجب ہے	۱۸۳

عنوانات	صفحہ
استمناء بالید سے انزال میں قضاء واجب ہے	۱۸۴
غلط فہمی سے کھانا پینا موجب کفارہ نہیں	۱۸۴
سگریٹ نوشی مفطر صوم ہے	۱۸۵
بے خبری میں طلوع فجر کے بعد کھانا کھانے کا حکم	۱۸۶
فدیہ دینے سے عاجز شخص کو کیا کرنا چاہیئے؟	۱۸۶
مسافر یا مریض کو روزہ کی قضاء کا موقع نہ ملے تو کچھ مواخذہ نہیں	۱۸۷
غیر رمضان کا روزہ قصداً توڑنے پر صرف قضاء واجب ہے کفارہ نہیں	۱۸۷
سگریٹ یا حقہ پینے سے جب روزہ ٹوٹ جائے تو صرف قضاء کرے یا کفارہ بھی؟	۱۸۸
سفر کے ارادہ سے گھر سے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد گھر واپس آ کر روزہ افطار کرنے پر قضاء و کفّارہ کا حکم	۱۸۸
نومسلم خوف کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو اس پر قضاً وکفارہ دونوں واجب ہیں	۱۸۹
قصداً روزہ توڑنے کے بعد مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کے قابل نہ رہے تو صرف قضاء لازم ہے	۱۸۹
باب الاعذار المبیحة للافطار	۱۹۰
ناقابلِ برداشت تکلیف کے وقت روزہ توڑنا	۱۹۰

عنوانات	صفحہ
حائضہ کے لیے امساک ضروری نہیں	۱۹۰
مسافر کے لیے افطار میں عزیمت پر عمل کرنا بہتر ہے	۱۹۱
شدید بیمار کیلئے روزہ افطار کرنا جائز ہے	۱۹۱
کیا بیماری کی وجہ سے روزہ افطار کرنے پر کفارہ لازم ہے یا قضاء؟	۱۹۲
شدتِ پیاس کی وجہ سے روزہ توڑنے کا حکم	۱۹۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سفر میں افطار کیا تھا	۱۹۲
کیا سفر میں روزہ افطار کرنا قصر نماز کی طرح لازم ہے؟	۱۹۳
مہمان کے مجبور کرنے پر روزہ افطار کرنا	۱۹۴
آدمی جس علاقے یا ملک میں ہو وہاں چاند کے اعتبار سے روزہ رکھے	۱۹۴
شوگر کے مریض کے لیے روزے کا حکم	۱۹۵
ظنِ غالب کی بنا پر مرض بڑھ جانے کے خوف سے روزہ نہ رکھنا	۱۹۵
باب الاعتکاف	۱۹۶
روزہ کے فاسد ہونے سے اعتکاف کا حکم	۱۹۶
اعتکاف فاسد ہونے پر اس کی قضاء نہیں	۱۹۶
اعتکاف کا اہتمام نہ کرنے کے اثرات	۱۹۷
معتکف کا کسی دوسری مسجد میں قرآن کریم سننے یا سنانے کے لیے نکلنا	۱۹۷

عنوانات	صفحہ
اعتکاف کے دوران بے فائدہ باتوں سے اجتناب کا حکم	۱۹۸
معتکف کی موت پر اعتکاف کی تکمیل کا حکم	۱۹۸
کیا معتکف کے لیے جنازہ پڑھنا درست ہے	۱۹۹
معتکف کا نماز باجماعت کیلئے مسجد سے نکلنا	۲۰۰
معتکف کا غسل جمعہ کے لیے مسجد سے باہر نکلنا	۲۰۰
معتکف جمعہ پڑھنے کے لیے کتنی دُور تک جا سکتا ہے ؟	۲۰۱
اعتکاف کی حالت میں تعلیم کے لیے نکلنا	۲۰۱
بوقتِ ضرورت اعتکاف سے نکلنا	۲۰۲
اخراج ریح کیلئے معتکف کا مسجد سے نکلنا	۲۰۳
بھول کر اعتکاف سے نکلنے کا حکم	۲۰۳
حُقّہ پینے کے لیے مسجد سے نکلنا مرخص نہیں	۲۰۴
معتکف کا بیرونِ مسجد باتیں کرنا	۲۰۴
حالتِ اعتکاف میں بیوی کا بوسہ لینا	۲۰۵
حالتِ اعتکاف میں بیوی سے باتیں کرنا	۲۰۵
کیا محلے کی ہر مسجد میں اعتکاف ضروری ہے	۲۰۶
معتکف کا اذان دینے کے لیے خارج از مسجد اذان خانہ کو جانا	۲۰۶
عورتوں کے لیے اعتکاف کا حکم	۲۰۷
حالتِ اعتکاف میں اخبار پڑھنا	۲۰۷
بحالتِ اعتکاف جگہ تبدیل کرنا	۲۰۸
معتکف دھوپ کے لیے مسجد کے صحن میں بیٹھ سکتا ہے	۲۰۹
حالتِ اعتکاف میں گھر سے کھانا لانا	۲۰۹

کتاب الحج

عنوانات	صفحہ
باب شرائط الحج وارکانہ	۲۱۳
حج کی فرضیت کا وقت	۲۱۳
ضرورت سے زائد زمین ہو تو حج فرض ہے	۲۱۳
زمین کی آمدنی پر حج کی فرضیت	۲۱۴
صرف تصرّف کا اختیار حج کی فرضیت کیلئے کافی نہیں	۲۱۴
مشترکہ مال سے حج کی فرضیت کا حکم	۲۱۵
حکومت کے خرچ پر حج کرنے سے حج کا فریضہ ساقط ہو جاتا ہے	۲۱۵
حرام مال سے حج کرنے کا حیلہ	۲۱۶
چوری کا مال مخلوط ہو جانے پر حج کا حکم	۲۱۶
حج فرض ہونے کے بعد تنگدستی سے حج ساقط نہیں ہوتا	۲۱۷
مکانات حوائج اصلیہ سے زائد ہوں تو حج فرض ہے	۲۱۸
بیٹی کی شادی کرنا مانع حج نہیں	۲۱۸
صاحبِ استطاعت کیلئے مکان کا نہ ہونا مانع حج نہیں	۲۱۹
اولاد کا غیر شادی شدہ ہونا وجوبِ حج سے مانع نہیں	۲۱۹

عنوانات	صفحہ
سعودی عرب میں رہ کر بھی حج نہیں کیا تو اب حج فرض ہے یا نہیں؟	۲۲۰
عورت پر حج فرض ہو تو خاوند کی اجازت ضروری نہیں	۲۲۰
عورت کا کراچی سے جدہ تک بغیر محرم کے سفر کرنا اور حج محرم کے ساتھ ادا کرنے کا حکم	۲۲۱
عورت کے لیے اس کا بہنوئی محرم نہیں	۲۲۱
عورت کے لیے خاوند کے بھائی یا بھتیجے کے ساتھ حج کرنے کا حکم	۲۲۲
عورت غیر محرم ہمسایہ کے ساتھ حج کے لیے نہیں جا سکتی	۲۲۲
عورت کا دیور یا شوہر کے چچا کے ساتھ حج کے لیے جانا	۲۲۳
رہن کے پیسوں سے حج کرنا	۲۲۳
صرف نیت کر لینے سے حج فرض نہیں ہو جاتا	۲۲۴
خاوند کی اجازت کے بغیر حج کرنا	۲۲۴
والدہ کی اجازت کے بغیر نفل حج کرنا	۲۲۴
نفلی حج کے لیے خاوند کی اجازت ضروری ہے	۲۲۵
نفلی حج افضل ہے یا صدقہ؟	۲۲۶
حائضہ عورت طواف زیارت چھوڑ دے تو	۲۲۶
زمین حل میں رہنے والے کیلئے طواف قدوم	۲۲۷
میقات کے اندر رہنے والوں کے لیے طواف وداع کا حکم	۲۲۷
فجر اور عصر کی نماز کے بعد احرام کی نماز کا حکم	۲۲۷
مکروہ اوقات میں احرام کی دو رکعت پڑھنے کا حکم	۲۲۸
احرام باندھنے سے قبل غسل کرنے کا حکم	۲۲۸
احرام کی چادروں کے رنگ کا مسئلہ	۲۲۹
تبلیغ پر حج مقدم ہے	۲۲۹
بلوغت کے بعد دوبارہ حج کی فرضیت	۲۳۰
فقر کی حالت میں حج کرنے کے بعد غنی ہونے کی صورت میں دوبارہ حج کرنا فرض نہیں	۲۳۰
حج میں تجارت کی وجہ سے ثواب کم نہیں ہوتا	۲۳۱
دس ذی الحجہ کے بعد آئندہ رات کا حکم	۲۳۱
حائضہ عورت کے لیے حج کرنے کا طریقہ	۲۳۲
حائضہ عورت پر طواف صدر لازمی نہیں	۲۳۲
حج میں گرمی کی وجہ سے صرف تہبند پر اکتفاء کرنا	۲۳۳
عورت کی طرف سے مرد کا رمی جمار کرنا	۲۳۳
رمی جمرات کے لیے حاجی کنکریاں کہاں سے لے؟	۲۳۳
عرفات میں نماز مغرب پڑھنے کا حکم	۲۳۴
عرفات میں جمع تاخیر کی صورت میں ظہر اور عصر ایک ساتھ پڑھنے کا حکم	۲۳۴
مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز جمع تاخیر میں پڑھنا	۲۳۵
میلے احرام کو تبدیل کرنے کا حکم	۲۳۵
تلبیہ جہراً پڑھے یا سراً؟ کیا مرد اور عورت دونوں اس میں یکساں ہیں؟	۲۳۵

عنوانات	صفحہ
احرام باندھنے سے قبل ناخن وغیرہ کاٹنا	۲۳۶
قصر کی مقدار کا مسئلہ	۲۳۷
حج اور نکاح کی تقدیم وتاخیر کا مسئلہ	۲۳۷
حج کے متعلق چند سوالات	۲۳۸
باب التمتع والقران	۲۴۳
حج تمتع میں قربانی نہ کرنے کا حکم	۲۴۳
متمتع اور قارن کا قربانی سے پہلے حلق کرنا	۲۴۳
حج قران وتمتع کی تعریف	۲۴۴
متمتع کے لیے عمرہ کرنے کے بعد حج کا احرام باندھنے کا حکم	۲۴۴
حج تمتع کرنے والے کے لیے عمرہ [illegible] احرام کھولنے کا حکم	۲۴۵
میقات میں رہنے والے کے لیے حج تمتع اور قران	۲۴۵
حج تمتع کی نیت کرنے کے بعد حج قران کی نیت کرنا	۲۴۶
حج تمتع افضل ہے یا قران	۲۴۶
باب الحج عن الغیر	۲۴۷
نفلی حج میں حج بدل کی نیت کرنا ضروری نہیں	۲۴۷
فوت شدہ آدمی کے لیے نفل حج کا ثواب	۲۴۷
نفلی حج کے لیے والدین سے اجازت لینے کا حکم	۲۴۸
نفلی حج کے لیے پاکستان آنا ضروری نہیں	۲۴۸
غریب آدمی سے حج بدل کرانا	۲۴۹
حج بدل میں آمر کی اطاعت کا حکم	۲۵۰
حج بدل میں عمرہ کی نیت کا حکم	۲۵۰
ذیابیطس کے مریض کے لیے حج بدل کا حکم	۲۵۱
حج بدل میں خرچہ محجوج عنہ کی طرف سے ہوگا	۲۵۱
میقات کے بجائے حرم سے حج بدل کا احرام باندھنا	۲۵۱
حج بدل میں خرچہ آمر کی طرف سے ضروری ہے	۲۵۲
حج بدل میں اپنے لیے حج کرنا اور کسی دوسرے کو حج بدل کیلئے مقرر کرنا	۲۵۲
سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے حج بدل ادا کرنا صحیح نہیں	۲۵۳
حج بدل کی شرائط	۲۵۴
وصیت کے بغیر حج بدل کا حکم	۲۵۴
عورت کا مرد کی طرف سے حج بدل کرنا	۲۵۵
غیر وصی کا حج بدل ادا کرنا	۲۵۵
ایک سال کے بعد حج بدل ادا کرنا	۲۵۶
صاحب عذر کا عذر ختم ہو جانے کے بعد حج بدل کا حکم	۲۵۶
حج بدل کے بعد منذور عمرہ ادا کرنا	۲۵۷
والدین کی طرف سے حج کرنے میں زیادہ ثواب ہے	۲۵۸

عنوانات	صفحہ
دمِ تمتع و دمِ قران آمر پر ہے یا مامور پر؟	۲۵۸
محرم نہ ملنے کی صورت میں عورت حج بدل بھی نہیں کرا سکتی	۲۵۹
حج بدل ادا کرنے کے مامور وطن واپس نہ آئے تو حج کا حکم	۲۵۹
حج افراد پر مامور شخص اپنے لیے عمرہ کر سکتا ہے	۲۶۰
حج کے منافی عمل سے فسادِ حج کی صورت میں حج کا خرچہ کس پر ہوگا	۲۶۰
کیا حج افراد پر مامور شخص تمتع یا قران کر سکتا ہے یا نہیں	۲۶۱
مامور کا مدینہ منورہ جانے کیلئے آمر کی رقم سے خرچ کرنا	۲۶۱
حج بدل میں نیت آمر کی طرف سے ہوگی	۲۶۲

باب الجنايات

عنوانات	صفحہ
رمی چھوڑنے کی وجہ سے دم واجب ہونے کا حکم	۲۶۳
جمرۃ العقبہ کی رمی بلا عذر شرعی چھوڑنے کا حکم	۲۶۳
۱۱ ذی الحجہ کی رمی چھوڑنے کا حکم	۲۶۴
ترکِ سنت کی وجہ سے دم لازم نہیں	۲۶۴
مفرد پر دم شکریہ لازم نہیں	۲۶۴
احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہننے کا حکم	۲۶۵
حالتِ احرام میں سر ڈھانپنے کا حکم	۲۶۵
حالتِ احرام میں چہرے کو ڈھانکنے کا حکم	۲۶۶
حالتِ احرام میں عطاری کی دوکان میں بیٹھنا	۲۶۶
ذبح اور حلق میں ترتیب	۲۶۷
ترکِ سعی کا دم ایام النحر کے ساتھ مخصوص نہیں	۲۶۷
طواف صدر چھوڑنے پر دم واجب ہے	۲۶۸
عورت کے لیے وقوفِ مزدلفہ کا دم	۲۶۸
دمِ جنایت زمینِ حرم سے خاص ہے	۲۶۹
بلا احرام میقات سے تجاوز کرنے اور پھر عود کرنا	۲۶۹
آفاقی شخص کا زیارتِ نبوی کے لیے بغیر احرام جانا	۲۶۹
جدہ جانے والے کے لیے میقات سے بلا احرام تجاوز کرنا	۲۷۰
میقات میں تلبیہ بھول جانے پر دم کا وجوب	۲۷۱
طوافِ زیارت سے پہلے بیوی سے جماع حرام ہے	۲۷۱
عینک کے ساتھ حج کرنا درست ہے	۲۷۲
احرام کی حالت میں خوشبودار پان کھانے کا حکم	۲۷۲
دورانِ حج خرید و فروخت کرنا جائز ہے	۲۷۳
حدودِ حرم سے باہر حلق یا قصر کرکے احرام سے نکلنا	۲۷۳
باب الهدى	۲۷۴
قارن یا متمتع کا اپنی قربانی سے گوشت کھانا	۲۷۴

عنوانات	صفحہ
دم جنایت سے خود کھانا جائز نہیں	۲۷۴
حرم کی حدود میں تحلیل کے لیے یوم النحر سے قبل ذبح کرنا	۲۷۵
حج سے واپسی کے بعد دم اپنے وطن میں ادا کرنا	۲۷۵
دم جنایت کیلئے وقت یا دن کا مشروط ہونا	۲۷۶
منیٰ میں قربانی پر عدم قدرت کی صورت میں کیا کرنا چاہیئے	۲۷۶
بینک کے ذریعے قربانی کرنا جائز ہے	۲۷۷
باب العمرۃ	۲۷۸
عمرہ کے بعد سر منڈانے کا حکم	۲۷۸
متعدد عمرے کرنے کی صورت میں حلق کیسے کیا جائے	۲۷۸
عمرہ اور مزدوری	۲۷۹
بسلسلہ مزدوری جدہ جانے والے پر عمرہ واجب نہیں	۲۷۹
حج کی بجائے عمرہ ادا کرنا	۲۷۹
دن میں متعدد عمرے کرنے کا حکم	۲۸۰
شوال اور ذیقعدہ میں عمرہ ادا کرنے کا حکم	۲۸۰
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں کوئی عمرہ نہیں کیا	۲۸۱
زندہ آدمی کے لیے طواف اور عمرہ کرنا	۲۸۱
حج بدل کے بعد کسی کے ایصال ثواب کیلئے عمرہ کرنے کا حکم	۸۲

عنوانات	صفحہ
بیوی کی طرف سے عمرہ کرنا	۲۸۲
عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد تلبیہ کتنی مرتبہ پڑھنا ضروری ہے	۲۸۳
عمرہ فرض ہے یا واجب یا سنت؟	۲۸۳
کن ایام میں عمرہ کرنا منع ہے	۲۸۴
عمرہ کے کتنے ارکان ہیں؟	۲۸۴
ایام تشریق میں عمرہ کرنے کا حکم	۲۸۵
ارکان عمرہ میں تقدیم و تاخیر کا حکم	۲۸۵
باب فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۲۸۶
حج یا عمرہ میں روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے جانا لازمی ہے	۲۸۶
زیارتِ روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کیا کرنا چاہیئے!	۲۸۶
زیارت روضۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسجد نبوی میں داخلے کے وقت دو رکعت پڑھنا	۲۸۷
حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے وقت کیا کرنا چاہیئے؟	۲۸۸
قانوناً حجاز میں مدت قیام کم ہونے کی وجہ سے حاجی مدینہ طیبہ جا سکے تو کیا اس کا حج متاثر ہوگا یا نہیں؟	۲۸۸
سطوانۂ ابولبابہ کے پاس دو رکعت پڑھنے کا حکم	۲۸۹
روضۂ اطہر کی زیارت اور صلوٰۃ وسلام کا طریقہ	۲۹۰

عنوانات صفحہ

کتاب النکاح

باب آداب النکاح وشرائط ۲۹۳
خطبہ نکاح سے پہلے پڑھنا چاہیئے ۲۹۳
لفظ نکاح کے بجائے بیع کا لفظ کہنے سے نکاح کا حکم ۲۹۳
نکاح کے لیے عورت کی زبان پر اعتماد کرنا ۲۹۴
رشتہ منظور ہے، سے نکاح کے انعقاد کا حکم ۲۹۴
بغیر گواہوں کے صرف ایجاب وقبول سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ۲۹۵
اثبات نکاح کیلئے شہادت بالتسامع کافی ہے ۲۹۵
نکاح کی اجازت لیتے وقت گواہ بنانا مستحب ہے ۲۹۶
بذریعہ دف نکاح کا اعلان کرنا ۲۹۶
جوان بیٹیوں کو گھر میں رکھ کر بلا عذر شرعی ان کا نکاح نہ کرنا ۲۹۶
رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح پڑھا لینا جائز ہے ۲۹۷
منگنی ہو جانے کے بعد لڑکی کا کسی دوسری جگہ نکاح کرانا ۲۹۸
صرف وعدۂ نکاح سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ۲۹۸
بالغہ عورت سے زبردستی کیے گئے نکاح کا حکم ۲۹۹
بالغہ عورت کو نکاح کے لیے ورنہیں کیا جا سکتا ۲۹۹

عنوانات صفحہ
بالغہ کی اجازت سے والد کا کرایا ہوا نکاح ناقابل فسخ ہے ۳۰۰
نکاح کا شرعی حکم ۳۰۱
نکاح نفلی عبادت سے بہتر ہے ۳۰۱
اسلام میں بیک وقت تعدد ازواج کا حکم ۳۰۱
دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی کی اجازت کا مسئلہ ۳۰۲
خطبۂ نکاح کے دوران باتیں کرنا گناہ ہے ۳۰۲
کورٹ میرج کا حکم ۳۰۳
بالغ اولاد کا نکاح کرنا والدین کی ذمہ داری ہے ۳۰۳
بیوہ کے نکاح ثانی کا حکم ۳۰۴
لڑکیوں کے نکاح میں بلا وجہ تاخیر کرنا گناہ ہے ۳۰۵
کیا لڑکی کو از خود نکاح کا حق حاصل ہے؟ ۳۰۵
مجلس نکاح میں لڑکی کا نام لینا ۳۰۶
نکاح میں ایجاب وقبول کا تین بار دہرانا ضروری نہیں ۳۰۶
ثیبہ عورت سے نکاح ثانی کیلئے اجازت بالقول کا حکم ۳۰۷
زفاف کے وقت دعا پڑھنے کا حکم ۳۰۷
نکاح کے وقت بھول کر کسی دوسری عورت کا نام لینا ۳۰۸
بیوی کو خاوند کے پاس جانے سے روکنا ۳۰۹
رخصتی میں تاخیر کا حکم ۳۰۹

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
بیوی کو وطن سفر میں ساتھ لے جانے کا مسئلہ	۳۱۰		
مفقود الخبر کی موت کی خبر کا مسئلہ	۳۱۰	باب ما یجوز بہا النکاح وما لا یجوز	۳۲۸
نکاح میں نان ونفقہ نہ دینے کی شرط لگانا	۳۱۱		
ٹیلیفون پر نکاح کا حکم	۳۱۱	خنثیٰ مشکل سے نکاح کا حکم	۳۲۸
بالغ اولاد کی شادی کرنا والدین کا فرض ہے	۳۱۲	بانجھ عورت سے نکاح کرنا	۳۲۸
قوت گویائی سے محروم شخص کے نکاح کا حکم	۳۱۳	پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کرنا شرعاً جرم نہیں	۳۲۹
وکیل کے ذریعے تحریری ایجاب نکاح کا حکم	۳۱۳		
نکاح کے لیے قاضی کا لانا ضروری نہیں	۳۱۴	زانی اور مزنیہ کے درمیان نکاح	۳۲۹
نکاح نامہ پر کرنے کی شرعی حیثیت	۳۱۴	حاملہ عورت سے نکاح کا حکم	۳۳۰
ایجاب نامے پر دستخط کر دینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا	۳۱۵	سوتیلی ماں کی بیٹی سے نکاح کا مسئلہ	۳۳۰
		مخطوبۃ الاب سے نکاح جائز ہے	۳۳۱
ایجاب وقبول میں مطابقت ضروری ہے	۳۱۵	بیوہ عورت سے نکاح کرنا جائز ہے	۳۳۱
نکاح میں نابینا شخص کی گواہی	۳۱۶	سوتیلی ساس سے نکاح کرنا	۳۳۲
مجلس نکاح میں گواہوں کی موجودگی ضروری ہے	۳۱۶	سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح کرنا	۳۳۲
زانی اور مزنیہ کا نکاح پڑھانے والے پر کوئی عتاب نہیں	۳۱۶	بیوی کی وفات کے چند دن بعد اس کی بہن سے نکاح کرنا	۳۳۳
نکاح میں صرف آمین کہہ کر قبول کرنا درست ہے	۳۱۷	عدتِ وفات میں کیے گئے نکاح کا حکم	۳۳۳
نکاح پر اظہار مسرت کے بعد ناراضگی کا حکم	۳۱۸	سوتیلی ماں غیر مدخولہ سے نکاح حرام ہے	۳۳۴
حلفاً نکاح کا وعدہ کرنے کی شرعی حیثیت	۳۲۰	ساس اور بہو دونوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا	۳۳۴
خطبہ پر خطبہ کا حکم	۳۲۰		
بوقتِ نکاح چھوہارے پھینکنا سنت ہے	۳۲۱	نانی اور نواسی کو ایک نکاح میں جمع کرنا	۳۳۵
اغوا سے نکاح متاثر نہیں ہوتا	۳۲۱	پھوپھی اور بھتیجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا	۳۳۵
سول میرج کا شرعی حکم	۳۲۲	دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کا حکم	۳۳۵
حضرت آدم علیہ السلام کے نکاح کے گواہوں کی تحقیق	۳۲۷		

عنوانات — صفحہ

والدہ کو بیوی سمجھ کر ہاتھ لگانے کے اثرات ۳۳۶
ساس کے ساتھ نکاح کرنا ۳۳۶
سوتیلی ماں کی بیٹیوں سے نکاح کرنا ۳۳۷
فیملی کورٹ سے تنسیخ نکاح کے بعد نکاح ثانی کا حکم ۳۳۸
طلاقِ مغلظہ میں بغیر حلالہ کے تجدید نکاح کرنے کا حکم ۳۳۸
مطلقہ عورت کا وضع حمل سے قبل نکاح ثانی کرنا ۳۳۹
متعہ کی شرعی حیثیت ۳۳۹
نکاح مؤقت کی تعریف ۳۴۰
عیسائی اور یہودی عورت سے نکاح کرنا ۳۴۰
مسلمان عورت کا غیر مسلم مرد سے نکاح ۳۴۱
قادیانی عورت سے نکاح جائز نہیں ۳۴۱
خاوند کے مرتد ہو جانے سے نکاح کا حکم ۳۴۲
لاعلمی میں قادیانی سے نکاح کا حکم ۳۴۲
شیعہ عورت سے سُنّی مرد کے نکاح کا حکم ۳۴۳
لاعلمی میں رضاعی بہن سے نکاح کا حکم ۳۴۴
غیر مسلم عورت کو جبراً مسلمان کر کے اس سے نکاح کرنا ۳۴۴
کسی عورت کا جن مرد سے نکاح کرنا ۳۴۴
بھائی کی بیوی سے ناجائز تعلقات کے نکاح پر اثرات ۳۴۵
جنسی کمزوری کی صورت میں نکاح کرنے کا حکم ۳۴۶

عنوانات — صفحہ

کسی اسلامی ملک میں مسلمان ہونے والی شادی شدہ عورت سے نکاح کرنے کا طریقہ ۳۴۶
ماموں کی بیوہ سے نکاح کا حکم ۳۴۷
بھانجی کی بیٹی سے نکاح کا حکم ۳۴۸
بہنوئی کی دوسری بیوی کی لڑکی سے نکاح کا حکم ۳۴۸
ایک جگہ منگنی کر دینے کے بعد لڑکی کا نکاح کسی دوسری جگہ کرنا ۳۴۹
کسی لڑکی اور اس کی سوتیلی ماں کا ایک مرد کے نکاح میں آنا ۳۴۹
نشے میں کیا گیا نکاح منعقد ہو جاتا ہے ۳۵۰
چھوٹی بچی اور بچے کے نکاح کا حکم ۳۵۰
ربیبہ کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کرنے کا حکم ۳۵۱
عدت کے دوران سالی سے نکاح کرنا صحیح نہیں ۳۵۱
منکوحہ کی بیٹی سے نکاح کرنا ۳۵۲
باپ کی سوتیلی بیٹی سے نکاح جائز ہے ۳۵۳
بیٹے کی مزنیہ سے نکاح کا حکم ۳۵۳
بیٹے کی ساس سے نکاح کرنا ۳۵۴
نومسلمہ عورت سے عدت ختم ہونے سے قبل نکاح کرنا ۳۵۴

عنوانات	صفحہ
باب المہر	۳۵۵
رخصتی سے قبل طلاق دے کر لڑکی والوں کو کچھ رقم دینا	۳۵۵
مہر کی کم از کم مقدار	۳۵۶
مہر فاطمی کی مقدار	۳۵۶
حلالہ کے بعد نکاح میں مہر مقرر کرنا لازمی ہے	۳۵۶
متعدد ازواج کی صورت میں مہر میں مساوات کا مسئلہ	۳۵۷
حق مہر میں نقدی کے بجائے زمین وغیرہ دینا	۳۵۸
انعقاد نکاح کے بعد حق مہر میں زیادتی کرنا	۳۵۸
اپنی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا	۳۵۹
عورت مہر کا مطالبہ کس سے کرے گی۔	۳۵۹
عورت کے ورثا شوہر سے مہر کا مطالبہ کر سکتے ہیں	۳۶۰
مہر عورت کے ورثا کو دیا جا سکتا ہے	۳۶۰
نابالغ لڑکے کی شادی کے مہر کا حکم	۳۶۱
بذریعہ جرگہ طلاق لینے کی صورت میں مہر کا مطالبہ کرنا	۳۶۱
جبراً مہر معاف کرانا	۳۶۲
مقدار مہر میں اختلاف کا پیدا ہونا	۳۶۲
عدالت کے ذریعے مہر کم کروانا	۳۶۲
تاجیل وتعجیل مہر میں عرف کا اعتبار ہے	۳۶۳
رخصتی سے قبل شوہر کی وفات پر عورت پورے مہر کی حقدار ہے	۳۶۳
بیٹی کے حق مہر کی رقم سے جہیز کا سامان خریدنا	۳۶۴
جہیز کی شرعی حیثیت	۳۶۴
جہیز کے سامان کی ملکیت کا حکم	۳۶۵
مہر معاف کرنے کے بعد دوبارہ مطالبہ کرنا	۳۶۶
مہر معاف کرنے پر اولیاء کا اعتراض کرنا	۳۶۶
خلوت صحیحہ کے بعد نامرد شوہر کامل مہر دے گا	۳۶۶
تجھے خلع دیا ہے سے سقوط مہر کا حکم	۳۶۷
لڑکے والوں سے شادی کا خرچہ لینا	۳۶۸
حق مہر کی قسمیں	۳۶۸
حق مہر خاوند کے ذمہ واجب ہے	۳۶۹
حق مہر کے بغیر نکاح کا حکم	۳۶۹
مقررشدہ حق مہر میں اضافہ کرنا جائز ہے	۳۷۰
خاوند سے حق مہر کے علاوہ لیے گئے مال کا حکم	۳۷۰
حصول مہر کے لیے عورت اپنے آپ کو خاوند سے روک سکتی ہے	۳۷۱
حق مہر قسط وار ادا کرنا جائز ہے	۳۷۱
تقلیل مہر مندوب ہے	۳۷۲
تحدید مہر جائز نہیں	۳۷۳
جہیز کس کا حق ہے	۳۷۳
مطلقہ مہر کی حقدار ہے	۳۷۳
خاوند کے مرنے کے بعد بھی بیوہ مہر کی حقدار ہے	۳۷۳
طلاق قبل الدخول میں مہر کی مقدار	۳۷۴

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
مہر دینے کے لئے باپ کا بیٹے کی طرف ضامن ہونا	۳۷۴	نکاح میں عاقد کا خود وکیل بننا	۳۸۲
باب الاولیاء و الاکفاء		خیار بلوغ میں عدالت سے نکاح فسخ کرائے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا	۳۸۲
قریشی سادات کے کفو ہیں	۳۷۵	وکیل نکاح کے شرائط	۳۸۳
غیر عالم کا عالم دین کی لڑکی سے نکاح کرنا	۳۷۵	ولایت میں قریب و بعید کے ورثاء کا اعتبار	۳۸۴
فاسق لڑکے کو صالح سمجھ کر رشتہ دینا	۳۷۶	مساوی ورثاء میں سے کسی ایک کا نابالغ لڑکی کا نکاح کرادینے کا حکم	۳۸۴
غیر سید کا سیدزادی سے نکاح کا حکم	۳۷۶	عدالت کے ذریعے نکاح فسخ کرانے سے حق مہر کا حکم	۳۸۵
مجنون اور دیوانہ عاقلہ عورت کا کفو نہیں	۳۷۷	عدالت سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کیے بغیر عورت کا دوسری جگہ نکاح کردینے کا حکم	۳۸۵
نکاح میں ولایت کی ترتیب	۳۷۷	کفاءت ایک جانب سے ہونی ضروری ہے	۳۸۶
قریب کے ولی کی موجودگی میں بعید کا ولی نکاح کرے تو اس کا حکم	۳۷۸	کفو کی شرائط	۳۸۶
باپ دادا کے علاوہ کسی ولی کا نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں کردینے کا حکم	۳۷۸	تفریق قاضی طلاق ہے یا فسخ؟	۳۸۷
کسی ایک ولی کا اپنا حق ولایت استعمال کرنے سے دوسروں کے حق کا حکم	۳۷۹	کسی لڑکی کا غیر کفو میں اپنی مرضی سے نکاح کرنا	۳۸۸
نابالغہ کا نکاح دادی کے کردینے سے لڑکی کو خیار بلوغ کا حق ہے	۳۷۹	کفوءۃ میں وقت کا اعتبار ہے	۳۸۸
کفائت میں مالداری کے اعتبار کا حکم	۳۸۰	گونگے شخص کا اشارے سے نکاح کرانا	۳۸۹
شریعت میں بلوغ کی حد	۳۸۰	بالغہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کرنا	۳۹۰
وکیل کے ذریعہ نکاح کا حکم	۳۸۱	بیوی کو کتنے دنوں کے بعد والدین کے گھر جانے کی اجازت ہے	۳۹۰
نکاح میں نابالغ کی وکالت کا حکم	۳۸۱	سورہ کی رسم کا شرعی حکم	۳۹۱
نکاح میں کسی اجنبی کی توکیل کے لئے تصریح ضروری ہے	۳۸۱	بیٹی کا غیر کفو میں نکاح کروانا	۳۹۲
		غیر کفو میں نکاح پر اولیاء کا اعتراض	۳۹۲

عنوانات	صفحہ
فاسق وفاجر لڑکا دیندار خاندان کی لڑکی کا کفو نہیں	۳۹۳
ولایت میں ماں دادی سے مقدم ہے	۳۹۳
ولی کی اجازت کے بغیر بالغ مرد اور عورت کا نکاح	۳۹۴
بالغہ کا اپنے کفو میں نکاح کرنا صحیح ہے	۳۹۴

باب الرضاع

عنوانات	صفحہ
رضاعی بھائی کی ماں سے نکاح کا مسئلہ	۳۹۵
رضاعی بھتیجی سے نکاح حرام ہے	۳۹۵
منکوحہ کا دودھ پینے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا	۳۹۶
رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح کا حکم	۳۹۶
نکاح کے بعد رضاعت کے ثبوت کا حکم	۳۹۷
رضاعت کے ثبوت کے لئے ایک بار پستان چوسنا کافی ہے	۳۹۸
رضاعی بیٹی کی نسبی بہن سے نکاح جائز ہے	۳۹۸
رضیعہ پر مرضعہ اور شوہر کے اصول وفروع حرام ہے	۳۹۹
رضاعت پر اجرت لینا جائز ہے	۳۹۹
عمر رسیدہ عورت کے پستان سے نکلنے والے سفید پانی سے رضاعت ثابت نہیں	۴۰۰
صرف دعوی کرنے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی	۴۰۰
شوہر کا بیوی کے پستان چوسنے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی	۴۰۱
رضاعی بیٹی کا مرضعہ کے سابقہ خاوند سے نکاح جائز ہے	۴۰۱
رضاعی بیٹے کی بیوہ سے نکاح جائز نہیں	۴۰۲
نسبی بھائی کا رضاعی بہن سے نکاح کرنا	۴۰۲
رضاعی باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا	۴۰۳
غلطی سے کسی عورت کا دودھ پینے سے بھی رضاعت ثابت ہوجاتی ہے	۴۰۳
پچھے سے بچہ کو دودھ دینا موجب رضاعت ہے	۴۰۴
رضاعی بہن بھائی کا نکاح حقیقت حال معلوم ہونے کے بعد واجب التفریق ہے	۴۰۴
بلوغ کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں	۴۰۵
شک کی بناء پر رضاعت ثابت نہیں	۴۰۵
مدت رضاعت کے بعد دودھ پلانے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی	۴۰۶
رضاعی ماں کی پوتی سے نکاح کرنے کا مسئلہ	۴۰۶
مدت رضاعت	۴۰۷
رضاعی بھانجی سے نکاح جائز نہیں	۴۰۷
حرمت رضاعت صرف اسلام کا حکم ہے	۴۰۸
اپنی والدہ اور نانی کا دودھ پینے سے ماموں کی اولاد سے نکاح کا حکم	۴۰۸
رضاعی خالہ سے نکاح کا حکم	۴۰۹

عنوانات	صفحہ
باب فی حرمت المصاھرۃ	۴۱۰
ساس کو بغیر شہوت کے ہاتھ لگانا	۴۱۰
ساس کو شہوت سے دیکھنا	۴۱۰
ساس سے زنا کرنے پر بیوی کے حرام ہونے کا حکم	۴۱۱
بیٹی کو شہوت سے ہاتھ لگانے سے نکاح پر اثرات	۴۱۱
زانی اور مزنیہ کی اولاد کے درمیان نکاح جائز ہے	۴۱۲
نابالغ لڑکے کا بالغہ سے زنا کرنے سے حرمت مصاھرت کا حکم	۴۱۲
بیٹے کی منکوحہ سے نکاح حرام ہے	۴۱۳
سوتیلے بیٹے سے زنا کرانے والی عورت اپنے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے	۴۱۳
نابالغ لڑکے سے زنا کرانا حرمت مصاھرت کا سبب نہیں	۴۱۴
فرج داخل کو دیکھنا موجب حرمت مصاھرت ہے	۴۱۴
کم سن بچی کو شہوت کے ساتھ چھونا حرمت مصاہرت کا سبب نہیں	۴۱۵
ساس سے زنا کے اقرار کے بعد انکار کی کوئی حیثیت نہیں	۴۱۶
مزنیہ کافرہ کی بیٹی سے نکاح جائز نہیں۔	۴۱۶
ساس کے پستانوں کو پکڑنے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے	۴۱۷

عنوانات	صفحہ
حرمت مصاہرت کے اثبات کے لئے گواہوں کی تعداد	۴۱۷
مزنیہ کی بیٹی کا نکاح زانی کے بیٹے سے جائز ہے	۴۱۸
مزنیہ کی رضاعی بیٹی یا نواسی سے نکاح کرنا جائز نہیں	۴۱۸
مزنیہ کی پوتی سے زانی کا نکاح جائز نہیں	۴۱۹
منکوحہ کی ربیبہ بیٹی کے ساتھ زنا کرنے سے منکوحہ کا حکم	۴۱۹
منکوحہ غیر مدخول بہا کی بیٹی کے ساتھ نکاح کا مسئلہ	۴۲۰
بیٹے کی منکوحہ غیر مدخول بہا سے نکاح کرنا	۴۲۰
خسر پر فقط دعوی زنا سے بیٹے پر اسکی بیوی حرام نہیں ہوتی	۴۲۱
مزنیہ کے اصول و فروع زانی پر حرام ہو جاتے ہیں۔	۴۲۱
خون دینے سے حرمت مصاہرت کا حکم	۴۲۲
سالی کے ساتھ زنا کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا	۴۲۲
باب الحضانۃ	۴۲۳
چھوٹے بچوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے	۴۲۳
والدہ کے بعد تربیت کا حق نانی کا ہے	۴۲۳
والدہ کی بجائے نانی پرورش کی زیادہ حقدار ہے	۴۲۴
لڑکی کے حق پرورش کی مدت	۴۲۴

عنوانات	صفحہ
بیوہ کا نکاح ثانی کرنے سے شیرخوار بچی کی تربیت کا مسئلہ	۴۲۵
بیوہ کا کسی غیر محرم سے نکاح کرنے سے حق تربیت کا ساقط ہونا	۴۲۶
اخلاقی حالت اور کردار متاثر ہونے کی صورت میں والدہ کا حق تربیت ساقط ہو جاتا ہے	۴۲۶
ولد الزنا کی حضانت کس کے ذمہ ہے	۴۲۷
عورت کو بچہ دار الحرب لے جانے کا حق نہیں	۴۲۷
بابُ الولیمۃ	۴۲۸
ولیمہ کی شرعی حیثیت	۴۲۸
دعوت ولیمہ کا مسنون وقت	۴۲۸
دعوت ولیمہ میں غیر شرعی امور کے ارتکاب کی وجہ سے شرکت نہ کرنا	۴۲۹
لڑکی والوں کی طرف سے کھانا کھلانا ولیمہ شمار نہیں ہوگا	۴۳۰
ولیمہ کئی دن تک کرنا جائز ہے	۴۳۰
منگنی کے موقع پر مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنے کا حکم	۴۳۱
باب حقوق الزوجین	۴۳۳
میاں بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق کا حکم	۴۲۳
بیوی کا خاوند کے مال سے اپنا حق وصول کرنا	۴۳۳
ایک بیوی سے زیادہ محبت رکھنا دوسری بیویوں کی حق تلفی نہیں	۴۳۴
بیوی کے لیے علیحدہ مکان کا انتظام کرنا خاوند کی ذمہ داری ہے	۴۳۵
خاوند بیوی کی رضامندی کے بغیر اسے کسی دوسرے ملک میں ساتھ نہیں لے جا سکتا	۴۳۵
بیوی سے ہمبستری کرنا کن اوقات میں جائز نہیں	۴۳۶
مباشرت کا طریقہ	۴۳۶
جماع کے آداب	۴۳۷
بیوی کے علاج معالجہ کا خرچہ کس کے ذمہ ہے	۴۳۸
حاملہ بیوی سے جماع کرنے کا مسئلہ	۴۳۸
نابالغ بیوی سے جماع کرنا	۴۳۸
حالت حیض میں منکوحہ سے جماع کے علاوہ استمتاع کرنا	۴۳۹
بیوی سے استمناء بالید کرانا	۴۳۹
بیوی کے برہنہ بدن کو دیکھنا	۴۴۰

کتاب الطلاق

عنوانات	صفحہ
باب شرائط الطلاق	۴۴۳
نکاح سے پہلے دی گئی طلاق کالعدم ہے	۴۴۳

عنوانات	صفحہ
طلاق میں اضافت ضروری ہے	۴۴۳
بیوی کو ڈرانے دھمکانے کے لیے طلاق کا لفظ کہنا	۴۴۳
طلاق کے وقوع کے لئے خاوند کا بلوغ شرط ہے	۴۴۴
نابالغ کو دی گئی طلاق کا حکم	۴۴۵
مجنون کی طلاق کا حکم	۴۴۶
بیوقوف کی طلاق کا حکم	۴۴۶
بیہوشی کی حالت میں دی گئی طلاق کا حکم	۴۴۶
معتوہ کی طلاق کا حکم	۴۴۷
وسوسکی بیماری میں مبتلا شخص کی طلاق کا حکم	۴۴۷
نشہ کی حالت میں طلاق کا حکم	۴۴۸
غصہ کی حالت میں طلاق دینا	۴۴۸
غافل کی طلاق کا حکم	۴۴۹
حیض کی حالت میں بیوی کو طلاق دینا	۴۴۹
طلاق کے لئے گواہ ضروری نہیں	۴۵۰
حمل مانع وقوع طلاق نہیں	۴۵۱
حالت نفاس میں طلاق دینا	۴۵۱
جھوٹی گواہی کی بنیاد پر طلاق کا ثبوت	۴۵۱
طلاق نامہ پر جبراً دستخط کرنا	۴۵۲
جبراً طلاق کا حکم	۴۵۲
بطور استہزا دی ہوئی طلاق کا حکم	۴۵۳
کنکریاں پھینکنے کا اعتبار نہیں بلکہ الفاظ طلاق معتبر ہیں	۴۵۳
اشارہ سے طلاق کا حکم	۴۵۴
ہازل کی طلاق کا حکم	۴۵۵
طلاق پر جھوٹی قسم کھانا	۴۵۵
طلاق کا وقوع ثبوت کا محتاج ہے	۴۵۶
طلاق کے ثبوت کے لئے ایک گواہ ناکافی ہے	۴۵۶
بذریعہ ڈاک بھیجی گئی طلاق کا حکم	۴۵۷
طلاق نامہ پر لاعلمی میں دستخط کرنا	۴۵۷
مرض سرسام میں دی گئی طلاق کا حکم	۴۵۸
خواب کی حالت میں دی گئی طلاق لغو ہے	۴۵۸
طلاق الصریح والکنایۃ	۴۵۹
تم طلاق ہو میں تین طلاق کی نیت کرنا	۴۵۹
سوچ وفکر کے عالم میں طلاق کا لفظ ادا کرنا	۴۵۹
عورت کی عدم موجودگی میں خطاب کے صیغے سے طلاق دینا	۴۶۰
ایک دو تین کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی	۴۶۰
بیوی کے نام کی جگہ دوسرا نام لیکر طلاق دینا	۴۶۱
طلاق رجعی کی عدت گزرنے کے بعد طلاق دینا مؤثر نہیں	۴۶۲
طلاق صریح کے بعد دی گئی طلاق کا حکم	۴۶۲
متعدد دفعہ طلاق دینے کے بعد رجوع کیا جاسکتا ہے	۴۶۳
دو طلاق کے بعد رجوع کرکے دوبارہ طلاق دینا	۴۶۳
طلاق بائن کے اثرات	۴۶۴

عنوانات	صفحہ
لفظ ہاں کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی	۴۶۴
طلاق کی حکایت کا بیان کرنا	۴۶۴
طلاق کی قسم کھانا	۴۶۵
مجھ پر بیوی ناجائز طلاق ہوگی سے طلاق کا حکم	۴۶۵
دو بیویوں میں سے ایک کو مبہم طلاق دینا	۴۶۶
معاہدہ کی خلاف ورزی پر مشروط طلاق کا حکم	۴۶۶
غیر مدخول بہا کو طلاق دینا	۴۶۷
طلاق ثلاثہ کے بیک وقت واقع ہونے کی تحقیق	۴۶۷
طلاق دیتے وقت منہ بند کرنے کا حکم	۴۷۵
میرے گھر سے نکل جاؤ کے الفاظ کے طلاق پر اثرات	۴۷۵
ماں باپ کے پاس چلی جاؤ کہنے سے نکاح پر اثرات کا حکم	۴۷۵
میری بیوی نہیں کہنے سے طلاق نہیں ہوگی	۴۷۶
بیوی کو اجازت ہے کہ وہ دوسرا خاوند کرے	۴۷۶
مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں کا حکم	۴۷۷
تو مجھ سے آزاد ہے سے طلاق کا حکم	۴۷۷
تو مجھ سے جدا ہے کا حکم	۴۷۸
تو مجھ پر حرام ہے کا حکم	۴۷۸
میں نے اسے چھوڑ دیا ہے کا حکم	۴۷۹
وہ مجھے نہیں چاہیئے کا حکم	۴۸۰
تم چاروں طرف جا سکتی ہو سے طلاق کا حکم	۴۸۰
اس کتیا کی بچی کو طلاق	۴۸۱
بلا قصد وارادہ طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے	۴۸۱
طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں کہنے سے طلاق ثلاثہ واقع ہونے کا حکم	۴۸۲
ایک، دو، تین، تم آزاد ہو کہنے سے طلاق واقع ہونے کا حکم	۴۸۴
کئی دفعہ یہ کہنا کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں سے طلاق مغلظہ کا حکم	۴۸۵
تمہاری بیوی پر طلاق کے جواب میں ہاں کا حکم	۴۸۷
باب تعلیق وتفویض الطلاق	۴۸۹
طلاق کو کسی کام سے معلق کرنا	۴۸۹
کسی کو قتل کرنے سے طلاق معلق کرنا	۴۸۹
جان بچانے کے لئے طلاق پر جھوٹی قسم کھانا	۴۹۰
نکاح سے قبل طلاق معلق کا حکم	۴۹۰
طلاق معلق سے بچنے کا حیلہ	۴۹۱
طلاق کلما کی حقیقت	۴۹۲
کلما طلاق کے وقوع سے بچنے کی صورت	۴۹۲
میں گھر آیا تو تجھے طلاق ہوگی	۴۹۳
کسی کے گھر جانے سے منع کرنے کے لئے طلاق پر قسم کھانا	۴۹۳
طلاق کے ساتھ متصل انشاءاللہ کہنے کا حکم	۴۹۴
اگر فلاں کام کیا تو طلاق ہوں گا	۴۹۳

عنوانات	صفحہ
طلاق کے لئے کسی اور کو حق دینا	۴۹۴
بیوی کو طلاق کا حق دینا	۴۹۵
باب تفریق مفقود الخبر ونحوہ	۴۹۶
مفقود الخبر کی بیوی کا نکاح ثانی کرنا	۴۹۶
نامرد شخص کی بیوی کی علیحدگی کا مسئلہ	۵۰۵
سزا یافتہ قیدی کی بیوی کا حکم	۵۰۸
مرتد کی بیوی کا حکم	۵۰۸
متعنت کی زوجہ کا حکم	۵۰۹
دیوث سے بیوی کی نجات کا طریقہ	۵۰۹
مجنون کی بیوی کے فسخ نکاح کا حکم	۵۱۰
باب الایلاء	۵۱۱
بیوی کے قریب نہ جانے کی قسم کھانا	۵۱۱
بیوی کے قریب نہ جانے کی مشروط قسم کھانا	۵۱۱
ایلاء میں رجوع کے لئے بیوی کا انکار کرنا	۵۱۲
باب اللعان	۵۱۳
لعان کا حکم	۵۱۳
لعان کے بعد دوبارہ نکاح کرنا	۵۱۴
لعان کے بعد عدالت کا میاں بیوی میں تفریق کرنا	۵۱۴

عنوانات	صفحہ
شوہر کا میاں بیوی پہ تہمت زنا سے انکار کرنا	۵۱۵
دار الکفر میں بیوی پہ تہمت زنا سے لعان لازم نہیں آتا	۵۱۵
شبہ زنا موجب لعان نہیں	۵۱۶
باب الظہار	۵۱۷
ظہار میں تشبیہ ضروری ہے	۵۱۷
اپنی منکوحہ کو بہن کہنے کا حکم	۵۱۷
ظہار میں عقل وبلوغ شرط ہے	۵۱۸
ظہار میں بطور کفارہ کیا واجب ہوتا ہے	۵۱۸
تیرے قریب آؤں تو اپنی ماں کے قریب آؤں	۵۱۹
اگر میں گھر واپس آؤں تو گویا ماں کے ساتھ زنا کروں	۵۱۹
بیوی کا خاوند کو بھائی کہنے سے ظہار لازم نہیں آتا	۵۲۰
بار بار ظہار کے الفاظ منہ سے نکالنے کا حکم	۵۲۰
اگر تجھے رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں کہنے سے طلاق کا حکم	۵۲۱
دس مرتبہ ظہار سے کفارہ کا حکم۔	۵۲۱
باب الخلع	۵۲۲
صرف خلع کے وعدے سے عورت آزاد نہیں ہو سکتی	۵۲۲

عنوانات صفحہ
اجنبی شخص پہ بدل خلع کے لزوم کا حکم ۵۲۲
نافرمان عورت سے خلع کرنا ۵۲۳
خاوند کی رضامندی کے بغیر قاضی کو خلع کرانے کا حق نہیں ۵۲۴
بدل خلع کی مقدار ۵۲۴
ناچاکی کی صورت میں خلع بہتر ہے ۵۲۵
خلع عورت کے قبول پر موقوف ہے ۵۲۵
بیٹے کی طرف سے باپ خلع نہیں کر سکتا ۵۲۶
خلع طلاق بائن کے حکم میں ہے ۵۲۷
ایجاب خلع کے بعد شوہر کا رجوع صحیح نہیں ۵۲۷
خلع کے بعد تجدید نکاح صحیح ہے ۵۲۸
صبی و مجنون کا خلع نافذ العمل نہیں ۵۲۸
باب العنین ۵۲۹
زوجہ عنین کا حکم ۵۲۹
ابتداءً رضامندگی سے خیار باطل ہو جاتا ہے ۵۳۰
خیار فسخ کے ختم ہونے کی شرائط ۵۳۰
خصی اور عنین کا ایک ہی حکم ہے ۵۳۱
مقطوع الذکر کا حکم ۵۳۲
عقیم مرد سے فسخ نکاح کا حکم ۵۳۲

عنوانات صفحہ
بابُ العدۃ ۵۳۳
بیوہ عورت کی عدت ۵۳۳
مطلقہ قبل الدخول کی عدت ۵۳۴
نابالغہ کی عدت ۵۳۴
معتدہ عدت کہاں گزارے گی ۵۳۵
دوران عدت خاوند کے گھر رہنا ضروری ہے ۵۳۵
زنا کے ارتکاب سے عدت متاثر نہیں ہوتی ۵۳۶
عورت کا خاوند کے گھر میں عدت گزارنے کی وجہ ۵۳۶
عدت کی کم از کم مدت ۵۳۷
باہمی تعلقات منقطع ہونے کے باوجود مطلقہ کے لئے عدت ضروری ہے ۵۳۸
عدت کی ابتداء زوال نکاح سے شمار ہوگی ۵۳۸
عدت کے اندر اندر رجوع بالقول کافی ہے ۵۳۹
عدت کے دوران عورت کے جملہ اخراجات کا خاوند ذمہ دار ہے ۵۳۹
عدت وفات میں عورت کا نان و نفقہ کس کے ذمہ ہے ۵۴۰
ایام عدت میں عورت کا پنشن کے لیے جانا ۵۴۰
دوران عدت عورت کا وثیقہ کے حصول کے لئے نکلنا ۵۴۱
دارالحرب میں نومسلم عورت کی عدت کا حکم ۵۴۲

عنوانات	صفحہ
عدت وفات کے دوران حج کے لیے جانا	۵۴۲
حیض نہ آنے کی صورت میں مطلقہ کی عدت کا حکم	۵۴۳
عدت طلاق کے دوران شوہر کا انتقال ہوجانا	۵۴۳
حاملہ من الزنا عورت کی عدت	۵۴۴
عدت وفات شوہر کے گھر گزارنا لازمی ہے	۵۴۵
عدت وفات کے دوران عورت کا بیماری کی وجہ سے والدین کے گھر جانا	۵۴۵
ہر بیوی کے لیے عدت وفات اپنے اپنے گھر میں گزارنا لازمی ہے	۵۴۶
حیض والی عورت کی عدت حیض سے ہے	۵۴۷
شوہر مرزائی یا عیسائی ہوجائے تو عورت پر عدت واجب ہے	۵۴۷
خلوط صحیحہ کے بعد عدت طلاق کا حکم	۵۴۸
شادی شدہ حاملہ من الزنا کی عدت	۵۴۸
عدت وفات میں جوؤں کی تلفی کے لیئے شیمپو استعمال کرنا	۵۴۹
عدت وفات میں چوڑیاں پہننا	۵۵۰
دیور کے خوف سے شوہر کا گھر چھوڑنے کا حکم	۵۵۰
باب الحلالۃ	۵۵۱
حلالہ کی شرعی حیثیت	۵۵۱
حلالہ کے نکاح میں وطی کے بغیر عورت شوہر اول کے لیئے حلال نہیں ہوسکتی	۵۵۲

عنوانات	صفحہ
حلالہ کے نکاح میں جماع کے لیئے کنڈوم استعمال کرنا	۵۵۲
حلالہ کے نکاح میں بوقت جماع انزال کرنے یا نہ کرنے کا حکم	۵۵۳
نابالغ سے حلالہ کرانے کا شرعی حکم	۵۵۳
دبر میں جماع کرنے سے حلالہ کا حکم	۵۵۴
موت قائم مقام وطی نہیں	۵۵۴
عورت کا قول کہ میں حلالہ کرچکی ہوں	۵۵۵
حلالہ کے نکاح میں دوسرے خاوند سے ہمبستری ضروری ہے	۵۵۵
باب ثبوت النسب	۵۵۶
قبل از وقت پیدا ہونے والے بچے کے ثابت النسب ہونے کا حکم	۵۵۶
مانع حمل ادویات کے استعمال کا حکم	۵۵۶
اسقاط حمل کے جواز کا حکم	۵۵۷
ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت	۵۵۸
جماع کے وقت کنڈوم کا استعمال کرنا	۵۵۹
عزل کرنے کی شرعی حیثیت	۵۵۹
خاوند کے مادہ تولید کا کسی اجنبیہ کے رحم میں نشو ونما پانا	۵۵۹
جدید نظام تولید کا شرعی حکم	۵۶۰
طلاق رجعی کے دو سال بعد پیدا ہونے والے بچے کا ثابت النسب ہونا	۵۶۱
باپ کا بچے کے نسب سے انکار کرنا	۵۶۱

عنوانات — صفحہ

ولد الزنا کا نسب ۵۶۲
حاملہ من الزنا سے نکاح کے بعد بچہ کا نسب ۵۶۳
داشتہ کی اولاد کے نسب کا حکم ۵۶۳
گھر سے نکالے جانے کے بعد منکوحہ غیر مطلقہ کے ہاں پیدا ہونے والے بچہ کا حکم ۵۶۴
خاوند کی طویل غیر حاضری میں بیوی کا حاملہ ہونا ۵۶۵
مدت حمل ۵۶۵
کم از کم مدت حمل سے پہلے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا حکم ۵۶۵
حمل کی کم از کم مدت ۵۶۶
ثبوت النسب کیلئے مدت کا اعتبار وقت نکاح سے ہے ۵۶۷
سادات کا نسب اور سیدہ فاطمہؓ کی فضیلت ۵۶۸
تین سال بعد پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا حکم ۵۶۸
بارہ سال کے لڑکے سے ثبوت نسب کا مسئلہ ۵۶۹
بغیر حلالہ کے نکاح ثانی سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب ۵۷۰
عدت کے دوران سالی سے نکاح کرنا اور اس سے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا حکم ۵۷۰
ساس سے نکاح کے بعد ہونے والے بچوں کے نسب کا حکم ۵۷۱
عزیزہ کی بیٹی سے نکاح کے بعد پیدا ہونے والی بچی کے نسب کا حکم ۵۷۲

عنوانات — صفحہ

اپنی ذات یعنی شجرہ نسب بدلنا ۵۷۲
غیر کی منی کا انجکشن لگوانے سے پیدا والے بچے کی نسب کا حکم ۵۷۳
چودہ پندرہ سال جدائی کے باوجود بچہ ثابت النسب ہے ۵۷۳
مسائل شتیٰ ۵۷۵
طلاق مغلظہ سے بچنے کیلئے حیلہ ۵۷۵
مضارع کے صیغہ سے طلاق کا حکم ۵۷۵
بلا نیت طلاق بیوی کو "دوسرا خاوند تلاش کر لو" کے الفاظ کہنا ۵۷۶
نافرمان بیوی کو طلاق دینا مستحب ہے ۵۷۷
لڑکی پسند نہ آنے کی صورت میں طلاق دینے کا حکم ۵۷۷
صرف طلاق کا خیال آنے سے طلاق واقع نہیں ۵۷۸
شک کی صورت میں کتنی طلاقیں واقع ہوں گی ۵۷۸
مرض الموت کی طلاق سے حق وراثت ختم نہیں ہوتا ۵۷۹
فاحشہ عورت کو طلاق واجب نہیں مستحب ہے ۵۷۹
طلاق کے لئے خاوند پر جبر کرنے کا حکم ۵۸۰
والدین کی رضامندی کے لئے بیوی کو طلاق دینا ۵۸۰
مطلقہ کی میراث کا حکم ۵۸۱

عنوانات	صفحہ
بغیر رجوع کیے عدت گذرنے پر عورت جدا ہو گی	۵۸۲
مطلقہ مغلظہ کا خاوند کے گھر رہنا	۵۸۲
عدت گذرنے میں عورت کے بیان پر اعتماد کرنا	۵۸۳
نفاس کی عدت طلاق	۵۸۳
زمسلم عورت کی عدت کا حکم	۵۸۴
تجھے طلاق دی، دی، دی سے تین طلاق کا حکم	۵۸۵
بنت فلاں کو طلاق ہو کا شرعی حکم	۵۸۵
لفظ "تلاق" سے طلاق کے وقوع کا حکم	۵۸۶
طلاق نامہ میں بیوی کے باپ کا نام غلط لکھنا مانع وقوع طلاق نہیں	۵۸۶
کسی جاہل سے "امراتی طا لق" کے الفاظ لکھوانے کا حکم	۵۸۷
تیرا میرا معاملہ ختم کہنے سے نکاح پر اثرات	۵۸۷
اثبات طلاق کے لئے باپ کی گواہی کا حکم	۵۸۸
تعداد طلاق میں شک ہو تو!	۵۸۸
رجوع میں بیوی کی رضامندی شرط نہیں	۵۸۹
موجودہ جج قاضی شرعی کے قائمقام ہے	۵۹۰
برطانیہ میں شریعت کونسل کی طرف سے فسخ نکاح کی شرعی حیثیت	۵۹۱
ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت	۵۹۵
بانجھ پن کے اسباب	۵۹۶
بانجھ پن کے علاج کی ممکنہ صورتیں	۵۹۷
ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا طریقہ علاج	۵۹۸
سد ذرائع اور اسلام	۵۹۹
قرآن کریم کی رو سے قاعدہ کی وضاحت	۶۰۰
حدیث سے قاعدہ کی وضاحت	۶۰۰
ٹیسٹ ٹیوب بے بی سے نسب محفوظ نہیں رہتا	۶۰۱
مادہ تولید کا مذموم کاروبار روزمرہ کا معمول بن جائے گا	۶۰۲
معاشرہ میں نکاح کی اہمیت ختم ہو جائے گی	۶۰۲
افزائش نسل انسانی کے فارم	۶۰۲
مرد بھی بچے پیدا کر سکیں گے	۶۰۳
زناکاری کا بند شدہ دروازہ کھل جائے گا	۶۰۳
انسان کا رشتہ بندروں اور کتوں سے جڑ جائے گا	۶۰۴
خاندانی منصوبہ بندی خطرات و نتائج	۶۰۶
قومی خودکشی	۶۰۷
افرادی قوت اور یورپ	۶۰۷
سیاسی اور دفاعی ضرورت	۶۰۸
تعمیر و ترقی کا صحیح راستہ	۶۰۹
منصوبہ بندی کا اخلاقی اور سماجی پہلو	۶۰۹

كتاب

الزكوٰة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے

لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

اُن کو اُن کے کاموں کا صِلہ خدا کے ہاں ملیگا اور قیامت کے دِن اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہونگے۔

سورة البقرة : اٰية ٢٧٧

باب صدقۃ الفطر

(صدقۃ الفطر کے احکام و مسائل کا بیان)

صدقۃ الفطر میں غناء کا نصاب

سوال:۔ اگر ایک آدمی کے پاس کئی قسم کے حیوانات ہوں لیکن ان میں سے ایک صنف بھی نصاب کو نہیں پہنچتی ہو اور تجارت کے لیے بھی نہ ہوں تو کیا ایسے آدمی پر قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قربانی اور صدقۂ فطر کے وجوب کے لیے بنیادی طور پر غنا کی موجودگی کافی ہے اگر ان اموال میں نمو نہ ہو، اموال کا نامی ہونا زکوٰۃ کے لیے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر ایک آدمی کے پاس ضرورت سے زائد ایک بھینس ہو اور اس کی قیمت مقدارِ نصاب کے برابر ہو تو اُس پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے جبکہ زکوٰۃ واجب نہیں ہے تاہم اِس میں اُس کی ضرورت کی رعایت کی جائے گی، زمیندار کو کھیتی باڑی کیلئے دو بیلوں کی ضرورت ہوتی ہے تو تیسرا بیل بلاضرورت شمار ہوگا۔

لما قال فی الہندیۃ: وبقرۃ واحدۃ غنی وبثلاثۃ ثیران اذا ساوی احدہما مائتی درہم صاحب نصاب۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۵ ص۲۹۳ کتاب الاضحیۃ الباب الاول فی تفسیرہا[1]

زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے وجوب کا نصاب

سوال:۔ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے نصاب اور صدقۂ فطر کے نصاب میں کیا فرق ہے؟

الجواب:۔ دونوں کا نصاب ایک ہے یعنی ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی ملکیت ہونے پر زکوٰۃ اور صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، تاہم زکوٰۃ کے لیے حولانِ حول یا سال بھر ہونا ضروری ہے جبکہ صدقۂ فطر کے لیے اس کی ضرورت نہیں۔

لما قال العلامۃ اکمل الدین البابرتیؒ: ولا یشترط فیہ النمو ای لا یشترط ان

---

[1] قال العلامۃ طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ: وبقرۃ واحدۃ غنی بثلاثۃ ثیران اذا تساوی احدہا مائتی درہم صاحب نصاب۔
(خلاصۃ الفتاوی ج۴ ص۳۱۰ الفصل الثانی فی نصاب الاضحیۃ)

یکون النصاب بمال نام لانها وجبت بالقدرۃ الممکنۃ والنمو انما یشترط فیما یکون وجوبہ بالقدرۃ المیسرۃ کالزکوٰۃ علیٰ ما عرف فی الاصول۔

(العنایۃ علیٰ ھامش فتح القدیر ج ۲ ص ۲۱۹ باب صدقۃ الفطر)[1]

صدقۂ فطر کی مقدار

سوال:- صدقۂ فطر کی مقدار کیا ہے، اور قیمت کی ادائیگی میں بصورتِ تفاوت کون سی قیمت معتبر ہوگی؟

الجواب:- فقہ حنفی کی رُو سے نصف صاع یعنی ایک سو چالیس ۱۴۰ تولہ گندم صدقۂ فطر کی مقدار ہے، البتہ جَو یا کھجور سے ایک صاع یعنی دو سو اسی ۲۸۰ تولہ ادا کیا جائے گا۔ وفی الھندیۃ: وھی نصف صاع من بر او صاع من شعیر او تمر۔ (ج ۱ ص ۱۹۱ باب صدقۃ الفطر)

اس میں انگریزی کلو اور علاقائی سیر متفاوت ہے اس لیے تولہ کی مقدار سے علاقائی سیر کا تعین آسان ہے۔ ادائیگی میں فقیر کے مفاد کو مدِنظر رکھا جائے، اگر قیمت میں فائدہ ہو تو مروجہ قیمت ادا کی جائے۔

قال علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: ویقوّم فی البلد الذی المال فیہ۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۶ باب زکوٰۃ الغنم)

صدقۃ الفطر میں شرعی صاع معتبر ہوگا یا مروجہ صاع؟

سوال:- صدقۂ فطر میں شرعی صاع معتبر ہوگا یا مروجہ صاع؟ اور اگر لوگ مروجہ صاع کے مطابق صدقۃ الفطر ادا کریں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] قال حسن بن عمار بن علیؒ: مالک النصاب اعلم ان النصب ثلاثۃ نصاب یشترط فیہ النماء وتتعلق بہ الزکوٰۃ وسائر الاحکام المتعلقۃ بالمال النامی ونصاب تجب بہ احکام اربعۃ حرمۃ الصدقۃ ووجوب الاضحیہ وصدقۃ الفطر ونفقۃ الاقارب ولا یشترط فیہ النمو بالتجارۃ ولا حولان الحول ونصاب تثبت بہ حرمۃ السؤال وھو ما اذا کان عندہٗ قوت یومہ۔ الخ

(مراقی الفلاح ص ۳۹۴ باب صدقۃ الفطر)

ومثلہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۹۱ کتاب الزکوٰۃ الباب السابع فصل ما یوضع فی بیت المال)

[2] قال الشیخ ابن الھمامؒ: (ویقوّمھا) ای المالک فی البلد الذی فیہ المال۔ الخ

(فتح القدیر ج ۲ ص ۱۶۷ فصل فی العروض)

ومثلہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۸۰ الفصل الثانی فی العروض۔

الجواب: ۔ صدقۃ الفطر ادا کرنے میں اصل اعتبار صاع شرعی کو ہے تاہم اگر مروجہ صاع کی مقدار مجہول ہو تو پھر اس کا اعتبار نہیں اور اگر مروجہ صاع شرعی صاع سے زائد ہو تو پھر زیادہ ادائیگی میں کوئی حرج نہیں، البتہ جب مروجہ صاع کم ہو تو جب تک شرعی صاع کے مطابق ادائیگی نہ ہو تو ذمہ داری فارغ نہیں ہوگی ۔

لما قال فی الهندیة :۔ ثم یعتبر نصف صاع من بر او صاع من غیره بالوزن فیما روی ابو یوسفؒ عن ابی حنیفةؒ لان اختلاف العلماء فی الصاع بانه کم رطلاً وهو اجماع منهم بانه معتبر بالوزن وقبل هذه العبارة والصاع ثمانیة ارطال بالبغدادی والرطل البغدادی عشرون استاراً ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۹۲ کتاب الزکوٰة ۔ الباب الثامن فی صدقة الفطر) [1]

حکومت کے جرمانہ کی ادائیگی میں صدقۂ فطر سے تعاون کرنا

سوال: ۔ اگر کسی قیدی پر حکومت کے جرمانہ کی ادائیگی لازم ہو تو اس کو صدقہ فطر دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: ۔ صدقۂ فطر اور زکوٰۃ کا مصرف ایک ہے لہٰذا مذکورہ شخص کے ذمہ جب حکومت کا جرمانہ واجب الادا ہو تو مدیون ہونے کی وجہ سے اس کو صدقہ فطر دینا جائز ہے ۔

قال العلامة ابن نجیم رحمه الله :۔ وصدقة الفطر کالزکوٰة فی المصارف ۔ الخ (البحر الرائق ج۲ ص۲۵۶ باب صدقة الفطر) [2]

اُجرت میں صدقہ فطر دینا جائز نہیں

سوال: ۔ اگر ائمہ مساجد کو امامت کی اجرت میں صدقۂ فطر دیا جائے تو کیا اس سے صدقۂ فطر ادا ہوگا یا نہیں ؟ اور خود امام کے لیے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں ؟

---

[1] قال الامام برهان الدین المرغینانیؒ : ثم یعتبر نصف صاع من بر وزناً فیما یروی عن ابی حنیفةؒ وعن محمدؒ انه یعتبر کیلاً والدقیق اولی من البر والدراهم اولی من الدقیق ۔ (الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۲۲۹ باب صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۵۴ باب صدقة الفطر ۔

[2] وفی الهندیة : ومصرف هذه الصدقة ما هو مصرف الزکوٰة ۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۹۴ باب صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۸۶ باب صدقة الفطر ۔

الجواب:۔ صدقۂ فطر کی ادائیگی میں یہ ضروری ہے کہ کسی خدمت کے عوض نہ ہو، صدقاتِ واجبہ کی خصوصیت یہی ہے کہ اس میں تملیک بلا عوض شرط ہے۔ امامت یا اذان پر بذاتِ خود اُجرت لینے میں اگرچہ کوئی حرج نہیں لیکن صدقۂ فطر امامت کی اُجرت میں دینا ناجائز ہے، تاہم اگر دیا گیا تو اجرت کی ادائیگی تو ہو جائے گی صدقۂ فطر کا ذمہ باقی رہے گا۔ البتہ اگر ایک امام غریب ہو اور اس کے لیے امامت کی اُجرت (تنخواہ یا فیس) مقرر کی گئی ہو تو پھر اضافی تعاون کی صورت میں غریب امام کو صدقۂ فطر دینے میں کوئی حرج نہیں۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وصدقة الفطر کالزکوٰة فی المصارف الا فی الدفع الی الذمی۔ (الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار ج ۲ ص ۳۶۹ باب صدقة الفطر)[1]

صدقۂ فطر میں تجزی مضر نہیں

سوال:۔ کیا ایک صدقۂ فطر ایک آدمی کو دینا لازمی ہے یا متعدد فقراء پر تقسیم کیا جا سکتا ہے؟

الجواب:۔ صدقۂ فطر میں تجزی اور تقسیم مضر نہیں، اس لیے ایک صدقۂ فطر متعدد فقراء پر تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح ایک ہی شخص کو متعدد صدقاتِ فطر دیئے جا سکتے ہیں۔

قال شیخ الاسلام محمد بن عبد اللہ التمرتاشی الحنفیؒ: وجاز دفع کل شخص فطرته الی مسکین   علی المذهب کما جاز دفع صدقة جماعة الی مسکین واحد بلا خلاف۔ (تنویر الابصار متن الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار ج ۲ ص ۳۶۷ باب صدقة الفطر)[2]

❖ ❖ ❖

---

[1] قال ابن نجیم رحمه الله:۔ وصدقة الفطر کالزکوٰة فی المصارف۔ الخ
(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۶ باب صدقة الفطر)
ومِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۱۹۴ باب صدقة الفطر۔

[2] قال العلامة ابوبکر الکاسانی رحمه الله:۔ ویجوز ان یعطی ما یجب فی صدقة الفطر عن انسان واحد جماعة مساکین ویعطی ما یجب عن جماعة مسکیناً واحداً۔
(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۷۵ فصل واما رکنها)
ومِثْلُهٗ فی فتاویٰ قاضیخان علیٰ هامش الهندیة ج ۱ ص ۲۳۱ باب صدقة الفطر۔

بیوی کا فطرانہ کس کے ذمہ واجب ہے

سوال:۔ کیا بیوی کا فطرانہ شوہر کے ذمے واجب ہے یا وہ خود ادا کرے گی، جبکہ اس کا مہر یا مال نصاب کو نہیں پہنچتا ہو؟

الجواب:۔ جب عورت مالکِ نصاب ہو تو صدقۂ فطر کی ادائیگی کی وہ خود ذمہ دار ہوگی شوہر کے ذمے بیوی کا فطرانہ ادا کرنا لازم نہیں تاہم اگر شوہر نے بیوی کی طرف سے فطرانہ دیدیا تو ادا ہو جائے گا اور اگر وہ نصاب کا مالک نہ ہو تو سرے سے اس پر فطرانہ واجب ہی نہیں۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ:۔ ولا یؤدی عن زوجته ولا عن اولاده الکبار وان کانوا فی عیاله ولو ادی عنهم او عن زوجته اجزاهم استحساناً۔ (الہدایہ ج ا ص۱۹۱ باب صدقۃ الفطر) [1]

کیا قرض معاف کر دینے سے صدقہ فطر ادا ہوگا؟

سوال:۔ ایک شخص کے ذمے کچھ قرض ہے، اگر قرض دہندہ وہ قرض اس غریب آدمی کو صدقہ فطر کی جگہ معاف کر دے تو کیا اس شخص کا صدقہ فطر ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ فطرانہ صدقاتِ واجبہ میں سے ہے جس میں تملیک شرط ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں چونکہ تملیک نہیں ہوئی بلکہ بغیر وصولی کے معاف کیا جاتا ہے اسلئے صدقہ فطر ادا نہیں ہوگا۔ تاہم اگر اس طرح کرنا بھی ہو تو پہلے غریب مقروض کو فطرانہ ادا کرے اور اس کے بعد اس سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف) [2]

---

[1] وفی الهندیة:۔ ولا یؤدی عن زوجته ولا عن اولاده الکبار وان کانوا فی عیاله ولو ادی عنهم او عن زوجته اجزاهم استحساناً۔

(الفتاوی الهندیة ج ا ص۱۹۳ الباب الثامن فی صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج ا ص۱۶۳ باب صدقة الفطر۔

[2] وفی الهندیة: فهی تملیك المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من کل وجه لِلّٰهِ تعالیٰ هٰذا فی الشرع۔

(الفتاوی الهندیة ج ا ص۱۷۰ کتاب الزکوٰة۔ الباب الاول فی تفسیرہ۔

صدقہ فطر اور قربانی میں احتیاط

سوال:۔ ایک شخص صاحب جائداد ہے لیکن اس کی آمدنی (قوتِ لایموت) کا جو ذریعہ ہے اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی نقد مال نہیں، تو کیا اس شخص پر صدقہ فطر یا قربانی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں مفتیٰ بہ رائے یہ ہے کہ اس شخص پر قربانی یا فطرانہ واجب نہیں البتہ احتیاط یہی ہے کہ حتی الامکان فطرانہ یا قربانی ادا کرے۔ اور اگر جائیداد کی آمدنی اسکی حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو تو اس صورت میں بالاتفاق فطرانہ اور قربانی واجب ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ:۔ سئل محمدؒ عمن له ارض یزرعها او حانوت یستغلها او دار غلتها ثلاثة آلاف لا تکفی لنفقته ونفقة عیاله سنة یحل له اخذ الزکوٰة وان کانت قیمتها تبلغ الوفاً وعلیه الفتوٰی وعندهما۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۴۸ باب المصرف)[1]

رمضان کے دوران صدقہ فطر ادا کرنا

سوال:۔ اگر ایک شخص صدقہ فطر رمضان المبارک میں ادا کرے تو کیا اس سے اُس شخص کا ذمہ فارغ ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ صدقہ فطر کا وجوب عید الفطر کے دن طلوعِ فجر سے پہلے متحقق ہوگا لیکن اگر کوئی شخص عید سے قبل ہی فطرانہ ادا کرتا ہے چاہے وہ رمضان کے کسی بھی دن میں ادا کرے تو اس کا فطرانہ ادا ہو جائے گا، اگرچہ مستحب عید کے دن عیدگاہ میں جانے سے قبل ہے۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ:۔ والمستحب ان یخرج الفطرة یوم الفطر قبل الخروج الی المصلی۔۔۔۔ فان قدمها یوم الفطر جاز لانه ادی بعد تقرر السبب فاشبه التعجیل فی الزکوٰة۔ (الهدایة ج۱ ص۱۹۳ باب صدقة الفطر)[2]

---

[1] وفی الهندیة:۔ وکذا لو کان له حوانیت او دار غلة تساوی ثلاثة آلاف درهم وغلتها لا تکفی لقوته وقوت عیاله یجوز صرف الزکوٰة الیه فی قول محمدؒ ولو کان له ضیعة تساوی ثلاثة آلاف الخ۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۸۹ الباب السابع فی المصارف)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۴۰ باب المصرف۔

[2] لما فی الهندیة:۔ والمستحب للناس ان یخرجوا الفطرة بعد طلوع الفجر یوم الفطر قبل الخروج الی المصلی۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۹۲ باب الثامن فی صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۶۵ باب صدقة الفطر۔

کیا فطرانہ میں غلہ کی قیمت دینا جائز ہے

سوال:۔ آجکل لوگ فطرانہ میں گندم وغیرہ کی قیمت دیدیتے ہیں، تو کیا فطرانہ میں غلہ کی قیمت دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ اور فطرانہ کا حکم ایک جیسا ہے جس طرح عشر میں پیداوار کی قیمت ادا کرنا جائز ہے اسی طرح فطرانہ میں بھی غلہ کی قیمت دینا درست ہے بلکہ بہتر ہے، بخلاف قربانی کے وہاں جانور ذبح کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ دفع القیمة ای الدراهم افضل من دفع العین علی المذهب المفتٰی به جوهرة وبحر عن الظهیریة وهذا فی السعة اما فی الشدة فدفع العین افضل کما لا یخفٰی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۶ باب صدقة الفطر)[1]

علاقائی سطح پر گندم کی قیمت میں تفاوت کی صورت میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا

سوال:۔ اگر پنجاب میں گندم کی قیمت کم ہو اور سرحد میں زیادہ ہو تو کیا ہم پنجاب میں گندم کی قیمت کا اعتبار کرکے فطرانہ دیں تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟

الجواب:۔ اصل یہ ہے کہ فطرانہ میں گندم یا وہ چیز دی جائے جس کا اعتبار شریعت نے کیا ہے، اور اگر اس کے بدلے میں قیمت دینا چاہیں تو اپنے شہر کی قیمت کا اعتبار کرکے دی جائے، دوسرے علاقے یا شہر کی قیمت کا اعتبار کرنا درست نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ ویقوم فی البلد الذی المال فیه ولو فی مفازة ففی اقرب الامصار الیه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۶ باب زکوٰة الغنم)[2]

---

[1] وفی الهندیة: والدقیق اولٰی من البر والدراهم اولٰی من الدقیق لدفع الحاجة وما سواه من الحبوب لا یجوز الا بالقیمة وذکر فی الفتاوٰی ان اداء القیمة افضل من غیر منصوص علیه وعلیه الفتوٰی۔
(الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص ۱۹۲ الباب الثامن فی صدقة الفطر)
وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج ۱ ص ۱۶۴ باب صدقة الفطر۔

[2] وفی الهندیة:۔ ویقومها المالك فی البلد الذی فیه المال حتٰی لو بعث عبدا للتجارة الٰی بلد آخر محال الحول تعتبر قیمته فی ذٰلك البلد ولو کان فی مفازة تعتبر قیمته فی اقرب الامصار الٰی ذٰلك الموضع۔
(الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۰ الباب الثالث فی زکوٰة الذهب والفضة والعروض)
وَمِثْلُهٗ فی فتاوٰی دار العلوم دیوبند ج ۶ ص ۳۰۸ مسائل صدقة الفطر۔

نصف صاع سے کم آٹا صدقہ فطر میں دینے کا حکم

سوال:۔ اگر گندم کی بجائے آٹا نصف صاع سے کم اس لیے دیا جائے کہ گندم کے صاف کرنے اور اس کی پسائی پر کچھ رقم بھی خرچ ہوتی ہے، تو کیا اس طرح فطرانہ ادا ہو جائے گا؟

الجواب:۔ فقہی ذخائر کی صریح عبارات نے گندم اور آٹے کو برابر شمار کیا ہے کہ فطرانہ میں نصف صاع گندم یا آٹا یا ستو دینا واجب ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں فطرانہ پوری طرح ادا نہیں ہوا، نصف سے جتنا کم آٹا دیا ہوا ہے اُتنا آٹا اور دینا ضروری ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ نصف صاع من بر او دقیقه او سویقه او زبیب

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۴ باب صدقة الفطر)[1]

غیر منصوص اشیاء میں فطرانہ کا حکم

سوال:۔ ہمارے علاقہ میں چاول کی فصل زیادہ ہوتی ہے، اگر ہم صدقہ فطر میں چاول دینا چاہیں تو کس مقدار سے ادا کریں، نصف صاع کے اعتبار سے یا پورے صاع کے اعتبار سے؟

الجواب:۔ فقہاء احناف نے غیر منصوص اشیاء سے فطرانہ ادا کرنے کے بارے میں تصریح کی ہے کہ اگر کوئی غیر منصوص اشیاء سے فطرانہ ادا کرنا چاہتا ہو تو منصوص اشیاء کی قیمت کا اعتبار کر کے اُس قیمت کے برابر جتنا چاول یا دیگر غیر منصوص اشیاء بنتے ہوں دیئے جائیں تو اس طرح فطرانہ ادا ہو جائے گا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ نصف صاع فاعل یجب من بر او دقیقه او سویقه او زبیب ...... او صاع تمر او شعیر ولو ردیئًا وما لم ینص علیه کذرة وخبز یعتبر فیه القیمة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۴ باب صدقة الفطر)[2]

---

[1] وفی الهندیة:۔ وهی نصف صاع من بر او صاع من شعیر او تمر و دقیق الحنطة والشعیر وسویقهما مثلهما والخبز لا یجوز الا باعتبار القیمة وهو الاصح۔ الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۹۱ الباب الثامن فی صدقة الفطر)

وَمِثْلُهُ فی الهدایة ج ۱ ص ۱۹۲ باب صدقة الفطر۔

[2] وفی الهندیة:۔ ثم الدقیق اولی من البر والدراهم اولی من الدقیق لدفع الحاجة وما سواه من الحبوب لا یجوز الا بالقیمة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۹۲ الباب الثامن فی صدقة الفطر)

وَمِثْلُهُ فی الجوهرة النیرة ج ۱ ص ۱۶۵ باب صدقة الفطر۔

میوہ جات میں گندم کی قیمت کا اعتبار ہوگا

سوال:۔ اگر کوئی علاقہ ایسا ہو جہاں گندم وغیرہ منصوص اشیاء کی پیداوار نہ ہو بلکہ وہاں دیگر میوہ جات کے باغات ہوں تو وہاں کے رہنے والے فطرانہ میں گندم کی قیمت کا اعتبار اپنے علاقہ کی قیمت کے مطابق کریں یا جہاں گندم پیدا ہوتی ہو وہاں کی قیمت کا اعتبار کریں؟

الجواب:۔ جہاں گندم وغیرہ منصوص اشیاء پیدا نہ ہوتی ہوں تو فطرانہ میں اپنے علاقہ کی پیداوار کو گندم وغیرہ کی قیمت کے برابر ادا کیا جائے جبکہ گندم کی قیمت کا اعتبار اپنے علاقے یا شہر کا ہوگا، جہاں گندم پیدا ہوتی ہو وہاں کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ نصف فاعل یجب من بر او دقیقه او سویقه او زبیب او صاع تمر او شعیر ولو ردیًا ولم ینص علیه کذرة وخبز یعتبر فیه القیمة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۶۴ باب صدقة الفطر)

وقال ایضاً: ویقوم فی البلد الذی المال فیه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار جلد ۲ ص۲۸۶ باب زکوٰۃ الغنم)[1]

کم سنی میں بچی کے نکاح کی وجہ سے اس کے صدقۂ فطر کا حکم

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ بہت کم سنی میں ماں باپ بچی کا نکاح کر دیتے ہیں، تو شرعاً ایسی بچی کا صدقۂ فطر ماں باپ پر واجب ہے یا سسرال والوں پر؟

الجواب:۔ جس لڑکی کا نکاح کم سنی میں ہوا ہو تو اس کے صدقۂ فطر کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ خود صاحبِ مال ہو تو صدقۂ فطر اُسی کے مال سے دیا جائے گا اور صاحبِ مال نہ ہو تو اگر رخصتی نہ ہوئی ہو تو باپ کے ذمّے ورنہ کسی پر بھی واجب نہیں۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمه الله: زوج ابنته الصغیرة من رجل وسلمها الیه ثم جاء یوم الفطر لا یجب عَلَی الْاَب

---

[1] وفی الهندیة: ثم الدقیق اولی من البر والدراهم اولی من الدقیق لدفع الحاجة وماسواه من الحبوب لایجوز الا بالقیمة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۹۲ الباب الثامن فی صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۶۵ باب صدقة الفطر۔

صدقة الفطر۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج ۲ ص ۲۲۶ الفصل الثالث عشر فی صدقة الفطر) [1]

حقیقی بھائی کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے

سوال:۔ کیا اپنے حقیقی بھائی کو صدقۂ فطر اور نماز روزے کا فدیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بہن بھائی چونکہ اصول و فروع میں داخل نہیں ہیں اس لئے ان کو جملہ صدقات دینا جائز ہیں چاہے زکوٰۃ ہو یا صدقۂ فطر وغیرہ، اسی طرح نماز روزے کا فدیہ دینا بھی جائز ہے۔

وفی الهندیة: والافضل فی الزکوٰة والفطر والنذر والصرف اولاً الی الاخوة والاخوات ثم الی اولادهم ثم الی الاعمام والعمات الخ۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۱۹۰ باب المصارف) [2]

صدقۂ فطر دوسرے شہر کو منتقل کرنا کیسا ہے؟

سوال:۔ زکوٰۃ تو ایک شہر سے دوسرے شہر کو منتقل کرنا مکروہ ہے تو کیا صدقۂ فطر کا بھی یہی حکم ہے؟

الجواب:۔ جس طرح زکوٰۃ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا مکروہ ہے اسی طرح صدقۂ فطر کا انتقال بھی کراہت سے خالی نہیں، البتہ اگر ایک شہر کے لوگ زیادہ حاجتمند نہ ہوں تو پھر اس کے انتقال میں کوئی کراہت نہیں۔

وفی الهندیة: ویکره نقل الزکوٰة من بلد الی بلد الا ان ینقلها الانسان الی قرابته او الی قوم هم احوج الیها من اهل بلده۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۱۹۰ باب المصارف) [3]

---

[1] لما فی الهندیة: زوج ابنته الصغیرة من رجل وسلمها الیه ثم جاء یوم الفطر لا تجب علی الاب صدقة الفطر۔

(الفتاویٰ الهندیه ج ۱ ص ۱۹۲ باب صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۸ باب صدقة الفطر۔

[2] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: قید باصله وفرعه لان من سواهم من القرابة یجوز الدفع لهم وهو اولیٰ لما فیه من الصلة مع الصدقة كالاخوة والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصارف)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۸ باب صدقة الفطر۔

[3] قال العلامة ابو البرکات النسفیؒ: وکره نقلها الی بلد آخر لغیر قریب واحوج۔

(کنز الدقائق علیٰ هامش البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۰ باب المصارف)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۲ باب صدقة الفطر۔

نابالغ بچے کا فطرانہ اس کے والد پر واجب

سوال:۔ اگر ایک نابالغ بچہ نصاب کا مالک ہو یا نہ ہو مگر باپ نے اس کا صدقۂ فطر ادا نہ کیا ہو تو کیا یہ بچہ بلوغ کے بعد اپنا صدقۂ فطر ادا کرے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ صدقۂ فطر ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر واجب ہے چاہے بالغ ہو یا نابالغ، اور اگر نابالغ بچے کا باپ مالدار ہو تو اُس پر اپنے نابالغ بچے کا فطرانہ دینا واجب ہے۔ اب اگر بچہ خود مالدار ہو مگر اس کے سرپرست نے فطرانہ اس کی طرف سے ادا نہ کیا تو بعد البلوغ بچے پر اپنا فطرانہ ادا کرنا واجب ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: علی کل حرّ مسلم ولو صغیرًا ومجنونًا حتی لو لم یخرجھما ولیھما وجب الاداء بعد البلوغ۔ (الدر المختار علی هامش الطحطاوی ج ۱ ص ۴۳۳ باب صدقۃ الفطر)[1]

قیدیوں کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے

سوال:۔ اگر جیل میں قیدیوں کو صدقۂ فطر دیا جائے تو کیا اس سے صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ صدقۂ فطر کے لیے بھی زکوٰۃ کی طرح فقیر وغریب شخص کو تملیک کرانا لازمی ہے لہٰذا اگر جیل میں قیدی غریب اور فقیر ہوں تو ان کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے۔

لما قال العلامۃ ابو البرکات النسفیؒ: ھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعۃ من المملک من کل وجہ۔

(کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)[2]

---

[1] لما قال الشیخ اشرف علی شاہ التھانوی رحمۃ اللہ:۔ ہاں اس صبی کو بعد بلوغ صدقۂ فطر ادا کرنا ہوگا، اور اگر صبی مالکِ نصاب نہ ہو گو باپ صاحبِ نصاب تھا اور اُس نے ادا نہ کیا تو صبی پر بعد البلوغ واجب ہوگا۔
(امداد الفتاوٰی ج ۲ ص ۲۸ باب صدقۃ الفطر)

[2] قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفیؒ: ھی تملیک خرج الاباحۃ فلو اطعم یتیمًا ناویا الزکوٰۃ لا یجزیہ..... جزء مال.... عینہ الشارع وھو ربع عشر نصاب حولی.... من مسلم فقیر ولو معتوھا غیر ھاشمی ولا مولاہ مع قطع المنفعۃ عن المملک من کل وجہ، فلا یدفع لاصلہ وفرعہ للہ تعالیٰ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۶ تا ۲۵۸ کتاب الزکوٰۃ)

پچاس روپے کے نصاب پر قربانی فطرانہ کی تحقیق

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ فتاویٰ رشیدیہ ص۴۳۱ میں لکھا ہے کہ جس کے پاس پچاس روپیہ نقد ہو اس پر قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہے، کیا یہ نصاب صحیح ہے؟

الجواب: فتاویٰ رشیدیہ میں پچاس روپے کے تصاب سے مراد اس زمانے کے سونے کے روپے ہیں جن کی قیمت نصاب کے برابر تھی۔ آجکل کاغذی نوٹوں کا یہ نصاب نہیں ہے بلکہ چاندی یا سونے کے نصاب کے حساب سے جو پیسے بنتے ہوں اتنے ہی میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اس لیے کہ موجودہ دور کے کاغذی نوٹ عروضِ تجارت کے حکم میں ہیں۔

وفی الهندیۃ: الزکوٰۃ واجبۃ فی عروض التجارۃ کائنۃ ما کانت اذا بلغت قیمتها نصاباً من الورق والذهب کذا فی الهدایۃ۔ (الفتاوی الهندیۃ ج ۱ ص۱۷۹ الفصل الثانی فی العروض)[1]

زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے نصاب میں مال نامی اور غیر نامی کا فرق

سوال:- ایک شخص نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ جس آدمی پر زکوٰۃ واجب نہ ہو اس پر صدقہ فطر بھی واجب نہیں، تو کیا یہ بات صحیح ہے یا دونوں کے نصاب میں کچھ فرق ہے؟

الجواب:- زکوٰۃ، صدقہ اور قربانی کا نصاب اگرچہ ایک ہی ہے یعنی جس شخص کے پاس ۵۲½ تولہ چاندی یا ۷½ تولہ سونا یا دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر موجودہ کرنسی یا دوسرا سامان، جو حوائجِ اصلیہ اور قرض سے زائد موجود ہو تو اس پر زکوٰۃ، صدقہ فطر اور قربانی تینوں واجب ہیں، البتہ زکوٰۃ کے نصاب کے ساتھ نمو اور سال کا گذرنا ضروری ہے جبکہ صدقہ فطر اور قربانی کے نصاب کے ساتھ یہ دونوں شرطیں ضروری نہیں، لہٰذا یہ بات درست نہیں کہ جس کے ذمے زکوٰۃ دینا لازم نہ ہو وہ صدقہ فطر بھی

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وفی عروض تجارۃ بلغت تصاب ورق او ذهب معطوف علی قوله اول الباب فی مائتی درهم۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۲۸ باب زکوٰۃ المال)

ومثلهٗ فی الدر المختار ج۲ ص۳۳ باب زکوٰۃ المال۔

ادا نہ کرے بلکہ نفس نصاب ہونے کی صورت میں صدقہ فطر واجب ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وسببہ ای سبب افتراضہا ملک نصاب حولی.... تام..... فارغ عن دین لہ مطالب الخ. (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج ۲ ص کتاب الزکوٰۃ)

وقال الحصکفیؒ: علیٰ کل حر مسلم..... ذی نصاب فاضل عن حاجتہ الاصلیۃ کدینہ وحوائج عیالہ وان لم ینم کما مر... وانما لم یشترط النمو لان وجوبہا بقدرۃ ممکنۃ۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج ۲ ص۳۴۷ کتاب الزکوٰۃ، باب صدقۃ الفطر)[1]

کیا صدقۂ فطر کے وصول کے لیے عامل مقرر کرنا ضروری ہے

سوال:۔ کیا زکوٰۃ کی طرح صدقۃ الفطر کے وصول کے لیے بھی حاکم وقت عامل مقرر کرکے وصول کرے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی وصولی کے لیے اگرچہ حاکم وقت کو اختیار ہے کہ وہ عامل مقرر کرکے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرے مگر صدقۃ الفطر کا حکم اس سے الگ ہے اس کی وصولی کے لیے حکومت وقت عامل مقرر نہیں کر سکتی۔

لما قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ:۔ ولا یبعث الامام علیٰ صدقۃ الفطر ساعیاً لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یبعث ... الخ (البدائع والصنائع ج ۲ ص۷۵ فصل صدقۃ الفطر آخر الزکوٰۃ)[2]

صدقہ فطر میں اسی ملک کی کرنسی کا اعتبار ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک آدمی انگلینڈ میں رہتا ہے اور وہ صدقۂ فطر پاکستان میں ادا کرنا چاہتا ہے، تو کیا وہ اس رقم کو پونڈ کی شکل میں یا پاکستانی کرنسی کی شکل میں ادا کرے گا؟ شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ آدمی جہاں بھی ہو صدقۂ فطر وہاں کی کرنسی کے حساب سے ادا کیا جائے گا۔

---

[1] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: ولا یشترط فیہ النمو ویتعلق بھذا النصاب حرمان الصدقۃ ووجوب الاضحیۃ والفطر۔

(الھدایۃ ج ۱ ص۱۹۱ باب صدقۃ الفطر)

ومثلہ فی الھندیۃ ج ۱ ص۱۹۱ الباب الثامن فی صدقۃ الفطر۔

[2] لما قال ابن نجیمؒ: ولا یبعث الامام علیٰ صدقۃ الفطر ساعیاً لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یبعث۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۵۶ باب صدقۃ الفطر)

اگر کوئی شخص انگلینڈ میں رہتا ہے تو وہ پاؤنڈ کے حساب سے صدقۂ فطر ادا کرے گا اور اگر پاکستان میں رہتا ہو تو پاکستانی روپیہ کے حساب سے ادا کرے گا۔

بھائی کی طرف سے ادا کردہ صدقۂ فطر کی رقم لینے کا حکم

سوال:۔ میرا بھائی سعودی عرب میں ہے اور اس کے بیوی بچے پاکستان میں ہیں، عید الفطر پر اسکے پیسے لیٹ ہوگئے تو میں نے اپنی جیب سے اسکے بال بچوں کا صدقۂ فطر ادا کر دیا، اب اسکے پیسے پہنچ گئے ہیں اور اُس نے صدقۂ فطر ادا کرنے کا کہا بھی ہے، تو کیا میں اُن پیسوں سے اپنے وہ پیسے لے سکتا ہوں یا نہیں جو میں نے بھائی کی طرف سے صدقہ کیے تھے؟

الجواب:۔ چونکہ صدقۂ فطر آپ کے بھائی پر واجب تھا جو آپ نے اسکی طرف سے ادا کیا تو یہ پیسے اسکے ذمہ قرض ہوگئے، اب چونکہ اُسکے پیسے پہنچ گئے ہیں اس لیے آپ اُن پیسوں سے اپنا حق وصول کرسکتے ہیں۔

لما قال المفتی عبدالرحیمؒ: (الجواب) صدقہ کی رقم موصول ہونے سے پہلے اپنی رقم میں سے بھائی صدقہ کردے اور آنے والی رقم خود رکھ لے تو اس کی گنجائش ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۸ ص ۲۴۵ احکام صدقہ فطر)

زمیندار کیلئے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک شخص کی بہت زیادہ زمین ہے لیکن اس کے پاس کوئی نقدی وغیرہ نہیں اور نہ ہی اس زمین سے کوئی خاص آمدنی حاصل ہوتی ہے، تو کیا اس شخص پر صدقۂ ادا کرنا لازمی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر یہ زمین اس کے اہل وعیال کے جملہ نان ونفقہ اور دیگر اخراجات سے زائد ہو اور اس کی قیمت نصاب تک پہنچتی ہو تو اس شخص پر صدقۂ فطر ادا کرنا لازمی ہے اور اگر زمین کی جملہ آمدنی سے بمشکل اس کی گذر بسر ہوتی ہو اور اس کے پاس کوئی نقدی وغیرہ بھی نہ ہو تو پھر اس کے ذمہ صدقۃ الفطر لازم نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: تجب على كل مسلم لو صغيرًا مجنونًا ------ ذی نصاب فاضل عن حاجته الاصلية كدَينه وحوائج عياله۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۸ تا ۳۶۰ باب صدقة الفطر)

بابُ مصارِفِ الزّکوٰۃ

(زکوٰۃ کے مصارف کے بیان میں)

مال دار کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:- اگر ایک شخص کی جائیداد غیر منقولہ کی قیمت لگا کر حساب لگایا جائے تو قیمت کے اعتبار سے یہ شخص غنی شمار ہو سکتا ہے لیکن اس جائیداد سے حاصل ہونے والی آمدنی اتنی نہیں کہ جس سے اس کی گزر اوقات ہو، کیا ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اس مسئلہ میں غیر منقولہ جائیداد کی قیمت کو اعتبار نہیں بلکہ غنا میں بنیادی طور پر اس کے گزر اوقات کو دیکھا جاتا ہے، اس لیے جب کسی شخص کی جائیداد کی قیمت تو زیادہ ہو لیکن آمدنی کے اعتبار سے اس کے معاش کیلئے یہ ناکافی ہو اور نہ اس کے پاس نقد رقم ہی ہو تو ایسا شخص مصرفِ زکوٰۃ ہے اور اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

لما قال فی الهندیة، وکذا لو کان عندهٗ من المصاحف وهو محتاج إلیه وإن کان ...... وکذا لو کان لهٗ حوانیت او دار غلة تساوی ثلثة آلاف درهم وغلتها لا تکفی لقوته وقوت عیاله یجوز صرف الزکوٰة إلیه فی قول محمدؒ ولو کان لهٗ ضیعةٌ تساوی ثلثة آلاف ولا تخرج ما یکفی لهٗ ولعیاله إختلفوا فیه قال محمد بن مقاتل یجوز له أخذ الزکوٰة۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹ کتاب الزکوٰة۔ الباب السابع فی المصارف)[1]

صاحبِ جائیداد کو زکوٰۃ دینا

سوال:- ایک آدمی کے پاس تقریباً ۲۵ کنال زمین ہے اور اس کی قیمت نصابِ زکوٰۃ یعنی ۵۲½ تولہ چاندی سے زیادہ ہے، اور اس کے پاس رہنے کے لیے اپنا مکان بھی ہے، تو کیا یہ شخص دوسروں سے

---

[1] قال طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولو کان له ضیعة تساوی ثلثة آلاف درهم ولا یخرج منها ما یکفی له ولعیاله إختلفوا فیه قال محمد بن مقاتل یجوز له أخذ الزکوٰة۔
(خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۲۴۲۔ الفصل الثامن فی اداء الزکوٰة)
ومِثلُهٗ فی البزازیة علی هامش الهندیة ج ۴ ص ۸۵ الباب الثانی فی المصرف)

زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں زمین کی قیمت کا اعتبار نہیں اور نہ قیمت سببِ غنا ہے بلکہ زمین کی آمدنی اگر جملہ اخراجات کے لیے کافی ہو تو یہ شخص صاحبِ جائیداد ہے اور اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں اور اگر زمین کی آمدنی ضرورت کے لیے کافی نہ ہو تو پھر اس شخص کے لیے زکوٰۃ لینے میں کوئی حرج نہیں۔

ولو کان له ضیعة قیمتها آلاف ولا یحصل منه ما یکفی له ولعیاله اختلف فیه قال ابن مقاتل یجوز صرف الزکوٰۃ الیه۔ (بزازیہ علی هامش الهندیہ ج ۴ ص ۸۵ الثانی فی المصرف)[1]

گائے یا بیل کے مالک کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال: اگر ایک آدمی کے پاس ایک گائے ہو اور اس کی قیمت مقدارِ نصاب کو پہنچتی ہو تو اس شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی صرف ایک گائے کا مالک ہونے سے وہ آدمی غنی شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: غنا کے لیے حوائجِ اصلیہ سے ۵۲ ½ تولہ چاندی کی مروجہ قیمت کے مالیت کا مالک بننا ضروری ہے، اگر کسی شخص کی ضروریات سے زائد ایک گائے یا بیل ہو اور اس کی قیمت ۵۲ ½ تولہ چاندی تک پہنچتی ہو تو اس سے یہ شخص غنی متصور ہوگا اور اس کیلئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔

قال فی الهندیة: وببقرة واحدة غنی وبثلاثة ثیران إذا ساوی أحدها مائتی درهم صاحب نصاب۔ (الفتاوی الهندیة ج ۵ ص ۲۹۳ کتاب الاضحیة۔ الباب الأول فی تفسیرها۔ الخ)[2]

---

[1] قال طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولکن لو کان له ضیعة تساوی ثلاثة آلاف درهم ولا یخرج منها ما یکفی له ولعیاله اختلفوا فیه قال محمد بن مقاتل یجوز له أخذ الزکوٰۃ۔
(خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۲۴۲ الفصل الثامن فی أداء الزکوٰۃ)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذهب والفضة والعروض۔

[2] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: وببقرة واحدة غنی وبثلاثة ثیران غنی إذا تساوی أحدها مائتی درهم صاحبِ نصاب۔ (خلاصة الفتاوی ج ۴ ص ۳۱۰ الفصل الثانی فی نصاب الاضحیة)

غنی آدمی کا زکوٰۃ قبض کر کے پھر فقیروں کو دینے کا حکم

سوال :۔ ایک صاحبِ نصاب آدمی زکوٰۃ کی رقم اپنے قبضے میں لے کر خود تو استعمال نہیں کرتا ہے بلکہ فقیروں اور مستحقین کو دیدیتا ہے تو اس شخص کے لیے زکوٰۃ کے مال کا اپنے قبضہ میں لینا شرعاً کیسا ہے ؟

الجواب :۔ مذکورہ شخص کے لیے دوسروں سے زکوٰۃ لینا جائز نہیں کیونکہ یہ غنی ہے اور غنی آدمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، اور اس صورت میں یہ آدمی نہ اصیل ہے اور نہ وکیل، اور مالِ زکوٰۃ کو اپنے قبضہ میں لے کر دوسروں کو بطور صدقہ دیتا ہے لہٰذا اس طریقے سے مالِ زکوٰۃ اپنے قبضہ میں لے کر محتاجوں اور فقیروں کو دینا مناسب نہیں، تاہم توکیلاً قبضہ کر کے فقیروں میں تقسیم کرنا مرخص ہے۔

لما في الهندية: وكذا لو كان عنده من المصاحف وهو يحتاج إليه وإن كان لا يحتاج إليه وهو يساوي مائتي درهم لا يجوز صرف الزكوٰة إليه ولا يجوز له أخذها۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۸۹ كتاب الزكوٰة۔ الباب السابع في المصارف)[1]

اصول و فروع زکوٰۃ کا مصرف نہیں

سوال :۔ اگر کسی شخص کے والدین علیحدہ علیحدہ رہتے ہوں، آمد و خرچ کا نظام ایک دوسرے سے الگ ہو، کیا ایسی صورت میں کسی ایک کے غریب ہونے کی صورت میں اس کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اصول و فروع اور میاں بیوی کا رشتہ ایسا قوی رشتہ ہے جو املاک کے الگ ہونے کے باوجود بھی الگ نہیں ہوتا، اس لیے علیحدہ علیحدہ کاروبار کے ہوتے ہوئے ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔

قال علي ابن ابي بكر المرغيناني رحمه الله :۔ ولا يدفع المزكي زكوٰة ماله إلى ابيه وجده وإن علا ولا إلى ولده وولد ولده وإن

---

[1] قال الامام برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ولا تدفع الى غنيٍّ لقوله عليه السلام ولا تحل الصدقة لغنيٍّ۔ (الهداية على صدر فتح القدير ج ۲ ص ۲۰۸ باب ما يجوز دفع الزكوٰة وما لا يجوز) ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ كتاب الزكوٰة باب المصرف۔

سفل۔ الخ (الهداية ج ۱ ص ۲۰۶ باب المصارف)[۱]

رشتہ دار کو زکوٰۃ دینے میں صلہ رحمی کی رعایت ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص کے رشتہ دار محتاج ہونے کے باوجود دیندار نہ ہوں تو کیا کسی اجنبی فقیر (جو دیندار ہو) کو زکوٰۃ دینی چاہیئے یا اس قریبی رشتہ دار کو؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ میں ملنے والی رقم بے دینی کے کاموں میں خرچ کرتا ہو تو ایسے شخص کو خواہ وہ رشتہ دار ہو یا اجنبی ہو زکوٰۃ دینا تعاون علی المعصیت کے مترادف ہے، البتہ اگر بے دینی کے کاموں میں خرچ نہ کرتا ہو ذاتی ضروریات میں صرف کرتا ہو تو پھر رشتہ دار کی رعایت اولیٰ ہے، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے علاوہ اس میں صلہ رحمی کی رعایت بھی ہے۔ البتہ اگر کسی اجنبی کو زکوٰۃ دی گئی ہو تو ذمہ فارغ متصور ہوگا۔

قال ابن عابدینؒ: وقيد بالولاد لجوازه لبقية الاقارب كالاخوة والاعمام والاخوال الفقراء بل هم اولىٰ لانه صلة وصدقة وفى الظهيرية ويبدأ فى الصدقات بالاقارب ثم الموالى ثم الجيران۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۴۶ باب المصرف)[۲]

بہن بھائی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے

سوال:۔ اگر بہن بھائی غریب ہوں تو کیا ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے نادار بہن و بھائی کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ میاں بیوی اور اصول و فروع کے علاوہ باقی تمام رشتہ داروں کو

---

[۱] قال العلامة ابن عابدينؒ:۔ ولا الى من بينهما ولاد..... اى اصله وان علا كابويه واجداده وجداته من قبلهما وفرعه وان سفل۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۴۳ باب المصرف)
وَمِثْلُهٗ فى البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصرف۔

[۲] قال زين الدين ابن نجيمؒ: وقيد باصله وفرعه لان من سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم وهو اولىٰ لما فيه من الصلة مع الصدقة كالاخوة والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء ولهذا قال فى الفتاوى الظهيرية ويبدأ فى الصدقات بالاقرب ثم الموالى ثم الجيران۔ الخ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصرف)
وَمِثْلُهٗ فى الهندية ج ۱ ص ۱۹۰ باب المصرف۔

زکوٰۃ دینا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ وہ صاحب نصاب نہ ہوں۔ اور بہن و بھائی اس زمرہ میں آکر ان کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: وقید بالولاد لجوازہ لبقیۃ الاقارب کالاخوۃ والاعمام والاخوال الفقراء بل ھم اولیٰ لانہٗ صلۃ وصدقۃ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۴۶ باب المصرف)[1]

کسی غریب کو ہبہ یا قرض کے نام سے زکوٰۃ دینا

سوال:- بعض لوگ زکوٰۃ نہیں لیتے حالانکہ وہ کافی غریب ہوتے ہیں تو اگر اُن کو ہبہ یا قرض کے نام پر زکوٰۃ دی جائے اور اس میں نیت زکوٰۃ کی ہو تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:- دو اوقات میں کسی ایک وقت کے اندر زکوٰۃ کی نیت ضروری ہے، ایک زکوٰۃ کی رقم کو الگ کرتے وقت اور دوسرے زکوٰۃ دیتے وقت۔ ان اوقات میں جس وقت بھی زکوٰۃ کی نیت کرے اور کسی غریب مستحق کو جس طرح بھی دے دی جائے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جب کسی مستحق کو ہبہ یا قرض کے نام پر زکوٰۃ دے دی گئی اور نیت زکوٰۃ کی ہو تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، البتہ اگر یہ غریب اُس رقم کو واپس کر دے تو اُس سے لے کر کسی دوسرے مستحق کو دیدی جائے۔

لما فی الھندیۃ:- ومن اعطی مسکینًا دراھم وسماھا ھبۃ او قرضًا ونوی الزکوٰۃ فانھا تجزیہ وھو الاصح۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ الباب الاول)[2]

جس شخص کی آمدنی میں بچت نہ ہو تو وہ زکوٰۃ کا حقدار ہے

سوال:- ایک شخص کی آمدنی تو معقول ہے لیکن گھریلو اخراجات اتنے زیادہ ہیں کہ بمشکل اس کا گذارہ ہوتا ہے بلکہ عمومًا یہ شخص

---

[1] قال زین الدین ابن نجیمؒ: وقید باصلہ وفرعہ لان من سواھم من القرابۃ یجوز الدفع لھم وھو اولیٰ لما فیہ من الصلۃ مع الصدقۃ کالاخوۃ والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء۔ الخ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف)

ومثلہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۰ باب المصرف۔

[2] لما قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ:- من اعطی مسکینًا دراھم وسماھا ھبۃ او قرضًا ونوی الزکوٰۃ فانھا تجزیہ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۱۲ کتاب الزکوٰۃ)

سال بھر مقروض رہتا ہے، کیا ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ واضح رہے کہ گھریلو اخراجات کو اس وقت اعتبار دیا جاتا ہے جب شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے انسان کی ضرورت کا تکفل ہو، غیر شرعی اور تبذیر و اسراف کے اخراجات کا کوئی اعتبار نہیں۔ لہٰذا اگر ایک شخص کے گھریلو اخراجات اس کی آمدنی سے بمشکل پورے ہوتے ہوں، نصاب کی مقدار سے بچت ہو کر اس کی ضروریات سے زائد رقم اس کے پاس نہ ہو تو یہ شخص زکوٰۃ کا مصرف رحقدار ہے اور اس کو زکوٰۃ دینا از روئے شرع جائز ہے۔

قال ابن عابدینؒ: وذکر فی الفتاوٰی فیمن لهٗ حوانیت ودور للغلة لکن غلتها لاتکفیه وعیاله انهٗ فقیر ویحل له اخذ الصدقة عند محمد ـ رحمه اللّٰه

(ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۲۸ باب المصرف قبل مطلب فی جهاز المرأة) [1]

صاحبِ نصاب شخص کے بچوں کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ کسی مالدار شخص کے بچوں کو زکوٰۃ دینے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ بچوں کی کفالت اور خرچ وغیرہ باپ کے ذمہ ہو؟

الجواب:۔ بلوغ کے بعد اولاد اور والدین میں ملکیت کے اعتبار سے اجنبیت محسوس ہونے کی وجہ سے کوئی ملکیتی اتحاد نہیں رہتا اس لیے باپ کی مالداری سے بچّے کی حالت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لیے مالدار آدمی کے غریب بالغ بچے کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ لیکن قبل البلوغ بچے کی تمام ضروریات کی ذمہ داری والد پر عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ غنا میں والد کے تابع رہ کر والد کے غنی ہونے کے وقت اس کے نابالغ بچوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا الٰی ولد غنی اذا کان صغیراً لانهٗ یعد غنیاً بمال ابیه بخلاف ما اذا کان کبیراً فقیراً لانهٗ لا یعد غنیاً بیسار ابیه وان کانت نفقتهٗ علیه ـ (الهدایة ج ۱ ص ۱۸۸ باب المصرف) [2]

---

[1] قال العلامة فخر الدین قاضیخانؒ: وکذا لوکان لهٗ حوانیت ودار غلة تساوی ثلثة آلاف درهم وغلتها لا تکفی لقوته وقوت عیاله یجوز صرف الزکوٰة فی قول محمدؒ (فتاوٰی قاضی خان ج ۱ ص ۱۲۷ فصل فیمن یوضع فیه الزکوٰة)

ومثلهٗ فی فتاوٰی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹ باب المصرف۔

[2] قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولا الٰی طفله بخلاف ولده الکبیر وابیه قال ابن عابدینؒ: وقوله وکذا الی طفله ای الغنی فیصرف الی البالغ ولو ذکراً صحیحاً ـ (الدر المختار علٰی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۹، ۳۵۰ باب المصرف)

ومثلهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹ باب المصرف۔

مہاجرین کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ کیا مہاجرین کو محض ہجرت کی وجہ سے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ کیا اگر کسی مہاجر کے پاس اپنے ملک میں نصاب کی مقدار کے برابر مال ہو لیکن ہجرت کرنے کے بعد غربت کی زندگی گزار رہا ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ میں بنیادی چیز فقراء کی مشکلات کو آسان کرنا ہوتا ہے، محض اس وجہ سے کہ فلاں مہاجر ہے اس کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا یجوز دفع الزکوٰۃ الی من یملک نصاباً من ای مال کان۔ (الہدایہ باب المصرف ص۱۸۹)[1]

البتہ جو شخص اپنے ملک میں صاحبِ نصاب تھا لیکن ہجرت کرکے کسی اور جگہ جانے کے بعد جب یہ شخص صاحبِ نصاب نہ رہے تو اپنے ملک میں مالدار ہونے کی وجہ سے ہجرت کی جگہ صاحبِ نصاب نہیں بن سکتا ہے، لہٰذا ایسے شخص کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ لقولہ تعالیٰ: لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ۔ (الآیۃ)

کسی غیر مسلم کو زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ دینے کا حکم

سوال:۔ کسی غیر مسلم کو اس کی غربت کی وجہ سے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی صحتِ ادائیگی کے لیے مصرف کا مسلمان ہونا شرط ہے، اس لیے زکوٰۃ اور دیگر صدقاتِ واجبہ کسی غیر مسلم کو نہیں دیئے جاسکتے۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا یجوز ان یدفع الزکوٰۃ الی ذمی لقولہ علیہ السلام لمعاذؓ خذھا من اغنیائھم وردھا فی فقرائھم ویدفع الیہ ما سوی ذالک من الصدقۃ (الہدایہ ج۱ ص۲۰۵ باب من یجوز دفع الصدقات الیہ ومالا یجوز)[2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: ولا الی غنی یملک قدر نصاب فارغ عن حاجتہ من ای مال کان۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۳۹ باب المصرف)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف۔

[2] قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: (و) لا تدفع الی (ذمی) لحدیثِ معاذؓ (وجاز) دفع (غیرھا وغیر العشر) والخراج (الیہ) ای الذمی ولو واجباً کنذر وکفارۃ وفطرۃ خلافاً للثانی۔ الخ

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۵۱ باب المصرف)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۸ باب المصرف۔

نابالغ کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال: ۔ نابالغ کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: ۔ زکوٰۃ کے مصرف میں یہ ضروری نہیں کہ جس کو زکوٰۃ دی جائے وہ بالغ ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ قبض کرنے والا عاقل ہو، رقم لینے اور اس کو خرچ کرنے کے بارے میں فہم رکھتا ہو۔ مراہق بچہ عموماً اس درجہ کا عقل ضرور رکھتا ہے، اس لیے مراہق عاقل بچے یا بچی کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں، تاہم ایسا نابالغ بچہ غربت و مالداری میں والد تابع ہوتا ہے، اس لیے اگر اس کا والد صاحب نصاب ہو تو پھر اس کے نابالغ بچے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: ودفع الزکوٰۃ الی صبیان آقاربه برسم عید او الی مبشر او مهدی الباکورۃ جاز۔ وقال ابن عابدینؒ فی تشریح۔ قوله (الی صبیان آقاربه) ای العقلاء والا فلا یصح الا بدفع الی ولی الصغیر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۵ باب المصرف)[1]

علم دین کا طالب زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے

سوال: ۔ دینی مدارس کے طلباء کو زکوٰۃ دینے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ ان میں اکثر طلباء محتاج ہوتے ہیں اور اہلِ خیر کی توجہات کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں؟

الجواب: ۔ دینی مدارس کے طلباء شب و روز علم دین کے حصول میں مصروف رہتے ہیں اور دنیوی کاموں کی طرف بہت کم توجہ دے پاتے ہیں، اس لیے زکوٰۃ اور دیگر صدقات کے یہ لوگ زیادہ مستحق ہیں بلکہ دوسرے لوگوں کی نسبت ان کو زکوٰۃ دینا زیادہ بہتر ہے، تاہم کسی مالدار طالب علم کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: وفی المعراج التصدق علی العالم الفقیر افضل۔ وفی رد المحتار ای من الجاهل الفقیر قهستانی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۳ باب المصرف)[2]

---

[1] وفی الهندیة: ولو قبض الصغیر وهو مراهق جاز وکذا لو کان یعقل القبض بان کان لا یرمی به ولا یخدع عنه ولو دفع الی فقیر معتوه جاز۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۹۰ باب المصرف)
وَمِثْلُهٗ فی فتاوی قاضی خان ج ۱ ص ۱۲۸ فصل فیمن یوضع فیه الزکوٰۃ۔

[2] وفی الهندیة: التصدق علی الفقیر العالم افضل من التصدق علی الجاهل۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۷ الباب السابع فی المصارف)
وَمِثْلُهٗ فی الطحطاوی حاشیه مراقی الفلاح ص ۳۹۲ باب المصرف۔

کسی دینی مدرسہ کے مالدار اُستاذ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

سوال: اگر کسی شخص نے اسلامی مدرسہ میں درس و تدریس کے لیے اپنے آپ کو فارغ کیا ہو اور مالی اعتبار سے اس کی حالت مستحکم ہو یعنی مالکِ نصاب ہو تو کیا ایسے شخص کو علوم دینیہ کا مدرس ہونے کی حیثیت سے زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ زکوٰۃ کی تملیک میں قبض کرنے والے کا فقیر ہونا شرط ہے اس لیے عامل کے علاوہ زکوٰۃ کے مصرف کی دوسری قسموں میں کسی فقیر کے علاوہ غنی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ تدریس کرنا کوئی ایسا عمل نہیں جو اس کو زکوٰۃ کا مصرف بنا دے، اس لیے صاحبِ نصاب مدرس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قال ابن عابدینؒ: هٰذا الفرع مخالف لاطلاقهم الحرمة فی الغنی ولم یعتمده احد۔ قلت وهو كذلك والاوجه تقييده بالفقير۔۔۔ قال للاتفاق علی ان الاصناف کلهم سوی العامل یعطون بشرط الفقر۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۰/۳۴۳ باب المصرف)[1]

سادات زکوٰۃ کا مصرف نہیں

سوال: سادات کے لیے مالِ غنیمت میں خمس الخمس باقی نہ رہنے کی وجہ سے کیا ان کو زکوٰۃ یا دیگر صدقاتِ واجبہ دیئے جا سکتے ہیں یا نہیں، خاص کر جب سادات فقراء ہوں؟

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک خاندان کی طرف منسوب سادات حضرات بذاتِ خود ہر وقت تعظیم و احترام کے قابل ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ان کو عظمت و عزت کی نگاہ سے دیکھنا ایمانی جذبہ کا تقاضا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زکوٰۃ نہ دینے کا حکم ان کی عظمت و احترام کی وجہ سے دیا تھا اس لیے ان کا حکم مرورِ زمانہ یا خمس الخمس نہ رہنے کی وجہ سے متاثر نہیں ہوتا تاہم اربابِ استطاعت کے لیے ضروری ہے کہ نفلی صدقات اور عطیات سے ان کے ساتھ تعاون کریں تاکہ ان کی حالت بہتر رہے، اور صدقاتِ واجبہ (زکوٰۃ، صدقۂ فطر وغیرہ) نہ دیا کریں، اگرچہ امام طحاویؒ سے جواز کا قول مروی ہے۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا تدفع الی بنی هاشمی۔ لقوله علیه السلام: یا بنی هاشم

---

[1] قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا یجوز دفع الزکوٰۃ الی من یملک نصابًا من ای مال کان۔ الخ (الهدایة ج ۱ ص ۲۰۴ باب المصرف)
ومثلهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹ باب المصرف۔

ان اللہ تعالیٰ حرم علیکم غسالۃ الناس واوساخھم۔ الخ (الھدایۃ ج۱ ص۲۰۶ باب المصرف) [1]

کسی مستحق کو مقدارِ نصاب زکوٰۃ دینا جائز ہے

سوال:۔ اگر کسی فقیر اور مستحق کو اتنی زکوٰۃ دی جائے جو اس کے غنا کا سبب بن سکے اور وہ اس سے صاحبِ نصاب بن جائے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ دینے میں بنیادی فلسفہ فقراء کی حالت بہتر بنانا ہے، اس لیے ان کو اتنا مال دینا مناسب ہے جس سے ان کی غربت دور ہوسکے، لہٰذا اگر کوئی شخص مقروض ہو تو اس کو قرضہ کی ادائیگی کے لیے جملہ رقم دینا جائز ہے اگرچہ یہ رقم نصاب سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، لیکن بلاوجہ کسی شخص کو نصاب کی مقدار کی زکوٰۃ دینا مکروہ ہے تاہم زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وکرہ اعطاء فقیر نصابًا او اکثر الا اذا کان المدفوع الیہ مدیون او کان صاحب عیال بحیث لو فرقہ علیھم لا یخص کلًا او لا یفضل بعد دینہ نصابًا فلا یکرہ الخ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۳۵۳ باب المصرف) [2]

عصری علوم حاصل کرنے والے طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے

سوال:۔ ایک طالب علم کالج یا یونیورسٹی میں پڑھتا ہو اور تعلیمی اخراجات اس کی استطاعت سے بالا ہوں، تو کیا اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

الجواب:۔ عصری علوم کی تعلیم حاصل کرنا کوئی ناجائز نہیں اور نہ اس میں معروفیت کی وجہ سے انسان کی اہلیت متاثر ہوتی ہے، اس لیے ایسا طالب علم جب مسلمان اور بالغ ہو اور صاحبِ نصاب نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ اس کا والد مالدار ہو، کیونکہ بالغ بیٹا والد کی مالداری سے مالدار نہیں بنتا ہے، تاہم غیر شرعی اخراجات میں تعاون کرنا تعاون علی المعصیت

---

[1] وفی الھندیۃ: ولا یدفع الی بنی ھاشم وھم آل علیؓ وآل عباسؓ وآل جعفرؓ وآل عقیلؓ وآل الحرثؒ بن عبدالمطلب، الخ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۹ باب المصرف)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۴۶ باب المصرف۔

[2] قال زین الدین ابن نجیمؒ: (قولہ وکرہ الاغناء) ای کرہ ان یدفع الی فقیر ما یصیر بہ غنیًا۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۹ باب المصرف)

ومثلہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۸ باب المصرف۔

کے مترادف ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولا الی طفله بخلاف ولده الکبیر وابیه۔ الخ۔ وفی ردالمحتار: ولا الی طفله ای الغنی فیصرف الی البالغ ولو ذکراً صحیحاً۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۹/۳۵۰ باب المصرف) ۱؎

مالدار طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

اگر کوئی طالب علم مالدار ہو تو کیا اُسے زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

الجواب:- اگر کسی طالب علم کے پاس اپنے گھر میں مال موجود ہو اور وُہ نصاب کے برابر ہو۔ مگر سفر کی حالت میں اس کے پاس مال نصاب سے کم ہو تو ایسے طالب علم کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ کیوں کہ ملکیت ید کا اعتبار ہے۔

قال ابن عابدینؒ: وابن السبیل اذا کان له فی وطنه مال بمنزلة الفقیر۔
(رد المحتار، باب المصرف ص ۳۴۳)

البتہ اگر طالب علم کے پاس موجود مال اِتنا ہو کہ نصاب تک پہنچتا ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، کیونکہ تملیکِ فقیر زکوٰۃ دینے میں شرط ہے، البتہ عامل زکوٰۃ اس شرط سے مستثنیٰ ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وهذا الفرع مخالف لاطلاقهم الحرمة فی الغنی ولم یعتمده احد قلت وهو کذلك والاوجه تقییده بالفقیر...... ثم قال الاتفاق علی ان الاصناف کلهم سوی العامل یعطون بشرط الفقر۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۰ باب المصرف) ۲؎

۱؎ قال زین الدین ابن نجیم الحنفیؒ: (قوله وعبده وطفله) ای لا یجوز دفع الزکوٰة وما الحق بها العبد الغنی وولده الصغیر لان الملك فی العبد یقع لمولاه وهو لیس بمصرف۔
(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۶ باب المصرف)

ومثله فی الهندیة ج ۲ ص ۱۸۹ باب المصرف۔

۲؎ قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا یجوز دفع الزکوٰة الی من یملك نصاباً من ای مال کان لان الغنی الشرعی مقدر به۔ (الهدایة ج ۱ ص ۱۸۹ باب المصرف)

وایضاً: وابن السبیل من کان له مال فی وطنه وهو فی مکان لا شیء له فیه۔
(الهدایة ج ۱ ص ۱۸۷ باب المصرف)

مدارس عربیہ کو سفراء کے ذریعہ زکوٰۃ دینا

سوال:۔ مدارس عربیہ کے لیے کوئی مستقل ذرائع آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ و دیگر صدقاتِ واجبہ کی رقوم سفراء کی وساطت سے جمع کی جاتی ہیں، کیا مدارس کے سفراء کو زکوٰۃ دیدینے سے انسان کی ذمہ داری فارغ ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ و دیگر صدقاتِ واجبہ کی صحتِ ادائیگی کے لیے فقراء اور مساکین کی تملیک شرط ہے، اس لیے جن مدارس میں طلباء کو کھانا دیا جاتا ہے تو تملیکاً کھلانے سے زکوٰۃ کی رقوم کی ادائیگی درست ہے، البتہ جن مدارس میں مطبخ کا انتظام نہ ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے طلباء کا اصالتاً یا وکالتاً قبض ضروری ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ علماء اور طلباء کو خود صدقات وغیرہ دیئے جائیں۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: یصرف المزکی الی کلھم او الی بعضھم الخ تملیکاً لا اباحۃ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف)[1]

میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

سوال:۔ کیا خاوند اپنی مسکین بیوی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ ایسا ہی خاوند کو بیوی زکوٰۃ دے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ میاں بیوی ایک دوسرے کی زکوٰۃ کے لیے مصرف نہیں اس لیے ایک دوسرے کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ:۔ ولا الی امرأته للاشتراك فی المنافع عادۃ ولا تدفع المرأۃ الی زوجها عند ابی حنیفۃؒ۔ (الھدایۃ ج۱ ص۱۸۸ باب المصارف)[2]

قریبی مدرسہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے مدرسہ میں زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص زکوٰۃ ہمیشہ اپنے قریبی دینی مدرسہ کو

---

[1] وقال زین الدین ابن نجیم الحنفیؒ: ھی تملیك المال من فقیر مسلم الخ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۰ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولا الی من بینهما ولاد ولو مملوکاً لفقیر او بینهما زوجیۃ ولو مبانۃ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۶ باب المصرف)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۹ باب المصرف۔

چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کے مدرسہ کو زکوٰۃ دیتا ہے، کیا عندالشرع ایسا کرنا جائز ہے، اور کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اپنے شہر سے دوسرے شہر کی طرف زکوٰۃ منتقل کرنا عندالشرع مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اگر عزیز و اقارب کسی دوسرے شہر میں رہتے ہوں یا اپنے شہر سے دوسرے شہر والے زیادہ حاجتمند ہوں یا وہاں ایسا مدرسہ ہو جو اس قریبی مدرسہ سے زیادہ امانت دار اور حاجتمند ہو تو اس صورت میں کوئی کراہت نہیں اور ایسا کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ اولیٰ ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: (و) کرہ (نقلها الا الی قرابة) بل فی الظهیریة لاتقبل صدقة الرجل وقرابته محاویج حتی یبدا بهم فیسد حاجتهم (او احوج) او اصلح او اورع او انفع للمسلمین۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۵۳/۳۵۴ باب المصرف)[1]

کسی سیاسی تنظیم یا انجمن کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ ایک تنظیم مذہبی اور سیاسی ہو جو کہ ملک میں نفاذ اسلام کے لیے کوشش کرتی ہو تو کیا ایسی تنظیم کو زکوٰۃ اور عشر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ و عشر کی ادائیگی میں مسلمان فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے، لہٰذا کوئی تنظیم یا انجمن اگرچہ مذہبی ہی کیوں نہ ہو ان شرائط کی وجہ سے زکوٰۃ و عشر اور صدقاتِ واجبہ کی مستحق نہیں، لہٰذا ایسی کسی تنظیم کو زکوٰۃ و عشر اور صدقاتِ واجبہ دینا جائز نہیں۔

قال ابن نجیمؒ:۔ هی تملیك المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالیٰ الخ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)[2]

---

[1] وفی الهندیة: ویکره نقل الزکوٰة من بلد الی بلد الا ان ینقلها الانسان الی قرابته او الی قوم هم احوج الیها من اهل بلده ولو نقل الی غیرهم اجزأ وان کان مکروها۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۹۰ الباب السابع فی المصارف)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۵ باب المصرف۔

[2] قال شیخ الاسلام محمد بن عبد الله التمرتاشی الحنفیؒ: هی تملیك جزء مال عینه الشارع من مسلم فقیر۔ الخ (تنویر الابصار متن الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۵۶/۲۵۷ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۱۷۰ کتاب الزکوٰۃ۔

زکوٰۃ کی نیت سے غریب کو کھانا کھلانا

سوال:۔ اگر کسی غریب اور مستحقِ زکوٰۃ کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا جائے اور اس کھانے میں نیت زکوٰۃ کی کرلی جائے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں اہم شرط تملیک کی ہے کہ کسی غریب یا یتیم کو اس کا مالک کر دیا جائے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں غریب کو کھانا کھلانے میں تملیک نہیں بلکہ اباحت ہے اس لیے اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، تاہم اگر وہ کھانا کسی غریب کو بطورِ تملیک دیا جائے تو وہ درست ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ فلو اطعم یتیمًا ناویًا الزکوٰۃ لایجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم لانہٗ بالدفع الیہ بنیۃ الزکوٰۃ یملکہ فیصیر اٰکلا من ملکہ بخلاف ما اذا اطعمہ معہٗ۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۵۷ کتاب الزکوٰۃ) [1]

وکیل کا زکوٰۃ کی رقم کو خود استعمال کرنا

سوال:۔ اگر کسی شخص کو زکوٰۃ کے پیسے کسی مدرسہ یا غریب شخص کے لیے دیئے جائیں لیکن یہ شخص وہ خود اپنے اوپر خرچ کرے جبکہ یہ شخص (وکیل) خود بھی مستحق ہے تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب:۔ اگر مزکی (زکوٰۃ دینے والے) نے اس آدمی کو کسی خاص شخص یا مدرسہ کو زکوٰۃ پہنچانے کا وکیل بنا کر زکوٰۃ کے پیسے دیئے ہوں اور اس صورت میں وکیل نے وہ رقم اپنے اوپر خرچ کرلی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور یہ وکیل ضامن ہوگا۔ البتہ اگر مزکی کی طرف سے مطلق اختیار دیا گیا ہو کہ جہاں چاہے اس کو خرچ کرے تو اگر یہ شخص خود مستحقِ زکوٰۃ ہو اور اس نے وہ رقم بطورِ زکوٰۃ اپنے لیے قبض کرلی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وللوکیل ان یدفع لولدہ الفقیر وزوجتہ لا لنفسہ الا اذا قال ربھا ضعھا حَیثُ شِئتَ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۶۹ کتاب الزکوٰۃ) [2]

---

[1] قال العلامہ ابن نجیمؒ: واما الاطعام ان دفع الطعام الیہ بینۃ یجوز ایضًا لھذہ العلۃ وان کان لم یدفع الیہ ویاکل الیتیم لم یجز لانعدام الرکن هو التملیک۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ)

[2] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: للوکیل أن یدفع الزکوٰۃ لولد الفقیر او زوجۃ الفقیرۃ اذا لم یامرہ بالدفع الی شخص معین ولا یجوز لہ أن یأخذ الزکوٰۃ لنفسہ الا اذا قال لہ الموکل ضعھا حیث شئت (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۲ ص۸۹۱ کتاب الزکوٰۃ۔ ثانیا التوکیل فی اداء الزکوٰۃ۔

وکیل کا اپنے اقرباء کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ اگر کسی شخص کو تقسیمِ زکوٰۃ کی ذمہ داری سونپی گئی ہو تو کیا یہ شخص اپنے اصول اور فروع کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وکیل ذاتی طور پر مالک کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ نہیں لے سکتا ہے لیکن اس کے اصول و فروع جب مصرفِ زکوٰۃ ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال الشیخ الامام حافظ الدینؒ: الوکیل باداء الزکوٰۃ اذا صرفه الیٰ ولده الکبیر او الصغیر او امرأته وهم محاویج جاز ولا یمسك لنفسه شیئاً۔
(بزازیة علیٰ هامش الهندیة ج۴ ص۸۶ کتاب الزکاۃ۔ الثانی فی المصرف)[1]

غنی مجاہد کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ وہ لوگ جو جہاد میں شریک ہوں اگرچہ مالی اعتبار سے ان کی حیثیت مستحکم ہو لیکن پھر بھی محض اس مقدس کام کی وجہ سے ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا شخص اگر وطن میں مال رکھتا ہو لیکن میدانِ جہاد میں جاتے وقت اُس کے پاس مال نہ ہو تو پھر جہاد کے لیے نکلنے والے اس شخص کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں، تاہم غنی کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

لما قال الکاسانیؒ: واما استثناء الغازی فمحمول علیٰ حال حدوث الحاجة وسماه غنیاً علیٰ اعتبار ما کان قبل حدوث الحاجة وهو ان یکون غنیاً ثم حدث به الحاجة...... ثم یعزم علی الخروج فی سفر غزوٍ فیحتاج الیٰ آلات سفر وسلاح یستعمله فی غزوٍ ومرکب یغزو علیه...... فیجوز ان یعطی من الصدقات ما یستعین به فی حاجته التی تحدث له فی سفره وهو فی مقامه غنی بما یملکه لانه غیر محتاج فی حال اقامته فیحتاج فی حال سفره فیحمل

---

[1] قال ابن عابدینؒ: (ولا الیٰ طفله) ای الغنی فیصرف الی البالغ ولو ذکراً صحیحاً..... فافاد ان المراد بالطفل غیر البالغ ذکراً او اُنثیٰ فی عیال ابیه او لا علی الاصح لما انه یعد غنیاً بغناه بخلاف ولده الکبیر فانه لا یعد غنیاً بغنا ابیه ولا الاب بغنا ابنه ...... ولا الطفل بغنیٰ امه۔
(رد المحتار ج۲ ص۳۴۹/۳۵۰ باب المصرف، مطلب فی الحوائج الاصلیة)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۸۹ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السابع فی المصارف۔

قوله لا تحل الصدقة لغنيٍ الا لغازٍ في سبيل الله على من كان غنياً في حال مقامه فيعطى بعض ما يحتاج اليه لسفره لما احدث السفر له من الحاجة الا انه يعطى حين يعطى وهو غني۔ (البدائع الصنائع ج ۲ ص ۴۶ فصل الذي يرجع الى المودى) [1]

داماد کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ کیا کوئی آدمی اپنے غریب اور مفلس داماد کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کا مال اپنے اُس رشتہ دار کو دینا جائز نہیں جو اصول یا فروع میں داخل ہو، داماد چونکہ بذاتِ خود ان دونوں میں کسی میں بھی داخل نہیں اس لیے اگر وہ غریب ہو تو دیگر رشتہ داروں کی طرح اس کو بھی زکوٰۃ دینا نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيمؒ: قيد باصله وفرعه لان من سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم وهو اولى لما فيه من الصلة مع الصدقة كالاخوة والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء۔ ولهذا قال في الفتاوى الظهيرية ويبدأ في الصدقات بالاقارب۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصرف) [2]

بہو (بیٹے کی بیوی) کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ اگر باپ بیٹا دونوں ایک ہی جگہ رہتے ہوں، کھانا پینا آپس میں اکٹھا ہو تو ایسی حالت میں بہو کو زکوٰۃ دینے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ بہو کو زکوٰۃ دینے سے فوائد اس کے گھر میں محصور رہ جاتے ہیں۔

الجواب:۔ اصول اور فروع کے علاوہ دیگر سب رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے۔ زوجۃ الابن یعنی بہو اصول اور فروع میں نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کا

---

[1] لما قال ابن عابدينؒ: (تحت قوله ما نسب للواقعات) وفي المبسوط لا يجوز دفع الزكوٰة الى من يملك نصاباً الا الى طالب العلم والغازي ومنقطع الحج لقوله عليه السلام يجوز دفع الزكوٰة لطالب العلم وان كان له نفقة اربعين سنة۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۰ كتاب الزكوٰة)
ومثله في الهندية ج ۱ ص ۱۸۹ كتاب الزكوٰة۔ الباب السابع في المصارف)

[2] وفي الهندية: والافضل في الزكوٰة والفطر والنذر الصرف اولاً الى الاخوة والاخوات ثم الى اولادهم ثم الى الجيران۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۹۰ باب المصارف)
ومثله في رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۶ باب المصرف۔

مصرف ہے اس لیے اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ اس کے فوائد گھر میں ہی رہیں بشرطیکہ ہو مستحقِ زکوٰۃ ہو۔

لما قال ابن نجیمؒ، وقید باصلہ وفرعہ لان من سواھم من القرابۃ یجوز الدفع لھم وھو اولی لما فیہ من الصلۃ مع الصدقۃ کالاخوۃ والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء۔ ولھذا قال فی الفتاوی الظھیریۃ ویبدأ فی الصدقات بالاقارب ثم الموالی ثم الجیران وذکر فی موضع آخر معزیاً الی ابی حفص الکبیر لا تقبل صدقۃ الرجل وقرابتہ محاویج فیسد حاجتھم۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف)[1]

امام مسجد کو عشر و زکوٰۃ دینا

سوال:۔ اگر ایک امام مسجد اپنے مقتدیوں سے جبراً زکوٰۃ وصول کرتا ہو یعنی مقتدیوں پر لازم ہو کہ وہ زکوٰۃ وعشر امام کو دے گا، تو کیا اس سے زکوٰۃ وعشر ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اُجرت میں زکوٰۃ دینا خواہ جبراً ہو یا رضاءً ہو جائز نہیں، ایسی حالت میں قوم کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ تاہم اگر امام غریب ہو تو بطور صلہ اس کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما فی الھندیۃ:۔ ولو نوی الزکوٰۃ بما یدفع المعلم الی الخلیفۃ ولم یستأجرہ ان کان الخلیفۃ بحال لو لم یدفعہ یعلم الصبیان ایضاً اجزاہ والا فلا وکذا ما یدفعہ الی الخدم من الرجال والنساء فی الاعیاد وغیرھا بنیۃ الزکوٰۃ۔ (الفتاوی الہندیہ ج۱ ص۱۹۰ کتاب الزکوٰۃ الباب السابع فی المصارف)[2]

مالدار امام کو صدقۂ فطر دینا

سوال:۔ اگر امام کی مالداری اس کے اقرار سے ثابت ہو تو اس کے باوجود اس کو صدقۂ فطر دینے کا کیا حکم ہے جبکہ امامت

---

[1] قال فی الھندیۃ: یکرہ نقل الزکوٰۃ من بلد الی بلد۔۔۔ والافضل فی الزکوٰۃ والفطر والنذور الصرف اولاً الی الاخوۃ والاخوات ثم الی اولادھم ثم الی الاعمام والعمات ثم الی اولادھم ثم الی الاخوال والخالات ثم الی اولادھم۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۰ کتاب الزکوٰۃ الباب السابع فی المصارف)

وَمِثْلُہٗ فی الرد المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۳۵۳ باب المصرف۔

[2] قال ابن نجیمؒ، وفی الملتقط من الاجارۃ المعلم اذا اعطی خلیفتہ شیئاً ناویاً الزکوٰۃ فان کان بحیث یعمل لہ لو لم یعطہ یصح عنھا والا فلا۔ (الاشباہ والنظائر ج۲ ص۶۲)

کی اُجرت لینے کے حق میں ہو؟

الجواب: ۔ صدقۂ فطر غرباء، فقراء اور مساکین کو بطورِ تملیک دیا جا سکتا ہے، امام جب مالدار ہو تو اس کو صدقۂ فطر دینے سے ذمہ داری فارغ نہیں ہوتی، قوم کو چاہیئے کہ امام کی خدمت متبادل طریقے سے کرے، نیز امامت کی اجرت میں صدقۂ فطر دینا جائز نہیں خواہ امام غریب ہی کیوں نہ ہو، تاہم اگر ایک امام غریب ہو تو اُجرت کی نیت کیے بغیر محض ایک عالمِ دین کی ضروریات کے تکفل کی نیت سے دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال فی الہندیۃ: ومصرف ھذہ الصدقۃ ما ھو مصرف الزکوٰۃ۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۹۴ کتاب الزکوٰۃ الباب الثامن فی صدقۃ الفطر) [1]

زکوٰۃ میں دینی کتابیں دینا

سوال: ۔ اگر کسی نے زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر طلباء میں تقسیم کیں، تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: ۔ کتابیں بھی دیگر اجناس کی طرح قابلِ تملیک و تملک ہیں، اس لیے زکوٰۃ میں کتابیں دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے تاہم اس میں طلباء کو تملیکاً دینا ضروری ہے صرف عاریۃً دینا یا مدرسہ کے کتب خانہ میں بطورِ وقف رکھنے سے تملیک کے فقدان کی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: یصرف المزکی الی کلھم او الی بعضھم الخ تملیکاً لا اباحۃ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۴ باب المصرف) [2]

عیاشی کی وجہ سے مقروض کو زکوٰۃ دینا

سوال: ۔ ایک شخص عیاشی کی وجہ سے مقروض ہو گیا تو کیا اس کو مدیون کے زمرہ میں شمار کر کے زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ۔ مقروض کے قرض میں یہ ضروری نہیں کہ اُس کا دَین کسی نیکی کی وجہ سے ہو،

---

[1] قال ابن نجیمؒ: وصدقۃ الفطر کالزکوٰۃ فی المصارف۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۶ باب المصارف)
ومِثْلُہٗ فی رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۹ باب المصرف۔

[2] قال زین الدین ابن نجیمؒ: ھی تملیک المال من فقیر مسلم الخ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)
ومِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۶۰ کتاب الزکوٰۃ۔

تاہم اگر مقروض کے قرض کی ادائیگی سے اس کے فسق وفجور میں اضافہ ہوسکتا ہو اور بے دینی کے راہیں کھل سکتی ہوں تو ایسی حالت میں کسی نیک آدمی کو زکوٰۃ دینا اولیٰ ہے۔

لما قال فی الہندیۃ: التصدق علی الفقیر العالم افضل من التصدق علی الجاھل۔

(الفتاوٰی الہندیۃ ج۱ ص۱۸۷ کتاب الزکوٰۃ الباب السابع فی المصارف)[1]

مقروض پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص کے پاس اتنا مال موجود ہو جو مقدارِ نصاب کو پہنچتا ہے لیکن یہ شخص مقروض بھی ہے، اگر قرضہ اس مال سے نکالا جائے تو نصاب پورا نہیں رہتا، کیا اس مال پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی شخص کے پاس اتنا مال ہو جو مقدارِ نصاب کو پہنچتا ہو لیکن مقروض ہونے کی وجہ سے اگر قرضہ اس سے نکالا جائے تو باقی مال سے مال نصاب پورا نہیں ہوتا اس لیے اس شخص پر زکوٰۃ لازم نہیں، البتہ قرضہ نکالنے کے بعد اتنا مال بچے جو مقدارِ نصاب کو پہنچے تو حولانِ حول سے اس پر زکوٰۃ لازم ہوگی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: وان کان مالہ اکثر من دینہ زکی الفاضل اذا بلغ نصابًا۔ (الہدایۃ ج۱ ص۱۶۸ کتاب الزکوٰۃ)[2]

زکوٰۃ دیتے وقت ظاہری حالت پر اکتفاء کرنا

سوال:۔ اگر ایک شخص کی ظاہری حالت کو مدِنظر رکھتے ہوئے اُسے فقیر و محتاج سمجھ کر زکوٰۃ دی جائے جبکہ اس کی اصل حالت سے ناواقفیت ہو تو کیا ایسی حالت میں زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اس میں دار و مدار زکوٰۃ دینے والے کے غلبۂ ظن پر ہے، اگر زکوٰۃ دیتے وقت

---

[1] قال الحصکفیؒ: او احوج او اصلح او اورع او انفع للمسلمین ..... اولیٰ طالب العلم وفی المعراج التصدق علی العالم الفقیر افضل. (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۵۳، ۳۵۴ باب المصرف)

وَمِثْلُہٗ فی الطحطاوی ص۳۹۴ باب المصرف۔

[2] قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: فلا زکوٰۃ علی مکاتب ومدیون للعبد بقدر دینہ فیزکی الزائد ان بلغ نصابًا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۶۳ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۱۱۸ کتاب الزکوٰۃ۔

اس کا غالب گمان یہ ہو کہ یہ شخص مصرفِ زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ دی جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی اگرچہ بعد میں اس شخص کا غنا ثابت ہو جائے۔

لما قال فی الهندية: اذا شك وتحرى فوقع فی اكبر رأيه انه محل الصدقة فدفع اليه اوسأل منه فدفع اوراٰه فی صف الفقراء فدفع فان ظهر انه محل الصدقة جاز بالاجماع وكذا ان لم يظهر حاله عنده واما اذا ظهر انه غنی او هاشمی...... فانه يجوز وتسقط عنه الزكوٰة فی قول ابی حنيفةؒ ومحمدؒ. الخ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص ۱۸۹، ۱۹۰ كتاب الزكوٰة الباب السابع فی المصارف)[1]

کاروبار کی جگہ ہی مستحقین میں زکوٰۃ تقسیم ہوگی

سوال:۔ فقہاء کرام نے جہاں یہ لکھا ہے کہ زکوٰۃ کا مال اپنے گاؤں کے فقراء کو چھوڑ کر دوسری جگہ فقراء کے لیے لے جانا مکروہ ہے، تو اس سے کون سا گاؤں مراد ہے؟ اگر ایک شخص وطنِ اصلی کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کو وطنِ اقامت بنا کر تجارت کرے تو اس کی زکوٰۃ کی رقم کیلئے اس کا وطنِ اصلی یا وطنِ اقامت اپنا گاؤں شمار ہوگا؟

الجواب:۔ اس سے وہ مقام مراد ہے جہاں پر کاروبار کیا جاتا ہو خواہ وطنِ اصلی ہو یا وطنِ اقامت، ممکن ہے کہ ایک انسان اپنی جائے پیدائش (وطنِ اصلی) کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ مصروفِ عمل ہو تو اس کو چاہیئے کہ کاروبار کی جگہ میں فقراء پر زکوٰۃ تقسیم کرے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: والمعتبر فی الزکوٰۃ فقراء مکان المال الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۵ باب المصرف)[2]

زکوٰۃ کی رقم سے دینی کتاب چھپوانا

سوال:۔ ایک شخص نے دینی کتاب چھپوانے کا ارادہ

---

[1] قال العلامة برهان الدين المرغينانیؒ: قال ابو حنيفةؒ ومحمدؒ اذا دفع الزكوٰة الی رجل يظنه فقيرًا ثم بان انه غنی او هاشمی او كافر او دفع فی ظلمة فبان انه ابوه او ابنه فلا اعادة عليه..... وهذا اذا تحری فدفع وفی اكبر رأيه انه مصرف اما اذا شك ولم يتحر او تحری فدفع وفی اكبر رأيه انه ليس بمصرف لا يجزيه الا اذا علم انه فقير هو الصحيح۔ (الهداية علی صدر فتح القدير ج ۲ ص ۲۱۴، ۲۱۵ باب من يجوز دفع الصدقة اليه۔ الخ)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصارف۔

[2] قال زين الدين ابن نجيمؒ: والمعتبر فی الزكوٰة مكان المال فی الروايات كلها۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۰ باب المصرف)

ومثله فی الهندية ج ۱ ص ۱۹۰ الباب السابع فی المصارف)

ارادہ کیا لیکن وہ مفلس ہے تو اگر لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے کتاب چھپوائے اور پھر مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کرے تو کیا یہ جائز ہے یا نہ ؟

الجواب:۔ اگر یہ شخص خود مصرفِ زکوٰۃ ہو اور زکوٰۃ دہندگان کی اجازت سے طباعت کے بعد یہ کتاب مستحقین میں تقسیم کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے اور جہاں تملیک ممکن نہ ہو وہاں زکوٰۃ کا حکم لگانا درست نہیں۔

لما قال الحصکفیؒ: ویشترط ان یکون الصرف تملیکًا لا اباحۃ فلا یصرف الی بناء نحو المسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۴ باب المصرف)[1]

مدارس اور خانقاہوں میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا

سوال:۔ مدارس کے مہتمم یا کسی خانقاہ کے رئیس کے پاس زکوٰۃ جمع ہو کر مطبخ وغیرہ پر خرچ ہوتی ہے، ایسی حالت میں مطبخ سے کھانے والوں میں یہ فرق نہیں ہوتا ہے کہ یہ کسی مالدار نے کھایا یا غریب نے، تو کیا اس سے زکوٰۃ کی رقم ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی رقم کی صحتِ ادائیگی کے لیے کسی فقیر اور مسکین کو مالک بنانا ضروری ہے، مدارس دینیہ میں عموماً غریب اور نادار طلباء ہوتے ہیں جن کو زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے، لیکن خانقاہوں کے لنگر سے کھانے والوں میں صرف مساکین نہیں ہوتے بلکہ مالدار لوگ بھی شامل ہوتے ہیں، ویسے بھی کھانا کھلانے میں جب تک باقاعدہ تملیک نہ ہو تو صرف اباحت کے طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی صحتِ زکوٰۃ کے لیے کافی نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ فقراء زکوٰۃ قبض کر کے پھر اگر چاہیں تو مطبخ یا لنگر میں خرچ کریں، لیکن اس میں بھی فقیر سے جبراً رقم واپس لینا حیلۂ تملیک میں ہزل کی نشاندہی کرتا ہے بہرحال کسی حیلۂ تملیک کے بغیر زکوٰۃ کی رقم لنگر میں خرچ کرنا نقصان سے خالی نہیں۔

قال فی الهندیة: منها الفقیر وهو من له ادنیٰ شیٔ وهو ما دون النصاب او قدر نصاب

---

[1] قال فی الهندیة: اما تفسیرها فهی تملیک المال من فقیر مسلم۔ الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۷ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول)

وفیه ایضًا: ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطر والسقایات..... وکل ما لا تملیک فیه۔ الخ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۱۸۸ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السابع فی المصارف)

ومثله فی فتح القدیر ج ۲ ص ۲۰۸/۲۰۷ باب المصرف۔

غیر نامٍ وهو مستغرق فی الحاجة فلا یخرجه عن الفقر ملك نصاب کثیرة غیر نامیة اذا کانت مستغرقة بالحاجة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹ کتاب الزکوٰة۔ الباب السابع فی المصارف)[1]

دینی مدارس یا رفاہی اداروں کے مال پر زکوٰۃ

سوال:۔ بعض دینی مدارس اور رفاہی اداروں کی کافی آمدنی ہوتی ہے، کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے شخصی ملکیت کا ہونا ضروری ہے اس لیے مدارس یا کسی رفاہی ادارے کی آمدنی پر حولانِ حول کے باوجود زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

لما قال ابن عابدینؒ: (قوله ملك نصاب) فلا زکوٰة فی سوائم الوقف والخیل والمسبلة لعدم الملك۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۹ کتاب الزکوٰة)[2]

کسی سیاسی جماعت کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ دورِ حاضر میں بعض سیاسی جماعتیں اپنے لیے زکوٰۃ اور چرمِ قربانی جمع کرتی ہیں، کیا ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟ اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ یا صدقاتِ واجبہ میں تملیک بلاعوض شرط ہے، چونکہ سیاسی جماعتوں میں یہ چیز مفقود ہوتی ہے اس لیے اموالِ زکوٰۃ کو سیاسی مقاصد، مقدمات، الیکشن یا دیگر کاموں میں استعمال کرنا جائز نہیں اور نہ اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی بلکہ اس کے بجائے دینی مدارس زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: هی تملیك خرج الاباحة فلو اطعم یتیمًا ناویا الزکوٰة لا یجزیه الا اذا دفع الیه المطعوم..... جزء مالٍ خرج المنفعة فلو اسکن فقیرًا دارہ سنة ناویًا

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: ای مصرف الزکوٰة والعشر هو فقیر وهو من له ادنی شئ ای دون نصاب او قدر نصابٍ غیر نامٍ مستغرق فی الحاجة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۳۹ باب المصرف)

وَمِثْلُهُ فی المراقی الفلاح ص ۳۹۲ باب المصرف۔

[2] قال العلامة کاسانیؒ: واما الشرائط التی ترجع الی المال فمنها الملك فلا تجب الزکوٰة فی سوائم الوقف والخیل المسبلة لعدم الملك وهذا لان فی الزکوٰة والتملیك فی غیر الملك لا یتصور۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۹ فصل الشرائط التی ترجع الی المال)

[3] وَمِثْلُهُ فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج ۱ ص ۲۵۲ کتاب الزکوٰة۔

لایجزیہ عینہ الشارع ..... من مسلم فقیر ولو عتوھا۔
(الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار ج ۲ ص۲۵۷، ۲۵۸ کتاب الزکوٰۃ)[1]

ٹیکس کی ادائیگی سے زکوٰۃ اور عشر کا وجوب متاثر نہیں ہوتا

سوال:۔ حکومت کاروباری اور صنعتی اداروں سے بھاری ٹیکس وصول کرتی ہے اور ان ٹیکسوں کو رفاہِ عامہ کے کاموں میں بھی خرچ کرتی ہے، کیا اس طرح ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ کی ذمہ داری ختم ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مختلف قسم کے ٹیکس حکومت کا ذریعۂ آمدنی ہوتے ہیں جن میں عبادت کا عنصر مفقود ہوتا ہے اس لیے اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت ٹیکس ہر شہری سے وصول کرتی ہے خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، جبکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغينانيؒ: الزكوٰة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملك نصاباً ملكاً تاماً وحال عليه الحول۔ (الہدایہ ج۱ ص۱۸۵ کتاب الزکوٰۃ)[2]

موقوفہ زمین کے مقدمہ پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا

سوال:۔ ہمارے گاؤں کے قبرستان کی زمین پر ایک آدمی نے ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے، کیا ہم اس کے مقدمے میں اپنی زکوٰۃ کی رقم خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک بلاعوض شرط ہے، چونکہ اس مقدمہ میں یہ شرط مفقود ہے اس لیے قبرستان کے مقدمے یا دیگر رفاہِ عامہ کے کاموں میں زکوٰۃ کے روپے لگانا صحیح نہیں، اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

---

[1] لما قال العلامة ابوالبركات النسفيؒ: هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي۔
(كنز الدقائق على هامش البحر الرائق ج۲ ص۲۱۶ كتاب الزكوٰة)

[2] لما قال العلامة الحصكفيؒ: وشرط افتراضها عقل وبلوغ واسلام وحرية والعلم به ولو حكماً ككونه في دارنا فلا زكوٰة۔ قال ابن عابدينؒ:
قوله واسلام فلا زكوٰة على كافر لعدم خطابه بالفروع۔
(ردالمحتار ج۲ ص۲۵۸/۲۵۹ كتاب الزكوٰة)
ومثله في شرح الوقاية ج۱ ص۲۶۹ كتاب الزكوٰة۔

لما قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفیؒ، ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحۃ کما مرّ لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینہ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف)[1]

زکوٰۃ کی رقم سے مشترکہ مفاد کے لیے سامان خریدنا

سوال:۔ اگر محلہ کے لوگ خوشی اور غم کے لیے کچھ برتن، ٹینٹ یا کرسیاں وغیرہ اجتماعی طور پر خریدنے کا ارادہ کریں، تو کیا اس کام کے لیے زکوٰۃ کی رقم استعمال کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ یا صدقاتِ واجبہ میں تملیک بلا عوض شرط ہے مشترکہ مفاد کے لیے جو اشیاء خریدی جاتی ہیں اُن میں چونکہ کسی شخص کی ملکیت نہیں ہوتی اس لیے ایسے مواقع میں زکوٰۃ کی رقم کا استعمال جائز نہیں۔

لما قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحۃً کما مرّ لا یصرف الی بناء نحو المسجد ولا الی کفن میت...... لعدم التملیك وهو الرکن۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف)[2]

کیا سُنی العقیدہ شخص کسی شیعہ کو زکوٰۃ دے سکتا ہے

سوال:۔ اگر قرب وجوار میں شیعہ آبادی کی اکثریت ہو اور سُنی العقیدہ شخص اگر اپنی زکوٰۃ شیعہ مسلک سے تعلق رکھنے والوں میں تقسیم کرے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے مصرف کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے، جبکہ غالی قسم کے شیعہ اپنے عقائدِ باطلہ کی وجہ سے اسلام سے خارج ہیں اس لیے وہ لوگ سُنی العقیدہ شخص کی زکوٰۃ کا مصرف نہیں اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، تاہم زکوٰۃ کے علاوہ صدقات نافلہ غیر مسلم کو دینے میں

---

[1] لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: تحت قولہ ولا الی ذمّی وغیرها وبناء مسجد وتکفینِ میّت وقضاء دینہ وشراء قن یعتق...... وعدم الجواز لانعدام التملیك الذی هو الرکن فی الاربعۃ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصارف)

[2] قال فی الهندیۃ: ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطر والسقایات واصلاح الطرقات...... وکل ما لا تملیك فیہ۔ (الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۱۸۹ کتاب الزکوٰۃ، الباب السابع فی المصارف)

ومثلہٗ فی الهدایۃ علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۲۰۷ باب من یجوز دفع الصدقۃ الیہ۔ الخ

کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ: وھی تملیک جزء مالٍ عینه الشارع من مسلمٍ فقیرٍ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المختار ج۲ ص۲۵۶/۲۵۷ کتاب الزکوٰة)[1]

قسطوں پر کوئی چیز فروخت کرنا اور اس پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے ایک گاڑی نقد ایک لاکھ روپیہ پر خریدی اور پھر اس کو ایک لاکھ پچیس ہزار (۱۲۵۰۰۰) روپے قسطوں پر اس طرح فروخت کیا کہ ہر سال پچیس ہزار (۲۵۰۰۰) روپے بطورِ قسط خریدارِ ثانی اُسے ادا کرے گا، اس طرح زکوٰۃ مجموعی رقم پر آئے گی یا صرف اقساط پر ہوگی؟

الجواب:۔ اگر کسی نے کوئی چیز تجارت کی نیت سے خریدی ہو اور پھر اس کو قسطوں میں منافع پر فروخت کیا ہو تو ان میں زکوٰۃ ہر قسط وصول کرنے کے بعد واجب ہوگی، جب بھی کم از کم چالیس روپے بطورِ قسط وصول ہوں تو اس میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ دینا لازم ہوگا، اگر چالیسویں حصہ سے کم ہو تو اگر اس کے پاس پہلے سے کوئی نصاب موجود ہے تو قسط سے حاصل ہونے والا مال اس کے ساتھ ملا کر کل مال سے زکوٰۃ ادا کرنا لازمی ہے ورنہ چالیس دراہم کے پورا ہونے کے بعد زکوٰۃ دینا لازمی ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: فتجب زکوٰتھا اذا تم نصاباً وحال الحول لکن لا فوراً بل عند قبض اربعین درھما من الدین القوی کقرض وبدل مالِ تجارة فکلما قبض اربعین درھمًا یلزمه درھم۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المختار ج۲ ص۳۰۵ باب زکوٰة المال)[2]

حیلۂ زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ مدارس اور مساجد میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کے لیے عموماً یہ حیلہ کیا جاتا ہے کہ ایک شخص جملہ رقم زکوٰۃ قبض کرکے تعمیر یا دوسرے امور

---

[1] قال فی الهندیة: واما الحربی المستامن فلا یجوز دفع الزکوٰة والصدقة الواجبة الیه بالاجماع ویجوز صرف التطوع الیه۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۸۸ کتاب الزکوٰة الباب السابع فی المصارف)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصارف۔

[2] وفی الهندیة: وقوی وھو ما یجب بدلا عن سلع التجارة اذا قبض اربعین زکی لما مضی۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۰۷ کتاب الزکوٰة۔

میں خرچ کرتا ہے۔ بسا اوقات قبض کرنے والا متولی مسجد یا مہتمم مدرسہ خود زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہوتا ہے، اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی سے ذمہ فارغ ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ واضح رہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی صحت کے لیے تملیک شرط ہے لیکن تملیک میں یہ ضروری ہے کہ قبض کرنے والا خود صاحبِ نصاب نہ ہو۔ اگر مہتمم یا ناظم مدرسہ بذاتِ خود صاحبِ نصاب نہ ہو تو ان سے قبض جائز ہے اور پھر اس کو مدرسہ یا مسجد میں خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ اس حیلہ کو اپنانے کی بجائے زکوٰۃ کی رقم طلباء میں تقسیم کی جائے تاکہ بہتر طریقہ سے ادائیگی ہو سکے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وحیلۃ التکفین بہا التصدق علیٰ فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لہما وکذا فی تعمیر المسجد۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۵ کتاب الزکوٰۃ) [1]

زکوٰۃ دینے کی بجائے قرض معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

سوال:۔ اگر دائن مدیون کی مفلسی اور حالتِ زار کو دیکھ کر اپنا دَین وقرضہ اس کو زکوٰۃ میں معاف کر دے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسقاط میں تملیک نہ ہونے کی وجہ سے اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور اگر اس کو زکوٰۃ کی رقم دے دے اور پھر اپنے قرضہ میں وصول کرے تو اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

وفی الھندیۃ: ولو وھب دَینہ من فقیر ونویٰ زکوٰۃ دین اٰخر لہٗ علیٰ رجل اٰخر او نویٰ زکوٰۃ عین لہٗ لم یجز کذا فی الکافی۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول فی تفسیرھا۔ الخ) [2]

---

[1] قال زین الدین ابن نجیمؒ: والحیلۃ فی الجواز فی ھذہ الاربعۃ ان یتصدق بمقدار زکوٰتہ علیٰ فقیر ثم یامرہٗ بعد ذٰلک بالصرف الیٰ ھٰذہ الوجوہ فیکون لصاحب المال ثواب الزکوٰۃ وللفقیر ثواب القرب۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۲۳ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الاشباہ والنظائر ج ۲ ص ۲۲۴ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال فخر الدین الشہیر بقاضی خانؒ: وان کان المدیون فقیرًا فوھب الدَّین ینوی بہٖ زکوٰۃ مال عین عند الواھب لا یسقط عنہ زکوٰۃ ذٰلک المال وکذا لو نوی بہٖ زکوٰۃ دَین اٰخر علیٰ غیرہ۔
(الفتاویٰ قاضی خان علیٰ ھامش الھندیۃ ج ۱ ص ۲۶۳ ۲۶۴ فصل فی ھبۃ الدَّین من المدیون)
وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۴۴ جنس فی ھبۃ الدَّین۔

زکوٰۃ کی رقم چوری ہو جائے یا کوئی جبراً چھین لے تو زکوٰۃ کے ادا ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ

سوال:۔ اگر کسی نے زکوٰۃ کی رقم الگ کر کے اس غرض سے اپنے پاس رکھی کہ جب کوئی مسکین مل جائے تو اس کو دے دوں گا، پھر کسی چور نے اس سے یہ رقم چرا لی یا کسی نے اس سے جبراً چھین لی تو کیا اس سے ذمہ داری فارغ ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں ادا کرنے والے کی نیت ضروری ہے، بصورتِ جبر جب نیت نہ ہو تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ قال زین الدین ابن نجیمؒ: لو امتنع من ادائها فالساعی لا یاخذ منه کرها ولو اخذ لا یقع عن الزکوٰۃ لکونها بلا اختیار۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ)

نیت کا ہونا زکوٰۃ دینے کے وقت ضروری نہیں بلکہ اگر کہیں پوری زکوٰۃ منہا کرتے وقت نیت کی ہو تو کافی ہے تاہم اس سے ذمہ داری ساقط نہیں ہوتی جب تک فقراء قبض نہ کریں، چوری کے وقت چونکہ فقراء کی تملیک مفقود ہے اس لیے ایسی صورت میں مالک پر دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، البتہ اموالِ ظاہرہ میں جبراً زکوٰۃ کی وصولی درست ہے۔

قال علاء الدین الحصکفیؒ: وشرط صحة ادائها نیة مقارنة له ای للاداء ولو حکما او بعزل ما وجب کله او بعضه ولا یخرج عن العهدة بالعزل بل بالاداء للفقراء۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۸ کتاب الزکوٰۃ)[1]

منی آرڈر کے ذریعے زکوٰۃ بھیجنا کیسا ہے؟ جبکہ وہی رقم نہیں پہنچتی جو زکوٰۃ ادا کرنے والے نے دی ہو

سوال:۔ ایک آدمی کسی دوسرے کے ذریعے زکوٰۃ دیتا ہے تو کیا اس شخص کی دی ہوئی رقم بعینہٖ دینا ضروری ہے یا تبدیل کی جا سکتی ہے؟ نیز بذریعہ منی آرڈر زکوٰۃ کی جو رقم کسی مستحق کو بھیجی جاتی ہے تو بعینہٖ وہی رقم اس تک نہیں پہنچتی بلکہ تبدیل ہو جاتی ہے تو اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی دوسرے آدمی کو زکوٰۃ کی رقم دے کر مستحقین زکوٰۃ کو دینی جائز ہے اور

---

[1] قال زین الدین ابن نجیمؒ: انه لا یخرج بعزل ما وجب عن العهدة بل لا بد من الاداء الی الفقیر۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ)
ومثله فی الطحطاوی حاشیة الدر المختار ج ۱ ص ۳۹۰ کتاب الزکوٰۃ۔

تبدیلیٔ رقم اگر مزکی کی اجازت سے ہوئی ہو تو یہ آدمی ضامن نہ ہوگا۔ اور بذریعہ منی آرڈر زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن منی آرڈر بھیجتے وقت نیت کرنا لازمی ہے۔ لما فی الشامی لایخرج المزکی عن العهدة بالعزل بل بالاداء للفقراء۔

لما قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: تملیک الدین ممن لیس علیه الدّین باطل الا فی ثلث حوالة او وصیة واذا سلّطه ای سلط المملک غیر المدیون علی قبضه ای الدّین فیصح حینئذ ومنه ما لو وهبت من بنتها ما علی ابیه فالمعتمد الصحة للتسلیط۔

(الدر المختار جلد ۵ ص ۵۲۱) [1]

کسی دوسری جگہ رہنے والے رشتہ دار کو زکوٰۃ بھیجنا

سوال:- ایک شخص اپنی زکوٰۃ کی رقم اپنے کسی رشتہ دار کے لیے دوسری جگہ بھیجنا چاہتا ہے جبکہ وہ خود جس جگہ مقیم ہے وہاں بھی غریب لوگ ہیں، تو کیا قرب وجوار کے غرباء کو چھوڑ کر دور رہنے والے رشتہ دار کو زکوٰۃ بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- ویسے تو عموماً ایک جگہ سے دوسری جگہ زکوٰۃ منتقل کرنا مکروہ ہے لیکن اگر زکوٰۃ دینے والے کے محتاج رشتہ دار کسی دوسری جگہ رہتے ہوں تو رشتہ داری کی بناء پر زکوٰۃ منتقل کرنا مرخص ہے، بلکہ زکوٰۃ پہلے رشتہ داروں میں تقسیم کرنا افضل ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: (تحت قوله بل فی الظهیریة لاتقبل) عن ابی هریرة (رضی الله عنه) مرفوعاً الی النبیّ صلی الله علیه وسلم انهٗ قال یا اُمّة محمد والذی بعثنی بالحق لا یقبل الله صدقة من رجلٍ ولَهٗ قرابة یحتاجون الی صلته ویصرفها الی غیرهم والذی نفسی بیده لا ینظر الله الیه یَوْمَ القیٰمة والمراد بعدم القبول عدم الاصابة علیها وان سقط بها الفرض لان المقصود منها سد خلة المحتاج وفی القریب جمع بین الصلة والصدقة

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: کما اذا وکل رجلاً بدفع زکوٰة ماله ونوی المالک عند الدفع الی الوکیل بلانیة یجزیه لان المعتبر نیة الآمر لانه المؤدی حقیقةً۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۰ کتاب الزکوٰة)
ومِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۱ کتاب الزکوٰة۔

والافضل اخوته واخواته الخ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۳/۳۵۴ باب المصرف)[1]

زکوٰۃ کی رقم سے تقسیم کنندہ کو مزدوری دینا

سوال:۔ موجودہ دور میں حکومتِ وقت بینکوں میں عوام کی جمع شدہ رقوم سے کچھ کٹوتی کرتی ہے پھر وہ رقم لوگوں کو دی جاتی ہے اور اس کام کے لیے حکومت نے کچھ آدمی مقرر کیے ہوئے ہیں جن کو اس رقم کی تقسیم اور دیگر معاملات کے عوض ماہانہ کچھ رقم بطور تنخواہ والاونس کے ملتی ہے۔ کیا ایسے لوگوں کے لیے یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ حکومت کے بیان کے مطابق یہ زکوٰۃ کی رقم ہوتی ہے اور ان تقسیم کاروں میں اکثریت مصرفِ زکوٰۃ بھی نہیں ہوتی؟

الجواب:۔ ایسی رقوم پر حکومت کی تمام کٹوتی زکوٰۃ پر نہیں ہوتی بلکہ اس میں سود کا بھی کچھ حصہ شامل ہوتا ہے تاہم اگر زکوٰۃ بھی ہو تو عامل کو زکوٰۃ کی رقم سے مزدوری دینا جائز ہے اگرچہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو؟

لما فی الهندية: ومنها العامل وهو من نصبه الامام لاستيفاء الصدقات والعشور ويعطيه ما يكفيه واعوانه بالوسط مدة ذهابهم وايابهم ما دام المال باقياً الا اذا استغرقت كفايته الزكوٰة فلا يزاد على النصف۔ (الفتاوى الهندية جلد ۱ ص ۱۸۸ كتاب الزكوٰة۔ الباب السابع فى المصارف)[2]

* * *

---

[1] قال ابن نجيم رحمه الله: ويبدأ فى الصدقات بالاقارب ثم الموالى ثم الجيران وذكر فى موضع آخر معزياً الى ابى حفص الكبير لاتقبل صدقة الرجل وقرابته محاويج فيسد حاجتهم۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصرف)

وَمِثْلُهٗ فى نور الايضاح ص ۱۶۱ كتاب الزكوٰة۔ باب المصارف۔

[2] قال العلامة الحصكفى رحمه الله:۔ وعامل يعم الساعى والعاشر فيعطى ولو غنياً لاهاشمياً لانه فرغ نفسه لهذا العمل فيحتاج الى الكفاية والغنى لايمنع من تناولها۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۳۹/۳۴۰ باب المصرف)

وَمِثْلُهٗ فى البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۱ باب المصارف

مدارس کے مہتمم زکوٰۃ کو اپنی صوابدید کے مطابق یا حیلہ تملیک کے بعد خرچ کریں

سوال:۔ مدارس کے مہتممین کو جب زکوٰۃ کی رقم مدارس کے لیے دی جائے تو کیا وہ اسے اپنی صوابدید کے مطابق مدارس کے جملہ امور میں خرچ کرسکتے ہیں یا کہ حیلۂ تملیک کے بعد خرچ کریں؟

الجواب:۔ مدارس کے اہلِ اہتمام اگرچہ عاملین کی طرح ہیں مگر جس طرح عاملین مالِ زکوٰۃ کو اپنی صوابدید کے مطابق غیر شرعی مصارف میں خرچ نہیں کرسکتے تو اسی طرح مہتممین بھی مالِ زکوٰۃ کو نادار طلباء پر تملیکؔ کے علاوہ ان کے دیگر امور میں خرچ نہیں کرسکتے بلکہ مدرسہ کے متعلق امور میں خرچ کرنے کے لیے حیلۂ شرعی ضروری ہے۔

لما قال ابوبکر الکاسانیؒ: ما یوضع فی بیت المال من الاموال فاربعة انواع الاول زکوٰة السوائم والعشور وما اخذه العشار من تجار المسلمین اذا مروا علیهم ومحله ما ذکرنا من المصارف ای الفقراء والمساکین۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۶۸ فصل واما بیان ما یوضع ... الخ) لہ

مدارسِ دینیہ کے مہتممین کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ لوگ مدارسِ دینیہ کے مہتممین کو زکوٰۃ دیتے دیتے ہیں حالانکہ وہ خود مالدار ہوتے ہیں تو کیا ان مہتممین کو زکوٰۃ دینے سے مزکی کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا یہ کہ جب تک مہتمم کسی مصرف میں خرچ نہ کرے اس وقت تک زکوٰۃ کی ادائیگی موقوف ہوگی؟

الجواب:۔ موجودہ دور میں مدارس کے مہتممین کی حیثیت عاملینِ زکوٰۃ کی سی ہے، جب کوئی شخص ان کو زکوٰۃ ادا کرے تو اس کی زکوٰۃ اسی وقت سے ادا ہوجائے گی البتہ مہتممین کے لیے لازم ہے کہ وہ زکوٰۃ کو اپنے ذاتی مصارف میں خرچ نہ کریں بلکہ طلباءِ علومِ دینیہ پر خرچ کریں اور غیر ضروری مصارف سے احتیاط لازمی ہے۔

لما قال العلامة ابن همامؒ: فهذه جهات الزکوٰة فللمالک ان یدفع الی کل واحد

لہ وفی الهندیة، ما یوضع فی بیت المال اربعة انواع الاول زکوٰة السوائم والعشور وما اخذه العاشر من تجار المسلمین الذین یمرون علیه ومحله ما ذکرنا من المصارف۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۱۹۰ کتاب الزکوٰة۔
ومثله فی ردّ المحتار ج۲ ص۶۳ کتاب الزکوٰة۔

منھم ولہ ان یقتصر علیٰ صنف واحدٍ۔ (فتح القدیر ج ۲ ص۲۰۵ کتاب الزکوٰۃ) [1]

مالدار کے لیے زکوٰۃ کا لینا صحیح نہیں

سوال:۔ بعض علاقوں میں بعض مولوی صاحبان بڑے مالدار ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ لوگوں سے زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر وغیرہ لیتے ہیں، تو کیا ان علماء کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے؟ اور اس سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

الجواب:۔ زکوٰۃ صرف فقراء و مساکین کا حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اغنیاء پر مقرر کیا ہے، اس لیے مالدار چاہے وہ مولوی ہو یا غیر مولوی اُسے زکوٰۃ لینا صحیح نہیں، ایسے آدمی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

لما قال الشیخ عبد الحی اللکھنویؒ: علماء اغنیاء را زکوٰۃ گرفتن بالاتفاق حرام است۔
(مجموعۃ الفتاویٰ ج۲ ص۲۸۷ باب تصرف الزکوٰۃ) [2]

کیا اموالِ ظاہرہ سے حکومت زکوٰۃ وصول کرے گی؟

سوال:۔ کیا آدمی اپنے اموالِ ظاہرہ سے زکوٰۃ ادا کرسکتا ہے یا کہ حکومت کے ذمے زکوٰۃ کی وصولی واجب ہے؟

الجواب:۔ اموال دو قسم کے ہیں (۱) اموالِ ظاہرہ (۲) اموالِ باطنہ۔ فقہ حنفی کی رُو سے اموالِ ظاہرہ سے حکومت زکوٰۃ وصول کرسکتی ہے اور اموالِ باطنہ سے مالک خود زکوٰۃ ادا کرے گا۔ ابتداء سے یہی صورت چلی آرہی تھی لیکن بعد میں حضرت عثمانؓ نے اموالِ ظاہرہ سے بھی زکوٰۃ ادا کرنا

---

[1] وذکر الامام ابوبکر الجصاص الرازیؒ: عن علیؓ و ابن عباس رضی اللہ عنہما قالا اذا اعطی الرجل الصدقۃ صنفاً واحداً من الاصناف الثمانیۃ اجزأہ وروی مثل ذلک عن عمر بن الخطاب وحذیفۃ وعن سعید بن جبیر وابراہیم وعمر بن عبد العزیز وابی العالیۃ ولا یروی عن الصحابۃ خلافہ فصار اجماعاً من السلف لا یسع احد خلافہ لظہورہٖ واستفاضتہٖ فیھم الخ (احکام القرآن ج۳ ص۱۳۹)

[2] لما قال العلامۃ ابو البرکات النسفیؒ: ھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی ولا مولاہ۔ (کنز الدقائق علیٰ ھامش البحر الرائق ج۲ ص۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)
ومثلہ فی الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۶ تا ۲۵۸ کتاب الزکوٰۃ۔

صاحبِ مال کے سپرد فرمایا لہٰذا اموالِ ظاہرہ و باطنہ سے صاحبِ مال خود زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة ابوبكر الكاسانیؒ: قال عامة مشائخنا ان رسول الله صلی الله علیه وسلم طالب زكوٰته وابوبكر وعمر طالبا وعثمان طالب زمانا ولما كثرت اموال الناس ورأى ان فی تتبعها حرجا علی الامة وفی تفتیشها ضررا بارباب الاموال فوض الاداء الی اربابها۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۳۵ كتاب الزكوٰة، فصل بیان من له المطالبة)

نشہ کرنے والوں کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ آجکل اکثر ہیروئنی اور چرسی قسم کے لوگ زکوٰۃ و خیرات مانگتے ہیں اگر ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دی جائے تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

الجواب:۔ زکوٰۃ ہر فقیر و مسکین کو دینے سے ادا ہو جاتی ہے چاہے وہ اس مالِ زکوٰۃ کو معاصی پر خرچ کرے تاہم زکوٰۃ دینے والے کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ کسی عاصی (گناہ کے عادی) شخص سے معصیت کے کاموں میں تعاون نہ کرے، لہٰذا بنا برایں ہیروئنچی، چرسی، افیمی وغیرہ کو ان امور کے ارتکاب کیلئے زکوٰۃ دینا مناسب نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفیؒ:۔ هی تملیك خرج الاباحة فلو اطعم یتیما ناویا الزكوٰة لا یجزئه الا اذا دفع الیه المطعوم ...... جزء مال خرج المنفعة فلو اسكن فقیرا داره سنة ناویا لا یجزیه عینه الشارع ...... من مسلم فقیر غیر هاشمی ولا مولاه۔

(الدر المختار علی هامش الطحطاوی ج۱ ص۳۸۹ كتاب الزكوٰة) [1]

دینی مدارس میں زکوٰۃ کی تصریح ضروری

سوال:۔ کسی دینی مدرسہ میں زکوٰۃ دیتے وقت صرف نیت کافی ہوتی ہے یا رسید لکھتے وقت مالِ زکوٰۃ کی تصریح ضروری ہے؟

الجواب:۔ مدارسِ دینیہ میں زکوٰۃ دیتے وقت زکوٰۃ کی تصریح کرنا ضروری ہے تاکہ

---

[1] قال الامام ابو البركات النسفیؒ:۔ هی تملیك المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالیٰ۔

(كنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۲ ص۲۰۱ كتاب الزكوٰة)

ومثله فی بدائع الصنائع ج۲ ص۳۹ كتاب الزكوٰة۔ فصل شرائط الفریضة۔

مدرسے والے اس کو زکوٰۃ کے مصرف میں خرچ کرسکیں، صرف نیت کافی نہ ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولا یخرج عن العہدۃ بالعزل بل بالاداء للفقراء۔ وقال ابن عابدینؒ: فلو ضاعت لا تسقط عنہ الزکوٰۃ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۱۲ قبیل افتراضہا عمری) [1]

خرد برد کرنے والے کو زکوٰۃ کا وکیل بنانا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی مدرسے کا مہتمم زکوٰۃ وصدقات جمع کرکے خُرد بُرد کرتا ہو (طلباء کے نام پر زکوٰۃ وصدقات کی رقم خود کھاجاتا ہو اور مدرسے میں طالب علموں کا نام ونشان نہیں) حالانکہ یہ زکوٰۃ مدرسے کے طالبعلموں کے لیے مہتمم کو وکیل بنا کر دی جاتی ہے، تو کیا اس طرح کے مہتمم مدرسہ کو مدرسہ کے لیے زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: جہاں خرد برد کا غلبہ ظن ہو وہاں زکوٰۃ وغیرہ دینا مناسب نہیں اور اگر دی جاچکی ہو اور یہ خدشہ ہو کہ صحیح جگہ پر خرچ نہ کی جائے گی تو دوبارہ ادا کرنا چاہیے تاکہ ادائیگی یقینی ہوجائے۔

قال الحصکفیؒ: دفع بتحرٍّ لمن یظنہ مصرفًا.... لا یعید لانہ اتی بما فی وسعہ حتی لو دفع بلا تحرٍّ لم یجز ان اخطأ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۶۸ باب المصرف) [2]

---

[1] وفی الہندیۃ: واذا وضعہا ولم یخطر ببالہ انہ مصرف ام لا فہو علی الجواز الا اذا تبین انہ غیر مصرف ...... او غلب علی ظنہ انہ لیس بمصرف فہو علی الفساد۔

(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۹۰ الباب السابع فی المصارف)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال المرغینانیؒ: قال ابوحنیفۃؒ ومحمدؒ اذا دفع الزکوٰۃ الی رجل یظنہ فقیرا ثم بان انہ غنی او ہاشمی او کافر.... فلا اعادۃ علیہ۔ وقال ابو یوسفؒ علیہ الاعادۃ.... والظاہر ہو الاول وہذا اذا تحری ودفع وفی اکبر رأیہ انہ مصرف اما اذا شک ولم یتحر او تحری فدفع وفی اکبر رأیہ انہ لیس بمصرف لا یجزیہ الا اذا علم انہ فقیر ہو الصحیح۔

(الہدایۃ ج۱ ص۱۸۹ باب من یجوز دفع الصدقات الیہ ومن لا یجوز)

ومثلہ فی نور الایضاح ص۱۶۰ باب المصرف۔

فقیرِ عالمِ دین کو زکوٰۃ دینا افضل ہے

سوال:۔ ہمارا ایک مستقل با تنخواہ امام مسجد ہے لیکن وہ فقیر بھی ہے تو کیا ہم اس غریب امام کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟ یا کسی اور فقیر کو دینا ضروری ہے؟

الجواب:۔ اگر امام مسجد کی مستقل تنخواہ ہو لیکن غربت کی وجہ سے زکوٰۃ کا حقدار ہو تو کسی جاہل کو زکوٰۃ دینے کی بجائے اس غریب عالمِ دین کو دینا بہتر ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وفی المعراج التصدق علی العالم الفقیر افضل. قال ابن عابدینؒ عن القهستانی قوله افضل ای من الجاهل الفقیر۔

(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۶۹ کتاب الزکوٰۃ۔ باب المصرف)[1]

مقدارِ نصاب زکوٰۃ میں دینا مکروہ ہے

سوال:۔ میرے ایک دوست کو حج کرنے کا بے پناہ شوق ہے لیکن استطاعت نہیں رکھتا، کیا میں از روئے شرع اُسے زکوٰۃ کی رقم دے کر حج کرا سکتا ہوں؟

الجواب:۔ اگر آپ کے دوست کی ملکیت میں وہ مال جو اس کی حوائجِ اصلیہ سے زائد ہو اگر ۵۲/۱/۲ تولہ چاندی کی مروجہ قیمت کے برابر ہو تو وہ زکوٰۃ کا حقدار نہیں اس لیے اُسے زکوٰۃ کے پیسے دینا جائز نہیں، اور اگر فقیر ہو تو مصرفِ زکوٰۃ ہونے کی وجہ سے اسے زکوٰۃ کی اتنی رقم جو مقدارِ نصاب تک پہنچتی ہو دینا مکروہ ہے لیکن پھر بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لہٰذا اگر آپ اپنے دوست کو مقدارِ نصاب سے زیادہ مال زکوٰۃ میں دے دیا اور وہ قبض کرنے کے بعد اس سے حج کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی لیکن اتنی زیادہ مقدار میں زکوٰۃ دینا بھی کراہت سے خالی نہیں۔

لما فی الهندیة: ویکره ان یدفع الی رجل مائتی درهم فصاعداً وان دفعه جاز۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۸ الباب السابع فی المصارف)[2]

---

[1] وفی الهندیة: التصدق علی الفقیر العالم افضل من التصدق علی الجاهل کذا فی الزاهدی. (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۴ الباب السابع فی المصارف) ـــ ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۲۵۰ قبیل باب صدقة الفطر۔

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: وکره اعطاء فقیر نصابا او اکثر الا اذا کان المدفوع الیه مدیونا او کان صاحب عیال۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۷۴ باب المصرف)
ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۲۴۹ باب المصرف۔

گھریلو ملازم کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال: میرے پاس دو ہزار روپے ماہوار پر ایک گھریلو ملازم ہے، کیا میں اسے زکوٰۃ دے سکتا ہوں؟

الجواب: فقیر ملازم کو زکوٰۃ اور صدقہ دونوں دینا درست ہے اور ملازم کے لیے لینا بھی جائز ہے تاہم تنخواہ میں زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

لما فی الهندية: ويجوز دفعها الى من يملك اقل من النصاب وان كان صحيحاً مكتسبا كذا فی الزاهدی۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۸۹ الباب السابع فی المصارف)[1]

حکومت کی طرف سے مدارسِ دینیہ کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے کے بارے میں کہ حکومت بینکوں کی رقم سے دینی مدارس کو کچھ رقم بطور زکوٰۃ دیتی ہے، تو کیا یہ رقم زکوٰۃ شمار ہوگی یا سود یا کوئی تیسری جنس، اور طلباء کو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ بظاہر زکوٰۃ کی رقم ہے، لہٰذا طلبہ جو مصرفِ زکوٰۃ ہوں ان کے لیے اس رقم سے کھانا لاباس بہ ہے، اگرچہ اس میں سودی رقم کے اختلاط کا وہم بھی موجود ہے۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: لو اخرج زكوٰة المال الحلال من مال حرام ذكر فی الوهبانية انه يجزی عند البعض ...... ولو نوى فی المال الخبيث الذی وجبت صدقة ان يقع عن الزكوٰة وقع عنها۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۲۸ مطلب فی التصدق من المال الحرام)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجيم المصریؒ: يجوز دفع الزكوٰة الى من يملك ما دون النصاب او قدر نصاب غير تام وهو مستغرق فی الحاجة۔
(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۰ باب المصرف)
ومثلهٗ فی الدر المختار علٰى هامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۷ باب المصرف۔

[2] قال العلامة ابن البزاز الكردریؒ: والعبرة لنية الدافع لا لعلم المدفوع اليه وبعد اسطرٍ فلا يأخذه لا من لا يجوز له اخذ الصدقة۔
(فتاوى البزازية على هامش الهندية ج ۴ ص ۸۶، ۸۸ الباب الثانی فی المصرف)
ومثلهٗ فی قاضی خان على هامش الهندية ج ۳ ص ۴۰۷ كتاب الحظر والاباحة وما يكره اكله وما لا۔

سید اور کسی بزرگ کی اولاد میں باعتبار مصرفِ زکوٰۃ فرق ہے

سوال:۔ ہمارے علاقے میں "سید" اور "میاں" کی یکساں قدر کی جاتی ہے، "سید" تو آلِ نبی ہیں اور "میاں" لوگ کسی بزرگ اور ولی اللہ کی اولاد ہوتے ہیں، تو کیا میاں لوگ مصرفِ زکوٰۃ ہیں یا میاں اور سید برابر ہیں؟

الجواب:۔ سید اور میاں میں فرق واضح ہے اس لیے کہ اگر میاں صاحبان کسی غیر سید بزرگ کی اولاد ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور سید کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

لما فی الهندیة: ولا یدفع الی بنی هاشم وهم آلِ علیؓ وآلِ عباسؓ وآلِ جعفرؓ وآلِ عقیلؓ وآلِ الحرث بن عبد المطلبؓ کذا فی الهدایة۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۹ الباب السابع فی المصارف)[1]

عباسی خاندان مصرفِ زکوٰۃ نہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرا تعلق عباسی خاندان سے ہے کیا میں عباسی خاندان کے مساکین و یتامٰی کو زکوٰۃ دے سکتا ہوں، یا کوئی ایسا شخص جو عباسی نہ ہو وہ عباسی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عباسی فقیر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیونکہ آلِ عباس آلِ ہاشم سے ہیں اور آلِ ہاشم مصرفِ زکوٰۃ نہیں، خواہ زکوٰۃ دینے والا عباسی ہو یا کوئی دوسرا۔

لما فی الهندیة: ولا یدفع الی بنی هاشم وهم آلِ علیؓ وآلِ عباسؓ وآلِ جعفرؓ

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ: قوله وبنی هاشم وموالیهم ای لایجوز الدفع لهم لحدیث البخاری نحن اهل بیت لاتحل لنا الصدقة ولحدیث ابی داؤد مولی القوم من انفسهم وانا لاتحل لنا الصدقة اطلق فی بنی هاشم فشمل فان کان ناصرًا للنبی صلی اللہ علیه وسلم ومن لم یکن ناصرًا له منهم کولد ابی لهب فیدخل من اسلم منهم فی حرمة الصدقة لکونه هاشمیًا...... رواما ابولهب وابناه) وروی حدیثا لا قرابة بینی و بین ابی لهب ونص فی البدائع علی ان الکرخی قید بنی هاشم بالخمسة الخ

(البحر الرائق ج۲ ص۲۴۶ باب المصرف)

ومثلهٗ فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۷۳ باب المصرف۔

وآلِ عقیلؓ وآل الحارث بن عبد المطلب کذا فی الهدایة۔

(الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹ الباب السابع فی المصارف) [1]

فقیر دائن کو زکوٰۃ لینا جائز ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید فی الحال مسکین ہے لیکن اس کا عمرو پر اتنا قرضہ ہے کہ اگر وہ وصول ہو جائے تو زید صاحبِ نصاب بن جاتا ہے لیکن عمرو بھی مسکین ہے اور قرضہ ادا کرنے سے قاصر ہے، تو کیا زید کو زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس صورت میں زید کا حکم ابن السبیل جیسا ہے کہ اگرچہ وہ صاحبِ نصاب ہے لیکن اس کے ہاتھ میں وہ مال موجود نہیں لہٰذا ایسے مقروض کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے اور اس کو زکوٰۃ دینے سے فریضہ بھی ساقط ہو جائے گا۔

لما فی الهندیة: وان کان الدَّین غیر مؤجل فان کان من علیه الدین معسرًا یجوز له اخذ الزکوٰة فی اصح الاقاویل لانه بمنزلة ابن السبیل۔

(الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹ الباب السابع فی المصارف ومنها الغارم) [2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: والخمسة المذکورون من بنی هاشم لان العباس والحارث عمان للنبی صلی الله علیه وسلم وجعفر وعقیل اخوان لعلی رضی الله عنه بن ابی طالب وهو ابن عم النبی صلی الله علیه وسلم۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۶ باب المصرف)

ومثله فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۲ باب المصرف۔

[2] قال العلّامة ابن عابدینؒ: قوله من له مال لا معه ای سواء کان هو فی غیر وطنه او فی وطنه وله دیون لا یقدر علی اخذها کما فی النهر .... قال والحق به کل من هو غائب عن ماله وان کان فی بلده لان الحاجة هی المعتبرة وقد وجدت لانه فقیر یدًا وان کان غنیًا ظاهرًا۔

(رد المحتار علی هامش الدر المختار ج ۲ ص ۶۲ باب المصرف)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوٰی الخانیة ج ۲ ص ۲۶۶ باب المصرف۔

قرضہ کو زکوٰۃ میں مجرا کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک شخص متعدد اہلِ نصاب کا مقروض ہے، کیا اہلِ نصاب حضرات اگر اپنا قرضہ زکوٰۃ میں مجرا کریں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مذکورہ میں اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی دو صورتیں ہیں: (۱) قرض خواہ اپنی طرف سے واجب الادا رقم اس کو زکوٰۃ میں دے کر قرضے میں وصول کرے۔ (۲) مقروض کسی اور سے قرض لے کر قرض خواہ کو دیدے اور قرض خواہ اپنے قرض میں وصول کر کے مقروض کو زکوٰۃ میں واپس کر دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

قال العلامة الحصكفیؒ: واداء الدّين عن العين وعن دين سيقبض لا يجوز وحيلة الجواز ان يعطی مديونه الفقير زكوٰته ثمّ يأخذها عن دينه ولو امتنع المديون مد يده واخذها لكونه ظفر بجنس حقه فان مانعه رفعه للقاضی۔ (الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج ۲ ص۱۳ قبيل افتراضها عمری)[1]

زکوٰۃ کی رقم سے دینی مدرسہ کے لیے قرآن مجید خریدنا

سوال:۔ ہمارے گاؤں میں ایک دینی مدرسہ ہے جبکہ گاؤں کے اکثر لوگ غریب ہیں اور مدرسے کو اپنی مدد آپ کے تحت چلا رہے ہیں، تو کیا زکوٰۃ کی رقم سے اس مدرسے کے لیے قرآن مجید اور دینی کتب خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک شرط ہے بدون تملیک کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، تاہم اگر تملیک کے بعد وہ آدمی جسے زکوٰۃ دی گئی ہے اپنی طرف سے مدرسے کیلئے قرآنِ مجید اور دینی کتب خرید کر وقف کر دے تو جائز ہے۔

---

[1] قال العلامة ابن نجيم رحمه الله: ويستفاد منه ان رجوع المتبرع بقضاء الدين عند التصادق على الدائن محمول على ما اذا كان بغير امر المديون اما اذا كان بامره فهو تمليك منه فلا رجوع عند التصادق بانه لا دين على الدائن وانما يرجع على المديون وهو بعمومه..... والحيلة فی الجواز فی هذه الاربعة ان يتصدق بمقدار زكوٰته على فقير ثمّ يأمره بعد ذلك بالصرف الى هذه الوجوه الخ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۴۳ باب المصرف)

قال العلامة الحصكفيؒ: الحيلة ان يتصدق على الفقير ثم يأمره ان يفعل هذه الاشياء وهل له ان يخالف امره لم اره والظاهر نعم۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۶۳ باب المصرف)

قال العلامة الحصكفيؒ: وحيلة التكفين بها التصدق على فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما وكذا في تعمير المسجد۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۱۲ قبيل افتراضها عمري) [1]

سیّد فقیر کیلئے زکوٰۃ کی رقم سے کفن خریدنا

سوال:۔ اگر کوئی سید فقیر اور محتاج فوت ہوجائے اور اس کے پاس کفن وغیرہ کیلئے کچھ نہ ہو، تو کیا زکوٰۃ کی رقم سے سید فقیر کے لیے کفن خریدنا جائز ہے، اور اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ کا مال کسی نادار اور فقیر کو تملیکاً دینا ضروری ہے تکفینِ میت میں چونکہ تملیک کی شرط مفقود ہے لہٰذا میت کیلئے چاہے سید ہو یا غیر سید، زکوٰۃ کے مال سے کفن خریدنا جائز نہیں، تاہم اگر مالِ زکوٰۃ کسی فقیر کے قبضے میں دے دیا جائے اور وہ اپنی طرف سے میت کے لیے کفن خرید کر اس کو پہنا دے تو زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے گی اور فقیر کو بھی صدقے کا ثواب ملے گا۔

قال الحصكفيؒ: وحيلة التكفين بها التصدق على فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما وكذا في تعمير المسجد وتمامه في حيل الاشباه۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۱۲ كتاب الزكوٰة) [2]

---

[1] قال العلامة ابن نجيم رحمه الله: والحيلة في الجواز في هذه الاربعة ان يتصدق بمقدار زكوٰته على فقير ثم يأمره بعد ذلك بالصرف الى هذه الوجوه فيكون لصاحب المال ثواب الزكوٰة وللفقير ثواب هذه القرب۔ كذا في المحيط۔
(البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف)

[2] قال العلامة ابن نجيمؒ: والحيلة في الجواز في هذه الاربعة ان يتصدق بمقدار زكوٰته على فقير ثم يأمره بعد ذلك بالصرف الى هذه الوجوه فيكون لصاحب المال ثواب الزكوٰة وللفقير ثواب هذه القرب، كذا في المحيط۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف)

زکوٰۃ وعشر آرڈیننس کا فقہی جائزہ اور ترامیم وتجاویز

سابق صدر پاکستان اور بری فوج کے سربراہ جناب جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے اپنے دورِ حکومت میں جب زکوٰۃ وعشر آرڈی ننس کے اجراء کا فیصلہ کیا اور رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے اسے مشتہر کیا تو مملکتِ خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے جید اور مقتدر علماء کرام نے اس آرڈی ننس کا جائزہ لیا اور چند خامیوں کو دور کرنے اور اسے عملی طور پر مؤثر بنانے کے لئے حکومت کو اپنی طرف سے ترامیم وتجاویز پیش کیں۔ اس بورڈ میں جو علماء شامل تھے اُن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔۔
(۲) فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی دارالافتاء ناظم آباد کراچی۔۔
(۳) مفتئ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسنؒ دارالافتاء بنوری ٹاؤن کراچی
(۴) شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نائب رئیس دارالعلوم کراچی
(۵) حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رئیس دارالعلوم کراچی
(۶) حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر مدظلہم جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی
(۷) شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمودؒ دارالعلوم کراچی
(۸) حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دارالافتاء دارالعلوم کراچی

ان تجاویز وترامیم کو فقہی مباحث سے مناسبت کی بناء پر فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ (از مرتب)

صدر پاکستان کی طرف سے جاری کردہ زکوٰۃ و عشر آرڈیننس کا

فقہی جائزہ اور ترامیم و تجاویز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد!

حال ہی میں حکومتِ پاکستان نے سرکاری سطح پر زکوٰۃ اور عُشر کی وصولی اور تقسیم کے لیے ایک آرڈی ننس نافذ کیا ہے جس کے ذریعے مسلمانوں پر واجب الادا زکوٰۃ کا ایک حصہ حکومت وصول کر کے اس کی تقسیم کا انتظام کرے گی۔

زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا انتظام اسلامی حکومت کی ایک اہم ذمہ داری ہے اور اگر حکومت یہ انتظام ٹھیک ٹھیک شرعی احکام کے مطابق قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے تو یہ نفاذِ شریعت کی طرف ایک نہایت مثبت قدم ہو گا اور ان شاء اللہ اس ملک کے مسلمان اس کی دنیوی اور اُخروی برکات سے بہرہ ور ہو سکیں گے، لیکن اس نظام کو سرکاری سطح پر جاری کرتے وقت حکومت کو یہ بات پوری طرح ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ نظامِ زکوٰۃ کا نفاذ اسلامی معیشت کے قیام کے لیے جتنا ضروری اور اہم ہے اتنا ہی نازک اور توجہ طلب بھی ہے۔ زکوٰۃ دوسرے محاصل یا ٹیکسوں کی طرح کوئی ٹیکس نہیں ہے بلکہ یہ وہ عظیم الشان عبادت ہے جو اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن قرار دی گئی ہے[1] لہٰذا اس میں عبادت اور اطاعتِ خداوندی کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

---

[1] عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج۱ ص۱۲ کتاب الایمان۔ الفصل الاول)

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قدموا الزکوٰۃ علیہ اقتداء بکتاب اللہ.... ولانہا افضل العبادات بعد الصلوٰۃ قہستانی۔ (رد المحتار علی ہامش الدر المختار ج۲ ص۲ کتاب الزکاۃ)

حکومت زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا انتظام اپنے ذمے لے کر ایک ایسی گرانبار اور نازک ذمہ داری اپنے سر لے رہی ہے جو اس کے دینی جذبے، اس کے اخلاص اور اس کے حسن انتظام کے لیے ایک زبردست آزمائش اور امتحان کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں حکومت کو ایک طرف تو اس بات کا پورا لحاظ رکھنا ہوگا کہ کسی مسلمان کے ساتھ زکوٰۃ کی وصولی میں کوئی ناانصافی نہ ہونے پائے اور جتنی رقم اس کے ذمے شرعاً واجب الادا ہے اس سے ایک پائی بھی زائد وصول نہ ہو کیونکہ حدیث پاک میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: المعتدی فی الصدقۃ کمانعہا [1] یعنی زکوٰۃ وصول کرنے میں زیادتی کرنے والا ایسا ہی گنہگار ہے جیسے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والا۔

اور دوسری طرف اس بات پر کڑی نظر رکھنی ہوگی کہ زکوٰۃ سے حاصل ہونے والی یہ مقدس رقوم ٹھیک شریعت کے مطابق اس کے صحیح مستحقین تک پہنچیں اور اس میں کوئی خیانت، خورد برد، بدعنوانی یا شرعی احکام سے تجاوز نہ ہونے پائے، زکوٰۃ کے تقدس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے مصارف کا تعین انبیاء علیہم السلام پر بھی نہیں چھوڑا بلکہ اسے بذاتِ خود قرآن کریم میں متعین فرما دیا ہے [2] چنانچہ جب تک زکوٰۃ کو ان مصارف پر صحیح طور سے خرچ کرنے کا اطمینان بخش انتظام نہ ہو جائے زکوٰۃ کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا، لہٰذا اگر حکومت زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم دونوں کا نظام صحیح طور سے مقرر کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو یہ اس کا ایک عظیم کارنامہ ہوگا جس کی برکات ان شاء اللہ کھلی آنکھوں محسوس ہوں گی۔

اگر خدانخواستہ زکوٰۃ کی ان مقدس رقوم کو مستحقین تک پہنچانے کا انتظام صحیح نہ ہو سکا تو کروڑوں مسلمانوں کی عبادت خراب ہونے کا وبال بھی دنیا و آخرت میں بڑا سنگین ہو سکتا ہے، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکومت کو اس کڑی آزمائش میں پورا

---

[1] عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المعتدی فی الصدقۃ کمانعہا، رواہ ابوداؤد والترمذی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۵۹ باب ما یجب فیہ الزکوٰۃ الفصل الثانی)

[2] قال اللہ تعالیٰ: انما الصدقات للفقراء والمساکین العاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغٰرمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل۔ (سورۃ التوبۃ آیت ۶۰)

اترنے کی توفیق کامل عطا فرمائے اور اس نازک مرحلے کو اس کے لیے آسان فرمائے۔ آمین

اس مقصد کے حصول کے لیے پہلا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ زکوٰۃ و عشر کا جو قانون نافذ کیا گیا ہے وہ شرعی اعتبار سے درست ہو اور اس میں شرعی لحاظ سے کوئی سقم باقی نہ رہے اور دوسرا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ اس قانون کے مطابق عمل درست ہو، جہاں تک قانون کا تعلق ہے مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کے اجلاس میں حالیہ زکوٰۃ و عشر آرڈیننس پر غور کیا گیا اور شرعی نقطۂ نظر سے اس کا جائزہ لینے کے بعد مندرجہ ذیل تبصرہ اتفاق رائے کے ساتھ منظور کیا گیا۔

(۱) نصابِ زکوٰۃ

اس آرڈیننس کی سب سے زیادہ سنگین غلطی یہ ہے کہ اس میں ہر اس شخص پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازم کر دی گئی ہے جس کے بینک اکاؤنٹ میں زکوٰۃ منہا کرنے کے دن ایک ہزار روپے سے زائد رقم جمع ہو، اور بینکوں کے علاوہ دوسرے مالیاتی اداروں میں یہ ایک ہزار روپے کی قید بھی نہیں ہے بلکہ ان اثاثوں کے حامل افراد کو ان کے اثاثوں کی مالیت کا لحاظ کئے بغیر لازمی طور پر زکوٰۃ کا مستوجب قرار دے دیا گیا ہے، یہ شرعی لحاظ سے انتہائی سنگین غلطی ہے اور عملاً اس قانون سے بہت سے لوگوں کے ساتھ یہ زیادتی ہو سکتی ہے کہ ان پر شرعاً زکوٰۃ واجب نہ ہونے کے باوجود ان سے زکوٰۃ وصول کر لی جائے، حالانکہ شریعت کی رو سے زکوٰۃ صرف اس شخص پر فرض ہے جو نصاب[1] یعنی ۵۲½ تولہ چاندی یا اتنی مالیت کی نقدی، سونے یا مالِ تجارت کا مالک ہو یا ان چاروں اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ ۵۲½ تولہ چاندی کی قیمت کے برابر اس کی ملکیت میں ہو، البتہ اگر کسی شخص کے پاس سونے کے سوا کوئی اور چیز موجود نہ ہو تو اس کا نصاب ۷½ تولہ سونا ہے[2]

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله نصاب هو ما نصبه الشارع علامة علی وجوب الزکوٰة من المقادیر۔ (رد المحتار علی هامش الدر المختار ج۲ ص۵ کتاب الزکوٰة)

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: نصاب الذهب عشرون مثقالاً والفضة مائتا درهم کل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقیل...... فی غرض تجارة قیمته نصاب۔
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۳۱ باب زکوٰة المال)

پھر اگرچہ شرعاً زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر رقم پر علیحدہ سال پورا ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ سارے سال کم از کم بقدر نصاب مالیت کا مالک[1] رہا ہو، آرڈیننس میں زکوٰۃ کی ان بنیادی شرائط کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔

لہٰذا اگر نظام زکوٰۃ کو واقعۃً شرعی اصولوں کے مطابق قائم کرنا ہے تو آرڈیننس میں ایسی ترمیم ناگزیر ہے جس کی رُو سے زکوٰۃ صرف انہی افراد سے وصول کی جا سکے جن کے ذمے شرعاً زکوٰۃ فرض ہے[2] اور اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ دفعہ ۲، ذیل: ۲۳ میں "صاحب نصاب" کی جو تعریف لکھی گئی ہے یعنی:

> "ساحب نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کے ذمے اس آرڈیننس کی رُو سے زکوٰۃ واجب الادا ہو۔"

اسے تبدیل کر کے "صاحب نصاب" کی تعریف اس طرح کی جائے:-

> "صاحب نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں ۵۲ ۱/۲ تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا نقد روپیہ، سونا یا سامانِ تجارت ہو یا ان چاروں اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ مل کر ۵۲ ۱/۲ تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو"[3]

---

[1] قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: قوله لحولانه عليه ای لان حولان الحول على النصاب شرط لكونه سببًا وهذا علته للنسبة وسمی الحول حولاً لان الاموال تتحول فيه او لانه يتحول من فصل الى فصل من فصوله الاربع - (ردّ المحتار على هامش الدر المختار ج ۲ ص۵ مطلب الفرق بين السبب والشرط والعلة)

[2] عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ليس فيما دون خمسة اوسق من التمر صدقة وليس فيما دون خمس اواق من الصدق صدقة وليس فيما دون خمس الخ - (مشكوٰة المصابيح ج ۱ ص ۱۵۸ باب ما يجب فيه الزكوٰة)

[3] قال العلامة الحصكفی رحمہ اللہ: نصاب الذهب عشرون مثقالاً والفضة مائتا درهم كل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقيل ..... فی عرض تجارة قيمة نصاب۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۱ باب زكوٰة المال)

پھر ہر سال تاریخ زکوٰۃ سے پہلے ۵۲½ تولہ چاندی کی جو قیمت ہو اس کا اعلان کر کے اس قیمت کو وصولیٔ زکوٰۃ کا معیار مقرر کیا جائے یعنی صرف ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے جن کی اتنی مالیت کی رقوم بینکوں یا دیگر مالیاتی اداروں میں جمع ہوں۔

(۲) سال گذرنے کا مسئلہ

زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مقدارِ نصاب پر پورا سال گذر چکا ہو۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیئے کہ جب کوئی شخص ایک مرتبہ صاحبِ نصاب بن جائے اور سارا سال صاحبِ نصاب رہے تو سال کے اختتام پر جتنی بھی رقم اس کی ملکیت میں ہوگی اُس ساری رقم پر شرعاً زکوٰۃ واجب الادا ہوتی ہے خواہ اس رقم کا کچھ حصہ ایک دن پہلے ہی اس کی ملکیت میں آیا ہو، لہٰذا ہر ہر رقم پر تو سال گذرنا ضروری نہیں ہے لیکن مقدارِ نصاب کا پورے سال ملکیت میں رہنا ضروری ہے[2]

موجودہ آرڈیننس کے تحت ایسی صورتیں عملاً ممکن ہیں کہ جس تاریخ میں کسی شخص کے اکاؤنٹ سے زکوٰۃ وضع کی جائے اس سے صرف چند روز پہلے ہی وہ صاحبِ نصاحب بنا ہو تو ایسی صورت میں اس سال ایسے شخص سے جبراً زکوٰۃ وضع کرنا شرعاً درست نہیں ہے[3] لہٰذا آرڈیننس میں ایسی گنجائش موجود ہونی چاہیئے کہ اگر کوئی شخص یہ ثابت کر دے کہ اسے مقدارِ نصاب کا مالک بنے ہوئے سال پورا نہیں ہوا تو اس کی زکوٰۃ وضع نہ کی جائے[3]

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: مقوماً باحدهما ان استویا فلو احدهما اروج تعین التقویم به ولو بلغ باحدهما نصاباً دون الآخر تعین ما یبلغ به الخ
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۴ باب زکوٰۃ المال)

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: والمستفاد ولو بهبة او ارث وسط الحول یضم الی نصاب من جنسه فیزکیه بحول الاصل۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۵ باب زکوٰۃ الغنم)

[3] قال العلامة ابن عابدینؒ: فمن انکر تمام الحول ای علی ما فی یده وعلی ما فی بیته فلو کان فی بیته مال آخر قد حال علیه الحول وما مر به لم یحل علیه الحول واتحد الجنس فان العاشر لا یلتفت الیه لوجوب الضم فی متحد الجنس الا لمانع بحر۔
(رد المحتار علی هامش الدر المختار ج ۲ ص ۴۳ باب العاشر)

[4] قال العلامة الحصکفیؒ: وسببه ای سبب افتراضها ملك نصاب حولی۔
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴ مطلب الفرق بین السبب والشرط والعلة)

(۳) قرضوں کا مسئلہ آرڈیننس میں قرضہ جات کو قابلِ زکوٰۃ مالیت سے منہا کرنے کی بھی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی، اس سلسلے میں فقہائے امت کے مذاہب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر طرح کے قرضے منہا کرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے [1] امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرضے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ سے مانع ہیں اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ سے نہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ جدید یہ ہے کہ کسی بھی طرح کا قرض زکوٰۃ سے منہا نہیں ہوگا [2] ملاحظہ ہو (المجموع شرح المهذب ج ۵ ص ۳۱۳، ۳۱۴)

۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۹۹ھ کو زکوٰۃ آرڈیننس کے جس مسودے کو رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے مشتہر کیا گیا تھا اس میں بھی قرضوں کی منہائی کی گنجائش موجود تھی اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" نے اس وقت بھی یہی رائے پیش کی تھی۔ (ملاحظہ ہو ماہنامہ "بینات" ص ۸ جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ)

لہٰذا مجلس کی رائے میں نصاب، حولانِ حول اور قرضوں کے بارے میں مذکورہ بالا تجاویز کو مدِنظر رکھتے ہوئے آرڈیننس کی دفعہ ۳ مجوزہ ترمیم کے بعد اس طرح ہونی چاہیے :-

> "آرڈیننس کے دوسرے احکام کے تابع ہر مسلمان صاحبِ نصاب شخص سے شیڈول ۱ میں دی ہوئی تفصیل کے مطابق ہر سال زکوٰۃ کے اختتام پر لازماً زکوٰۃ وصول کی جائے گی، شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ ثابت کردے کہ "تاریخ زکوٰۃ کے دن اس کی قابلِ زکوٰۃ جملہ مملوکات کو نصاب کی مقدار تک پہنچے ہوئے پورا سال نہیں گذرا" اس کے مذکورہ اثاثوں سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔ مزید شرط یہ ہے کہ "جو شخص یہ ثابت کردے کہ وہ مقروض ہے اور

---

[1] قال العلامة الحصكفيؒ: فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد۔
(الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۵ كتاب الزكوٰة)

[2] قال العلامة برهان الدين المرغينانيؒ، ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكوٰة عليه۔ وقال الشافعيؒ يجب لتحقق السبب وهو ملك نصاب تام۔
(الهداية ج ۱ ص ۱۶۸ كتاب الزكوٰة)

اس نے قرضہ کسی پیداواری غرض سے نہیں لیا، تو اس کے قرضے کی رقم کو قابلِ زکوٰۃ رقم سے منہا کیا جائے گا۔"

(۴) اموالِ ظاہرہ وباطنہ بینک اکاؤنٹس اور دوسرے مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ منہا کرنے پر ایک علمی اشکال یہ ہے کہ فقہاء کرام کی تصریح کے مطابق حکومت کو اموالِ ظاہرہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہوتا ہے اموالِ باطنہ سے نہیں[1]

عام طور پر فقہاء نے مفت چراگاہوں میں چرنے والے مویشیوں، کھیتوں اور باغات کی پیداوار اور اس مالِ تجارت کو جو شہر سے باہر لے جایا جا رہا ہو اموالِ ظاہرہ میں شمار کیا ہے اور نقدی، زیورات وغیرہ باقی تمام قابلِ زکوٰۃ اموال کو اموالِ باطنہ قرار دیا ہے، بینک اکاؤنٹس چونکہ بصورتِ نقد ہوتے ہیں اس لیے علمی طور پر یہ سوال قابلِ غور ہے کہ حکومت ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟ تو اس مسئلہ پر غور کرنے کے بعد مجلس اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ موجودہ دور میں بینک اکاؤنٹس کو اموالِ ظاہرہ میں شمار کیا جا سکتا ہے[2]

اس مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہدِ مبارک میں اموالِ ظاہرہ وباطنہ کی کوئی تفریق نہیں تھی بلکہ دونوں قسم

---

[1] قال العلامة ابن نجیم رحمه الله: ان مال الزکوٰة نوعان ظاهر وهو المواشی والمال الذی یمر به التاجر علی العاشر وباطن وهو الذهب والفضة واموال التجارة فی مواضعها اما الظاهر فللامام ونوابه وهم المصدقون من السعاة والعشار ولایة الاخذ الخ قال بخلاف الاموال الباطنة۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۳۱ باب العاشر)

[2] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: لیاخذ الصدقات.... من التجار المارین باموالهم الظاهرة والباطنة علیه۔ قال ابن عابدین رح ومراده هنا بالباطنة ما عدا المواشی بقرینة قوله المارین باموالهم۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۴۲ مطلب ما ورد فی ذم العشار)

کے اموال سے زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصول کی جاتی تھی، لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جب قابلِ زکوٰۃ اموال کی کثرت ہوگئی اور آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ اگر عاملینِ زکوٰۃ لوگوں کے گھروں اور دوکانوں میں پہنچ کر ان کی املاک کی چھان بین کریں گے تو اِس سے لوگوں کو تکلیف ہوگی اور اس سے ان کے مکانات، دوکانوں، گوداموں اور محفوظ شخصی مقامات کی نجی حیثیت مجروح ہوگی، تو آپؓ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ صرف اُن اموال کی زکوٰۃ حکومت کی سطح پر وصول کی جائے جن کی زکوٰۃ وصول کرنے میں یہ مضرت لاحق نہ ہو اور جس کا حساب کرنے کے لیے گھروں اور دوکانوں کی تلاشی نہ لینی پڑے۔ ایسے اموال اُس زمانے میں صرف دو قسم کے تھے یعنی "مویشی اور زرعی پیداوار"۔ چنانچہ صرف ان کی زکوٰۃ آپؓ نے سرکاری سطح پر وصول کرنے کا اعلان فرمادیا اور باقی اموال کو باطنہ قرار دے کر ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی خود مالکان کی ذمہ داری قرار دے دی۔

بعد میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا دور آیا تو انہوں نے شہروں کے باہر ایسی چوکیاں مقرر فرمادیں کہ جب کوئی شخص مالِ تجارت لے کر وہاں سے گذرے تو اس سے وہیں زکوٰۃ وصول کرلی جائے، اس مقام پر شہر سے باہر جانے والے مالِ تجارت کو بھی اموالِ ظاہرہ میں شمار کرلیا گیا، کیونکہ حکومت کو اس کی زکوٰۃ وصول کرنے اور اس کا حساب کرنے کے لیے مالکان کے گھروں، دوکانوں اور نجی مقامات کی تلاشی کی ضرورت نہیں تھی۔

مذکورہ بالا صورتِ حال کی وضاحت کے لیے حضرات فقہاءِ کرام کی تصریحات مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ظاہر قولہ تعالیٰ "خذ من اموالہم صدقۃ" (الآیۃ) توجب اخذ الزکوٰۃ مطلقاً للامام، وعلی ہذا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلیفتان بعدہ فلما ولی عثمان رضی اللہ عنہ وظہر تغیر الناس کرہ ان یفتش السعاۃ علی الناس مستور اموالہم ففوض الدفع الی الملاک نیابۃ عنہ ولم یختلف الصحابۃ فی ذلک علیہ وہذا لا یسقط طلب بہا۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۸۷ کتاب الزکوٰۃ)

(۲) اور امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

وقولہ تعالیٰ: "خذ من اموالہم صدقۃ" (الآیۃ) یدل علی ان اخذ الصدقات

الى الامام وانه متى أداها من وجبت عليه الى المساكين لم يجزه لان حق الامام قائم فى اخذها فلا سبيل الى اسقاطه وقد كان النبى صلى الله عليه وسلم يوجه العمال على صدقات المواشى ويأمرهم بان يأخذوا على المياه فى مواضعها۔

آگے تحریر فرماتے ہیں :-

اما زكوة الاموال فقد كانت تحمل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر وعمر وعثمان ثم خطب عثمان فقال هذا شهر زكوتكم فمن كان عليه دين فليؤده ثم ليزك بقية ماله فجعل لهم اداءها الى المساكين وسقط من اجل ذلك حق الامام فى اخذها لانه عقد عقده امام من ائمة العدل فهو نافذ على الامة لقوله عليه السلام و عليهم اولهم ولم يبلغنا انه بعث سعاة على زكوة الاموال كما بعثهم على صدقات المواشى والثمار فى ذلك لان سائر الاموال غير ظاهرة للامام وانما تكون مخبوة فى الدور والحوانيت والمواضع الحريزة ولم يكن جائزا للسعاة دخول احرازهم ولم يجز أن يكلفوهم احضارها ..... ولما ظهرت هذه الاموال عند التصرف بها فى البلدان اشبهت المواشى فنصب عليها عمال يأخذون منها ما وجب من الزكوة ولذلك كتب عمر بن عبد العزيز الى عماله ان يأخذوا مما مر به المسلم من التجارات عن كل عشرين دينارا نصف دينار۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۱۵۵ مطبوعہ استنبول ۱۳۳۵ھ)

(۳) اور فقہ حنفی کی معروف کتاب "الاختیار" میں ہے :-

لان الاخذ كان للامام وعثمان رضى الله عنه فوضه الى الملاك وذلك لا يسقط حق طلب الامام حتى علم ان اهل بلدة لا يؤدون زكاتهم طالبهم بها ولو مر بها على الساعى كان له اخذها۔ (الاختيار ج ۱ ص ۱۰۰ كتاب الزكوة)

(۴) اور علامہ برہان الدین المرغینانیؒ تحریر فرماتے ہیں :-

ومن مرّ على عاشرها بمائة درهم واخبره ان له فى منزله مائة اخرى وقد حال عليها الحول لم يزك التى مرّ بها لقلته۔ وما فى بيته لم يدخل تحت حمايته۔ (الهداية ج ۱ ص ۱۸۱ باب من يمرّ على العاشر)

فقہاء کرام کی مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہے کہ نقد روپیہ اور سامانِ تجارت

اُس وقت تک اموالِ باطنہ رہتے ہیں جب تک وہ پوشیدہ نجی مقامات پر مالکان کے زیرِ حفاظت ہو، ایسے اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے میں چونکہ ان نجی مقامات میں دخل اندازی کرنی پڑتی ہے اسلئے انہیں حکومت کی وصولیابی سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، لیکن جب یہی اموال مالکان ان نجی مقامات سے نکال کر باہر لے آئیں اور وہ حکومت کے زیرِ حفاظت آجائیں تو وہ اموالِ ظاہرہ کے حکم میں آجاتے ہیں [1] اور حکومت کو ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار حاصل ہوجاتا ہے، گویا کسی مال کے اموالِ ظاہرہ میں شمار ہونے کے لیے دو بنیادی امور ضروری ہیں:۔

ایک یہ کہ وہ ایسے نجی مقامات پر رکھے ہوئے نہ ہوں جہاں سے ان کا حساب کرنے کے لیے نجی مقامات کی تفتیش کرنی پڑے۔ کما فی العبارۃ الاولیٰ والثانیۃ۔

اور دوسرے یہ کہ وہ حکومت کے زیرِ حفاظت آجائیں۔ کما فی العبارۃ الرابعۃ۔

اگر اس معیار پر موجودہ بینک اکاؤنٹس کا جائزہ لیا جائے تو ان میں یہ دونوں باتیں پوری طرح موجود ہیں۔ ایک طرف تو یہ وہ اموال ہیں جنہیں ان کے مالکان نے اپنی حرزِ حفاظت سے نکال کر خود حکومت پر ظاہر کردیا ہے اور ان کے حسابات میں نجی مقامات کی تفتیش کی ضرورت نہیں ہے، دوسری یہ حکومت کے زیرِ حمایت ہی نہیں بلکہ زیرِ ضمانت آچکے ہیں، بالخصوص جب بینک سرکاری ملکیت میں ہوں اور ان کو جو سرکاری تحفظ حاصل ہے وہ عاشر پر گذرنے والے اموال کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے، اس لیے مجلس کی رائے یہ ہے کہ بینک اکاؤنٹس اور دوسرے مالیاتی اداروں میں رکھے ہوئے اموال، اموالِ ظاہرہ کے حکم میں ہیں اور حکومت ان سے زکوٰۃ وصول کرسکتی ہے۔

اور اگر بالفرض انہیں یا ان میں سے بعض کو اموالِ باطنہ ہی قرار دیا جائے تب بھی

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: نصبه الامام علی الطریق ..... لیاخذ الصدقات .... من التجار ..... المارین باموالهم الظاهرة والباطنة علیه - قال ابن عابدینؒ: ومراده هنا بالباطنة ما عدا المواشی بقرینة قوله المارین باموالهم والا فکل ما مر به علی العاشر فهو من نوع ظاهر وسماها باطنة باعتبار ما کان قبل المرور۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۴۲ مطلب ما ورد فی ذم العشار)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۳ الباب الرابع فیمن یمر علی العاشر۔

فقہاءِ کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ جن علاقے کے لوگ از خود زکوٰۃ ادا نہ کریں تو وہاں حکومت اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کا بھی مطالبہ کر سکتی ہے، جیسا کہ "فتح القدیر" اور "الاختیار" کی عبارتوں سے اس کی تصریح گذر چکی ہے، اور یہی مسئلہ "بدائع الصنائع جلد ۲ ص ۷" میں بھی موجود ہے۔

(۵) زکوٰۃ کی نیت کا مسئلہ

بینک اکاؤنٹس اور دیگر مالیاتی اداروں سے جبراً زکوٰۃ وضع کرنے کے بارے میں ایک دوسرا علمی اشکال یہ ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور دوسری عبادتوں کی طرح اس کی ادائیگی میں بھی نیت ضروری ہے لیکن جب مذکورہ اداروں سے جبراً زکوٰۃ وضع کی جائے گی تو اس میں مالکان کی طرف سے شاید نیت نہ ہو سکے؟

لیکن فقہاءِ کرام کی تصریحات میں اس اشکال کا حل موجود ہے اور وہ یہ کہ حکومت کو جن اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہے ان میں حکومت کا وصول کر لینا بذاتِ خود نیت کے قائم مقام ہو جاتا ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:۔

وفی مختصر الکرخیؒ اذا اخذها الامام کرها فوضعها موضعها اجزاء لان له ولایة اخذ الصدقات فقام اخذه مقام دقع المالك وفی القنیة فیه اشکال لان النیة فیه شرط ولم توجد منه اه قلت: قول الکرخیؒ فقام اخذه الخ یصلح للجواب تامل۔ (رد المحتار حاشیہ الدر المختار ج ۲ ص ۲۷ مطلب فیما لو صادر السلطان)

(۶) بینک اکاؤنٹس کے قرض ہونے کی حیثیت

بینک اکاؤنٹس سے زکوٰۃ وصول کرنے پر تیسرا شبہ یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ بینکوں میں جو رقوم جمع کرائی جاتی ہیں وہ فقہی اعتبار سے قرض کے حکم میں ہیں اور مقروض کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ قرض خواہ کی رقم سے زکوٰۃ وضع کر لے۔

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض بن جانے کے بعد تو یہ اموال مضمون ہونے کی بناء پر اور زیادہ سرکاری تحفظ میں آگئے ہیں اس لیے قرض ہونے سے حکومت کے وصولی زکوٰۃ کے حق پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا، یہ بلا شک وشبہ دَینِ قوی ہے جس پر بالاتفاق زکوٰۃ فرض ہے اور بینکوں کے سرکاری ملکیت ہونے کی وجہ سے یہ رقوم حکومت کے صرف علم ہی میں نہیں بلکہ اس کے قبضے اور ضمانت میں آجاتی ہیں، اسلئے اگر حکومت ولایتِ عامہ کی بناء پر ان سے زکوٰۃ وضع کرے تو اس کو کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔

(۷) محتاط طریقہ

لیکن مجلس یہ سمجھتی ہے کہ بینک اکاؤنٹس اور دیگر مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ وصول کرنے کا محتاط طریقہ یہ ہوگا کہ جب کوئی شخص ان اداروں میں اپنی رقم رکھوانے کے لیے آئے تو وہ ایک فارم پُر کرے جس میں اس کی طرف سے متعلقہ ادارے کو یہ اختیار دیا گیا ہو کہ وہ تاریخ زکوٰۃ آنے پر اس کی رقم سے زکوٰۃ منہا کرکے زکوٰۃ فنڈ کو دے دے۔ اس طرح یہ ادارے مالکان کی طرف سے باقاعدہ وکیل باداء الزکوٰۃ بن جائیں گے اور پھر اس میں نہ اموالِ باطنہ کی بنیاد پر کوئی اشکال باقی رہے گا نہ نیت کی بنیاد پر اور نہ اکاؤنٹس کے قرض ہونے کی بنیاد پر۔

(۸) سُودی اکاؤنٹس اور زکوٰۃ

بینک اکاؤنٹس سے زکوٰۃ وصول کرنے پر ایک اور خلجان بعض ذہنوں میں یہ رہتا ہے کہ یہ تو سُودی اکاؤنٹس ہیں اور سود اور زکوٰۃ دونوں کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک اسلامی حکومت میں سودی کاروبار کا وجود اس کے ماتھے پر کلنک کا شرمناک ٹیکہ ہے اور بالخصوص زکوٰۃ کا نظام جاری کرنے کے بعد اس حرام وناپاک ذریعۂ آمدنی کو باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے لہٰذا یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ بعجلتِ ممکنہ مسلمانوں کو سودی نظام کی اس لعنت سے نجات دلائے۔ لیکن جہاں تک زکوٰۃ کی ادائیگی کا تعلق ہے فقہی اعتبار سے اگر کسی شخص کی آمدنی حرام وحلال سے مخلوط ہو اور وہ مجموع پر سے زکوٰۃ نکال دے تو اس میں کوئی قباحت نہیں[1] فرق صرف اتنا ہے کہ حلال آمدنی کا ڈھائی فیصد شرعاً زکوٰۃ ہوگا اور حرام آمدنی کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ نہیں ہوگا بلکہ وہ صدقہ سمجھا جائے گا، جو حرام آمدنی سے جان چھڑانے کی غرض سے کیا جاتا ہے، اصل شرعی حکم یہ ہے کہ سود لینا حرام ہے، لیکن اگر کوئی شخص سُود وصول کرے تو وہ سارے کا سارا

---

[1] قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمه الله: اما اذا اخذ من انسان مائة ومن اخر مائة وخلطها ثم تصدق لا یکفر لانه لیس بحرام بعینه۔ قال ابن عابدین ؒ بان لمراد لیس هو نفس الحرام لانه ملکه بالخلط۔

الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۲۸، ۲۹
مطلب فی التصدق من المال الحرام

واجب التصدق ہے[1] اب اگر حکومت نے اس میں سے ڈھائی فیصد زکوٰۃ فنڈ میں دیدیا ہے (جبکہ زکوٰۃ فنڈ میں صدقاتِ نافلہ اور عطیات بھی شامل ہیں) تو مالکان پر شرعاً واجب ہے کہ باقیماندہ سود بھی چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے صدقہ کریں نہ یہ کہ اس کی بنیاد پر اصل مال کی زکوٰۃ بھی ادا نہ کریں۔

مثال کے طور پر ایک شخص کے ایک ہزار روپے بنک میں جمع ہیں اور اس پر سو ۱۰۰ روپے سود کا اضافہ ہو گیا ہے تو حکومت پورے گیارہ سو روپے پر ڈھائی فیصد کے حساب سے ساڑھے ستائیس روپے وصول کرے گی، ان ساڑھے ستائیس روپوں میں سے پچیس روپے تو اس شخص کے اصل یعنی ایک ہزار روپے کی زکوٰۃ ہے اور ڈھائی روپے زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ سود کی جو رقم پوری کی پوری صدقہ ہونی چاہیئے تھی اس کا ایک حصہ ہے، اگر یہ بھی زکوٰۃ فنڈ میں چلا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ اس کا مصرف بھی فقراء ہی ہیں۔

(۹) نابالغ کی زکوٰۃ

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وجوبِ زکوٰۃ کے لیے صاحبِ نصاب کا عاقل و بالغ ہونا شرط ہے[2] جبکہ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک نابالغ اور فاترالعقل کے مال پر بھی زکوٰۃ لازم ہے۔ آرڈیننس میں چونکہ بالغ اور نابالغ کے اکاؤنٹس میں کوئی فرق نہیں کیا گیا، اس لیے اس میں غالباً شافعی مسلک اختیار کیا گیا ہے اور لوگوں کے موجودہ حالات کے پیشِ نظر اگر ضرورت ہو تو اس کی گنجائش ہے لیکن پھر بھی حکومت کے لیے اس میں بڑی احتیاط کرنا لازم ہے۔

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: انما یکفر اذا تصدق بالحرام القطعی۔ قال ابن عابدینؒ: ای مع رجاء الثواب الناشی عن استحلالہ۔ وقال الحصکفی رحمہ اللہ: فلا زکوٰۃ کما لو کان الکل خبیثاً۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۲۸ مطلب فی تصدق من المال الحرام)

[2] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: وشرط افتراضہا عقل وبلوغ واسلام وحریۃ۔ قال ابن عابدینؒ فلا تجب علی مجنون وصبی لانہا عبادۃ محضۃ ولیسا مخاطبین بہا۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۳ مطلب الفرق بین السبب والشرط والعلۃ)

(۱۰) ترکے کا مال البتہ بینک اکاؤنٹس میں بعض اموال ایسے ہوسکتے ہیں جو کسی مرحوم شخص کا ترکہ ہوں، چونکہ مرحوم کے انتقال کے ساتھ ساتھ ان اموال پر ورثاء کا حق ثابت ہو جاتا ہے اور ورثاء میں سے ہر ایک کا صاحب نصاب ہونا ضروری نہیں اس لیے اس مال سے بھی زکوٰۃ وصول کرنا درست نہیں ہوگا۔[1] لہٰذا آرڈیننس میں یہ استثناء بھی ہونا چاہیئے کہ جو شخص زکوٰۃ وضع کرنے کے دن انتقال پا چکا ہو اس کے اکاؤنٹ سے زکوٰۃ وضع نہیں کی جائے گی۔

(۱۱) کمپنیاں اور شیئرز آرڈیننس میں کمپنیوں کو بھی صاحب نصاب قرار دیا گیا ہے اور کمپنیوں کے حصص کو بھی شیڈول ۱ میں درج کر کے ان سے زکوٰۃ وضع کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر کمپنی کے بینک اکاؤنٹس سے بحیثیت فرد قانونی الگ زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور اس کمپنی کے حصہ داروں سے ان کے حصص پر الگ زکوٰۃ وصول ہوگی، اگر واقعہ یہی ہے تو یہ طریقہ شریعت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ایک ہی مال سے سال میں دو مرتبہ زکوٰۃ وصول ہونے کا احتمال ہے جو کسی طرح بھی جائز نہیں۔ لہٰذا اگر کمپنیوں سے زکوٰۃ وصول کی جا رہی ہے تو حصہ داروں الگ زکوٰۃ وصول نہ کی جائے، اور اگر حصہ داروں سے وصول کی جا رہی ہے تو کمپنیوں سے وصول نہ کی جائے، ان دونوں صورتوں میں سے مجلس کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ حصص پر وصول کی جائے۔

(۱۲) عُشر بصورتِ نقد آرڈیننس میں عُشر کا بھی ایک حصہ لازماً وصول کرنے سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، مثلاً بارانی زمینوں کی پیداوار کا پانچ فیصد، ہر قسم کی زمینوں میں کاشتکار کا حصہ وغیرہ۔ لیکن ساتھ ہی یہ تصریح بھی کر دی گئی ہے کہ ان پر شرعاً عُشر واجب ہے جسے مالکان اپنے طور پر ادا کریں گے۔ اس حکم میں شرعاً کوئی خرابی نہیں، البتہ آرڈیننس کی دفعہ ۵ ذیل ۵ میں صراحت کی گئی ہے کہ عُشر بصورتِ نقد وصول کیا جائے گا، صرف گندم اور دھان کے بارے میں یہ

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: ولذا لا یؤخذ العُشر من الوصی اذا قال هذا مال الیتیم۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۷ قبیل باب الرکاز)

استثناء رکھا گیا ہے کہ اگر صوبائی کونسل چاہے تو اسے بصورتِ جنس وصول کرے۔

مجلس کی رائے میں یہ حصہ بھی قابلِ ترمیم ہے کیونکہ شرعاً عشر کو بصورتِ نقد ادا کرنا لازم نہیں بلکہ شریعت نے اس میں مالکِ پیداوار کی سہولت کو ملحوظ رکھا ہے[1] لہٰذا یہ پابندی ختم کرکے اس معاملے کو مالکِ پیداوار کی صوابدید پر چھوڑنا چاہیئے۔

(۱۳) چوتھائی پیداوار کا عشر سے استثناء

آرڈیننس میں زرعی پیداوار کے چوتھائی حصہ کو اخراجات کی مد میں عشر سے مستثنیٰ کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اگرچہ بعض ائمہ کے اقوال اس قسم کے منقول ہیں کہ چوتھائی پیداوار تک اخراجات کی مد سے مستثنیٰ ہوسکتی ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۳ ص ۲۷۴ باب خرص التمر) لیکن حنفیہ اور اکثر فقہاء کے مسلک میں یہ چھوٹ نہیں ہے[2] لہٰذا اگر حکومت یہ چوتھائی حصہ لازمی وصولی سے مستثنیٰ کرنا چاہتی ہے تو ساتھ ہی یہ اعلان بھی کرنا چاہیئے کہ اس حصہ کا عشر مالکان خود ادا کردیں[3]

(۱۴) تاریخ زکوٰۃ

موجودہ آرڈیننس کے مطابق ہر سال زکوٰۃ یکم رمضان المبارک سے شروع ہوکر شعبان کے آخری دن پر ختم ہوگا، اور یہ باعثِ اطمینان بخش ہے کہ شریعت کے مطابق زکوٰۃ کی تقسیم کے لیے ہجری سال کو اختیار کیا گیا ہے[4] لیکن

---

[1] قال العلامة المرغینانیؒ: ویجوز دفع القیم فی الزکوٰۃ عندنا وکذا فی الکفارات وصدقة الفطر والعشر والنذر...... ولنا ان الامر بالاداء الی الفقیر ایصال للرزق الموعود الیه الخ۔ (الھدایة ج ۱ ص ۱۷۲ فصل فی الخیل)

[2] قال العلامة المرغینانیؒ: وکل شیٔ اخرجته الارض مما فیه العُشر لا یحتسب فیه اجر العمال ونفقة البقر لان النبی علیه السلام حکم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة فلا معنی لرفعها۔ (الھدایة ج ۱ ص ۱۸۵ باب زکوٰۃ الزروع والثمار)

[3] قال العلامة المرغینانیؒ: فی قلیل ما اخرجته الارض وکثیره العُشر سواء سقی سیحاً الخ۔ (الھدایة ج ۱ ص ۱۸۳ باب زکوٰۃ الزروع والثمار)

[4] قال العلامة الحصکفیؒ: وحولها ای الزکوٰۃ قمری بحر عن القنیة لا شمسی۔ (الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج ۲ ص ۳ قبیل باب زکوٰۃ المال)

مختلف اثاثوں کی قیمت لگانے کے لیے پہلے شیڈول میں مختلف تاریخیں مقرر کی گئی ہیں، یہ صورتحال شرعاً درست نہیں ہے۔ شرعی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شخص صاحبِ نصاب بن جائے تو اس کی ہر رقم کے لیے الگ سال شمار نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے تمام اثاثوں کے لیے زکوٰۃ کے وجوب کی ایک ہی تاریخ ہوتی ہے[1] لہٰذا صحیح طریقہ یہ ہے کہ تمام اثاثوں میں قیمت لگانے کی تاریخ (VALUTION DATE) ایک ہی رکھی جائے۔ البتہ اس قیمت کی بنیاد پر زکوٰۃ وضع کرنے کی تاریخیں (DEDUCKTION DATE) مختلف اثاثوں کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہیں۔

(۱۵) قیمتی پتھروں اور مچھلیوں کی زکوٰۃ

آرڈیننس کے شیڈول ۲ میں اشیاء کی فہرست دی گئی ہے جن پر حکومت لازماً زکوٰۃ وصول نہیں کرے گی بلکہ مالکان پر بطورِ خود ان کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، اس فہرست میں قیمتی پتھروں اور مچھلیوں پر بھی زکوٰۃ عائد کی گئی ہے، حالانکہ ان دونوں اشیاء پر اُس وقت زکوٰۃ واجب نہیں ہے جب تک تجارت کی نیت سے انہیں خریدا نہ گیا ہو[2] لہٰذا ان دونوں اشیاء کو اس شیڈول سے خارج کرنا چاہئے کیونکہ بہ نیتِ تجارت خریداری کی صورت میں یہ "اموالِ تجارت" میں شامل ہو جائیں گے جن کا ذکر شیڈول ۲ میں موجود ہے۔

(۱۶) مصارفِ زکوٰۃ

مصارفِ زکوٰۃ کے بیان میں آرڈیننس میں براہِ راست فقراء کو زکوٰۃ پہنچانے کے ساتھ مختلف اداروں کے توسط سے فقراء کی

---

[1] قال العلامة المرغيناني رحمه الله: ومن كان له نصاب فاستفاد في اثناء الحول من جنسه ضمه اليه وزكوٰة به.... لنا ان المجانسة هي العلّة في الاولاد والارباح لان عندها يتعسر التمييز فيعسر اعتبار الحول لكل مستفاد وما شرط الحول الّا للتيسير۔ (الهداية ج ۲ ص ۱۷۵ فصل في الخيل)

[2] وفي الهندية: ولا شئ فيما يستخرج من البحر كالعنبر واللؤلؤ والسمك كذا في فتاوى قاضي خان۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۸۵ قبيل الباب السادس في زكوٰة الزرع والثمار)
وقال العلامة الحصكفي رح: لا زكوٰة في اللآلي والجواهر وان ساوت الفاً اتفاقاً الّا ان تكون للتجارة۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۱۵ قبيل باب السائمة)

امداد کا بھی ذکر ہے، اس میں یہ وضاحت ہونی چاہیئے کہ ہر صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی مستحق زکوٰۃ کو باقاعدہ مالک بنا کر کی جائے گی۔[1]

خلاصۂ تجاویز برائے حکومت

(۱) صاحب نصاب کی موجودہ تعریف کی جگہ حسب ذیل تعریف لکھی جائے:۔

"صاحب نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا نقد روپیہ، سونا یا سامانِ تجارت ہو، یا ان چاروں اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ مل کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو۔"

پھر ہر سال تاریخ زکوٰۃ سے پہلے ساڑھے باون تولہ چاندی کی جو قیمت ہو اس کا اعلان کیا جائے اور اس قیمت کو وصولی زکوٰۃ کا معیار مقرر کیا جائے، یعنی صرف ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے جن کی اتنی مالیت کی رقوم بینکوں یا دیگر مالیاتی اداروں میں جمع ہوں۔

(۲) آرڈیننس کی دفعہ ۳ میں ترمیم کر کے اُس کو اس طرح بنایا جائے:۔

"آرڈیننس کے دوسرے احکام کے تابع ہر مسلمان صاحب نصاب شخص سے شیڈول ۱ میں دی ہوئی تفصیل کے مطابق ہر سال زکوٰۃ کے اختتام پر لازماً زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔"

شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ ثابت کر دے کہ تاریخ زکوٰۃ کے دن اس کی جملہ مملوکات کو نصاب کی مقدار تک پہنچے ہوئے پورا سال نہیں گذرا، تو اس کے مذکورہ اثاثوں سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔

مزید شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ ثابت کر دے کہ وہ مقروض ہے اور اس نے قرضہ کسی پیدا واری غرض سے نہیں لیا تو اس کے قرضے کی رقم کو قابلِ زکوٰۃ رقم سے منہا

---

[1] قال العلامة الحصكفي رحمه الله: الزكوٰة شرعاً تمليك خرج الاباحة فلو اطعم يتيماً ناويا الزكوٰة لايجزيه الّا اذا دُفع اليه المطعوم۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲ كتاب الزكوٰة)

وَمِثْلُهٗ فى البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۱ كتاب الزكوٰة۔

کیا جائے گا۔

مزید شرط یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں باضابطہ ڈیتھ سرٹیفکیٹ کے ذریعے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ زکوٰۃ وضع کرنے کی تاریخ میں انتقال پا چکا تھا تو اس کے اکاؤنٹ سے بھی زکوٰۃ وضع نہیں کی جائے گی۔

(۳) بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں میں رقم رکھوانے والوں سے ایک وکالت نامہ تحریر کرایا جائے جس میں وہ متعلقہ مالی ادارے کو یہ اختیار دیں کہ تاریخ زکوٰۃ آنے پر وہ ادارہ ان کی طرف سے زکوٰۃ وضع کر کے زکوٰۃ فنڈ میں جمع کرا دے۔

(۴) کمپنیوں اور ان کے حصص پر الگ الگ زکوٰۃ وصول نہ کی جائے بلکہ اگر کمپنیوں سے وصول کی جا رہی ہے تو حصص پر وصول نہ ہو اور اگر حصص پر وصول کی جا رہی ہو تو کمپنیوں پر وصول نہ ہو، ان دونوں صورتوں میں سے بہتر یہ ہے کہ حصص پر وصول کی جائے۔

(۵) عشر کے بصورت نقد وصول کرنے کی پابندی ختم کی جائے بلکہ یہ امر مالک پیداوار پر چھوڑا جائے کہ وہ چاہے تو بصورت جنس ادا کرے اور چاہے تو بصورت نقد ادا کرے۔

(۶) ہر زرعی پیداوار میں سے چوتھائی حصہ جو کہ حکومت بطور منہائی اخراجات چھوڑ رہی ہے اس کے بارے میں یہ اعلان کیا جائے کہ اس حصہ کا عشر مالکان خود ادا کریں۔

(۷) شیڈول ۱ کے تحت تمام اثاثوں کے لیے قیمت مقرر کرنے کی تاریخ (VALUATION DATE) ایک ہی مقرر کی جائے اور مختلف اثاثوں کے لیے مختلف تاریخیں نہ رکھی جائیں البتہ زکوٰۃ وضع کرنے کی تاریخیں مختلف اثاثوں کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہیں بشرطیکہ اثاثوں کے اسباب مختلف ہوں۔

(۸) قیمتی پتھروں اور مچھلیوں کو شیڈول ۲ سے خارج کیا جائے۔

(۹) شیڈول ۲ میں مویشیوں کی زکوٰۃ کی شرح بیان کرتے ہوئے پانچ سے پچیس اونٹ تک کی شرح بہت مجمل ہے جس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پانچ سے پچیس اونٹوں تک ایک اونٹ واجب ہے۔ اس کی اصلاح کر کے واضح پر یہ لکھنا چاہیئے کہ پانچ سے پچیس اونٹوں تک ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری واجب ہو گی۔

(۱۰) مصارف زکوٰۃ میں یہ وضاحت کی جائے کہ ہر صورت میں مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا

مالک وقابض بنایا جائے گا، اور ادارے یہ رقمیں تعمیرات اور اساتذہ کی تنخواہوں میں صرف نہیں کر سکیں گے۔

—— یہ چند تجاویز ہیں جو آرڈیننس کے فوری مطالعے سے سامنے آئیں۔ ——

ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرًا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

(۱) بندہ عبدالحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور) ۴/۹/۱۴۰۰ھ

(۲) رشید احمد عفا اللہ عنہ، دارالافتاء دارالعلوم کراچی۔ ۲۱/۸/۱۴۰۰ھ

(۳) محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۲۱/۸/۱۴۰۰ھ

(۴) احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ خادم 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

(۵) (مفتی) ولی حسن دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی ۲۱/۸/۱۴۰۰ھ

(۶) عبدالرزاق اسکندر 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

(۷) بندہ سبحان محمود، دارالعلوم کراچی ۱۴

(۸) بندہ عبدالرؤف سکھروی، دارالافتاء 〃 〃 〃

اسلامی قوانین کے نفاذ میں شیعہ سُنّی تفریق تباہ کُن ہے

(وفاقی مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۷ر اور ۹ فروری ۱۹۸۳ء میں نظام عشر اور قاضی عدالتوں کے مسودوں پر مولانا سمیع الحق صاحب نے دس منٹ کے محدود وقت میں مختصر خطاب کے دوران دو اہم امور پر توجہ دلائی، مولانا کے اس خطاب کو قانون عشر و خراج کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے وفاقی مجلس شوریٰ کی رپورٹنگ سے من و عن نقل کرکے افادۂ عام کیلئے فتاویٰ میں شامل کیا جارہا ہے ـــــ مرتب)

جناب چیئرمین: مولانا سمیع الحق صاحب!

مولانا سمیع الحق: نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب چیئرمین صاحب! عُشر کے بارے میں ہمارے دوستوں نے نہایت فاضلانہ گفتگو کی ہے اور اس کے شرعی حیثیت سے جو نکات تھے وہ ہمارے علماء کرام نے بالتفصیل واضح کئے ہیں۔ اس محدود وقت میں مختصراً تین نکات کے بارے میں کچھ عرض کروں گا جن کی طرف بعض حضرات نے اشارہ بھی کیا ہے۔

عُشر کے ساتھ خراج بھی ہے

پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ اراضی کے متعلق، زمینوں کے متعلق اسلام کا جو نظام محاصل ہے وہ دو چیزوں سے عبارت ہے، عُشر[۱] اور خراج[۲]۔ تو ہم اس سمت میں جب قدم اٹھا رہے ہیں اور یہ ایک نہایت قابلِ تحسین قدم ہے، انشاء اللہ اس راستے میں جو خامیاں اور رکاوٹیں ہیں وہ آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں گی۔ لیکن ہم نے نظام عشر کے ساتھ ساتھ خراج کے نظام کو بالکل یکسر نظرانداز کر دیا ہے، خراج معنی یہ ہے کہ جو اراضی غیر مسلموں کی ہیں اُن پر بھی عُشر کی طرح ایک خاص شرح سے ٹیکس لگایا جائے، عشر تو عبادات میں شامل ہے اور غیر مسلموں سے حاصل ہونے والے محاصل کو ہم عشر نہیں کہہ سکتے، لیکن اسلام کی نظر میں ایک اسلامی مملکت کے تمام شہری حقوق کے لحاظ سے بھی برابر ہوتے ہیں اور زاویوں کے لحاظ سے بھی۔ زمین جب اسلامی مملکت کی کسی مسلمان کے پاس ہے یا

دیئے جائیں گے اور اس کے محاصل بھی متعین ہیں اور جہاں جہاں اس کو خرچ کیا جائے گا وہ مصارف بھی متعین ہیں۔ لہٰذا موجودہ طریقہ تو بے حد خطرناک ہے کہ جس کی سارے عالم اسلام میں کوئی مثال نہیں ملتی، احوالِ شخصیہ کا معاملہ الگ ہے۔ پرسنل لاز میں ہم فقہی اختلافات کی گنجائش اور رعایت رکھیں گے لیکن جہاں مسئلہ آئے گا احوالِ عامہ اور پبلک لاز کا تو اس معاملے میں تفریق کسی جگہ بھی اختیار نہیں کی جائے گی۔ اس کے ایک خطرناک پہلو کا میں نے بجٹ کے موقع پر بھی ذکر کیا تھا۔ ہم سُنی حضرات یا شیعہ حضرات کے لیے اس طرح اپنے مسلک بدلنے کا راستہ نکالیں، مالی مفادات کی وجہ سے ایک شخص فارم میں یہ لکھے کہ میں فلاں مسلک سے تعلق رکھتا ہوں اور جہاں اُسے نقصان ہے وہ لکھے گا کہ میں فلاں مسلک سے تعلق رکھتا ہوں، اور جناب صدر صاحب نے خود ایک میٹنگ میں وعدہ کیا کہ غلط ڈیکلریشن پر سخت سزا مقرر کی جائے گی۔ مگر زکوٰۃ کے مسئلہ میں ایسا ہوا کہ ہزاروں لوگوں نے غلط ڈیکلریشن دیدیئے اور سُنی نے اپنے آپ کو شیعہ لکھ دیا، تو کیا کسی ایک ڈیکلریشن کو بھی شریعت کورٹ میں چیلنج کیا گیا ہے؟ نقصان اس کا سُنیوں کو ہے جو بدقسمتی یا خوش قسمتی سے اکثریت میں ہیں لیکن وہ گھاٹے میں جا رہے ہیں، سُنی محض مالی مفادات کی خاطر ایسا کر رہے ہیں کیونکہ یہ لوگوں کی کمزوری ہے۔ تو کوئی لکھ دیتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں۔ زکوٰۃ کے مسئلے میں بھی ایسا ہی ہوا، یہی فارم کل ہمارے خلاف دلیل بنیں گے کہ شیعوں کی اتنی بڑی تعداد ہے۔ تو تم شیعہ کو سُنی اور سُنی کو شیعہ بننے کا راستہ کیوں کھولتے ہو؟ اس کو اسلامی اصطلاح میں الحاد اور زندقہ کہا جاتا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ اگر حکومت نے اسلامی نظام نافذ کرنا ہے تو خدارا ان کے اصول کے مطابق، ان کے مسلک کے مطابق، ان کی رائے کے مطابق بھی کوئی طریق کار وضع کیا جائے، ان کو کھلا نہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔ کمال تو یہ ہے کہ مصارفِ زکوٰۃ اور مصارفِ عُشر کی تقسیم میں تو آپ نے کوئی تمیز متعین نہیں کی کہ اس میں شیعہ یا سُنی کا امتیاز کس طرح کیا جائے جائے گا؟ لیکن لیتے تو آپ ایک خاص طبقہ (اہلسنت) سے ہیں اور تقسیم کرنے میں فراخ دلی اختیار کرتے ہیں، لینے والا خواہ شیعہ ہو یا سُنی وہ لے سکتا ہے۔

مراعات کے لیے حکومتِ عادلہ ضروری نہیں تو ذمہ داریوں کے لیے کیوں؟

ہمارے شیعہ دوست کہتے ہیں کہ جب حکومت عادلہ ہو گی تب یہ چیزیں ہم پر لازم ہوں گی حکومتِ عادلہ کی یہ نرالی منطق ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ اگر دنیاوی عہدوں کیلئے، مناصب کے لیے، مراعات کے لیے حکومتِ عادلہ

کسی کافر کے پاس ہے تو اسلام یہ نہیں کہتا کہ غیر مسلم کی زمین اسی طرح چھوڑ دو اور صرف مسلمانوں پر ٹیکس لگا دو یا عشر لگا دو۔ تو جو اراضی غیر مسلم حضرات اور شہریوں کے پاس ہے اس پر بھی خراج لگایا جائے اگر ہمیں اسلامی اصطلاحات سے شرم آتی ہے اور ہم احساس کہتری میں ضرورت سے زیادہ مبتلا رہتے ہیں تو ہم خراج کی بجائے اس کا نام کوئی اور بھی رکھ سکتے ہیں، لیکن خدا کی ساری زمین برابر ہے، یہ جن لوگوں کی ملکیت ہے ان میں کسی کو مستثنیٰ قرار دینا اور کسی کو پابند بنانا اس کی اسلامی تاریخ میں کہیں بھی مثال نہیں ملتی۔

پبلک لاء میں تفریق تباہ کن ہے

اس کے علاوہ ایک دوسری بات بھی بڑے درد اور افسوس سے کہتا ہوں، اسے کوئی غلط معنی نہ پہنایا جائے جناب وزیر خزانہ صاحب نے کل بڑے مدلل جواب دیئے لیکن اس مسئلے کو انہوں نے ہلکا سمجھا اور گول مول کے انداز میں اسے چھوڑ دیا۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم ایک مسلم مملکت کے مسلمان شہری ہیں تو ہمیں مکمل فکری یکجہتی اور یکانگت کی ضرورت ہے، ہماری حمزہ کمیٹی کی رپورٹ میں بھی اس جانب مناسب انداز سے توجہ دلائی گئی ہے کہ عشر کے معاملے میں یا کسی بھی اسلامی قانون کے بارے میں دو طریقے اختیار کرنا اور فقہی مسائل کو راستے کی رکاوٹ سمجھ کر کچھ لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیدینا یہ چیز آگے چل کر ملک کے لیے بڑی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ خدا کی قسم میں یہ کسی تعصب کی وجہ سے نہیں کہتا ہوں بلکہ شیعہ حضرات کی خیر خواہی میں کہتا ہوں جنہوں نے خود مجھ سے بات کی ہے، یہاں میرے بھائی نصرت علی شاہ صاحب اور کئی دوسرے حضرات بھی ہیں جنہوں نے اس وقت بھی اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا کہ چند سیاسی طالع آزماؤں کی وجہ سے (اور وہ ہر فرقہ میں ہوتے ہیں) ملک کی گاڑی کو ایسی پٹڑی پر ڈالا جا رہا ہے جس کا انجام بالآخر انتشار و افتراق ہوگا، یہ بہت خطرناک چیز ہے۔ حدود آرڈیننس کے مسئلہ میں ایسے ہی ہوا اور پھر زکوٰۃ کے مسئلہ میں بھی یہی کچھ ہوا۔ اگر کسی فرقہ کو ہمارے فقہی مسلک سے اختلاف ہے تو ہم بڑی فراخدلی سے اس کا خیر مقدم کریں گے، لیکن ان کے ہاں بھی ایک نظام ہے، کچھ قوانین ہیں، کچھ احکام ہیں جبکہ شریعتِ اسلامیہ نے کسی بھی فرقے کو بالکل آزاد نہیں چھوڑا۔

مثلاً ہمارے شیعہ حضرات کی فقہ میں بھی چار چیزوں پر عشر ہے، گیہوں، کھجور، کشمش اور جو میں، ان کی فقہ میں بھی ان چار چیزوں پر عشر ہے، اور جن چیزوں پر وہ عشر کے قائل نہیں ہیں ان کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ ان کا خمس دینا چاہیئے، ان کا عقیدہ ہے کہ سو من میں سے بیس من

ہے تو حکومت کی طرف سے جو ذمہ داریاں رعایا پر عائد ہوتی ہیں تو اس کے لیے وہ حکومت کیوں حکومتِ عادلہ نہیں سمجھی جاتی؟ تو میں کہتا ہوں کہ اس طرح بدقسمتی سے ایک چیز عوام کے دلوں میں پیدا ہو رہی ہے، ہم تو یہی کہتے ہیں کہ شیعہ اور سُنّی ہمیشہ بھائیوں کی طرح رہیں اور ملک پر آواز نہ اٹھے اور لوگ یہ نہ کہیں کہ آج اس معاملہ میں شیعہ ہم سے جدا ہو گئے ہیں تو آخر کار سنیوں کی طرف سے بھی یہ آواز اٹھے گی کہ بھائی جب یہ الگ ہو رہے ہیں تو ہمیں بھی الگ کر دو اور انہیں بھی الگ کر دو۔ خدا نہ کرے خدا نہ کرے اگر ایسا ہو گیا تو یہ ملک و قوم کیلئے نہایت خطرناک ہوگا۔

کل جناب وزیرِ خزانہ نے کہا کہ یہ مسئلہ علماء کی افہام و تفہیم کا ہے۔ کمال یہ ہے کہ کیا علماء میں افہام و تفہیم سے ایسے احکامات لاگو ہو سکتے ہیں جو حکومت لاگو نہیں کر سکتی، علماء کیسے بیٹھ کر کیسے افہام و تفہیم کریں؟ علماء تو آپ کو کہتے ہیں کہ بھائی عُشر نافذ ہی نہ کرو، آپ کے جو علماء ہیں ان کی اکثریت آپ کے خلاف ہے۔ میں آپ کو یہ حقیقت بتاؤں کہ علماء کہتے ہیں کہ عُشر نافذ ہی مت کرو، زکوٰۃ مت نافذ کرو، لیکن اس مسئلے میں تو آپ علماء کو نہیں دیکھتے اور اس مسئلہ میں آپ علماء کو کہتے ہیں کہ آپس میں افہام و تفہیم پیدا کریں جو علماء کے بس کی بات نہیں۔ باہمی مفاہمت پیدا کرنا یکجہتی کو قائم کرنا ان قوانین میں، یہ حکومت کا اولین فرض ہے اور انشاء اللہ دونوں طبقوں میں معتدل، سنجیدہ اور مخلص حضرات موجود ہیں وہ اس چیز کو گوارا نہیں کریں گے۔ تو انشاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ آپ کیلئے یہ راستہ آسان بنا دے گا ورنہ کہاں کہاں آپ یہ دو عملی اور تفریق کا سلسلہ جاری رکھیں گے؟

عشر اور نصف العشر

تیسری میری گزارش یہ تھی کہ اخراجات کے سلسلے میں مسئلہ کو خواہ مخواہ الجھا دیا گیا ہے، شریعت نے تو کھیتی باڑی پر اٹھنے والے مصارف پر رعایت رکھی ہے بارانی زمینوں پر زیادہ اخراجات نہیں اٹھتے اسلئے اس پر عُشر یعنی دسواں حصہ اور نہری یا چاہی زمینوں پر نصف العشر یعنی بیسواں حصہ، یعنی عشر کی اس کو رعایت دیدی گئی ہے۔ تو یہ ایک عجیب صورتِ حال ہے کہ اخراجات کو منہا کرنے کی کو منہا کرنے کی پوری اسلامی تاریخ میں مثال نہیں ملتی کہ عشر نافذ کیا گیا ہو تو اس میں اخراجات کو منہا کیا گیا ہو، پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کی رعایت رکھی ہے، تو اس مسئلے کو اتنا نہ الجھایا جاتا اور عشر اور نصف العشر پر چھوڑ دیا جاتا۔

تو جنابِ والا میری بنیادی بات وہ ہے جو درمیان میں میں نے کہہ دی کہ فقہی اختلافات کا یہ سلسلہ نہ ایران میں ہے نہ عراق میں، نہ مصر میں اور نہ شام میں ہے، خدا کے لیے اس سلسلے کو روکا جائے اور اس کی اب بھی تلافی کی جائے۔ بہت شکریہ!

زکوٰۃ ـــــ اور متجددین

قصرِ اسلام میں شگاف کی سعی

زکوٰۃ ایک عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ نے صاحب نصاب مسلمانوں پر فرض کی ہے، بلکہ اس کو اسلامی عمارت کا ایک اہم ستون قرار دیا ہے۔ عصر حاضر میں بعض "روشن خیال" اور "متجددین" مثلاً ڈاکٹر فضل الرحمٰن سابق ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان، وغیرہ نے حکمرانوں کے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لیے علماء اسلام، مدارس دینیہ اور دین کا درد رکھنے والوں کے نام ناکام مہم شروع کی تھی۔ اس ضمن میں زکوٰۃ کو عبادت سے نکال کر ٹیکس قرار دینے کے لیے تحریری طور پر آغاز کر دیا گیا۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی نے اس باطل نظریے اور متجددین کی تحریکات کا تعاقب کرتے ہوئے "قصر اسلام میں شگاف کی سعی" کے عنوان سے ایک جاندار مضمون لکھا جو ماہنامہ الحق میں شائع بھی ہوا، جسے اب "فتاویٰ حقانیہ" میں افادۂ عام کے لیے شامل کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

وہ ملک جو ایک طویل اور پیہم جدوجہد اور انمٹ قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا جس کی خاطر لاکھوں مسلمانوں کو آگ اور خون کے طوفانوں سے گزرنا پڑا۔ ہزاروں عصمتوں کے چراغ بجھے اور لاکھوں مظلوم زندگیاں اغیار کے ہاتھوں لٹ گئیں۔ غرض مسلمان زندگی کی ہر متاع اور عمر بھر کی پونجی اس کی راہ میں لٹا کر بھی مسرور و شاداں تھے کہ ؂

حاصل عمر نثارِ رہ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

اب اگر کوئی بدبخت اور ناعاقبت اندیش اٹھے اور اس کی بنیادوں کو ہی ڈائنامیٹ کرے، اس کی دیواروں میں شگاف ڈالے تو کیا اس کے ایسے غدارانہ حرکات کو لمحہ بھر برداشت

کیا جائے گا۔ کیا ایسا شخص قومی غدار کہلانے کا مستحق نہ ہوگا جو اس مضبوط حصار میں نقب لگا کر قومی قتل کا مجرم بنے؟

ملت حنیفیہ کی حفاظت کیلئے حضورؐ اور صحابہ کی قربانیاں

امت مسلمہ کا وہ مضبوط اور آہنی حصار جس کے استحکام پر نہ صرف ہماری بلکہ رہتی دنیا تک سسکتی ہوئی انسانیت کا مدار ہے اور جسے ہم اسلام اور ملت حنیفیہ کے پیارے نام سے تعبیر کرتے ہیں، کی خشت اوّل معمار اوّل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں رکھی گئی اور تکمیل نوامیس فطرت کے سب سے بڑے علمبردار اور کامل واکمل ہستی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ہوئی۔ آپ نے دن کا سکھ اور رات کا چین اس راہ میں قربان کر دیا۔ اس گھر کی تکمیل میں وہ مصیبتیں جھیلیں جو مخلوق میں سے کسی نے اس سے پہلے نہ سہیں۔ اوذیت فی اللہ مالم یوذ احد اوکما قال ان کے معصوم اور پاکیزہ دل کی ہر دھڑکن اور ہر آرزو اس حصار کے استحکام اور مضبوطی سے وابستہ رہی کہ اب قیامت تک آنے والی مخلوق کی حقیقی فلاح و بقا اس "خدائی قلعہ" کی مضبوطی سے وابستہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس صحابہ سمیت اپنی زندگی، مال وجان، عزت و آبرو، گھربار، ملک و وطن، غرض سب کچھ اسی اسلام کی حفاظت واشاعت اور مدافعت میں قربان کر دیا اور جس وقت وہ ذات قدسی صفات اس عالم خاکی سے روپوش ہوئی تو دین کا یہ "قصر" ایک حسین وجمیل کامل ومکمل مرقع کی شکل میں دنیا کے سامنے موجود تھا۔ اس میں ذرہ بھر خامی نہ تھی جس کی تکمیل و تعبیر کے لئے کسی دوسرے معمار کی ضرورت پڑے

ارکانِ خمسہ

ہر عمارت ستونوں، چھتوں اور درودیوار سے عبارت اور اپنی مضبوط اور راسخ بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام کی عظیم الشان عمارت بھی ان بنیادوں اور ستونوں پہ قائم ہے جسے ہم ارکان خمسہ (شہادتین، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج) کے نام سے جانتے اور

پہچانتے ہیں اور جیسے حضور اقدسؐ نے دعائم الاسلام (اسلام کے ستون) سے تعبیر کیا۔ (ملاحظہ ہو عمدۃ القاری جلد ۱ ص ۱۴۱ بحوالہ مصنف عبدالرزاق) اگر ان بنیادی ستونوں میں سے ایک کو ہٹا دیا جائے یا ذرا ٹیڑھا کر دیا جائے تو پوری عمارت دھڑام سے گر جائے گی جو بالآخر اس کے تمام مکینوں کی تباہی اور ہلاکت پر منتج ہوگی۔ اگر کوئی خرد باختہ شخص اس عمارت کی بنیادوں پر ضرب لگاتا اور اسے اپنی جگہ سے ہلاتا ہے تو عاقبت اندیشی یہی ہے کہ اس عمارت کے تمام باشندے اٹھ کر ان ہاتھوں کو توڑ دیں جو پوری ملت کے نقصان اور تباہی کا سبب بن رہے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ تمام ہاتھ بھی شل کر دیئے جو پس پردہ اس مل جوڑ کی پشت پناہی کر رہے ہوں۔ یہ ایک بڑی اور سچی حقیقت ہے جو اسلام اور دین محمدی کی اہمیت، اس کی عظمت اور نزاکت کے بارہ میں خود حضور اقدسؐ نے ایک سیدھی سادھی مثال سے ذہن نشین کرا دی اور بار بار فرمایا جسے بے شمار صحابہ نے مختلف طرق سے نقل کیا۔

بنی الاسلام علی خمس	اسلام کا یہ عظیم الشان کارخانہ پانچ
شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا	ستونوں پر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ
رسول الله واقام الصلوٰة	کی وحدانیت اور رسالت محمدیؐ کا
وایتاء الزکوٰة والحج	اقرار، نماز ادا کرنا، زکوٰة دینا، حج کرنا
وصوم رمضان۔	اور رمضان کے روزے رکھنا۔

عن عبد اللہ بن عمر۔ بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ نسائی

کہیں ان ارکان کو دعائم الاسلام کہا گیا اور کہیں عماد کے لفظ سے ان کی اساسی حیثیت پر روشنی ڈالی گئی۔ خود قرآن مجید کے اکثر مضامین، احکام اور اوامر و نواہی قصص و آداب امثال و مواعظ کا مرکزی نقطہ بھی یہی ارکان پنجگانہ ہیں کہ ان ہی پہ دین و آخرت اور غیب کا سارا عالم استوار ہے۔

ارکان کا باہمی ربط و تعلق

پھر نہ صرف یہ کہ اس قصر دین کی بقا ان ارکان کی مجموعی حیثیت پر موقوف ہے بلکہ یہ سارے ارکان آپس میں ایسے مربوط اور وابستہ ہیں کہ اگر ان میں ایک نہ ہو تو باقی

تمام ارکان میں اضمحلال رونما ہو اور پوری عمارت کا توازن برقرار نہ رہ سکے۔ اگر ان میں سے ایک کی ضرورت و اہمیت بھی محسوس نہ ہو یا اسے فالتو سمجھ لیا جائے یا اس کی ہیئت اساسی میں تبدیلی کی سعی کی جائے خواہ وہ ایمان باللہ ہو یا نماز زکوٰۃ ہو یا حج اور روزہ تو ایسا شخص اس پوری عمارت کا دشمن ہے کیونکہ اس قصرِ متین کا ہر جز دیگر اجزاء و ارکان کو سنبھالے ہوئے ہے، جس معمار نے ہدایات ربانی کی روشنی میں یہ عمارت تیار کی اور اس کا نقشہ بنایا۔ اس نے ان ارکان کا یہ باہمی ربط و تعلق اور اس کی اہمیت بھی ان الفاظ میں جتلادی کہ:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	(ایمان لانے کے بعد) چار چیزیں ہیں جنہیں
اربعٌ فرضهن اللہ فی الاسلام	اللہ تعالیٰ نے اسلام میں فرض قرار دیا
فمن جاء بثلاث	ہے۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ اور بیت
لم یغنین عنہ	اللہ کا حج جو شخص ان میں سے تین بھی
شیئاً حتی یأتی بهن	ادا کرے (اور کسی ایک کی فرضیت کا
جمیعاً الصلاۃ والزکاۃ	بھی منکر ہو) تو وہ اس کے کام نہیں
وصیامُ رمضان وحج البیت	آسکتیں جب تک سب کے سب
(ترجمان السنۃ بحوالہ احمد وطبرانی)	نہ کرے (یعنی سب پر ایمان و یقین نہ ہو)

ان چاروں ارکان میں زکوٰۃ بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ نماز (اور اس وجہ سے قرآن نے ہر جگہ اقیموا الصلوٰۃ کے بعد وآتوا الزکوٰۃ کا حکم دیا۔) روزہ بھی ایسا ہی فرض ہے اور بنیادی عبادت ہے جیسا کہ حج۔

کسی ایک رکن سے انکار یا تبدیلی کرنا بھی کفر ہے

اگر کوئی شخص ایمان کا مدعی ہے۔ مگر نماز یا زکوٰۃ سے انکار کرتا ہے یا اس خاکہ میں تبدیلی و ترمیم کی ناروا جسارت کرتا ہے جو اس کے معمارِ اوّل نے ان عبادات کے لئے تیار فرمایا تو اسے اس قصرِ محمدی میں رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں اور نہ اس کا دعوٰے ایمانی قابلِ اعتنا ہے خواہ وہ ہزار بار اس کے استحکام و

تعمیر کی رٹ لگاتا رہے اور ہمارے اس دعوے کا ماخذ خود قرآن کریم، سنت رسولؐ اور صحابہ کرام و خلفاءؓ راشدین کا طرز عمل ہے۔ ارشاد ربانی ہے:-

فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم	ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو پس
فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ	اگر وہ تائب ہو کر نماز قائم کریں اور
فخلوا سبیلھم (توبہ)	زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک لوگ توحید اور رسالت کا اقرار اور نماز و زکوٰۃ ادا نہ کریں تو مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان سے جنگ کرتا رہوں۔ جب وہ ایسا کرنے لگیں تب وہ اپنے مال و آبرو کو مجھ سے محفوظ کر سکیں گے۔ (بخاری و مسلم)

پھر ان ارکان کے باہمی ارتباط کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ جب بنو ثقیف کے ایک وفد نے طائف سے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر اس شرط پر کہ اسلام کے ایک اہم رکن نماز سے ہمیں معاف رکھا جائے تو حضورؐ نے بڑی سختی اور حقارت سے ان کی یہ درخواست ٹھکرا دی اور فرمایا کہ:-

لاخیر فی دین لاصلوٰۃ فیہ	بھلا وہ دین ہی کیا کہ جس میں نماز ہی نہ ہو

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس مفہوم کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا:-

من لم یزک فلا صلوٰۃ لہ (ترجمان السنۃ ص۴۵	جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی قبول نہیں

خلیفۃ الرسولؐ سیدنا صدیق اکبرؓ نے صحابہ کے بھرے مجمع میں اعلان فرمایا کہ:

واللہ لاقاتلن من	خدا کی قسم جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق
فرق بین الصلوٰۃ	کرے گا۔ (ان میں سے ایک کی تعبدی
والزکوٰۃ۔	حیثیت سے انکار کرے گا) تو میں اس
	سے قتال کروں گا۔

منکرین زکوٰۃ اور فراست صدیق

عہد رسالت کے فوراً بعد جب بعض غیر راسخ الایمان قبائل ۔ عبس و ذبیان ۔ بنو کنانہ ۔ غطفان اور بنو فزارہ نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تو خلیفۃ المومنین سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنی ایمانی فراست کی بنا پر اس باغیانہ اور کافرانہ جسارت کے مہلک اثرات اور نتائج کو فوراً بھانپ لیا کہ اگر اس وقت قصر محمدی کی بنیادوں پر یہ پہلی کاری ضرب برداشت کر لی گئی تو آگے چل کر بد باطن منافقین، زنادقین اور محرفین کے ہاتھوں یہ پوری عمارت پیوند خاک ہو کر رہ جائے گی (ولا فعل اللہ کذلک الی یوم القیامۃ) حضرت صدیق اکبرؓ نے جرأت ایمانی سے کام لے کر تلوار نیام سے نکالی اور ایک خونریز جنگ کے بعد اس فتنہ کو تہ خاک کر دیا ۔۔۔ جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین ۔

حضرت صدیقؓ کو زکوٰۃ یا اس کے تعبدی حیثیت سے کام کرنے والوں کے اقدام کے کفر و ارتداد ہونے میں ذرا بھر تردد نہ ہوا اور یہ اس لیے کہ بقول امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمۃ ۔

ان الأیمان اسمٌ لالتزامِ کل الدین فمن فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ ۔ فکانہ لم یؤمن بالکل ومن لم یؤمن بالکل فھو کافر قطعاً ۔

(فیض الباری ص ۱۰۸/۱)

بنابریں کہ ایمان نام ہے پورے دین کے التزام کا ۔ پس اگر کوئی نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرتا ہے ۔ گویا وہ پورے دین پر ایمان نہ لایا اور جو پورے دین پر ایمان نہ لایا وہ شخص قطعی کافر ہے ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی جب اندازہ ہوا کہ ان لوگوں کی جسارت محض حکومت سے سرکشی یا بغاوت نہیں بلکہ سرے سے دین کے ایک اہم رکن کا انکار یا اس میں تحریف اور غلط تاویل کرنا ہے جس کے تباہ کن اثرات پورے دین پر پڑ سکتے ہیں تو اس کا سینہ بھی اس بارہ میں

کھل گیا اور نہ صرف حضرت فاروق اعظمؓ بلکہ تمام صحابہؓ نے حضرت صدیقؓ کا قولاً و عملاً ساتھ دیا اور اس طرح ایک رکن اسلام (زکوٰۃ) کی قطعیت میں صحابہ کا اجماع منعقد ہوا۔ اور ایسا اجماع جس کے نفاذ میں مخالفین کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔

مانعین زکوٰۃ بھی زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھ رہے تھے

مانعین زکوٰۃ کے اس اقدام کے اسباب و عوامل کی تلاش میں ہمیں یہ بات بھی مل جاتی ہے کہ منکرین زکوٰۃ نہ صرف سیدنا صدیق اکبرؓ کو زکوٰۃ دینے کے مخالف تھے بلکہ اپنی ایک من گھڑت رائے اور نظریہ کی بنا پر زکوٰۃ کو صرف ایک ٹیکس سمجھنے لگے تھے اور اس طرح اس کی عبادتی حیثیت سے انکار کر رہے تھے۔ محدث جلیل علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:۔

وانما زعموا ان الزکوٰۃ جبایۃ	منکرین زکوٰۃ کا گمان تھا کہ زکوٰۃ ایک
مالِ کما یجبی السلطان من	مالی ٹیکس ہے۔ جیسا کہ بادشاہ اپنی
الرعایا جبایات من جہات	رعایا سے کئی طرح کے ٹیکس وصول
فکانت الی النبی صلی اللہ علیہ	کرتا ہے۔ پس حضورؐ کے زمانہ میں
وسلم فی عہدہ واذا اولینا	تو اس ٹیکس کی وصولی حضورؐ کا حق تھا
نحن ولاۃ منا سقطت	اور جب ہم نے اپنوں میں سے والی اور
وبقیت کسائر الجبایات	حاکم چن لئے تو زکوٰۃ ہم سے ساقط ہوئی
علی رائی الوالی۔	اور دیگر ٹیکسوں کی طرح اب زکوٰۃ کا
(فیض الباری ص ۱۰۹ ج ۱)	معاملہ بھی حاکم کی رائے پر ہے۔

ٹھیک چودہ سو سال بعد قرنِ اوّل کے مانعین زکوٰۃ کا یہی استدلال اور ارکان اسلام سے بغاوت کا اعادہ ہے جو آج اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (ادارہ تحقیقات اسلامیہ) کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمان اور اس کی لادینی ریسرچ و تحقیق کی صورت میں ہمارے سامنے ہو رہا ہے۔

زکوٰۃ کے مقادیر اور مصارف میں قطع برید جائز نہیں

ڈاکٹر فضل الرحمان فرماتے ہیں۔ "معاشرہ کی ضروریات کے لئے زکوٰۃ کی موجودہ شرح کافی نہیں۔ حکومت کو اس میں اضافہ کا حق حاصل ہے (فکر و نظر اکتوبر ۱۹۶۴ء) پی پی اے کے نمائندہ کو اپنے انٹرویو میں بتایا۔ قرآن مقدس میں مسلمانوں پر مملکت کو صرف ایک ہی ٹیکس لگانے کا اختیار دیا گیا ہے اور وہ زکوٰۃ ہے۔ یہ ٹیکس بنیادی طور پر اس لئے وضع کیا گیا تھا کہ اسے مملکت کی مختلف ضروریات پوری کرتے ہوئے مسلم معاشرہ کی سماجی ترقی بلکہ مملکت کی دفاعی اور دیگر ضروریات سول سروس ٹرانسپورٹ اور بیرونی قرضے وغیرہ پر بھی لگایا جائے۔ الخ

کیا خوب فرمایا ڈاکٹر صاحب نے خدا نے تو قرآن میں زکوٰۃ کے خرچ کے لئے مصارف ہشتگانہ مخصوص فرمائے۔ رسولؐ نے اس کے نصاب اور مقادیر متعین کئے اور اس کے تقسیم و خرچ میں اتنا اہتمام برتا کہ ایک بار جب ایک شخص نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ دینے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا۔ "اے شخص اللہ تعالیٰ نے مال زکوٰۃ کی تقسیم میں کسی انسان کو بلکہ خود پیغمبر تک کو خود اختیار نہیں دیا ہے بلکہ اس کی تقسیم خود اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور اس کے آٹھ مصارف بیان کر دیئے ہیں۔ اگر تم ان آٹھ مصارف میں داخل ہو تو میں تم کو دے سکتا ہوں ——— (ورنہ نہیں) (ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ)

اسلامی ریاست کے مدات آمدنی

پھر یہ بات مضحکہ خیز ہے کہ اسلام میں زکوٰۃ کے علاوہ ملکی ضروریات کے لئے کوئی اور آمدنی مقرر نہیں کی گئی۔ آخر ڈاکٹر ایسے "محقق" کے بارہ میں یہ بات نادانی پر محمول کی جائے گی یا تجاہل عارفانہ پر۔ اسلام نے ایک اسلامی ریاست کے مصارف اور ضروریات کے لئے بے شمار ذرائع متعین فرمائے ہیں۔ آمدنی کا ایک ذریعہ خراج ہے۔ جو غیر مسلموں کی ان اراضی سے لیا جائے گا جس پر مقابلہ یا صلح کے بعد مسلمانوں کا تسلط قائم ہوا ہو اور جو زمین کی پیداوار، زرخیزی اور وسائل آبپاشی کی سہولت کو ملحوظ رکھ کر پیمائش یا بٹوارے کے طریقے پر لگایا جائے گا۔ امام ابویوسفؒ کے الفاظ میں اس کی وصولی کے لئے وہ افسر مقرر ہوں گے جو فقیہ، عالم،

پاکباز، منصف مزاج، متدین اور خودرائی سے اجتناب کرنے والے ہوں۔

ایک ذریعہ جزیہ[2] ہے جو غیر مسلم اہل ذمہ سے وصول ہوگا اور اسلامی ریاست ان کے شہری حقوق اور مال و جان کی محافظ ہوگی۔ اس طرح غنیمت[3] کا مخصوص حصہ جو غیر مسلموں سے جنگ کے دوران قیدیوں اور مال و دولت کی صورت میں حاصل ہوگا۔ فے[4] جو دشمن سے بغیر جنگ و جدال کے مسلمانوں کے ہاتھ آئے گا معاون[5] اور رکاز۔ مدفون خزانہ یا معدن کا پانچواں حصہ بھی بیت المال میں داخل ہوگا اس طرح لگان[6]، اجارہ یا ٹھیکہ کی آمدنی کہ زمین کا کوئی قطعہ کسی کاروبار کے لئے کسی شخص کو اس شرط پر دے دیا جاتا ہے کہ وہ اس کے منافع میں سے ایک مخصوص قسط بیت المال میں داخل کرے گا۔ اس کے علاوہ عشر کی شکل میں زمین پر محصول یعنی پیداوار کا ۱/۱۰ حصہ یا دوسری قسم اراضی پر نصف العشر یعنی ۱/۲۰ حصہ جس میں کمی یا زیادتی کا اختیار نہیں اور جس کے مصارف اور مقدار بھی مقدر اور معین ہیں۔ ان کے علاوہ غیر ملکی درآمد پر محصول (امپورٹ ڈیوٹی) جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لگایا گیا جبکہ دوسرے ممالک مسلمان تاجروں کے اموال پر اس قسم کی ڈیوٹی لگانے لگے۔ اگر ایک اسلامی حکومت واقعی اسلامی بنیادوں اور حقوق پر قائم ہو۔ اسلامی نظام کا احیاء اور نفاذ کرتی ہو اور محاصل و مصارف میں قرآن و سنت کی ہدایات کی سختی سے پیروی کرتی ہو تو ایسی حکومت مذکورہ اشیاء کے علاوہ دوسرے محاصل اور ٹیکس بھی لگا سکتی ہے۔ فقہائے اسلام نے تصریح کردی ہے کہ ملکی دفاع، فوجی قوت کے استحکام، پولیس کے اخراجات یا رفاہی امور نہروں کی کھدائی، پلوں کی تعمیر، قیدیوں کی رہائی وغیرہ کے لئے مقررہ اور ہنگامی دونوں قسم کے محاصل وصول کئے جاسکتے ہیں۔ (ہدایہ کتاب الکفالۃ اور دیگر کتب فقہ) نہ یہ کہ زکوٰۃ کی ہیئت سالمہ کو بدل کر ٹیکس بنا دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے مقدر و معین مصارف کے علاوہ اسے دیگر ضروریات پر خرچ کیا جائے۔

جاہلی نظریات کی جدید تعبیر

عہد حاضر کے ان نام نہاد محققین نے آج ان تمام جاہلی نظریات کو دجل و تلبیس اور تحریف و تاویل کے حربوں سے مسلح ہو کر اسلام کی جدید تعبیر کے روپ میں دوبارہ پیش کردیا ہے جن کو اسلام نے سختی سے غلط ٹھہرایا اور جسے اس کے پیغمبر اعظم ﷺ نے

قدموں کے نیچے پائمال کیا۔ جاہلیت اولیٰ کے منحوس دیو کی وہی روح بد ہے جو کبھی مرزا غلام احمد قادیانی کے بھیس میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی غلام احمد پرویز کا روپ دھار لیتی ہے اور کبھی ڈاکٹر فضل الرحمان اور ان جیسے محققین اور مغرب زدہ دانشوروں میں جلوہ گر ہو جاتی ہے اور پھر تمام فتنہ سامانیوں کے ساتھ اسلام کے ایک ایک رکن اور ایک ایک اساس پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اپنے وقت کے شیطنی ذرائع اور وسائل اس کی پشت پر ہوتے ہیں۔ کبھی اس کا وار رسالت محمدی کی بنیاد "ختم نبوت" پر ہوتا ہے تو کبھی آپؐ کی سنت کی تشریعی حیثیت اور منصب رسالت پر۔ کبھی تجدد اور نئی روشنی کے نام پر مسلمانوں کے "پرسنل لاء" کو مسخ کیا جاتا ہے تو کبھی ظاہری ترقی اور مغربیت کی چمک دمک سے اسلام کے پورے معاشرتی نظام، طلاق، نکاح، عدۃ، میراث وغیرہ میں دست درازیاں کی جاتی ہیں اس صدی میں اس طاغوتی روح نے مسلمانوں کے پورے اقتصادی ڈھانچہ، تجارت اور صنعت کو اسی جاہلی نظام، سود، قمار، حرام کاروبار، معاشی دستبرد اور ظلم و تعدی کی بنیادوں پر کھڑا کر دیا ہے اور سارے عالم اسلام کی ہیئت حاکمہ اور قوت نافذہ کو اپنے ڈگر پر ڈال دیا ہے۔ اس کا منحوس سایہ مسلمانوں کے پورے نظام اخلاق و کردار، تمدن اور طرز معاشرت پر پڑ چکا ہے اور اس کی جگہ مغربی خود غرضی، نفس پروری، مادہ پرستی جنسی ہیجان اور اباحیت نے قدم جما لئے ہیں اور بدأ الاسلام غریباً وسیعودُ غریبا کا منظر سامنے ہے۔

غفلت یا مداہنت کے ہولناک نتائج

ان حالات میں اگر ملت مسلمہ لمحہ بھر بھی غفلت اور مداہنت یا رواداری سے کام لے اور اسلام کی ایک ایک بنیاد اور اصول پر شیطنت کا یہ وار سہتی رہے تو ظاہر ہے کہ اس کے نتائج کتنے مہلک اور کتنے تلخ ہوں گے؟ پھر معلوم نہیں یہ سلسلہ آخر کہاں جا کر ختم ہوگا۔ اگر آج زکوٰۃ کی شرعی حیثیت کو غتر بود کیا گیا کہ زکوٰۃ کی موجودہ شرح حکومت کے مصارف کے لئے کافی نہیں تو کل نمازوں کی تعداد اور مقدار میں بھی یہ کہہ کر قطع و برید کی جائے گی کہ آج کل کی مصروف زندگی میں اس پنج وقتہ ضیاع وقت (نارش بدہن) کی فرصت کہاں! اور یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ اس صنعتی اور مشینی دور میں مہینے کے پورے تیس دن روزے رکھ کر ملک کی مادی

حیثیت کو نقصان پہنچایا جائے؟ اور "حج و زیارت" کے نام پر ہزاروں میل کا سفر کر کے ملک اور قوم کا وقت اور ریاست کا "زر مبادلہ" ضائع کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ والعیاذ باللہ العظیم۔ اگر آج سود کے حلال ٹھہرائے جانے کو گوارا کر لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ کل زنا اور خمر کو حلال نہ کہنا پڑے اور اگر آج مسلمانوں کے معاشرتی معاملات میں تحریف و تبدیل پر صبر کر لیا جائے تو کونسی ضمانت ہے کہ کل عبادات اور اعتقادات تک سے ہاتھ نہ دھونے پڑیں!

نفاق زدہ لوگوں کی مضحکہ خیز حالت

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے دیگر ارکان کے علاوہ زکوٰۃ کی بنیادی اور تعبدی حیثیت پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر فضل الرحمان اور اس قماش کے دیگر ثقافتی اور ریسیرچی "ارباب فکر و نظر" کی تحقیقات کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے۔

دراصل جو قلوب اسلام کے بارہ میں سوء ظن، سطحیت یا حسد و عناد کے شکار ہیں اور اسلام کی موجودہ "عہد جاہلیت" کے لیے ایک رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ بعض سیاسی اور مادی اغراض کی وجہ سے نہ تو کھل کر اسلام کے "دین ابدی" اور ضابطہ حیات ہونے کا انکار کر سکتے ہیں اور نہ اندرونی نفاق کی وجہ سے اسلام کی جامعیت اور دین حنیفی کی سچائیوں کا اقرار۔ اس گومگو حالت نے انہیں تضاد، تعارض اور تذبذب و نفاق کے ایک عجیب مضحکہ خیز مقام پہ کھڑا کر دیا ہے۔ کبھی وہ سرمایہ دارانہ نظام پہ اسلام کا ٹھپہ لگائیں گے تو کبھی کمیونزم اور مارکسیت کو دنیا کا کامیاب مذہب قرار دیں گے۔ کبھی کہیں گے کہ سائنس و حکمت اور دین و مذہب کا کوئی جوڑ ہی نہیں ہو سکتا کبھی کہیں گے کہ اسلام کا مقصد ہی صرف سائنسی ترقی اور مادی عروج وارتقاء ہے۔ کبھی سرے سے سنت رسولؐ کے حجت ہونے سے انکار کر بیٹھتے ہیں تو کبھی ہر زمانہ کے ماؤف یا استشراق زدہ دل و دماغ کے اجتہادات کو بھی سنت جاریہ کا نام و مقام دیں گے۔ گویا ان کی کیفیت ٹھیک اس ارشاد خداوندی کی مصداق ہے:

فکانما خر من السماء   گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ پھر اسے

فتخطفه الطير او تهوی به — پرندے اچک لیتے ہیں یا اسے ہوا
الريح فی مكان سحيق (حج پ۱۷ ع۱۱) — اڑا کر کسی دور جگہ میں پھینک دیتی ہے

پھر یہ لوگ اپنی نت نئی "اختراعات" اور تحریفات کے اثبات کے لئے جو دلائل و براہین پیش کرتے ہیں کوئی عقل سلیم اور قلب مومن تو اسے کیا قبول کرے گا خود ان کا ضمیر بھی ان کی ہنسی اڑاتا ہے۔ علم و تحقیق کی دنیا ان تحریف و تلبیس پر سر پیٹنے لگتی ہے مگر تحقیق و ریسرچ کے یہ دعویدار پوری ڈھٹائی سے اپنے تبحر و تعمق کا شور مچاتے رہیں گے اور ہر طرح دین کو بازیچۂ اطفال بناتے رہیں گے

ملت مسلمہ کا فریضہ

اگر ملت مسلمہ کو اسلام کے "شجرۂ طوبیٰ" کے سایۂ عاطفت اور قصر محمدی کی پناہ میں رہنا ہے اور اس کی ہر دیوار اور بنیاد کو اعداد و اغیار کی نقب سے بچانا ہے تو ضرورت ہے کہ اس ملت کا ہر نام لیوا خواہ عامی ہو یا عالم، جاہل ہو یا مقتدا اپنے تمام اغراض اور مصلحتوں سے دست بردار ہو کر سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی فراست اور فاروق اعظمؓ کی جرأت سے کام لے کر میدان میں کود پڑے اور جو زبان و قلم اور جو ہاتھ بھی اس قصر محمدیؐ میں شگاف پیدا کرنے کی سعی کرے اسے ہمیشہ کے لئے خاموش اور مفلوج کر دیا جائے کہ بقول کسے یہ وقت "بدر و حنین کا ہے جمل و صفین کا نہیں۔ واللہ فی عونکم مادمتم فی عون الاسلام

كتاب الصوم

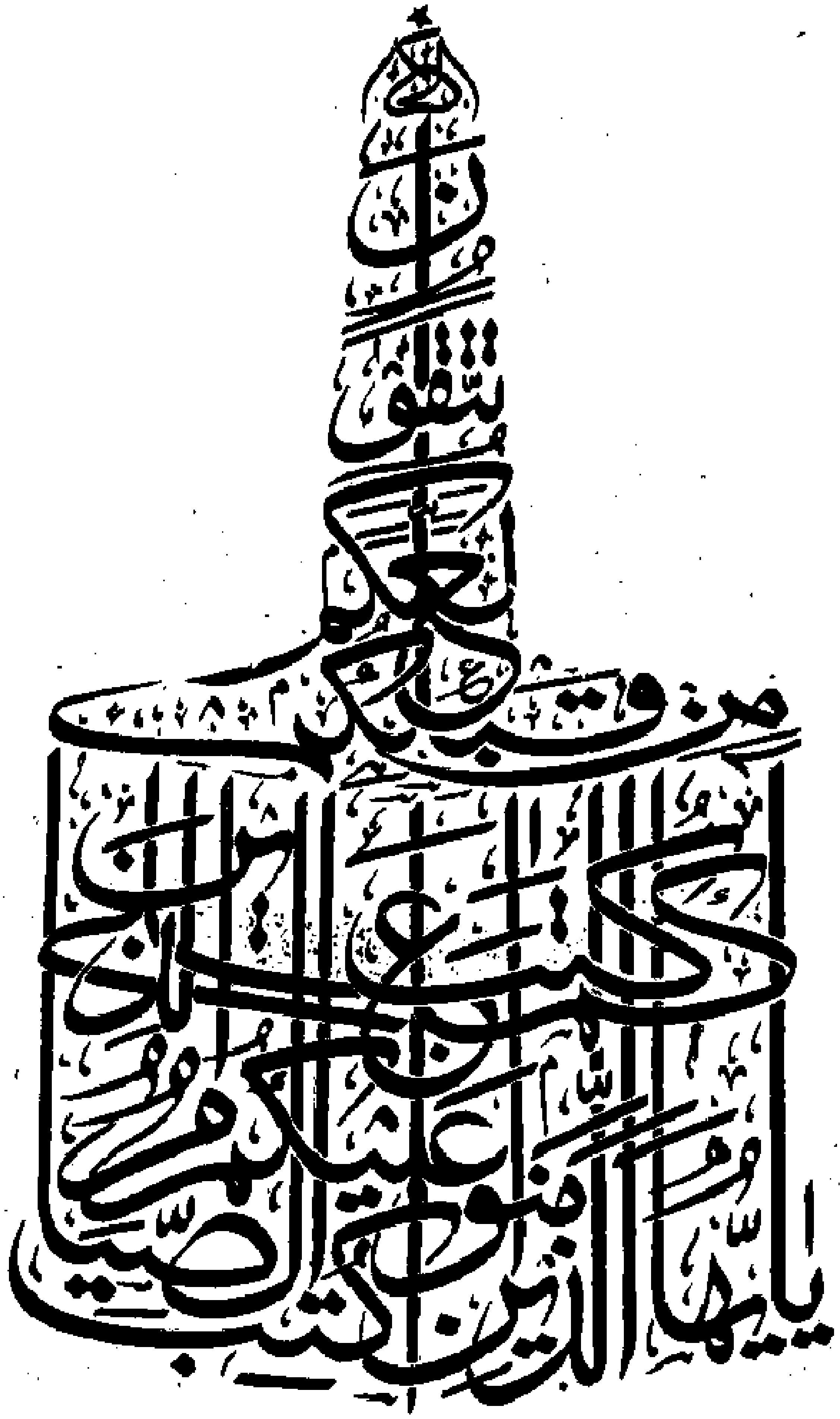
يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون

باب رؤیۃ الھلال

(چاند دیکھنے کے احکام و مسائل)

اخبارِ رؤیت کے لیے شہادت کی شرائط ضروری نہیں

سوال:- اگر ایک گاؤں میں رؤیتِ ہلال ثابت ہو جائے اور گاؤں والے اس پر یقین کر کے روزہ رکھ لیں تو دوسرے گاؤں کے لوگوں کو خبر دینے کے لیے کن شرائط کی رعایت ضروری ہے تاکہ وہاں کے لوگ اس کے مطابق روزہ رکھ سکیں؟

الجواب:- شہادت اور اخبار میں نمایاں فرق ہے، دوسرے گاؤں والوں کو رؤیت کی خبر دینے کے لیے شہادت کی شرائط کی ضرورت نہیں بلکہ جب بھی کسی شخص کی خبر غلبہ ظن کے لیے مفید ہو تو یہ خبر کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں کتاب القاضی الی القاضی کی شرائط کی رعایت بھی ضروری نہیں۔

قال عالم بن العلاء رحمہ اللہ:- وتقبل شهادة الواحد علی شهادة الواحد فی هلال رمضان ولا تشترط فیه لفظ الشهادة۔ (فتاویٰ تاتارخانیة ج۲ ص۲۵۲ کتاب الصوم۔ الفصل الثانی فی رؤیة الهلال)

قال عالم بن العلاءؒ:- وذکر الامام الائمة الحلوانیؒ: ان الصحیح من مذهب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض وتحقق فیما بین اهل احدی البلدتین یلزمهم حکم اهل هذا البلدة۔ (فتاویٰ تاتارخانیة ج۲ ص۳۵۵ کتاب الصوم۔ الفصل الثانی رؤیة الهلال)[1]

دوربین سے ہلال (چاند) دیکھنے والوں کی گواہی کا حکم

سوال:- اگر کچھ لوگ دوربین سے ہلال (چاند) دیکھ کر گواہی دیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے، تو کیا اُن کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

---

[1] قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله بخبرهم وهو مُفوَّضٌ الی رأی الامام) والصحیح من هذا کله انه مُفوَّضٌ الی رأی الامام ان وقع فی قلبه صحته ما شهدوا به وکثرت شهود امر بالصوم او وکذا صححه فی المذاهب۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۸۸ کتاب الصوم۔ فصل فیما یثبت به الهلال الخ)
ومثله فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۵۳۸ کتاب الصوم۔ فصل فیما یثبت به الهلال الخ

الجواب:۔ موجودہ دور میں طرح طرح کے جدید آلات وجود میں آرہے ہیں جن میں دوربین بھی ایک ایسا آلہ ہے کہ جس کے ذریعے چاند دیکھنے والوں کی گواہی سے غلبۂ ظن حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے ان کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ ولو کانوا ببلدۃ لاحاکم فیھا صاموا بقول ثقۃ وافطروا بافطار عدلین مع العلۃ للضرورۃ الی ان قال وقیل بلاعلۃ جمع عظیم یقع العلم الشرعی ھو غلبۃ الظن بخبرھم وھو الامام انہ یکتفی بشاھدین واختارہ فی البحر۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۸۶ کتاب الصوم) [1]

اختلافِ مطالع شرعاً معتبر ہے یا نہیں

سوال:۔ اختلافِ مطالع کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ اختلافِ مطالع کے بارے میں فقہاء کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں اور یہی ظاہر المذہب ہے اور اسی قول پر فتویٰ منقول ہے اسلئے جہاں کہیں شرعی قواعد وضوابط کا لحاظ رکھتے ہوئے خبر پہنچ جائے تو وہاں روزہ رکھنا اور عید منانا چاہیئے۔

قال فی الھندیۃ: ولا عبرۃ لاختلاف المطالع فی ظاھر الروایۃ وعلیہ الفتوٰی الفقیہ ابی اللیث وبہ کان یفتی شمس الائمۃ الحلوانی قال لو رآی اھل مغرب ھلالِ رمضان یجب الصوم علیٰ اھل المشرق۔ کذا فی الخلاصۃ ثم انما یلزم الصوم علیٰ متاخری الرؤیۃ اذا ثبت عندہ رؤیۃ اولئک بطریق موجب۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۸-۱۹۹ الباب الثانی فی رؤیۃ الھلال) [2]

---

[1] قال عالم بن العلاءؒ:۔ وقبل الامام شھادۃ شاھدین عدلین وقد سکن قلب القاضی علیٰ قولھما جاز وثبت حکم رمضان۔ (فتاوٰی تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۵۰ کتاب الصوم رؤیۃ الھلال)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۸ الباب الثانی فی رؤیۃ الھلال۔

[2] قال محمد بن عبد اللہؒ:۔ واختلاف المطالع ورؤیتہ نھاراً قبل الزوال وبعدہ غیر معتبر علیٰ ظاھر المذھب وعلیہ اکثر المشائخ وعلیہ الفتوٰی بحر من خلاصۃ (فیلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب) اذا ثبت عندھم رؤیۃ اُولٰئِکَ بطریق موجب کما مر۔

قال ابن عابدینؒ:۔ (قولہ بطریق موجب) کان یتحمل اثنان الشھادۃ او یشھدا علیٰ حکم القاضی ویستفیض الخبر۔ (شامی ج۲ ص۳۹۳-۳۹۴ کتاب الصوم مطلب اختلاف المطالع)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۳۲۳ کتاب الصوم۔

شرعی ثبوت کے بعد عید منانے پر حکومت کا رکاوٹ ڈالنا بے دینی کے مترادف ہے

سوال:۔ جہاں کہیں علاقائی علماء شرعی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے عید کا اعلان کریں لیکن حکومت اپنی انانیت پر اتر کر لوگوں کو عید منانے سے منع کرے تو اس کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ عید اور رمضان کا ثبوت رؤیت ہلال کے اعلان پر موقوف ہے اگر علاقائی علماء شرعی تقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے اعلان کریں تو عام لوگوں کے حق میں خواہ وہ سرکاری ملازم ہوں یا غیر سرکاری، تمام پر روزہ رکھنا یا عید منانا واجب ہو جاتا ہے، ایسی حالت میں حکومت کا عید منانے میں رکاوٹ ڈالنا بے دینی کے مترادف ہے اور نہ ایسی صورت میں حکومت کی تابعداری کرنا ضروری ہے۔ لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق۔ (رواه في الشرح السنة، مشکوٰۃ ج۲ ص۳۲۱)

قال ابو محمد محمود العینیؒ:۔ ولا عبرة باختلاف المطالع بل اذا ثبت فی مصر لزم الناس۔

(شرح کنز عینی ج۱ ص۸ کتاب الصوم) [1]

رؤیت اور تکمیل ثلاثین کے علاوہ نفس حساب کا اعتبار نہیں

سوال:۔ اگر کسی جگہ رؤیت نہ ہو اور نہ شعبان کے تیس دن پورے ہوں تو کیا کسی حساب کو اعتبار دے کر روزہ کا حکم دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ حساب ماہ بیت تطبیق قائم ہو کر غلبۂ ظن کے لیے مفید بھی ہو؟

الجواب:۔ روزہ کا ثبوت رؤیت یا تکمیل ثلاثین شعبان پر موقوف ہے۔ لحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم: صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته۔ اس کے علاوہ کسی حساب و کتاب کی وجہ سے روزہ فرض نہیں ہوتا اگرچہ غلبۂ ظن کے لیے مفید کیوں نہ ہو۔

قال عالم بن العلاء رحمه اللہ علیه:۔ یجب صوم رمضان برؤیة الهلال او باستکمال شعبان ثلاثین ولا یجوز تقلید المنجم فی حسابه لا فی الصوم

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی رحمه اللہ: واذ ثبت الهلال (في) بلدة (مطلع قطر) ها لزم سائر الناس في ظاهر المذهب وعليه الفتوىٰ۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ج۱ ص۵۴۰ کتاب الصوم، فصل فیما لا یثبت به الهلال الخ)

ومِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۷ کتاب الصوم۔

ولا فى الافطار۔ (فتاوى تاتارخانية ج۲ ص۳۵۷ كتاب الصوم الفصل الثانى رؤية الهلال) [1]

تکمیلِ شعبان کے لیے ایک شخص کی گواہی قبول نہیں

سوال:۔ شعبان کے تیسویں دن کی خبر اگر ایک شخص دے دے تو اس کی گواہی معتبر ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ رؤیتِ ہلال میں رمضان کے علاوہ ہر ماہ کے ثبوت کے لیے آسمان پر علت کے دوران دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی مقبول ہوگی بخلاف رمضان کے کہ اس کے ثبوت کے لیے ایک فرد کی گواہی مقبول ہے، لہٰذا شعبان کے تیسویں دن کی خبر ایک آدمی کی مقبول نہ ہوگی۔

لما قال العلامة الحصكفیؒ:۔ وهلال الاضحى وبقية الاشهر التسعة كالفطر على المذهب۔ قال ابن عابدينؒ: (قوله وبقية الاشهر التسعة) فلا يقبل فيها الا شهادة رجلين او رجل وامرأتين عدول احرار غير محدودين۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۳۹۱ كتاب الصوم۔ مطلب ما قاله السبكى من الاعتماد على قول الحساب مردود) [2]

يوم الشك میں روزہ رکھنے کا حکم

سوال:۔ رمضان کی پہلی اور شعبان کی تیس تاریخ کو اشتباہ کی صورت میں اس دن روزہ رکھنے کا

---

[1] قال العلامة الكاسانیؒ:۔ واما صوم رمضان فوقته شهر رمضان لايجوز فى غيره فيقع الكلام فيه فى موضعين احدهما فى بيان وقت صوم رمضان والثانى فى بيان مايعرف به وقته اما الاول فوقت صوم رمضان شهر رمضان لقوله تعالىٰ: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ اى فليصم فى الشهر وقول النبىّ صلى الله عليه وسلم وصوموا شهركم اى فى شهركم لان الشهر لايصام وانما يصام فيه واما الثانى وهو بيان مايعرف به وقته فان كانت السماء مصحية يعرف برؤية الهلال وان كانت متغيمة يعرف باكمال شعبان ثلاثين يومًا ثم صوموا۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۸۰ كتاب الصوم)

وَمِثْلُهُ فى تبيين الحقائق ج۱ ص۳۱۶ كتاب الصوم۔

[2] قال فى الهندية: وان كان بالسماء علة لا تقبل الا شهادة رجلين او رجل وامرأتين ويشترط فيه الحرية ولفظ الشهادة كذا فى خزانة المفتين۔ وتشترط العدالة هكذا فى النقاية۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۹۸ كتاب الصوم۔ الباب الثانى فى رؤية الهلال)

وَمِثْلُهُ فى الطحطاوى على مراقى الفلاح ج۱ ص۵۳۳ كتاب الصوم فصل فيما يثبت به الهلال۔ الخ

کیا حکم ہے؟

الجواب:- فقہی کتابوں میں اس دن جب باقاعدہ رؤیت نہ ہو اور نہ شعبان کے تیس دن پورے ہوں تو اس کو یوم الشک کہا جاتا ہے۔ بسا اوقات رمضان کے احتمال کی وجہ سے اس دن بھی فرض روزہ نیت کرکے رمضان کا روزہ رکھا جاتا ہے، اسی طرح بعض لوگ نفل اور فرض میں تردید کرکے روزہ رکھتے ہیں، ایسی حالت میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔

وروى عمران بن حصين: انه عليه الصلوة والسلام قال الرجل هل صمت من صوم شعبان قال لا۔

البتہ اگر خواص کہیں نفل کی نیت کرکے روزہ رکھیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، ایسا ہی اگر کہیں اس دن میں اتفاق سے کوئی قضاء روزہ آجائے تو اس دن روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال عالم بن العلاء رحمه الله وفي التهذيب:- والمختار ان يفتي بالتطوع في حق الخواص والانتظار والتلوم في حق العوام وفي السغناقي: والفاصل بين الخاصة والعامة هو ان كل من يعلم فيه صوم يوم الشك فهو من الخواص والا فهو من العوام۔

(فتاوى تاتارخانية ج۲ ص۳۹۲ الفصل الثامن الاوقات المكروه فيها الصوم) [1]

طلوع آفتاب کے بعد رؤیت ہلال کی اطلاع آنا

سوال:- رمضان کی خبر اگر زوال سے قبل آجائے تو جن لوگوں نے صبح کے بعد کھانا کھایا ہو اُن کے لیے اس خبر پر عمل کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- یوم الشک کے دن تمام اہلِ اسلام کو چاہیئے کہ زوال تک کھانے پینے اور روزہ کے منافی کاموں سے اجتناب کریں، اگر رؤیت کی اطلاع ہو جائے تو روزہ پورا کریں اور اطلاع نہ آئے تو خواص کے لیے اجازت ہے اور عوام افطار کرلیں، البتہ جن لوگوں نے کچھ کھایا پیا ہو اُن پر

---

[1] قال ابن الهمام رحمه الله:- كان المختار ان يصوم المفتي بنفسه اخذا بالاحتياط ويفتي العامة بالتلوم الى وقت الزوال ثم بالافطار حسما لمادة اعتقاد الزيادة ويصوم فيه المفتي سرا لئلا يتهم بالعصيان فانه افتاهم بالافطار بعد التلوم لحديث العصيان وهو مشتهر بين العوام فاذا خالف الى الصوم اتهموه بالمعصية۔ (فتح القدير ج۲ ص۲۴۲ كتاب الصوم)

ومثله في بدائع الصنائع ج۲ ص۷۹ كتاب الصوم فصل شرائطها فنوعان۔

رمضان کے تقدس کی خاطر امساک واجب ہے، اگر کوئی اس کے باوجود رعایت نہ رکھے تو صرف قضاء واجب رہے گی کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

قال قاضیخانؒ:- غلام بلغ فی النصف من رمضان ای نصف النہار ونصرانی اسلم فانہ لا یأکل بقیۃ یومہ (فتاوی قاضی خان ج١ ص٩٦ کتاب الصوم)[1]

دن کے وقت رؤیت کی خبر ہو تو امساک ضروری ہے

سوال:- نصف النہار یعنی آدھا دن گذرنے کے بعد اگر رمضان کے روزے کی فرضیت کی اطلاع آجائے تو مغرب تک امساک کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- اگر نصف النہار کے بعد روزے کی فرضیت ثابت ہو جائے تو جن لوگوں نے ابھی تک روزے کے منافی چیزیں استعمال نہ کی ہوں تو وہ اپنے امساک کو مغرب تک برقرار رکھیں اس کے ساتھ بقیہ مسلمانوں پر بھی امساک واجب ہے، البتہ اگر نصف النہار سے قبل روزے کی نیت نہ کی ہو تو کھانے پینے سے کفارہ واجب نہ ہوگا اور بقیہ دن امساک رکھنے کا حکم رمضان کے مہینے کی وجہ پر خاص ہے، تاہم جن لوگوں نے رمضان کے منافی اشیاء کے استعمال کے بغیر امساک کیا ہو اُن کا امساک رمضان کا روزہ متصور ہوگا جبکہ بقیہ لوگوں پر اس دن کی قضاء لازمی ہے۔

لما قال العلامۃ محمد انور شاہ الکشمیریؒ:- لو شہد رجل بانی رأیت الہلال فی النہار لا یعتبر قولہ اصلاً سواء شہد قبل نصف النہار او بعدہ ولو قال رأیتہ فی اللیل الماضیۃ فان کان ہلال رمضان وکان قبل نصف النہار فمن لم یأکل بعد الصبح یصوم ومن اکل یقضیہ۔

(عرف الشذی علی الجامع الترمذی ج١ ص١٤٩ باب ما جاء فی الصوم بالشہادۃ)[2]

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالی رحمہ اللہ:- (یجب علی الصحیح وقیل یستحب الامساک بقیۃ الیوم علی من فسد صومہ) ولو بعذر ثم زال وعلی حائض ونفساء طہرتا بعد طلوع الفجر۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ج١ ص٥٥٨ کتاب الصوم)

وَمِثْلُہُ فی التاتارخانیۃ ج٢ ص٣٤٧ کتاب الصوم - فی بیان وقت الصوم وما یتصل بہ۔

[2] لما قال العلامۃ السید محمد یوسف البنوریؒ: لو شہد برؤیتہ فی اللیلۃ الماضیۃ فان کان ہلال رمضان فلیصم بقیۃ یومہ ویقضیہ ان اکل وان لم یأکل وکان قبل الضحوۃ الکبری صام ولا قضاء۔

(معارف السنن ج٥ ص٣٤٥ مسئلۃ رؤیۃ الہلال نہاراً)

رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلہ کی شرعی حیثیت

سوال :- رؤیتِ ہلال کمیٹی کا اعلان عموماً علاقائی فیصلوں سے مختلف ہوتا ہے، ایسی حالت میں کمیٹی کے فیصلوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب :- رؤیتِ ہلال کمیٹی جو با اعتماد علمی اشخاص پر مشتمل ہو اسلئے ایسی کمیٹی کے اعلان کو ساقط الاعتبار کہنا دانشمندی نہیں، یہ الگ بات ہے کہ بعض انتظامی کمزوریوں کی وجہ سے ان کا اعلان عموماً غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے اگر حکومت اس کے سدِّ باب کے لیے کوشش کر کے علاقائی علماء کی رؤیت کو اعتبار دے تو شاید یہ اختلاف دور ہو جائے، تاہم جہاں کہیں علاقائی اعلان اگر شرعی تقاضوں کو مدِّ نظر رکھ کر کیا جائے تو رؤیتِ ہلال کمیٹی کے اعلان نہ ہونے کے باوجود علاقائی علماء کے فیصلہ کا پابند رہنا ضروری ہے ۔

وفی الھندیة :- لما فی الفصل الثانی من اوّل الکراھیة من الھندیة یقبل قول الواحد فی المعاملات عدلاً کان اوفاسقاً حُراً کان اوعبداً ذکراً کان او اُنثیٰ مسلماً کان اوکافراً دفعاً للحرج والضرورة ومن المعاملات الوکالات والمضاربات والرسالات فی الھدایا والاذن فی التجارات کذا فی الکافی اذا صح قول الواحد فی اخبار المعاملات عدلاً کان اوغیر عدل فلا بدفی ذٰلک من تغلیب رایه فیه ان اخبرہ صادق فان غلب علیٰ رایه ذٰلک عمل علیه والّا فلا کذا فی السراج الوھاج ۔ (الفتاویٰ الھندیة ج ۵ ص۳۱۱ الفصل الثانی فی العمل بخبر الواحد فی المعاملات)[1]

ریڈیو اور ٹی وی کی خبر فرضیتِ رمضان کا حکم

سوال :- ریڈیو اور ٹی وی کی خبر فرضیتِ رمضان اور عید کے ثبوت کے لیے ذریعہ بن سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- جب قاضی یا ہلال کمیٹی کسی شہادت پر مطمئن ہو کر عید یا رمضان کا اعلان ریڈیو اور

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ :- قال العیون والفتویٰ علیٰ قولهما اذا تیقن انه خطه سواء کان فی القضاء او الرؤیة او الشهادة علی الصك وان لم یکن الصك فی ید الشاهد لان الغلط نادر واثر التغییر یمکن الاطلاع علیه وقلما یشبه الخط من کل وجه فاذا تیقن جاز الاعتماد علیه توسعة علی الناس ۔ اھ (شامی ج ۵ ص۴۳۳ کتاب القاضی الی القاضی مطلب فی دفتر البیاع)

ومثله فی فتاویٰ قاضی خان ج ۳ ص۱۱۶ کتاب القاضی الی القاضی ۔

ٹی وی پر نشر کرے تو یہ اعلان ثبوتِ رمضان وعیدین کا ذریعہ بن سکتا ہے، قدیم زمانہ میں توپ، دف اور قنادیل کی روشنی کو اعلانِ رمضان یا عیدین کے لیے استعمال کیا جاتا تھا تاہم یہ ضروری ہے کہ ریڈیو اور ٹی وی پر صرف قاضی یا ہلال کمیٹی کا اعلان انتہائی احتیاط سے سنانا چاہیئے ۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ :- والظاهر انه یلزم اهل القری الصوم بسماع المدافع او رؤیة القنادیل من المصر لانه علامة ظاهرة تفید غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل کما صرحوا به ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۶ مبحث فی صوم یوم الشک) [1]

عید اور رمضان کے ثبوت کیلئے ٹیلیفون کی خبر کا حکم

سوال :- فرضیتِ رمضان اور ثبوتِ عید کے لیے ٹیلیفون کی خبر کی حیثیت کیا ہے ؟

الجواب :- اگر ٹیلیفون کے ذریعے خبر غلبۂ ظن کے لیے مفید ہو اور کسی کے دھوکہ دینے کا اندیشہ نہ ہو تو ٹیلیفون کی خبر پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ۔

لما قال العلامة ابن الهمامؒ :- ولو سمع من وراء حجاب کثیف لا یشف من ورائه لا یجوز له ان یشهد لان النغمة تشبه النغمة الا اذا احاط بعلم ذلک لان المسوغ هو العلم غیر ان رؤیته متکلما بالعقد طریق العلم به فاذا فرض تحقق طریق آخر جاز ۔

(فتح القدیر ج ۶ ص ۴۶۳ کتاب الشهادة ۔ فصل ما یتعلق بکیفیة الشهادة) [2]

---

[1] لما قال الشیخ مفتی محمد شفیع صاحبؒ :- البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کرکے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے ۔

(آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام ص ۱۷۷ باب ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ)

ومثله فی امداد المفتیین الشهیر بفتاوی دار العلوم دیوبند ج ۲ ص ۴۷۷ کتاب الصوم ۔

[2] قال ابن عابدینؒ :- قال فی العیون والفتوی علی قولهما اذا تیقن انه خطه سواء کان فی القضاء او الروایة او الشهادة علی الصک وان لم یکن الصک فی یده لان الغلط نادر واثر التغیر یمکن الاطلاع علیه وقلما یشتبه الخط من کل وجه فاذا تیقن جاز الاعتماد علیه توسعة علی الناس ۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۴۳۷ کتاب القاضی الی القاضی)

ومثله فی امداد الفتاوی ج ۲ ص ۹۴ کتاب الصوم ۔

بذریعہ خط عید یا روزے کا ثبوت

سوال:۔ جہاں کہیں رؤیت ثابت ہو اور دوسری جگہ بذریعہ خط اطلاع دی جائے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس سے روزے کی فرضیت ثابت ہوتی ہے یا نہیں، کیا اس کے لیے کتاب القاضی الی القاضی کی شرائط کی رعایت ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دینی معاملات کا تعلق عموماً غلبۂ ظن پر مبنی ہے۔ اگر کسی کا خط ثبوتِ رمضان اور عیدین کے لیے اطمینان کا ذریعہ بنے اور خط لکھنے والا عادل ہو اور اس کے خط کی شناخت ہو سکتی ہو تو اطمینان کے بعد ثبوتِ رمضان و عیدین کا سبب بن سکتا ہے۔ شریعتِ مقدسہ میں خط کے حجیت کے کافی نظائر موجود ہیں۔

لما قال العلامۃ ابن الهمامؒ: الکتابۃ المرسوسۃ بمنزلۃ خط السمسار والصراف الانہ حجۃ للعرف الجاری۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۶۴۳ کتاب الصوم)[1]

ٹیلیگرام (تار) سے عید و رمضان کا ثبوت

سوال:۔ از روئے شرع عید و رمضان کے بارے میں ٹیلیگرام کی خبر کی تصدیق کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ٹیلیگرام یعنی تار چونکہ کوئی بھی شخص دے سکتا ہے اس لیے یہ پتہ چلنا ہی دشوار ہے کہ یہ تار کس شخص نے دیا ہے، اسی وجہ سے دورِ حاضر کے جید فقہاء کرام اس کے خبر یعنی اطلاع کا اعتبار نہیں کرتے۔

لما قال الشیخ عبد الحی اللکھنویؒ:۔ بحسب ضوابط فقہیۃ تار کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

(مجموعۃ الفتاوی (اردو) ج ۱ ص ۳۵۳ باب رؤیۃ الهلال)[2]

---

[1] لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ:۔ صراف کتب علی نفسہ بمال وخطہ معلوم بین التجار واھل البلد ثم مات فجاء غریم یطلب المال من الورثۃ وعرض خط المیت بحیث عرف الناس خطہ یحکم بذلک فی ترکتہ ان ثبت انہ خطہ وقد جرت العادۃ بین الناس بمثلہ وھو حجۃ۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۴۳۲ کتاب القاضی الی القاضی)

وَمِثلُہٗ فی امداد الفتاوی ج ۲ ص ۹۴ کتاب الصوم۔

[2] قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ:۔ چونکہ تار میں اس کی کوئی علامت نہیں کہ کس کا تار ہے نیز اس میں غلط اور خلط بھی کثیر ہوتا ہے اس لیے معتبر نہیں۔ (امداد الفتاوی ج ۲ ص ۹۳ کتاب الصوم والاعتکاف تحقیق خبر تار)

وَمِثلُہٗ فی عزیز الفتاوی الشھیر فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۳۸۳ کتاب الصوم۔

ہلال کمیٹی کی موجودگی میں عالم دین کے فیصلے کا حکم

سوال :- ہمارے علاقے قومی اسمبلی حلقہ این اے ۱۹۸ پشین جس میں کچلاک، پشین بازار، یارو بازار، جنگل پیر علی زئی بازار، قلعہ عبداللہ بازار، چمن بازار، گلستان بازار، سے ترئی اڈہ بازار کے علاوہ دیگر بڑے بڑے گاؤں مثلاً کربلا، حرمزئی، کانکزئی، ہانگزئی، مانگی، کلی کلک وغیرہ چھوٹے بڑے علاقے شامل ہیں، ان علاقوں پر حکومت پاکستان کا قانون لاگو ہے اور یہ تمام علاقے صوبائی حکومت کے کنٹرول میں ہیں لیکن یہاں عید اور روزہ بڑے عجیب طریقہ سے منایا جاتا ہے کہ ایک بستی میں عید دوسری میں روزہ، ایک گھر میں عید دوسرے گھر میں روزہ یہاں تک کہ گھر کے ایک فرد کا روزہ اور دوسرے لوگوں کی عید ہوتی ہے۔ جبکہ علاقہ کے معروف عالم دین مولانا عبد الغنی صاحب شرعی گواہان پر عید اور روزے کا فیصلہ فرماتے ہیں، تو کیا ان کے فیصلہ پر عمل کیا جائے یا حکومت کی طرف سے قائم ہلال کمیٹی کے فیصلہ پر عمل کیا جائے؟ نیز بعض لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ کیا ہم افغانستان کے اعلان کے مطابق عید اور روزہ کا اہتمام کر سکتے ہیں یا نہیں؟ از راہِ کرم شریعتِ مقدسہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی تفصیلاً وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب :- اسلام لوگوں کو اجتماعیت کی دعوت دیتا ہے اسلئے مسلمانوں کے ذمے اجتماعی احکام فرض کئے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اس کی مثالیں ہیں، اسی طرح عیدین بھی اجتماعیت کی داعی ہیں، مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ایک ساتھ روزہ رکھیں اور ایک ساتھ عید منائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: صوموا لرؤیۃ الہلال فافطروا بہ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۷۴ باب رؤیۃ الہلال۔ الفصل الاول)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صومکم یوم تصومون واضحاکم یوم تضحون وفطرکم یوم تفطرون۔ (مجموعۃ الفتاوٰی لابن تیمیۃ ج ۲۵ ص ۱۰۵ فصل. مسألۃ رؤیۃ بعض البلاد الخ)

یہی وجہ ہے کہ فقہاء مذہب ثلاثہ بالاتفاق اور مذہب شافعیہ کے بعض فقہاء اور مذہب اہل حدیث، زیدیہ، ظاہریہ وغیرہ کا اجتماعی فیصلہ ہے کہ اختلافِ مطالع کا کوئی اعتبار نہیں، اہلِ غرب کی رؤیت اہلِ شرق کے لیے قابلِ حجت ہے۔ لہٰذا رمضان یا عیدین کا چاند جب نظر آجائے تو قاضی وقت، ہلال کمیٹی یا علاقے کے معتمد عالم دین کو چاہیئے کہ وہ اس شہادت کو قبول کرکے اس کے مطابق روزہ یا عیدین کا حکم صادر کرے، وہ حساب وکتاب

یا کمپیوٹر کی اطلاع عدم احکام کو نہ دیکھے۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حتی لو اخبر رجل عدم القاضی بمجیئ رمضان یقبل ویأمر الناس بالصوم یعنی فی یوم الغیم ولا یشترط لفظ الشھادۃ وشرائط القضاء۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۸۹ کتاب الصوم۔ مطلب فی رؤیۃ الھلال)

وایضاً قال بان المعمول به فی المسائل الثلاث ما شھدت به البینة لان الشھادۃ نزلها الشارع منزلة الیقین۔ وما قاله السبکی مردود ردّہ علیه جماعة من المتاخرین ولیس فی العمل بالبینة مخالفة لصلاته صلی اللہ علیه وسلم۔ ووجه ما قلنا ان الشارع لم یعتمد الحساب بل الغاہ بالکلیة بقوله نحن امة امیة لا نکتب ولا نحسب الشھر ھکذا وھکذا۔ وقال ابن دقیق العید الحساب لا یجوز الاعتماد علیه واصلا۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۸۷ کتاب الصوم۔ مطلب فی رؤیۃ الہلال)

اس لیے کہ قاضی شرعی کو بدون وجہ شرعی کے کسی شہادت کو رد کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں بلکہ وہ شہادت کے حوالہ سے فیصلہ کرے گا۔

علامہ علاؤ الدین الحصکفی رح فرماتے ہیں: رأی مکلف ھلال رمضان او الفطر وردّ قوله بدلیل شرعی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۸۴ کتاب الصوم)

(۲) اگرچہ قاضی شرعی کی موجودگی میں کسی دوسرے شخص کا فیصلہ عیدین و رمضان میں ناقابلِ قبول ہے، احکام شرعی کے بارے میں صرف قاضی شرعی کا فیصلہ قبول ہوگا۔

لما قال العلامة وھبة الزحیلی: القیام علی شعائر الدین من اذان واقامة واقامة الصلوۃ الجمعة والجماعة والاعیاد وصیام وصبح (الفقه الاسلامی وادلته ج۶ ص[illegible] کتاب الامارۃ)

لیکن جہاں کہیں قاضی شرعی نہ ہو یا وہ شرعی دلائل کی روشنی میں حکم صادر نہ کرتا ہو تو عیدین و رمضان وغیرہ عبادات کے قیام میں علاقے کا معتمد عالمِ دین قاضی شرعی کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔

احسن الفتاوٰی میں ہے کہ: جہاں مسلم حاکم موجود نہ ہو یا وہ فیصلہ شرعی نہ کر سکتا ہو وہاں اگرچہ جمیع معاملات میں تو عالم قاضی کے قائم مقام نہیں ہو سکتا البتہ رؤیتِ ہلال وغیرہ بعض جزئیات میں اس کا فیصلہ حکم قاضی کے قائم مقام ہو جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وفی الفتح اذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما ھو

فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبة الآن یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحدٍ منهم۔ (رد المحتار ج۴ ص۳۴۲ کتاب الجهاد)

وفی عمدة الرعایة: والعالم الثقة فی بلدة لاحاکم فیها قائم مقامه۔ (ج۱ ص۳۰۹، احسن الفتاوی ج۴ ص۴۶۶ کتاب الصوم)

موجودہ ہلال کمیٹی کا اعلان اگرچہ قابلِ اعتبار ہے، اس پر مسلمان عید و رمضان جیسے امور انجام دے سکتے ہیں، مگر اس کے علاوہ علماء کی کمیٹی یا ایک معتمد عالمِ دین بھی اس بات کا مجاز ہے کہ وہ شہادت یا دیگر اطلاعات کی بناء پر رمضان وعیدین کا فیصلہ کر سکے، یہ بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہے، اعلانِ رمضان وعیدین کا حق صرف ہلال کمیٹی کو حاصل نہیں۔ چنانچہ علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

واعلم ان بلاد الهند الیوم لیست فیها حکومة اسلامیة ولیس فیها دار القضاء للمسلمین فالحکم فی مثلها الصوم باخبار ثقة والفطر بقول ثقتین ولا ینبغی لعلماء العصر من المفتیین التشوف علی ما هو شان قضاة دار الاسلام من الشهادة وغیرها۔ (معارف السنن ج۵ ص۳۴۵ کتاب الصوم)

اس لیے کہ ہلال کمیٹی دیگر تسامحات کے ساتھ ساتھ شہادتِ شرعی کو بھی اپنی مفروضہ رائے اور عدمِ رؤیت کے اعلان کے بعد قبول نہیں کرتی اور شہادت کو کمپیوٹر کے حساب سے پرکھا جاتا ہے، جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی، جس پر گذشتہ عیدین (عید الفطر، عید الاضحیٰ) کا اعلان واضح دلیل ہے جو کہ سب کے سامنے ہے اور اخبارات وجرائد میں اس کے خلاف کافی مدلل ومفصل مضامین لکھے گئے۔ اس کے ساتھ قاضی شرعی کا حکم بھی تب نافذ ہوتا ہے جب وہ شریعت کے موافق ہو۔

لہٰذا جب ایک علاقہ میں رؤیت چاند ہو جائے تو رؤیت جہاں بھی ہو ثبوتِ شرعی کے ساتھ ثابت ہونے پر ہلال کمیٹی یا علاقے کا معتمد عالمِ دین روزہ یا عیدین کا فیصلہ (اعلان) کر دے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس فیصلہ پر عمل کریں۔ اختلاف کو ختم کرنے کے لیے آسان سی تجویز یہ ہے کہ ہلال کمیٹی صرف مخصوص وقت تک شہادت یا اطلاع کی پابندی نہ کرے بلکہ رات گئے تک ملک وبیرونِ ملک رابطہ کرتی رہے جہاں پر بھی رؤیتِ ہلال شرعاً ثابت ہو جائے تو رمضان یا عید کا اعلان کر دیا جائے۔

ہلال کمیٹی کمپیوٹر کے حساب پر شہادت کو نہ پرکھے اس لیے کہ ممکن ہے پاکستان میں طول البلد اور

عرض البلد کے حساب سے امکانِ رویت نہ ہو اور دیگر ممالک میں امکانِ رؤیت ممکن نہ ہو اس لیے شہادت کو شرعی اصول پر پرکھا جائے۔

لیکن اگر ہلال کمیٹی والے اپنے خود ساختہ اصولوں پر قائم رہتے ہوئے رابطہ سے روگردانی کرتے ہوں تو مسلمانوں پر لازمی ہے کہ وہ علاقے کے معتمد عالمِ دین کے اعلان پر رمضان و عیدین کا اہتمام کریں تاکہ اختلاف ختم ہو کر لوگوں میں وحدت پیدا ہو جو کہ اسلام کا فلسفہ ہے، لہٰذا ہلال کمیٹی یا علاقے کے معتمد عالمِ دین کو ثبوتِ شرعی کے ساتھ رؤیتِ ہلال کی اطلاع مل جائے تو اس کے اعلان پر علاقے کے مسلمانوں کو رمضان کا روزہ یا عید (افطار) کر لینا چاہیئے، اس طرح ان شاء اللہ وحدت قائم ہوگی۔

کسی دوسرے ملک کے صرف اعلان پر روزہ یا افطار (عید) کرنا شرعاً صحیح نہیں جب تک وہاں کی رؤیت دوسرے طرقِ شرعی (شہادۃ علی الرؤیت یا شہادۃ علی الشہادۃ یا شہادۃ علی القضاء یا استفاضہ) کے ساتھ ثابت نہ ہو جائے اور علاقے کا معتمد عالمِ دین یا علماء کمیٹی وغیرہ اعلان نہ کرے۔

صاف مطلع کے دوران جمِ غفیر ضروری ہے

سوال:۔ اگر مطلع بالکل صاف ہو تو پھر کتنے آدمیوں کی رؤیت پر اعتماد کر کے روزے یا عیدین کا اعلان کیا جائے گا؟ اگر بالفرض تین یا چار آدمی چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو کیا ان کی گواہی قابلِ قبول ہوگی یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ میں چاند کی رؤیت کے لیے قانون یہ ہے کہ اگر ۲۹ کی رات کو مطلع بالکل صاف و شفاف ہو تو پھر جمِ غفیر کی رؤیت روزہ اور عید کے لیے ضروری ہے، جمِ غفیر کی تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ذخیرۂ فقہ میں درج ہیں، بعض سے ۵۰ اور بعض سے ۵۰۰ وغیرہ مروی ہے۔ البتہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے تعداد سے قطع نظر کر کے قاضی صاحب کے مطمئن ہونے کو ترجیح دی ہے، لیکن قاضی کا اطمینان بھی دو شرائط کے ساتھ مشروط ہے؛

(۱) امکانِ رؤیت (۲) کثرتِ شہود۔

اس لیے صاف مطلع کے دوران تین یا چار آدمیوں کی گواہی ناقابلِ قبول ہے۔

کذا فی ردّ المحتار ج ۲ ص ۱۰۱ کتاب الصوم۔

رویتِ ہلال کے بارے میں ایک استفسار کا جواب

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل کے بارہ میں :-

(۱) ۲۳ر جنوری ۱۹۶۶ء کو حکومتِ پاکستان کی وزارتِ داخلہ کی طرف سے جو عید کا اعلان کیا گیا ہے کیا یہ اعلان شریعت کے اعتبار سے درست تھا یا نہیں؟

(۲) جن لوگوں نے اس اعلان کے مطابق عید کی نماز پڑھی ہے ان کا نمازِ عید پڑھنا شرعاً جائز تھا یا نہیں؟

(۳) اور جن لوگوں نے اس دن روزہ نہیں رکھا یا رکھ کر توڑ دیا ہے اُن پر اس روزہ کی قضاً واجب ہے یا نہیں؟

الجواب :- (۱) ہمارے ہاں اکوڑہ خٹک میں خود بندہ کے پاس رویت ماہ شوال حاضر کی شہادت گذری اور آٹھ گواہوں سے شرعی طریقے پر شہادت لی گئی، ہر ایک گواہ نے بلفظ اشہد رویت ماہ شوال حاضر کی بشب اتوار بعد از نماز مغرب مع وجود علت (گرد و غبار اور بادل) کے شہادت دی، جس پر ہم نے بروز اتوار عید کا اعلان کیا اور ان سب واقعات (شہادت اور اعلانِ عید) کی اطلاع مقامی تھانے کے ذریعے ڈپٹی کمشنر اور کمشنر پشاور کو بھی دے دی گئی، اور انہوں نے وزارتِ داخلہ کے ہوم سیکرٹری کو اطلاع دی۔ اب وزارتِ داخلہ نے جو ہلال کمیٹی مقرر کی ہے وہ اگر ثقات عادل علماء پر مشتمل ہو اور انہوں نے ہماری اس اطلاع کو اور اسی طرح دوسری جگہوں سے جو اطلاعات ان کو دی گئیں اُن کو قبول کر کے عید کا فیصلہ کیا ہو اور پھر حکومت کی نگرانی میں یہ فیصلہ اور حکم مختلف ریڈیو سٹیشنوں سے ثقات کے ذریعہ کیا ہو تو یہ اعلان شریعت کے اعتبار سے درست ہے۔

(۲) اب جن لوگوں نے اس اعلان کے مطابق (یعنی اتوار کے دن) نماز عید پڑھی ہے وہ بالکل جائز اور درست پڑھی ہے۔

(۳) مذکورہ طریق پر اعلانِ عید کے بعد جن لوگوں نے اس دن روزہ رکھا نہیں یا رکھ کر توڑ دیا ہے ان پر قضاء واجب نہیں ہوگی۔

استفتاء مندرجہ بالا کے جواب پر اشکال اور اس کا جواب

سوال :- محترم حضرت مفتی صاحب! گذشتہ عید کے خلفشار میں آپ سے میں نے ایک فتویٰ منگوایا تھا جو کہ مجھے وصول ہو چکا ہے، اس کو مکرر مطالعہ

فرمانا چاہیں تو اس کا ص ۲۹۶ ہے۔ اس سلسلہ میں چند باتیں وضاحت طلب ہیں :۔

(۱) آپ کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکوڑہ خٹک میں چاند کا ثبوت شرعی طور پر ہوگیا تھا اس صورت میں بصورتِ ابر وغیرہ آپ کا جو فیصلہ تھا وہ اگر شرعی شرائط کے ساتھ نشر ہوا ہو تو کیا یہ اُن لوگوں کے لیے بھی حجت ہے جہاں مطلع صاف تھا یا وہاں پھر جمِ غفیر کی علیحدہ شہادت معتبر ہوگی ؟

(۲) اگر حکومت کی نگرانی ہی میں موجودہ اعلان ہونا فرض کیا جائے تو کیا یہ اعلان پاکستان کے دونوں حصوں میں واجب العمل ہوگا یا نہیں ؟ اور اگر نہیں تو اس کا اندازہ کیا ہوگا ؟

(۳) میرے گذشتہ استفتاء کے سوال ۳ کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ مذکورہ طریق پر اعلانِ عید کے بعد جنہوں نے روزہ نہیں رکھا ان پر اس کی قضاء واجب نہیں، یہ تو تب درست ہوسکتا ہے جبکہ خود آپ کے فتویٰ میں مذکورہ شرائط پائی جائیں۔ تو کیا آپ کے علم میں حکومت کے اعلان سے پہلے یہ تمام شرطیں پائی گئی ہیں یا نہیں ؟ قابلِ حوالہ باتوں میں حوالہ بھی ضرور تحریر فرمائیں ؟

نوٹ: آپ کی عید سے ہمیں تعرض نہیں ہے، غرض صرف یہ ہے کہ آپ کا فیصلہ صحیح ہونے کی صورت میں ہم تک شرعی طریق سے پہنچا ہے یا نہیں۔ (مولوی محمد یونس ساکن لورہ ضلع راولپنڈی)

الجواب :۔ مخدومی المحترم جناب مولانا محمد یونس صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے مزاج گرامی بخیر و عافیت ہوں گے، آپ کے دونوں نوازش نامے ایک بنام حضرت شیخ الحدیث صاحب اور دوسرا اس بندۂ عاجز (قاضی انوارالدین) کے نام مشتمل بر چند استفسارات بوقتِ سعید شرفِ صدور لائے، حالات و کوائف سے مطلع ہوئے، گوناگوں مصروفیات اور مشاغل کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی، امید ہے آں محترم محسوس نہ فرمائیں گے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب کو درسِ حدیث اور اہتمام کے کام سے بالکل فرصت نہیں ملتی جو کسی کے ساتھ اس طرح خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھ سکیں، جس طرح کہ آں محترم نے مطالبہ کرکے تحریر فرمایا ہے، اس لیے وہ آپ کے اشکالات کا جواب نہیں دے سکیں گے، البتہ دارالافتاء سے آپ اپنے اشکالات حل فرما سکتے ہیں، وہ بھی مناظرہ کی شکل میں نہیں بلکہ تشفی اور تسلی حاصل کرنے کی غرض سے، اور اگر دارالافتاء کے جواب سے آپ کی تسلی نہ ہوتی ہو تو پاکستان کے کسی بھی دوسرے دارالافتاء سے اپنی تشفی کرا سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ کا ایک شعبہ ہے، کسی مسئلے کا جو جواب یہاں سے جاری ہوتا ہے

وہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کی نظر ثانی اور ذمہ داری سے نکلتا ہے، وہ بحیثیت مہتمم دارالعلوم حقانیہ اور شیخ الحدیث اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ واقعی حضرت مولانا حسین الدین صاحب خطیب سبزی منڈی راولپنڈی مع تین اور ساتھیوں کے یہاں تشریف لائے تھے اور رویت ہلالِ عید کے متعلق انہوں نے شرعی طور پر اپنی تسلی کرائی تھی، جو کچھ انہوں نے یہاں اپنے آنے کے متعلق لکھا ہے وہ درست ہے اور واقعہ صحیح ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب کے نام آپ کا جو نوازش نامہ ہے اس کے جواب میں اتنا ہی کافی ہے، بندہ کے نام نوازش نامہ کے جواب میں یہ عرض ہے کہ:۔

(۱) رویتِ ہلال میں شہروں کی دوری کا اعتبار نہیں اور اکثر فقہاء کرام نے اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ جیسا کہ کتبِ فقہ کی عبارات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہر کی رویت کی وجہ سے دوسرے شہر میں ثبوت رویت کا فتویٰ دیا جائے گا، جیسا کہ الدر المختار میں ہے، فیلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئک بطریق موجب اھ (الدر المختار ج ۲ ص ۲۹۳) یہ دوسری بات ہے کہ جو بلاد قواعد ہیئت کے اعتبار سے اختلافِ مطالع رکھتے ہوں ان میں اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا جائے گا جیسا کہ محققین کے نزدیک ثابت ہے۔ مگر ہمارے بلاد میں قواعد ہیئت کے اعتبار سے بھی اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ایک شہر کی رویت کا ثبوت بطریق موجب ہو جائے جس تین صورتیں فقہاء نے بیان کی ہیں، ۱ شہادۃ علی الرویۃ۔ ۲ شہادۃ علی شہادۃ الرویۃ۔ ۳ شہادۃ علی قضاء الحاکم الشرعی۔ ایک ۴ چوتھی صورت بھی ہے جس کو استفاضۃ الخبر کہا جاتا ہے۔ ان چار صورتوں میں جس صورت سے بھی رویت ہلال کا ثبوت ہو جائے تو وہ حجت ہوگا۔

اس تحقیق کے بعد آپ کے اصل سوال کا جواب یہ ہے کہ اعلیٰ ہمارے ہاں جو شہادت رویتِ ہلال کی گذری تھی جس کی بناء پر ہم نے بروز اتوار عید کا اعلان کر دیا اور بالوسائط اس کی اطلاع مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی کو دیدی، اب اگر مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی کے ارکان نے اس کو منظور کر کے حکومت کی نگرانی میں شرائط کے ساتھ نشر کیا ہو تو یہ استفاضۃ الخبر بن کر ان لوگوں کے لیے بھی حجت ہوگا جہاں مطلع صاف تھا اور انہوں نے چاند دیکھنے کا اہتمام نہیں کیا یا کیا تو ہو لیکن نظر نہیں آیا ہو تو حکم غیر کی علیحدہ شہادت کی ضرورت اس کے بعد نہ ہوگی۔

(۲) جی ہاں اگر حکومت کی نگرانی میں شرائط مذکورہ "فتویٰ سابقہ کے ساتھ" یہ اعلان ہونا فرض کیا

جائے تو پاکستان کے دونوں حصوں کے لیے واجب العمل ہو گا۔

(م۳) اپنے علم کی حد تک جتنا کہ مجھے معلوم ہے وہ یہ ہے حکومت نے وزارتِ داخلہ کے ماتحت ایک مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی مقرر کی ہے جس کے اعلیٰ رکن (سربراہ) ڈسٹرکٹ خطیب بلدیہ مولانا فیض علی فیضی ہیں اور وہ رویتِ ہلال کے متعلق کمیٹی کے دوسرے ارکان کی معیت میں فیصلہ کر کے حکومت کی نگرانی میں ریڈیو اور ٹی وی پر نشر کرتے ہیں، اس لیے بندہ نے سابق فتویٰ میں آپ کے سوال م۳ کے جواب میں لکھ دیا تھا کہ مذکورہ طریق پر اعلانِ عید کے بعد جنہوں نے اس دن روزہ رکھا نہیں یا رکھ کر توڑ دیا ہے ان پر قضا واجب نہیں ہے اور بجائے "نہیں ہو گا" کے صرف "نہیں" لکھ دیا، اگر آپ کے علم میں یہ اعلان شرائط کے ماتحت نہیں کیا جاتا ہو اور یہ استفاضۃ الخبر میں داخل نہ ہو تو میں بجائے صرف "واجب نہیں" کے "واجب نہیں ہو گا" لکھ کر بری الذمہ ہو جاؤں گا۔

التماس جنابِ من! آپ کے عید نہ کرنے سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں۔ ہم تو اپنی معلومات کی حد تک یہ مسئلہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اعلانِ عید یا روزہ بذریعہ ریڈیو حجت ہے یا نہیں؟ تو میری رائے میں جو اطلاعات رویت اور شہادت ہلالِ عید کے متعلق ہم نے مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی کو پہنچائی تھیں اور کمیٹی والوں نے اس پر فیصلہ کر کے بذریعہ ریڈیو نشر کر کے اعلانِ عید کیا ہے وہ استفاضۃ الخبر ہے اور جنہوں نے اس اعلان کو سن لیا ہے ان پر حجت ہے۔ اب اگر ہماری اس رائے کے ساتھ آپ کو اتفاق نہ ہو تو ہم آپ کو مجبور نہیں کر سکتے۔ (فقط والسلام)

* *

باب تعریف الصوم واقسامہٖ وشرائطہٖ

(روزہ کی تعریف، اقسام اور شرائط کے بیان میں)

روزہ کی نیت کا وقت

سوال:۔ اگر رات کو روزہ کی نیت کرنی بھول جائے تو کس وقت تک نیت کر کے روزہ رکھنا درست ہے؟

الجواب:۔ اگر طلوعِ فجر کے بعد روزہ دار سے روزہ کے منافی کسی امر کا ارتکاب نہ ہوا ہو تو نصف النہار سے قبل تک نیت کر کے روزہ رکھ سکتا ہے، البتہ نصف النہار گذرنے کے بعد نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال عبد الرحمٰن الجزائریؒ:۔ ویسن لہٗ ان یتلفظ بہا۔ وقتہا کل یوم بعد غروب الشمس الی ما قبل نصف النہار والنہار الشرعی: من انتشار الضوء فی الافق الشرقی عند طلوع الفجر الی غروب الشمس فیقسم ھٰذا الزمن نصفین وتکون النیۃ فی النصف الاول بحیث یکون الباقی من النہار الی غروب الشمس اکثر مما مضی۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۱ ص ۵۲۵)[1]

روزہ کی فرضیت کے لیے عمر کی حد

سوال:۔ ایک مسلمان پر روزہ کس عمر میں فرض ہوتا ہے؟

الجواب:۔ بنیادی طور پر بالغ ہونے پر روزہ فرض ہو جاتا ہے جس کی پہچان لڑکے کو احتلام ہونے اور لڑکی کو حیض آنے سے ہوتی ہے، البتہ اگر کسی بچے پر بلوغت کے آثار نمایاں نہ ہوں تو پھر پندرہ سال کی عمر تک پہنچنے کی صورت میں روزہ رکھنا واجب ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ:۔ فان لم یوجد فیہما شئ منہا فحتی یتم لکل منہما

---

[1] قال العلامۃ سید احمد طحطاویؒ:۔ (ولو نہاراً الی ما قبل نصف النہار) المراد انہٗ من اللیل الی ھٰذا الوقت ظرف النیۃ وفمتٰی حصلت فی جزء من ھٰذا الزمان صح الصوم لما ذکرہ المصنف، وان نوی الصوم من النہار ینوی انہٗ صائم من اولہٖ حتی لو نوی قبل الزوال انہٗ صائم من حین نوی لا من اول النہار لا یصیر صائماً حموی وانما تجوز قبل الضحوۃ اذا لم یوجد قبلہا ما ینافی الصوم کاکل وشرب وجماع۔ (مراقی الفلاح علیٰ ہامش الطحطاوی ص ۵۳۰ ج ۱ کتاب الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی فتاوٰی قاضی خان ج ۱ ص ۹۵ کتاب الصوم۔

خمس عشرة سنة وبه يفتی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ٦ ص ١٥٣ كتاب الحجر) [1]

یوم الشک میں نفل کی نیت کے باوجود روزہ فرض شمار ہوگا

سوال:۔ اگر شک والے دن نفل کی نیت سے روزہ رکھا جائے مگر بعد میں شرعی ثبوت سے یہ معلوم ہوجائے کہ آج تو یکم رمضان ہے، تو عندالشرع اس نفل روزے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ یکم رمضان ثابت ہونے پر یہ دن یوم الشک کا نہیں بلکہ رمضان کا شمار ہوگا، چونکہ ماہ رمضان فرض روزوں کے لیے مقرر ہے اس لیے کسی نفل کی نیت سے فرض روزہ متاثر نہیں ہوتا بلکہ یہی روزہ رمضان کا روزہ شمار ہوگا اور اس پر قضاء بھی لازم نہیں۔

قال عالم بن العلاءؒ:۔ فان ظهر انه من رمضان كان صائماً عن رمضان۔ وفي الخانية وقيل علی قول محمد لا يكون صائماً۔ (فتاویٰ تاتارخانية ج ٢ ص ٣٩٢ كتاب الصوم، الفصل الثامن الاوقات التي يكره فيها الصوم) [2]

پوری زندگی روزہ رکھنے کی مَنّت ماننا

سوال:۔ اگر کسی شخص نے تمام عمر روزہ رکھنے کی نذر مان لی تو اس کے لیے افطار کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ تمام عمر روزہ رکھنے کی نذر مان لینا بلا شبہ درست ہے مگر بہتر نہیں، اسلئے کہ انسان ہر حالت میں ایک جیسا نہیں ہوتا ہے۔ تمام عمر روزہ رکھنے کی نذر ماننے میں کبھی بھی افطار

---

[1] قال العلامة فخر الدينؒ:۔ بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والا فحتی يتم له ثماني عشرة سنة والجارية بالحيض والاحتلام والحبل والا فحتی يتم لها سبع عشرة سنة ويفتی بالبلوغ فيهما بخمس عشرة سنة۔ (تبيين الحقائق ج ٥ ص ٢٠٣ كتاب الحجر)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ٨ ص ٨٥ كتاب الحجر۔

[2] قال ابن نجيمؒ:۔ واعلم انه يتفرع علی كيفية النية ووقتها مسئلة الاسير في دار الحرب اذا اشتبه عليه رمضان فتحری وصام شهراً عن رمضان فلا يخلو اما ان يوافق اولا بالتقديم او بالتاخير فان وافق جاز وان تقدم لم يجز۔ (البحر الرائق ج ٢ ص ٢٦٣ كتاب الصوم)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدير ج ٢ ص ٢٤٤ كتاب الصوم۔

کرنے کی گنجائش نہیں البتہ ایام منہیات میں روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے، اس لیے افطار کرنے کے بعد ہر سال پانچ روزے اس کے ذمہ باقی رہیں گے، فراغتِ ذمہ کے لیے فدیہ کی ادائیگی کی وصیت کرنی ہوگی۔

قال طاہر بن احمدؒ:۔ رجل قال للّٰہ علیّ صوم ھٰذہ السنۃ فانہ یفطر یوم الفطر ویوم النحر وایام التشریق ویقضی تلک الایام وعلیہ کفارۃ الیمین۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص۲۷۶ کتاب الصوم۔ الفصل الرابع فی النذر)[1]

شہر میں روزہ افطار کرنے کے بعد ہوائی جہاز کے ذریعے سورج دیکھنے سے روزہ دار کیلئے کیا حکم ہے؟

سوال:۔ شہر میں سورج غروب ہونے کے بعد روزہ افطار کر لیا مگر اس کے فوراً بعد ہوائی جہاز میں سفر کے دوران سورج دوبارہ دیکھ لیا تو کیا اس سے قضاء لازم ہوگی یا نہیں؟ اور امساک کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ چونکہ اس شخص کو یقینی طور پر سورج کے غروب ہونے کا علم ہوگیا تھا جس کی وجہ سے اس نے روزہ افطار کر لیا اب جبکہ دوبارہ سورج دیکھ لیا تو اس کو امساک (یعنی سورج کے غروب ہونے کا انتظار) کرنا چاہیئے تاکہ حقیقی طور پر سورج غروب ہو جائے، یہ امساک فقط روزہ داروں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ضروری ہے ورنہ اس کا روزہ تو ادا ہوگیا ہے اس پر کوئی قضاء لازم نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ قال فی شرح التنویر فلو غربت ثم عادت ھل یعود الوقت بالظاہر نعم۔ وقال ابن عابدینؒ: (قولہ الظاہر نعم) بحث صاحب النہر حیث قال ذکر الشافعیۃ ان الوقت یعود الی قولہ قلت علی ان الشیخ اسمٰعیل رد ما بحثہ فی النہر تبعا للشافعیۃ

---

[1] قال عالم بن العلاءؒ:۔ واذا قال وللّٰہ علیّ صوم الابد یفطر ایام العید ویطعم عن کل یوم مسکیناً نصف صاع من حنطۃ۔ ھشام عن محمدؒ فیمن جعل علیٰ نفسہ صوم الابد فافطر یوم الفطر ویوم الاضحیٰ لا یطعم ھٰذہ الایام فی حیاتہ وعلیہ ان یوصی ان یطعم۔ الخ۔ (فتاویٰ تاتارخانیۃ ج ۲ ص۴۰۵ کتاب الصوم، الفصل الحادی عشر فی النذور۔)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج ۱ ص۲۲۸ کتاب الصوم، فی مایوجبہ علیٰ نفسہ۔

بان صلوٰۃ العصر بغیبوبۃ الشفق تصیر قضاءً ورجوعها لا یعیدها اداءً وما فی الحدیث خصوصیۃ لعلیؓ رضی اللہ تعالٰی عنہ کما یعطیہ قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام انہ کان فی طاعتک وطاعۃ رسولک اھ۔ عود الوقت بعودها للکل، واللہ تعالٰی اعلم۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۶۰، ۳۶۱ کتاب الصوم) [1]

طویل النہار (لمبے دن) والے ممالک میں روزہ رکھنے کا طریقہ

سوال:- دنیا کے بعض خطے اور ممالک ایسے ہیں جہاں دن بہت لمبے ہوتے ہیں، وہاں روزے رکھنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

الجواب:- جن ملکوں میں دن چوبیس ۲۴ گھنٹوں سے بڑا ہو تو ان ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کو قریب ملک اور علاقے کے وقت کی پابندی کا لحاظ رکھنا ہوگا، کیونکہ عام طور پر انسان چوبیس ۲۴ گھنٹے کا روزہ رکھنا برداشت نہیں کرسکتا، البتہ اگر چوبیس ۲۴ گھنٹے سے دن اس قدر چھوٹا ہو کہ سحری اور افطاری کھانے کا وقت ملتا ہو اور طلوع وغروب بھی ہوتا ہو تو اس ملک کے وقت کے موافق روزے رکھنے ہوں گے، تاہم یقیناً بیماروں کے لیے شریعت میں مراعات پائی جاتی ہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ:- (تتمۃ) لم ار من تعرض عندنا لحکم صومهم فیما اذا کان یطلع الفجر عندهم کما تغیب الشمس او بعدہ بزمان لا یقدر فیہ الصائم علی ما یقیم بنیتہ ولا یمکن ان یقال بوجوب الصوم موالاۃ الصوم علیهم لانہ یؤدی الی الهلاک فان قلنا بوجوب الصوم یلزم القول بالتقدیر وهل یقدر لیلهم باقرب البلاد الیهم کما قالہ الشافعیۃ هنا ایضاً ام یقدر لهم بما یسع الاکل والشرب ام یجب علیهم القضاء فقط

---

[1] لما قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ:- وکذا من وجب علیہ الصوم فی اول النهار لوجود سبب الوجوب والاهلیۃ ثم تعذر علیہ المضی فیہ بان افطر متعمداً او اصبح یوم الشک مفطراً ثم تبین انہ من رمضان او تسحر علی ظن ان الفجر لم یطلع ثم تبین لہ انہ طلع فانہ یجب علیہ الامساک فی بقیۃ الیوم تشبهاً بالصائمین۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۰۲، ۱۰۳ کتاب الصوم الفصل ام حکم الصوم المؤقت)

ومثلہ فی مراقی الفلاح علی هامش طحطاوی ج ۱ ص ۵۵۸ کتاب الصوم۔

دون الاداء كل محتمل فليتامل ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۳۹ كتاب الصلوٰة ۔ مطلب في طلوع الشمس من مغربها)[1]

عیدین کے دن روزہ رکھنا ممنوع ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص عید کے دن روزہ رکھے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ احادیث مبارکہ اور کتب فقہ سے یہ حکم واضح ہے کہ پورے سال میں پانچ دن روزہ رکھنا ممنوع ہے جن میں دو دن عیدین (یعنی عید الاضحیٰ اور عید الفطر کا پہلا دن) کے بھی شامل ہیں، لہٰذا ایسے شخص کو عیدین کے دن روزہ نہیں رکھنا چاہیئے ورنہ گنہگار ہو جائے گا۔

قال عبد الرحمٰن جزیریؒ:۔ الصوم المكروه ينقسم الى قسمين مكروه تحريماً وهو صوم ايام الاعياد والتشريق فاذا صامها انعقد صومه مع الاثم ۔ (فقه مذاهب اربعه ج ۱ ص ۵۵۹)[2]

---

[1] قال العلامة كمال الدينؒ:۔ ولا يرتاب متامل في ثبوت الفرق بين عدم محل الفرض وبين سببه الجعلي الذي جعل علامة على الوجوب الخفي الثابت في نفس الامر وجواز تعدد المعرفات للشئ فانتفاء الوقت انتفاء للمعرف وانتفاء الدليل على الشئ لا يستلزم انتفاءه لجواز دليل اٰخر وقد وجد وهو ما تواطات عليه اخبار الاسراء من فرض الله الصلوٰة خمساً بعد ما امروا اولاً بخمسين ثم استقر الامر على خمس شرعاً عاماً لاهل الاٰفاق لا تفصيل فيه بين اهل قطر وقطر وما روى ذكر الدجال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قلنا ما لبثه في الارض قال اربعون يوماً يوم كسنة ويوم كشهر ويوم كجمعة وسائر اَيَّامه كاَيَّامكُم فقيل يا رسول الله فذلك اليوم الذي كسنة ايكفينا فيه صلوٰة يوم قال لا اقدروا له (رواه مسلم) فقد اَوجب فيه ثلثمائة عصر قبل صيرورة الظل مثلاً او مثلين وقس عليه فاستفدنا ان الواجب في نفس الامر خمس على العموم غير ان توزيعها على تلك الاوقات عند وجودها فلا يسقط بعدمها الوجوب ۔ وكذا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خمس صلوٰة كتبهن الله على العباد ومن افتى بوجوب العشاء يجب على قوله الوتر ايضاً (حاشية شلبي على تبيين الحقائق ج ۱ ص ۸۱ كتاب الصلوٰة ۔ باب المواقيت)

وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج ۱ ص ۲۴۶ كتاب الصلوٰة باب المواقيت ۔

[2] قال ابن نجيمؒ:۔ وعندنا يكره الصوم في يومي العيد وايام التشريق ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۸)

وَمِثْلُهٗ في الهندية ج ۱ ص ۲۰۱ كتاب الصوم ۔ الباب الثالث في ما يكره للصائم ۔

مجنون پر روزے کا فدیہ واجب نہیں

سوال :- اگر مجنون روزہ کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو اس کے اولیاء فدیہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- احکام شرعیہ کا مکلف عاقل وبالغ انسان ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مجنون مکلف بالعبادات نہیں ہوتا، اس لیے اس کے مرنے کے بعد ورثاء پر فدیہ دینا بھی لازم نہیں، بشرطیکہ یہ عارضہ ممتد ہو (یعنی رمضان کا پورا مہینہ مجنون ہو) اور اگر عارضہ غیر ممتد ہو تو اس صورت میں ما فات کی قضاء لازمی ہے، اور اگر قضاء سے قبل مرجائے تو بصورتِ وصیت فدیہ دینا لازمی ہے۔

قال العلامة الکاسانیؒ :- ولا وجوب على المجنون لان الوجوب بالخطاب ولا خطاب عليه لانعدام القدرتين ولهذا لم يجب القضاء في الجنون المستوعب شهراً وجه قول اصحابنا ..... في الجنون العارض ما اذا افاق في وسط الشهر او في اوله حتى لو جن قبل الشهر ثم افاق في آخر يوم منه يلزمه قضاء جميع الشهر۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۸۸، ۸۹ کتاب الصوم فصل شرائط الصوم)[1]

کس چیز سے روزہ افطار کرنا چاہیئے؟

سوال :- شرعاً روزہ کس چیز سے افطار کرنا افضل ہے؟

الجواب :- بہتر یہ ہے کہ روزہ دار کھجور سے روزہ افطار کرے اور اگر کھجور میسر نہ ہو تو پھر پانی سے افطار کرنا بہتر ہے، تاہم اس کے علاوہ بھی دیگر اشیاء سے روزہ افطار کرنا جائز ہے۔

اخرج ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰؒ :- عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وجد تمراً فلیفطر علی ماء فان الماء طهور۔ (الجامع الترمذی ج۱ ص۱۴۹)[2]

سحری وافطاری کا مستحب طریقہ

سوال :- سحری اور افطاری میں تعجیل وتاخیر کا حکم ایک ہے یا ان میں کچھ فرق ہے؟

---

[1] قال ابن نجیمؒ :- (قوله وبجنون غیر ممتد) ای یقضیه اذ فاته بجنون غیر ممتد وهو ان لا یستوعب الشهر والممتد هو ان یستوعب الشهر وهو مسقط للحرج۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۹۰ کتاب الصوم فصل فی العوارض)

وَمِثْلُهٗ فی فتاوی تاتارخانیة ج۲ ص۳۹۶ کتاب الصوم۔ الفصل العاشر فی الجنون۔

[2] محمد بن یزیدؒ :- عن سلیمان بن عامر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : اذا افطر احدکم فلیفطر علی تمر فان لم یجد فلیفطر علی الماء فانه طهور۔ (ابن ماجة ج۱ ص۱۲۲ باب ما جاء علی ما یستحب الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی ابی داؤد ج۱ ص۳۲۱ باب ما یستحب الفطر۔

الجواب: شریعتِ مقدسہ میں سورج غروب ہونے کے فوراً بعد افطاری کرنا مستحب ہے اور سحری میں آخر وقت تک تاخیر کرنا اولیٰ ہے، تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ ظنِ غالب پر طلوعِ فجر سے چند منٹ پہلے سحری بند کردینی چاہیئے۔

قال العلامة سيد احمد الطحطاوي رحمه الله: النهار عبارة عن زمان ممتد من طلوع الفجر الصادق الى غروب الشمس وهو قول اصحاب الفقه واللغة (قوله الى الغروب) هو اول زمان بعد غيبوبة تمام جرم الشمس بحيث تظهر الظلمة في جهة المشرق۔ وفي البخاري عنه صلى الله عليه وسلم: اذا قبل الليل من ههنا فقد افطر الصائم۔ اي اذا وجدت الظلمة حساً في جهة المشرق فقد دخل وقت الفطر او صار مفطر في الحكم۔ لان الليل ليس ظرفاً للصوم قهستاني۔

(مراقي الفلاح على هامش طحطاوي ج ١ ص ٥٢١ كتاب الصوم)[1]

کیا اذانِ فجر انتہاءِ سحری کی دلیل ہے

سوال: سحری کا آخری وقت معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ کیا فجر کی اذان انتہاءِ سحری کی دلیل بن سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: روزہ بند کرنے میں بنیادی اعتبار انتہائے وقت کا ہے اسلئے طلوعِ فجر سے قبل روزہ رکھنا واجب ہے، البتہ اگر اذان صحیح وقت پر دی جاتی ہو تو پھر یہ انتہائے وقت کی دلیل بن سکتی ہے ورنہ تقدیم و تاخیر کی صورت میں اسے انتہاءِ سحر سمجھنا درست نہیں۔ ہمارے علاقوں میں اذان عموماً وقت داخل ہونے کے بعد دی جاتی ہے اسلئے اس دوران کھانا پینا جائز نہیں بلکہ اس سے چند منٹ پہلے ہی کھانا پینا بند کردینا چاہیئے۔

قال العلامة عالم بن العلاء: قال اصحابنا وقت الصوم من حين يطلع الفجر الثاني وهو الفجر المستطير المنتشر في الافق الى غروب الشمس، واذا غربت الشمس خرج وقت الصوم ولم ينقل عنهم ان العبرة لاول طلوع الفجر الثاني او لاستطارته وانتشاره۔ وقد اختلف المشائخ فيه قال بعضهم: العبرة لاوله۔ وبعضهم قالوا العبرة لاستطارته۔ قال شمس الائمة الحلواني رحمه الله: القول الاول احوط والثاني اوسع۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ ج ٢ ص ٣٦٦ كتاب الصوم الفصل الاول في بيان وقت الصوم)[2]

---

[1] قال طاهر بن احمد عبد الرشيد رحمه الله: ويستحب للصائم تعجيل الافطار قبل طلوع النجوم وتاخير السحور وفي يوم الغيم لا يستحب التعجيل ولا يفطر ما لم يغلب على ظنه غروب الشمس۔ (خلاصة الفتاوى ج ١ ص ٢٦٦ كتاب الصوم الفصل الخامس في الحظر والاباحة)

ومثله في رد المحتار ج ٢ ص ٤١٩ كتاب الصوم مطلب في حديث التوسعة على العيال الخ۔

[2] قال ابن عابدين رحمه الله: (قوله وهو اليوم) اي اليوم الشرعي من طلوع الفجر الى الغروب وهل المراد اول زمان الطلوع او انتشار الضوء؟ فيه خلاف كالخلاف في الصلوٰة والاول احوط والثاني اوسع۔ (رد المحتار ج ٢ ص ٣٧١ كتاب الصوم)

ومثله في الهندية ج ١ ص ١٩٤ كتاب الصوم الباب الاول تعريفه وتقسيمه۔

صرف جمعہ کے دن روزے کا حکم

سوال: حنفیہ کثر اللہ سوادہم کے نزدیک صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: علماء احناف کے ہاں راجح مذہب یہ ہے کہ تنہا جمعہ کا روزہ رکھنا مکروہ نہیں البتہ جن احادیث میں نہی وارد ہے وہ ضعف اور کمزوری وغیرہ پیدا ہو جانے پر محمول ہے کہ جس کی وجہ سے جمعہ کی ادائیگی میں فرق آتا ہو۔

قال العلامہ ابن عابدینؒ: ولا بأس بصوم یوم الجمعة عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ لما روی عن ابن عباسؓ انه کان یصومه ولا یفطر۔ (رد المحتار ج۲ ص۹۱ کتاب الصوم)[1]

ذی الحجہ میں ایام بیض کے روزوں کا حکم

سوال: ایام بیض کے روزے رکھنا شرعاً مسنون ہیں جو ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کو آتے ہیں، کیا ماہ ذی الحجہ میں بھی انہی تاریخوں کو روزے رکھے جائیں یا دوسری تاریخوں کو رکھے جائیں؟

الجواب: شریعت مقدسہ میں ایام عید الاضحیٰ یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کے روزے رکھنا ممنوع ہیں اس لیے ماہ ذی الحجہ میں ۱۳ تاریخ کا روزہ رکھنا جائز نہیں بلکہ بجائے ۱۳ کے ۱۴، ۱۵، ۱۶ کے روزے رکھے جائیں۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمہ اللہ: یکره الصوم فی العیدین وایام التشریق لانعقاد الاجماع ولو صام یکون صائمًا مسیئًا ولو افسده لا یقضی عند ابی حنیفةؒ۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۳۸۸ کتاب الصوم فصل فی بیان الاوقات التی یکره فیها الصوم)[2]

---

[1] قال الشیخ وهبة الزحیلی: ومنه صوم یوم الجمعة ولو منفردًا فلا بأس بصیامه عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ۔ ممّا روی عن ابن عباسؓ انهٗ کان یصومه ولا یفطر۔
(الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۵۹۲ مسائل صوم مندوب)
ومثلهٗ فی خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۶۵ کتاب الصوم، الفصل الخامس فی الحظر والاباحة۔

[2] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: والثانی الذی کره تحریمًا صوم عیدین الفطر والنحر ومنه صوم ایام التشریق۔ وقال السید احمد الطحطاویؒ: قولهٗ (ومنه صوم ایام التشریق) هی ثلاثة بعد ایام النحر (طحطاوی ص۳۶۵ کتاب الصوم) ومثله فی الفقه الاسلامی وادلتهٗ ج۲ ص۵۸۲۔

حاجی کے لیے یوم عرفہ کا روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں

سوال:۔ احادیثِ مبارکہ میں یوم عرفہ کا روزہ رکھنا منقول ہے، کیا یہ حکم حاجی کے لیے بھی ہے یا نہیں؟

الجواب: یوم عرفہ کا روزہ رکھنا شرعاً مسنون ہے اور یہ حکم سب کے لیے یکساں ہے البتہ اگر حاجی کو روزہ رکھنے سے ضعف لاحق ہو جائے جس کی وجہ سے مناسکِ حج میں خلل واقع ہونے کا احتمال ہو تو اس صورت میں عرفہ کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: المستحبۃ وعرفۃ ولو لحاج لم یضعفہ الخ۔ قال ابن عابدینؒ: (قولہ لم یضعفہ صفۃ لحاج) ای اکان لا یضعفہ عن الوقوف بعرفات ولا یخل بالدعوات محیط فلو اضعفہ کرہ۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۹۱ کتاب الصوم) [1]

یوم عاشورہ کے روزے کا حکم

سوال:۔ محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے، کیا یہ صرف ایک دن کا روزہ رکھنا ہوگا یا اس سے پہلے یا بعد والے دن کا روزہ بھی ملانا ہوگا؟

الجواب:۔ یوم عاشورہ یعنی دس محرم الحرام کا روزہ رکھنا مسنون ہے مگر اس روزے کے ساتھ ایک دن پہلے یا بعد والے دن کا روزہ ملانا ضروری ہے اس لیے کہ صرف دس محرم کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

قال العلامۃ طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ: واما صوم یوم عاشوراء فیستحب ان یصوم قبلہ یوماً وبعدہ یوماً۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۶۵ کتاب الصوم۔ باب الحظر والاباحۃ) [2]

---

[1] قال الشیخ الدکتور وھبۃ الزحیلی:۔ ومنہ صوم یوم عرفۃ ولو لحاج لم یضعفہ عن الوقوف بعرفات ولا یخل بالدعوات فلو اضعفہ کرہ۔
(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۲ ص ۵۹۲ آراء المذاھب فی الصوم المنذور)
وَمِثْلُہٗ فی الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۳۸۹ الاوقات التی یکرہ فیہا الصوم۔

[2] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: وکانوا یستحبون ان یصوموا قبل عاشوراء او بعدہ یوماً۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۳۹۰ کتاب الصوم فی الاوقات التی یکرہ فیہا الصوم)
وَمِثْلُہٗ فی الفقہ الاسلامی وَاَدِلَّتُہٗ ج ۲ ص ۵۹۰ النوع الرابع، صوم التطوع۔

رمضان المبارک میں مہمان کی خاطر و تواضع کا حکم

سوال:۔ جناب محترم مفتی صاحب! میں بسلسلہ روزگار انگلینڈ میں مقیم ہوں وہاں میرے کچھ انگریز دوست ہیں اگر وہ میرے پاس رمضان المبارک میں دن کے وقت ملاقات کے لیے آئیں تو کیا میں ان کی خاطر و تواضع کر سکتا ہوں یا نہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب: اسلام نے مہمان کی خاطر مدارات کے لیے نفلی روزہ تک توڑ دینے کی گنجائش رکھی ہے، اس لیے اگر کوئی شخص مہمان کی خاطر و تواضع کے لیے نفلی روزہ توڑ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ اس روزہ کی قضاء کرنا ضروری ہے، جب غیر رمضان میں مہمان کی خاطر نفلی روزہ افطار کیا جا سکتا ہے تو پھر رمضان المبارک میں ایسا کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ تاہم آپ کے لئے مہمان کی خاطر رمضان کا روزہ توڑنا جائز نہیں۔

لما قال العلامة اشرف علی التھانویؒ: کسی کے گھر مہمان گئی یا کسی نے دعوت کر دی اور کھانا نہ کھانے سے اس کا جی برا ہوگا، دل شکنی ہوگی تو اس کی خاطر سے نفل روزہ توڑ دینا درست ہے اور مہمان کی خاطر سے گھر والی کو بھی توڑ دینا درست ہے۔

(بہشتی زیور ص۲۰۴ کتاب الصوم)

عاشورہ کے دن قضاءِ رمضان کا حکم

سوال:۔ جناب محترم مفتی صاحب! یوم عاشورہ (دس محرم الحرام) کو قضاءِ رمضان کا روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی رکھ لے تو اس کا کیا حکم ہے؟ فقہ حنفی کی روشنی میں مسئلے کا حل بیان فرمائیں؟

الجواب:۔ اسلام نے سال بھر میں صرف پانچ دن[1] روزہ رکھنے کو موجب گناہ قرار دیا ہے، اس کے علاوہ باقی ایام میں جس دن چاہے قضاء رمضان کا روزہ رکھا جا سکتا ہے ایسا کرنے سے ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

لما فی الھندیة: لو نوی قضاء رمضان والتطوع کان من القضاء۔
(فتاوی قاضی خان علی ہامش الھندیة ج۱ ص۲۰۰ کتاب الصوم)

---

[1] ان پانچ دنوں کی تفصیل یہ ہے: عید الفطر کا دن، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ

پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنے کا حکم

سوال:- جناب محترم مفتی صاحب! میری والدہ صاحبہ کئی برسوں سے پیر اور جمعرات کا روزہ رکھ رہی ہیں، کیا قرآن وسنت میں اس کے بارے میں کوئی فضیلت آئی ہے یا نہیں؟

الجواب:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں اعمال نامے پیش کیے جاتے ہیں، مجھے یہ پسند ہے کہ میرے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور اس حال میں پیش ہوں کہ میں روزہ سے ہوں۔ لہٰذا پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنا کارِ ثواب ہے۔

عن عائشۃ رضـ قالت: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتحری صوم الاثنین والخمیس۔ (الجامع الترمذی ج۱ ص۱۵۸ باب ماجاء فی صوم الاثنین والخمیس) [1]

پندرہ شعبان کے روزے کا شرعی حکم

سوال:- جناب محترم مفتی صاحب! ۱۵ شعبان کے روزے کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ نیز اس روزے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مرغوب روزوں میں ۱۵ شعبان (شبِ برات) کا روزہ بھی ہے، لہٰذا اس قسم کا روزہ رکھنا موجبِ اجر و ثواب ہے۔

لما فی الهندیة: المرغوبات من الصیام انواع اولها صوم المحرم والثانی صوم رجب والثالث صوم شعبان۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۰۲) [2]

---

[1] عن حفصۃ رضـ قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم ثلٰثۃ ایام من الشهر الاثنین والخمیس والاثنین من الجمعۃ الاخریٰ۔ (ابوداؤد ج۱ ص۳۳۲ باب من قال الاثنین والخمیس)
ومثلہٗ فی مشکوٰۃ المصابیح ص۱۷۹ کتاب الصوم، باب صیام التطوع۔

[2] لما قال العلامۃ اشرف علی التهانوی رحمہ اللہ: ۔ شبِ برات کی پندرہویں اور عید الفطر کے چھ دن نفل روزہ رکھنے کا بھی اور نفلوں سے زیادہ ثواب ہے۔
(بہشتی زیور حصہ ۳ ص۲۰ کتاب الصوم)

مروّجہ افطار پارٹیوں میں شرکت کا مسئلہ

سوال:۔ رمضان المبارک میں بعض سیاسی لوگ ایک دوسرے کو افطار پارٹیوں میں مدعو کرتے ہیں جن میں عموماً کبیرہ گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے۔ شرعاً اس قسم کی افطار پارٹیوں میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرانا بہت بڑے ثواب کا کام ہے، احادیث مبارکہ میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، مگر مروجہ افطار پارٹیوں میں چونکہ اکثر کبائر کا ارتکاب ہوتا ہے اس لیے اس قسم کی افطار پارٹیوں میں شرکت نہیں کرنی چاہیئے تاکہ ارتکاب گناہ سے بچا جا سکے۔

لما قال علیہ السلام: من فطر صائماً کان لہٗ مغفرۃ لذنوبہ وعتق رقبتہ من النار وکان لہ مثل اجرہ من غیر ان ینقص من اجرہ شیٔ۔

(مشکوٰۃ ص۱۷۳ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث) [1]

مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں روزہ افطار کرنے کا حکم

سوال:۔ ماہ رمضان میں اگر کسی دن آسمان پر بادل ہوں اور سورج غروب ہونے کا صحیح اندازہ نہ ہو سکتا ہو تو ایسے میں روزہ افطار کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مستحب تو یہ ہے کہ جیسے سورج ہو فوراً روزہ افطار کر لیا جائے، اور اگر مطلع صاف نہ ہو، یا آسمان پر بادل وغیرہ ہوں تو پھر روزہ افطار کرنے میں اتنی دیر کی جائے کہ سورج ہونے یا نہ ہونے کا شک ختم ہو جائے۔ اور آجکل تو ویسے بھی تقریباً ہر آدمی کے پاس گھڑی ہوتی ہے اس کے حساب سے سورج ہونے کا یقین ہو جانے کے بعد روزہ افطار کر لینا چاہیئے۔

لما قال العلامۃ المرغینانیؒ، ولو شک فی غروب الشمس لا یحل لہ الفطر۔

(الھدایۃ ج ۱ ص۱۸۷ کتاب الصوم) [2]

---

[1] لقولہ علیہ السلام، من فطر صائماً فلہٗ مثل اجرہ۔
(مجمع الزوائد ج ۳ ص۳۷ کتاب الصوم، باب فیمن فطر صائماً)

[2] لما قال العلامہ اشرف علی التھانویؒ، جب تک سورج کے ڈوبنے میں شبہ ہے تب تک (روزہ) افطار کرنا جائز نہیں۔ (بہشتی زیور حصہ سوم ص۲۰۹ کتاب الصوم)

روزہ افطار کرنے کیلئے وقت مقرر کرنے کا حکم

سوال:۔ افطاری کتنے منٹ تک ہونی چاہیئے؟ بعض لوگ افطاری کے وقت پورا کھانا کھاتے ہیں اور اس کے بعد نماز پڑھتے ہیں، شریعتِ مطہرہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ افطاری کے لیے شرعاً کوئی وقت مقرر نہیں، ضروری امر یہ ہے کہ مغرب کی نماز ادا کی جائے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ مختصر افطاری کر کے پہلے مغرب کی نماز ادا کر لی جائے اس کے بعد کھانا کھایا جائے۔ تاہم اگر پورا کھانا کھانے کے بعد نماز وقت پر ادا کی جاسکتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

روزے کی نیت عربی یا مادری زبان میں کرنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! رمضان المبارک کے روزوں کی نیت عربی زبان میں کرنا ضروری ہے یا اپنی مادری زبان میں کرنا بھی صحیح ہے؟

الجواب:۔ نیت کا تعلق دل سے ہے، نفسِ ارادہ کرنے سے روزہ صحیح ہوجاتا ہے، تاہم زبان سے نیت پر تلفظ کرنا بہتر ہے چاہے عربی زبان میں ہو یا مادری زبان میں، دونوں طرح سے صحیح ہے۔

لما فی الهندية، والنية معرفته بقلبه أن يصوم كذا فی الخلاصة و محيط السرخسی والسنة ان يتلفظ بها كذا فی النهر الفائق۔

(الفتاویٰ الهندية ج۱ ص۱۹۵ كتاب الصوم۔ الباب الاول فی تعريفه)[1]

جہاز میں سفر کے دوران جہاز کا وقت روزہ افطار کرنے کے لیے معتبر ہوگا

سوال:۔ ایک آدمی ہوائی جہاز میں سفر کر رہا تھا، زمینی وقت کے لحاظ سے سورج غروب ہوچکا تھا مگر جہاز کی بلندی کی وجہ سے ابھی تک سورج اُفق پر چمکتا نظر آرہا تھا، تو کیا یہ آدمی زمینی وقت کے لحاظ سے روزہ افطار کرے یا حالتِ سفر

---

[1] قال العلامة المفتی عبد الرحیمؒ: روزہ کی نیت میں زبان سے بولنا ضروری نہیں صرف دل کا ارادہ کافی ہے، اپنی مادری زبان یا عربی میں زبان سے بھی کہے تو بہتر ہے منع نہیں۔
(فتاویٰ رحیمیة ج۸ ص۲۶۳ کتاب الصوم)

میں جب سورج غروب ہو تب افطار کرے؟

الجواب:- قاعدہ یہ ہے کہ روزہ اور نماز میں اُس مقام کا وقت معتبر ہوگا جہاں پر آدمی ہو، چونکہ صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ شخص جہاز میں ہے اس لیے جب اس حالت میں سورج غروب ہو جائے تو پھر روزہ افطار کرے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: المراد بالغروب زمان غیبوبة جرم الشمس بحیث تظهر الظلمة فی جهة الشرق۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۸۸ کتاب الصوم)[1]

شوال کے چھ روزوں کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! کئی سالوں سے بندہ عید الفطر کے دوسرے دن سے شوال کے چھ روزے رکھ رہا ہے، میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ شوال کے چھ روزے مکروہ ہیں اور یہ احناف کا مذہب ہے، اس نے ایک رسالہ بھی مجھے دیا ہے جو اسی موضوع پر لکھا ہوا ہے، اپنے دوست کی باتیں سُن کر اور رسالہ دیکھ کر سخت اُلجھن کا شکار ہوں، مہربانی فرما کر اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب:- احادیث مبارکہ میں شوال کے چھ روزوں کی بڑی فضیلت آئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو بہت بڑے اجر و ثواب کا باعث قرار دیا ہے۔ اس لیے فقہاء احناف کی تقریباً ہر کتاب میں ان روزوں کو مستحب قرار دیا ہے، جہاں تک کراہت کے قول کا تعلق ہے تو اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ سے ایک شاذ قول مروی ہے، احناف کا مذہب نہیں، ورنہ فقہاء کرام اس کو بڑے اہتمام سے ذکر کر کے مفتٰی بہ قرار دیتے۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ، ومنه ایضاً صوم ستة من شوال عند ابی حنیفة متفرقاً کان او متتابعاً وعن ابی یوسف کراهته متتابعاً لا متفرقاً لکن عامة المتاخرین لم یروا به بأساً۔ وقال ابن عابدینؒ: (تحت قوله ولم یروا به بأساً) قد سرد عباراتهم العلامة قاسم فی فتاواه ورد قول من صحح الکراهة فراجعه۔

(البحر الرائق ومنحة الخالق ج۲ ص۲۵۸ کتاب الصوم)

◆

---

[1] قال الشیخ السیّد احمد الطحطاویؒ: تحت (قوله وهو الیوم) أی هو من اوّل زمان الصبح الصادق الی المغرب ای زمان غیبوبة تمام جرم الشمس بحیث تظهر الظلمة فی جهة المشرق۔ (الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۴۶)

باب مایفسد الصّوم وما لایفسد

(کن کن اشیاء سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور کن سے نہیں)

مذی اور ودی کے نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا | **سوال:** بیوی کے ساتھ لمس وتقبیل یا ملاعبہ کرتے وقت اگر کبھی پانی نکل جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں اور اگر پیشاب کے ساتھ کچھ قطرے گر جائیں تو روزہ پر اس کے کیا اثرات پڑیں گے؟

الجواب: لمس وتقبیل کی صورت میں اگر انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ کر قضاء واجب ہے اور کفارہ نہیں، البتہ کسی کمزوری کی وجہ سے پیشاب کرتے وقت کچھ قطرے گریں تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

قال فی الہندیۃ: واذا قبّل امرأتہ وانزل فسد صومہ من غیر کفارۃ — ایضاً فی الہندیہ وکذا لا یفطر بالفکر اذا امنی ہٰکذا فی السراج الوہاج۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص۲۰۴ کتاب الصوم۔ الباب الرابع فیما یفسد)[1]

خاوند کی سخت طبیعت کی وجہ سے کھانے پینے کی چیزوں کا چکھنا | **سوال:** روزہ کی حالت میں خاوند کے خوف سے عورت کے لیے پکی ہوئی اشیاء کا چکھنا کیسا ہے، کیا یہ عمل روزہ پر اثر انداز ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: روزہ کی حالت میں عموماً چیزوں کا چکھنا مکروہ ہے اور بعض اوقات مفسدِ صوم بھی بن جاتا ہے، لیکن اگر کسی عورت کا خاوند بدمزاج اور تلخ طبیعت کا مالک ہو اور عورت کو

---

[1] قال محمد بن عبد اللہؒ: (او وطی امراتہ میتۃ) او بہیمۃ او فخذا او بطناً او قبل) او لمس) فانزل قید للکل حتی لم ینزل لم یفطر کما مر۔ قال محمد بن عبد اللہؒ: (او قبّل ولم ینزل) او احتلم او انزل بنظر او بفکر الخ

(شامی ج ۲ ص۳۹۶ کتاب الصوم۔ باب مایفسد الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۷۲ باب مایفسد الصوم وما لایفسدہٗ۔

اس سے مار کھانے اور گالی گلوچ کا خطرہ ہو تو ایسی عورت کے لیے پکی ہوئی چیزیں چکھنا بلا کراہت جائز ہے۔

قال قاضی خان رحمہ اللہ:۔ اذا کان الزوج سیٔ الخلق لا بأس للمرأۃ ان تذوق المرقۃ بلسانہ۔ (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۹۸ کتاب الصوم)[1]

حاملہ کو اگر خون آجائے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا

سوال:۔ حالت حمل میں اگر عورت کو کبھی کبھار خون آجائے تو اس سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ مفسدات صوم میں سے ایک مفسد حیض ونفاس کا آجانا بھی ہے اور جو خون عورت کو حمل کی حالت میں آئے تو وہ بیماری کا خون ہے جو روزہ رکھنے کے منافی نہیں لہٰذا اس سے روزہ متاثر نہیں ہوتا۔

قال عبد الرحمٰن الجزائریؒ:۔ ان الدّم الّذی یخرج عند خروج اکثر الولد ھو دم نفاس کالدم الذی یخرج عقب خروجہ اما الدم الذی یخرج بخروج اقل الولد او قبلہ فھو فساد ولا تعتبر نفساء ویفعل مایفعلہ الطاھرات۔

(الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ج ۱ ص ۱۳۱ باب الحیض)[2]

---

[1] قال عالم بن العلاءؒ:۔ ان کان زوجھا سیٔ الخلق بذی اللسان یضایقھا فی ملوحۃ الطعام فلا بأس بہ۔ (فتاویٰ تاتارخانیۃ ج ۲ ص ۳۸ کتاب الصوم الفصل السادس فی الاسباب المبیحہ)

وَمِثْلُہٗ فی شامی ج ۲ ص ۴۱۶ کتاب الصوم مطلب فیما یکرہ للصائم۔

[2] قال کمال الدینؒ:۔ لما کان الحیض اکثر وقوعاً قدمہ ثم اعقبہ الاستحاضۃ لانھا اکثر وقوعاً من النفاس باعتبار کثرۃ اسبابھا فانھا تکون مستحاضۃ بما رأت الدم حالۃ الحبل او زاد الدم علی عشرۃ او زاد علی معروضھا وجاوز العشرۃ او رأت مادون الثلاث او رأت قبل تمام الطھر او رأت قبل ان تبلغ تسع سنین علی ماعلیہ العامۃ بخلاف النفاس فان سببہ شیٔ واحد وقدم حکم الاستحاضۃ ومن بمعناھا علی تعریفھا لان المقصود بیان الحکم۔ قال برھان الدینؒ: یتوضئون لوقت کل صلوٰۃ۔ (العنایۃ علی ھامش فتح القدیر ج ۱ ص ۱۵۹ باب الحیض)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۱۵ باب الحیض۔

روزہ جلدی افطار کرنا بہتر ہے

سوال: افطار میں احتیاط کے لیے تاخیر کرنے کا شریعت مطہرہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب: غروب آفتاب قطعی اور بدیہی امر ہے، اس کے بعد غلبۂ ظن اور احتیاط کا دعویٰ کرنا بے بنیاد ہے یہی وجہ ہے کہ از روئے شرع روزہ افطار کرنے میں تعجیل افضل ہے۔

قال عالم بن العلاءؒ: ـ ویستحب للصائم تعجیل الافطار قبل طلوع النجوم ـ

(فتاویٰ تاتارخانیة ج ۲ ص ۳۸۱ کتاب الصوم، الفصل السادس فی الاسباب المبیحة) [1]

رمضان میں ادویات سے حیض بند کرنے کا حکم

سوال: کئی عورتیں رمضان میں روزہ کی محرومی سے بچنے یا غیر رمضان میں نماز کے فوت ہونے سے بچنے کے لیے مانع حیض ادویات استعمال کرتی ہیں، کیا از روئے شرع عورت کے لیے یہ اقدام مرخص ہے یا نہیں، نیز شرعی احکام پر اس کے کیا اثرات پڑتے ہیں؟

الجواب: عورت کے لیے حیض کا آنا ایک طبعی اور فطرتی امر ہے اس لیے شریعت مطہرہ نے ان ایام میں عورت کو معذور سمجھ کر عبادات کی ذمہ داری اس سے اٹھائی ہے، یہی وجہ ہے کہ جدید اور قدیم طب میں حیض عورت کی صحت اور تندرستی کی نشانی سمجھی جاتی ہے، اگر کوئی عورت ادویات کے ذریعے اس کو بند رکھے تو شرعی احکام اس سے متاثر نہیں ہوتے، یعنی حیض نہ آنے پر روزہ اور نماز کی ادائیگی ضروری ہے لیکن عورت کی صحت کے لیے نقصان دہ ہونے کی وجہ سے ایسا کرنے سے احتراز بہتر ہے، تاہم اس طرح حیض بند کرنے سے روزہ درست رہے گا۔

قال عالم بن العلاءؒ: ـ وشرط صحة الاداء وهو الوقت القابل وهو الیوم المتعرّی عن الاکل والشرب وطهارة المؤدیین من الحیض والنفاس ـ (فتاویٰ تاتارخانیة ج ۲ ص ۳۴۵ کتاب الصوم) [2]

---

[1] قال طاهر بن احمدؒ: ـ ویستحب للصائم تعجیل الافطار قبل طلوع النجوم ـ

(خلاصة الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۶۶ کتاب الصوم۔ الفصل الخامس فی الحظر والاباحة)

ومثلهٗ فی مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص ۵۶۲ کتاب الصوم ـ

[2] قال طاهر بن احمد بن عبد الرشیدؒ: ـ اعلم بان الصوم هو الکف عن المفطرات شرعًا فی وقته بنیة یشترط من اهله واهله العاقل البالغ المسلم وفی المرأة الطهارة من الحیض والنفاس ـ

(خلاصة الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۵۱ کتاب الصوم۔ الفصل الثانی فی المقدمة)

ومثلهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۹ کتاب الصوم ـ

زہریلے حشرات الارض کے کاٹنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا

سوال: کیا بچھو اور بھڑ کے کاٹنے سے روزہ پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں جبکہ ایسی حالت میں عموماً کاٹنے والے بچھو وغیرہ کا زہر روزہ دار کے بدن میں داخل ہو جاتا ہے؟

الجواب: کسی چیز کا معدہ یا دماغ میں پہنچنا مفسدِ صوم تب بنتا ہے کہ وہ چیز جوفِ دماغ یا جوفِ معدہ میں بطریقِ منفذ (نالی کے ذریعے) داخل ہو، اگر وہ چیز بصورتِ ترشح (بذریعہ پسینہ) جوفِ دماغ یا جوفِ معدہ میں پہنچ جائے تو مفسدِ صوم نہیں، چنانچہ صورتِ مسئولہ میں زہر چونکہ معدہ میں بصورتِ ترشح پہنچ جاتا ہے اس لیے مفسدِ صوم نہیں۔

لما قال العلامہ برہان الدین المرغینانیؒ: ولو اکتحل لم یفطر لانہ لیس بین العین والدماغ منفذ والدمع یترشح کالعرق والداخل من المسام لا ینافی کما لو اغتسل بالماء البارد۔ (الہدایۃ ج ۱ ص۱۹۷ کتاب الصوم۔ باب ما یوجب القضاء والکفارہ) [1]

بدنگاہی سے انزال مفطرِ صوم نہیں

سوال: کسی حسین عورت کو دیکھنے سے شہوت کا شکار ہو کر اگر روزہ دار کا انزال ہو جائے تو اس سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب: انزال سے فسادِ صوم کے لیے جماعِ حقیقی یا معنوی کا ہونا ضروری ہے، چونکہ شہوانی نظر سے انزال میں دونوں کا فقدان ہے اس لیے فقہاء کرام نے عدمِ افطار کا فتویٰ دیا ہے۔

قال ابن الہمام رحمہ اللہ: اذا نظر الی امرأۃ بشہوۃ الی وجہہا او فرجہا کرر النظر او لا یفطر اذا انزل لما بینا انہ لم توجد صورۃ الجماع ولا معناہ وہو الانزال

---

[1] قال العلامۃ عبد اللہ بن محمود بن مودود الموصلیؒ: واما الاقطار فی الاحلیل فعندہما لا یفطر۔ وقال ابو یوسفؒ یفطر بناء علی ان بینہ وبین الجوف منفذ بدلیل الخروج البول والاصح انہ لیس بینہما منفذ بل البول یترشح الی المثانۃ ثم یخرج وما یخرج رشحا لا یعود رشحا فلا یصل۔

(الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص۱۳۳ کتاب الصوم فصل فی وجوب الکفارۃ والقضاء الخ)

ومثلہ فی فتح القدیر ج۲ ص۳۲۹ کتاب الصوم۔ باب ما یوجب القضاء والکفارۃ۔

عن مباشرۃ وهو حجۃ علی مالک فی قوله اذا کرره فانزل افطر۔

(فتح القدیر ج ۲ ص۲۵۶ کتاب الصوم۔ باب ما یوجب القضاء والکفارۃ) ۱؎

منہ میں دوائی کے ذائقہ کا احساس مفسدِ صوم ہے

سوال:۔ دوائی کھانے کے بعد اگر طلوعِ فجر کے وقت یا بعد منہ میں دوائی کا اثر محسوس ہو تو کیا اس سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ منہ میں دوائی کے ذائقہ کا احساس فسادِ صوم کا ذریعہ نہیں بشرطیکہ حلق سے نیچے نہ جائے لیکن جب حلق سے اتر کر پیٹ کے اندر پہنچ جائے تو پھر روزہ باقی نہیں رہتا۔

قال ابن نجیمؒ:۔ وفی المحیط یجوز ان یقال لا بأس به کی لا یغبن وللمضغ بعذر بان لم تجد المرأۃ من یمضغ لصبیها الطعام من حائض او نفساء او غیرهما ممن لا یصوم ولم تجد طبیخًا ولا لبنا حلیبا لا بأس به للضرورۃ الا تری انه یجوز لها الافطار اذا خافت علی الولد فالمضغ اولیٰ و اطلق فی الصوم فشمل الفرض والنفل۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۲۸۰ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد) ۲؎

ملک کی تبدیلی پر روزہ کی تعداد میں پہلے ملک کا اعتبار ہوگا

سوال:۔ اگر ایک شخص رمضان کے دوران سفر کر کے کسی ایسے ملک چلا جائے جہاں چاند کی رؤیت مقدم ہونے کی بناء پر اس کے تیس ۳۰ روزے پورے نہ ہوئے ہوں تو ایسی حالت میں اس شخص کو کیا کرنا چاہیئے؟ کیا روزہ کی تعداد میں موجودہ ملک کا

۱؎ لما قال العلامۃ بدر الدین العینیؒ:۔ وکذا لا یفطر اذا نظر الی امرأۃ فامنی ای انزل المنی لما بینا وهو قوله لانه لم یوجد صورۃ الجماع ولا معناه ثم انه سواء اذا نظر الی وجهها او فرجها بخلاف حرمۃ المصاهرۃ فانها تثبت بالنظر الی فرجها۔ (البنایۃ شرح الهدایۃ ج ۲ ص۲۸۴ باب ما یوجب القضاء والکفارۃ)

ومثله فی طحطاوی ص۳۶۱ باب فی بیان ما لا یفسد الصوم۔

۲؎ قال العلامۃ محمد عبد الحیؒ:۔ ودخول شیء فی فمه فانه لو دخل شیء من الخارج فی فمه لا یفسد صومه ما لم یدخل فی حلقه وهذا آیۃ کونه خارجًا فانه لو کان داخلا لفسد صومه فی هذه الصورۃ لان دخول شیء من الخارج الی الداخل مفسد له۔ (السعایۃ ج ۱ ص۲۷۸ کتاب الطهارۃ و فرض الغسل)

ومثله فی الشامی ج ۲ ص۴۲۴ کتاب الصوم۔ مطلب فیما یکره للصائم۔

اعتبار ہوگا جہاں پر مثلاً ۲۹ روزے ہوں یا اپنے علاقے کا اعتبار ہوگا جہاں پر ۳۰ روزے پورے ہوئے ہوں؟

الجواب:۔ جہاں تک عید منانے کا حکم ہے تو یہ موجودہ ملک کا تابع ہے لیکن روزہ کی تعداد میں اس ملک کا اعتبار ہے جہاں پر اس شخص نے ابتدائی روزہ رکھا ہے، اور اگر اس ملک کی حالت معلوم نہ ہو تو پھر از روئے احتیاط تیس روزے پورے کرے بشرطیکہ اس کے روزے پورے نہ ہوئے ہوں۔

قال فی الهندیة: اذا صام اهل مصر تسعة وعشرین یومًا للرؤیة وفیهم مریض لم یصم فعلیه القضاء تسعة وعشرین یومًا فان لم یعلم هٰذا الرجل ماصنع اهل المصر صام ثلاثین یومًا لیخرج عن العهدة بیقین کذا فی المحیط۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۹۹ کتاب الصوم۔ الباب الثانی فی رؤیة الهلال)[1]

فصل کی کٹائی کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا شرعی عذر نہیں

سوال:۔ اگر رمضان میں اگر رمضان میں فصل پک جائے اور رمضان کے گذرنے کا انتظار کرنے کی صورت میں اس کے ضائع ہونے کا خطرہ بھی ہے، تو فصل کی کٹائی کے لیے روزہ نہ رکھنے کا شرعًا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ موجودہ دور میں فصل کی کٹائی کے لیے جدید ترین طریقے موجود ہیں مثلاً ہارویسٹر مشین وغیرہ، البتہ اگر خود کٹائی کی طاقت نہ ہو تو اُجرت پر بھی کٹائی ممکن ہے، اس لیے فصل کی کٹائی روزہ نہ رکھنے کے لیے عذر شرعی نہیں۔

قال ابن نجیم رحمه الله:۔ وفی القنیة لا یجوز للخباز ان یخبز خبزًا یوصله الی ضعف مبیح للفطر بل یخبز نصف النهار ویستریح فی النصف فبقی له لا یکفیه اجرته او ربحه

---

[1] قال عالم بن العلاء رحمه الله:۔ اذا صام اهل المصر تسعة وعشرین یومًا للرؤیة وفیهم مریض لم یصم فعلیه القضاء تسعة وعشرین یومًا فان لم یعلم هٰذا الرجل ماصنع اهل المصر صام ثلاثین یومًا لیخرج عن العهدة بیقین۔

(فتاوی تاتارخانیة ج ۲ ص ۳۵۴ کتاب الصوم۔ رؤیة الهلال)

ومثلهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۶۴ کتاب الصوم وثبت رمضان۔ الخ

فقال هو كاذب وهو باطل باقصر ايام الشتاء۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۸۲ باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد) [1]

قاضی کے لیے مسندِ قضاء روزہ نہ رکھنے کا سبب نہیں

سوال:- اگر کوئی قاضی مسندِ قضاء میں ایسی حالت سے دوچار ہو کر فیصلہ کرتے وقت روزہ اس کے لیے تکلیف کا باعث بنتا ہو تو کیا اس کے لیے افطار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- یہ کوئی ایسا شرعی عذر نہیں کہ جس سے روزے کا افطار مرخص ہو، اس لیے اس پر روزہ واجب ہے۔

قال في الهندية: شرط وجوبه الاسلام والعقل والبلوغ وشرط وجوب الاداء الصحة۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۹۵ کتاب الصوم الباب الاول تعريفه الخ) [2]

روزہ کی حالت میں انجکشن لگانا مفطرِ صوم نہیں

سوال:- روزہ میں انجکشن لگانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا رگ والے اور دوسرے انجکشن میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

الجواب:- فقہاء کرام کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ مطلق کسی چیز یا اس کے اثرات کا

---

[1] قال عالم بن العلاء رحمه الله:- سئلت ابا حامد عن خباز يخبز في شهر رمضان ويضعف في آخر النهار هل يجوز له ان يعمل هذا العمل فقال لا يجوز له بان يعمل ما يوصله الى هذا النوع من الضعف ولكن يخبز نصف النهار ويستريح في النصف الباقي قيل له: اذا كان لا يكفيه ما ياخذ في نصف النهار، فقال هو كاذب فان ايام الشتاء اقصر الايام فما يفعل في تلك الايام يفعله اليوم۔

(فتاوىٰ تاتارخانية ج ۲ ص ۳۸۵ کتاب الصوم الفصل الرابع الاسباب المبيحة للفطر)

وَمِثْلُهٗ في بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۰۱ کتاب الصوم، فصل في فساد الصوم۔

[2] قال عالم بن العلاء رحمه الله: شرط نفس الوجوب وهو الاسلام والعقل والبلوغ وشرط وجوب الاداء وهو الصحة والاقامة وشرط صحة الاداء وهو الوقت القابل۔

(فتاوىٰ تاتارخانية ج ۲ ص ۳۴۵ کتاب الصوم)

وَمِثْلُهٗ في خلاصة الفتاوىٰ ج ۱ ص ۲۵۱ کتاب الصوم الفصل الثاني في المقدمة۔

بدن تک پہنچنا مفطر صوم نہیں ہے بلکہ یہ اس وقت مفطر صوم ہے جب معتاد ذرائع سے بدن میں داخل ہو کر پیٹ یا دماغ تک پہنچے۔ جدید تحقیقات کی روشنی میں انجکشن کے اثرات معدہ یا دماغ تک نہیں پہنچتے بلکہ یہ رگوں میں حلول کر کے بدن کو راحت پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہیں اسلیئے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، چونکہ یہ علت ہر قسم کے انجکشن میں موجود ہے اس لیے کسی بھی انجکشن (خواہ رگ والا ہو یا عام) سے روزہ متاثر نہیں ہوتا جیسا کہ پیاس کے وقت مسامات کے ذریعے برودت کا پہنچنا مفطر صوم نہیں تاہم حتی الامکان روزہ کی حالت میں رگ والے انجکشن سے اجتناب کیا جائے۔

قال فی الهندیة: ومن اغتسل فی ماء وجد بردة فی باطنه لا یفطر۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۰۳ کتاب الصوم۔ الباب الرابع فیما یفسد)

قال ابن نجیمؒ: وفی التحقیق ان بین الجوفین منفذا اصلیا فما وصل الی جوف الرأس یصل الی جوف البطن۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۹ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد)[1]

روزے کی حالت میں شرمگاہ سے کھیلنا

سوال: کیا روزے کی حالت میں شرمگاہ سے کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: روزہ کی حالت میں شرمگاہ سے کھیلنا کوئی ایسا عمل نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے، تاہم اس عمل سے اجتناب بہتر ہے کیونکہ اس سے روزہ جانے کا خطرہ ضرور ہے۔

قال المرغینانیؒ: ولا بأس بالقبلة اذا أمن علی نفسه ای الجماع او الانزال ویکره اذا لم یأمن۔ (الهدایة ج ۲ ص ۱۹۹ کتاب الصوم۔ باب ما یوجب القضاء والکفارة)[2]

دانت نکالتے وقت نکلنے والے خون کے روزہ پر اثرات

سوال: تکلیف کی وجہ سے روزہ دار کیلئے دانت نکلوانا شرعاً

---

[1] قال اکمل الدین محمد بن محمودؒ: اذا علم ان الدواء الیابس وصل الی جوفه الی جوفه لم یفسد صومه عنده الا انه ذکر الرطب والیابس بناء علی العادة۔
(العنایة علی هامش فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۶ باب ما یوجب القضاء والکفارة)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۲۵۳ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث فیما یفسد الخ۔

[2] قال محمد بن عبد اللهؒ: (او قبل) ولم ینزل (او احتلم او انزل بنظر) ولو الی فرجها مرارا (او بفکر) وان طال مجمع۔ (رشامی ج ۲ ص ۳۹۵، ۳۹۶ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۲ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد۔

کیسا ہے؟ اگر دانت نکالتے وقت یا بعد میں خون نکل آئے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ معالجہ کی صورت میں دانت نکلوانا جائز ہے، البتہ دانت نکالتے وقت یا ویسے منہ سے خون بہہ جائے اور نگل لیا جائے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

قال ابن نجیمؒ:۔ اذا خرج من الاسنان ودخل الحلق ان کانت الغلبة للبذاق لایفسد صومه وان کانت للدم فسد۔ (بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۳ باب مایفسد الصوم ومالایفسد)[1]

قے کا بلا قصداً آنا مفسدِ صوم نہیں

سوال:۔ روزہ دار کو اگر قے آجائے اور اس کا کچھ حصہ اندر چلا جائے تو اس کے روزے کی صحت کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ قے کا خود بخود آجانا فسادِ صوم کا سبب نہیں، البتہ اگر چنے کی مقدار یا اس سے زائد حصہ خوراک لوٹا دی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا البتہ بلا قصد قے کے اندر جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

قال العلامة الحصکفیؒ:۔ وان ذرعه القیئ وخرج) ولم یعد (لایفطر مطلقاً) ملأ اولا (فان عاد) بلاصنعه (و) لو هو ملأ الفم مع تذکره للصوم (لایفسد) قال ابن عابدینؒ: ان کان ملأ الفم واعاده اوشیئاً منه قدر الحمصة فصاعداً افطر اجماعاً لانه خارج ادخله جوفه ولوجود الصنع۔ (شامی ج ۲ ص ۴۱۴ کتاب الصوم۔ باب مطلب فی الکفارة)[2]

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ:۔ (او خرج الدم من بین اسنانه ودخل حلقه) یعنی ولم یصل الی جوفه اما اذا وصل فان غلب الدم او تساویا فسد والا لا، الا اذا وجد طعمه۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۳۹۶ کتاب الصوم۔ باب مایفسد الصوم)

وَمِثْلُهٗ فی فتاوٰی تاتارخانیة ج ۲ ص ۳۶۹ کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالایفسد۔

[2] قال ابن الهمام رحمه الله:۔ والکل اما ان خرج او عاد او اعاده فان ذرعه وخرج لایفطر قل او کثر لاطلاق ما روینا وان عاد بنفسه وهو ذاکر للصوم ان کان ملأ الفم فسد صومه عند ابی یوسفؒ لانه خارج شرعاً حتی انتقضت به الطهارة وقد دخل وعند محمد لایفسد وهو الصحیح الخ

(فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۹ باب مایوجب القضاء والکفارة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۴ باب مایفسد الصوم ومالایفسد۔

پانی میں غوطہ لگانا مفسدِ صوم نہیں

سوال:- اگر روزہ دار کسی تالاب یا حوض میں غوطہ لگائے، اس طرح اس کا روزہ کہاں تک متاثر ہوتا ہے؟

الجواب:- اگر منہ میں پانی داخل نہ ہو بلکہ کان میں پانی یا بدن میں برودت (ٹھنڈک) کا احساس ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا البتہ اگر پانی بدن میں داخل ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا تاہم ایسے عمل سے اجتناب مناسب ہے۔

قال عالم بن العلاءؒ:- ولو اغتسل - وفی الفتاویٰ العتابیة او خاض الماء فدخل الماء أذنه لایفسد صومه بلاخلاف۔ (فتاویٰ تاتارخانیة ج۲ ص۳۶۴ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث مایفسد الصوم الخ)[1]

روزہ کی حالت میں احتلام ہو جانے کا حکم

سوال:- روزہ دار کو اگر احتلام ہو جائے تو اس کے روزہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- احتلام ہو جانا ایسا عمل نہیں جو روزے کے منافی ہو، اس لیے روزہ کی حالت میں احتلام ہو جانے سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال برهان الدین رحمه الله:- فان نام فاحتلم لم یفطر لقوله صلی الله علیه وعلیٰ آله وسلم ثلث لایفطرن الصیام القیٔ والحجامة والاحتلام۔ الخ (الهدایة ج۱ ص۱۹۹ کتاب الصوم)[2]

روزہ میں بیوی سے بوس وکنار کا حکم

سوال:- روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کس درجہ کا انتفاع شرعًا جائز ہے؟

الجواب:- طرفین کے امن کی صورت میں لمس وتقبیل اور بوس وکنار میں کوئی حرج نہیں تاہم اگر فساد کا خطرہ ہو تو ایسا کرنا بھی مکروہ ہے۔

قال محمد رحمه الله:- (و) کره (قبلة) ومس ومعانقة ومباشرة فاحشة

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ:- ان خاض الماء فدخل أذنه لایفسد۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۷۸ باب مایفسد الصوم ومالایفسد)
ومثلهٗ فی تبیین الحقائق ج۱ ص۳۲۳ باب مایفسد الصوم ومالایفسده۔

[2] قال العلامة الحصکفیؒ:- او احتلم او انزل بنظر ولو الی فرجها مرارًا او بفکر ..... لم یفطر۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۳۹۶ کتاب الصوم۔ باب مایفسد الصوم)
ومثلهٗ فی تبیین الحقائق ج۱ ص۳۲۲ باب مایفسد الصوم ومالایفسده۔

(ان لم یأمن) المفسد وان امن لا بأس۔ (فتاویٰ شامی ج ۲ ص ۴۱۷ کتاب الصوم مطلب فیما یکرہ للصائم) [1]

روزہ کی حالت میں بھول کر کھانے پینے کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں بھول کر روزے کے منافی کام کا ارتکاب کرے تو اس سے روزہ کی حقیقت پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب: روزہ تب فاسد ہوتا ہے جب روزہ کے منافی کوئی کام دیدہ دانستہ کیا جائے محض بھول کر کھانے پینے یا جماع کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

قال عبدالرحمٰن الجزیریؒ: اما النسیان فانہ لا یفسد الصیام اصلاً فلا یجب بہ قضاء ولا کفارۃ۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۱ ص ۵۲۵ باب ما یوجب القضاء ودون الکفارۃ ... الخ) [2]

حوض میں غسل کرتے وقت خروج ریح مفسد صوم نہیں

سوال: کسی تالاب میں نہاتے وقت اگر ہوا خارج ہو جائے اور استرخاء کی وجہ سے پانی اندر جانے کا احتمال پیدا ہو جائے تو کیا صرف اس احتمال کی وجہ سے روزہ پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب: محض استرخاء مفاصل کی وجہ سے پانی کے اندر جلنے کے احتمال سے روزہ فاسد نہیں ہوتا تاہم مکروہ ہونے کی وجہ سے اجتناب ضروری ہے۔

قال فی الہندیۃ: ولو فسا الصائم او ضرط فی الماء لا یفسد الصوم ویکرہ لہ ذلک ہکذا فی معراج الدرایۃ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۹۹ کتاب الصوم۔ الباب الثالث فیما یکرہ للصائم) [3]

---

[1] ولا بأس بالقبلۃ اذا امن علی نفسہ الجماع والانزال ویکرہ ان لم یأمن۔
(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۲۰۰ کتاب الصوم۔ الباب الثالث فیما یکرہ)
ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۲ باب ما یفسد الصوم ومالا یفسدہ۔

[2] قال برہان الدین رحمہ اللہ: اذا اکل الصائم او شرب او جامع ناسیاً لم یفطر۔ (الہدایۃ ج ۱ ص ۱۹۹ کتاب الصوم)
ومثلہ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۲۰۲ کتاب الصوم۔ الباب الرابع فیما یفسد۔ الخ

[3] قال العلامۃ سید احمد طحطاویؒ: ولا صام سبعۃ اشیاء: (قولہ ذوق شیء) مثلہ مثلہ فساءہ او ضراطہ فی الماء۔ (طحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص ۵۵۹ کتاب الصوم)

نسوار کا استعمال مفسدِ صوم ہے

سوال:۔ کیا نسوار منہ میں ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسوار استعمال کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا!

الجواب:۔ نسوار منہ میں ڈالنے سے لعاب کے ساتھ مل کر پیٹ کے اندر چلی جاتی ہے جو کہ فسادِ روزہ کا ذریعہ ہے بلکہ نسوار کے عادی لوگ تو اس کو غذا کا نعم البدل سمجھتے ہیں، اسلئے نسوار منہ میں ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ:۔ اختلفوا فی معنی التغذی قال بعضهم ان یمیل الطبع الی اکله وتنقضی شهوة البطن به وقال بعضهم هو ما یعود نفعه الی صلاح البدن وفائدته فیما اذا مضغ لقمة ثم اخرجها ثم ابتلعها فعلی الثانی یکفر لا علی الاول وبالعکس فی الحشیشة لانه لا نفع فیها للبدن وربما تنقص عقله ویمیل الیها الطبع وتنقضی بها شهوة البطن۔

(ردالمحتار ج۲ ص۴۱۱ کتاب الصوم۔ باب مایفسد الصوم) [۱]

بندوق کی گولی مفسدِ صوم ہے

سوال:۔ بندوق کی گولی پیٹ میں لگنے سے روزہ پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ بندوق کی گولی اگر پیٹ میں لگ کر باہر نکل جائے تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، البتہ اگر گولی پیٹ میں ہی رہ جائے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

قال العلامة شمس الدینؒ:۔ ولو طعن برمح حتی وصل الی جوفه لم یفطره لان کون الرمح بید الطاعن من یمنع وصوله الی باطنه حکماً فان بقی الزج فی جوفه فسد صومه (المبسوط للسرخسی ج۲ ص۹۸) [۲]

---

[۱] قال شیخ الاسلام ابی بکر بن علیؒ: قوله ومن ابتلع الحصاة او الحدید افطر ولا کفارة علیه ذکره بلفظ الابتلاع لان المضغ لا یتأتی فیه وانما افطر لوجود صورة الفطر ولا کفارة علیه لعدم المعنی وهو قضاء شهوة البطن۔ (الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۷۱ فصل فیما یفسد الصوم)

ومثلهٗ فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۳۶۱ باب فی بیان مالا یفسد الصوم۔

[۲] قال طاهر بن احمد بن عبد الرشیدؒ:۔ ولو طعن برمح فوصل الی جوفه ثم نزعه لا تفسد صومه ولو بقی الرمح فی جوفه اختلف المشائخ والصحیح انه لا یفسد صومه هٰذا فی نسخة الامام فخر الدین وفی التجرید یفسد۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۵۳ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث فیما یفسد الصوم)

ومثلهٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۲۶۶ باب ما یوجب القضاء والکفارة۔

رحم میں دوائی رکھنا مفسدِ صوم ہے

سوال:۔ اگر عورت کسی بیماری کی وجہ سے رحم میں بطورِ علاج دوائی رکھے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ علاج کے طور پر رحم میں دوائی رکھنا جائز ہے بشرطیکہ کسی دوسرے طریقہ سے علاج ممکن نہ ہو، تاہم جب دوائی روزہ کی حالت میں اندر رکھی جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، البتہ فرج کے بیرونی حصہ پر دوائی لگانا فسادِ صوم کا ذریعہ نہیں۔

قال طاهر بن احمدؒ:۔ وتکلم المشائخ فی الافطار فی اقبال النساء منهم من قال علی الخلاف ومنهم من قال تفسد بلاخوف وهو الصحیح۔ (خلاصة الفتاوٰی ج۱ ص۲۵۳ کتاب الصوم الفصل الثالث فیما یفسد الصوم)[1]

روزہ دار کیلئے ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنا

سوال:۔ روزہ دار کے لیے ٹوتھ پیسٹ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ٹوتھ پیسٹ میں معجون کا ذائقہ چکھا جاتا ہے بلکہ بسا اوقات دوائی کا حلق سے نیچے اترنے کا بھی احتمال ہوتا ہے اس لئے روزہ کی حالت میں اس کا استعمال مکروہ ہے اور اگر حلق سے اندر چلا جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

قال قاضی خانؒ:۔ وکذا اذا ذاقت شیئاً بلسانها لان فیه تعریض الصوم للفساد۔ (فتاوٰی قاضی خان ج۱ ص۹۷ الفصل الرابع فیما یکره للصائم وما لا یکره)[2]

بدنظری سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اگر روزہ کی حالت میں نظر بے جا استعمال ہو تو اس سے

---

[1] قال عالم بن العلاءؒ:۔ وتکلم المشائخ فی الافطار فی اقبال النساء منهم من قال هو علی هذا الاختلاف، ومنهم من قال: یفسد الصوم بلا خلاف کالحقنة وهو الصحیح۔
(فتاوٰی تاتارخانیة ج۲ ص۳۶۵ کتاب الصوم الفصل الرابع مایفسد الخ)
وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۴۴ باب مایفسد الصوم۔

[2] قال ابن الهمامؒ:۔ (قوله لما بینا) من انه تعریض للصوم علی الفساد اذ قد یسبق شیٔ منه الی الحلق فان من حام حول الحمی یوشك ان یقع فیه۔
(فتح القدیر ج۲ ص۲۶۸ باب مایوجب القضاء والکفارة)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۸۰ باب مایفسد ومالا یفسد۔

روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے۔

الجواب:۔ روزہ کی حالت میں نظر کی حفاظت بھی ایک ضروری امر ہے، نظر میں بے احتیاطی سے روزہ کی حقیقت لازمی طور پہ متاثر ہوتی ہے لیکن اس سے فسادِ صوم لازم نہیں آتا۔

قال ابن نجیمؒ: لان عینه لیس بمفطر۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۷۲ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد)[1]

دانتوں سے خون آنا مفسدِ صوم نہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرے دانتوں سے ہر وقت خون آتا رہتا ہے تو کیا اس سے میرے روزوں پر کچھ اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ دانتوں سے صرف خون کا نکل آنا مفسدِ صوم نہیں بلکہ اس میں قدرے تفصیل ہے کہ اگر خون قلیل مقدار میں ہو اور تھوک خون پر غالب ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا تاہم اگر خون کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اسی طرح اگر خون تھوک پر غالب ہو یا مساوی ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا مگر صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں۔

وفی الهندیة: الدم اذا خرج من الاسنان ودخل حلقه ان کانت الغلبة للبزاق لا یضرہ وان کانت للغلبة للدم یفسد صومه وان کان سواء افسد ایضاً استحساناً۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۰۳ کتاب الصوم۔ الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد)[2]

---

[1] قال العلامة فخر الدینؒ:۔ واما اذا انزل بنظر فلعدم المباشر: ولنا ان النظر مقصور علیه متصل بها فصار کالانزال بالتفکر۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص۳۲۳ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج ۲ ص۲۵۷ باب ما یوجب القضاء والکفارة۔

[2] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: او خرج الدم من بین اسنانه ودخل حلقه یعنی ولم یصل الی جوفه اما اذا وصل فان غلب الدم او تساویا فسد والا لا الا اذا وجد طعمه بزازیة۔

{الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۹٦
کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده}

وَمِثْلُهٗ فی البزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۹۸ کتاب الصوم، الثالث فیما یفسد وما لا یفسد۔

اِنہیلر کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! عصرِ حاضر میں طب کے میدان میں کافی ترقی ہوئی ہے، خاص کر دمہ جیسی خطرناک بیماری کے علاج میں اِنہیلر (ایک خاص قسم کی گیس) کامیاب ایجاد ہے جسے دمہ کے مریض بوقتِ ضرورت سانس کی رکاوٹ ختم کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ تو کیا اس کا استعمال روزے پر اثر انداز ہوتا ہے یا نہیں؟ وضاحت سے بیان فرمائیں؟

الجواب :۔ مذکورہ اِنہیلر پمپ کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر روزہ کی حالت میں انتہائی مجبوری کے وقت اس کو استعمال کیا گیا تو رمضان کے بعد اس روزے کی صرف قضا کرنا ہوگی کفارہ نہیں۔ تاہم اگر مریض کی حالت ایسی ہو کہ اس کے بغیر اس کا گذارہ نہ ہوتا ہو تو وہ روزہ نہ رکھے صرف فدیہ دینا ہوگا۔

حالتِ صوم میں آنکھوں میں دوائی ڈالنا

سوال :۔ اگر کسی کی آنکھوں میں بہت سخت تکلیف ہو تو کیا وہ روزہ کی حالت میں دوائی استعمال کرسکتا ہے؟ جبکہ دوائی ڈالنے کے بعد اس کا اثر حلق میں محسوس ہوتا ہے!

الجواب :۔ اسلام نے حالتِ اضطرار یعنی انتہائی تکلیف کے وقت رمضان کا روزہ افطار کرنے کی گنجائش بھی دی ہے کہ حاذق اور مسلمان طبیب کے مشورہ سے روزہ توڑ دیا جائے، البتہ آنکھوں میں دوائی ڈالنے سے روزہ متاثر نہیں ہوتا، اس لیے اگر تکلیف کے وقت روزہ کی حالت میں آنکھوں میں دوائی ڈالنا جائز ہے، اس عمل سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگرچہ اس دوائی کا اثر حلق کے اندر محسوس ہو۔

لما فی الھندیۃ: لو اقطر شیئاً من الدواء فی عینیہ لا یفطر صومہ عندنا وان وجد طعمہ فی حلقہ۔ (الفتاوى الھندیۃ ج ١ ص ٢٠٣ کتاب الصوم، باب مالا یفسد الصوم) لہ

لہ لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: او ادھن او اکتحل او   وان وجد طعمہ فی ...... لم یفطر حلقہ۔ قال ابن عابدینؒ: قولہ ان وجد طعمہ فی حلقہ ای طعم الکحل او الدھن کما فی السراج وکذا لو بزق فوجد لونہ فی الاصح۔

(رد المحتار ج ٢ ص ٣٩٥ کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم الخ)

روزہ کی حالت میں بار بار غسل کرنے یا سر دھونے کا حکم

سوال:- اگر رمضان کے روزے سخت گرمی کے موسم میں آجائیں تو کیا روزہ دار آدمی گرمی کی شدت کی وجہ سے بار بار غسل کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- شدتِ حرارت (سخت گرمی) کی وجہ سے حالتِ صوم میں بار بار غسل کرنا یا بار بار سر دھونا بشرطیکہ پانی کے قطرات حلق میں نہ جائیں، جائز اور مرخص ہے، ایسا کرنے سے روزے پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑے گا۔

عن بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر الناس فی سفرہ عام الفتح بالفطر وقال تقووا لعدوکم وصام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابو بکر قال الذی حدثنی لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالعرج یصب علی رأسہ الماء وھو صائم من العطش او من الحر۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۲ باب الصائم یصب علیہ الماء من العطش، کتاب الصوم)

روزہ کی حالت میں بیوی سے بغلگیر ہونا

سوال:- اگر کوئی شخص رمضان کے مہینے میں روزے کی حالت میں اپنی بیوی کے ساتھ بغلگیر ہو کر سو جائے اور دونوں میں سے کسی کو انزال نہ ہو تو کیا اس سے روزہ متاثر ہوگا یا نہیں؟ برائے مہربانی فقہ حنفی کی رُو سے جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:- روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینا، ایک دوسرے کے ساتھ چمٹنا یا بغلگیر ہو کر سو جانا ممنوع نہیں بشرطیکہ اپنے اوپر پوری قدرت ہو اور اگر قدرت نہ ہو تو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تاکہ کسی محظور میں نہ پڑ جائے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر میاں بیوی دونوں میں سے کسی کا انزال نہ ہوا ہو تو روزہ فاسد نہیں، البتہ دونوں میں سے جس کا بھی انزال ہو جائے تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور اس پر اس روزہ کی قضاء لازم ہوگی۔

لما قال العلامۃ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ، یا زن را بوسہ کرد یا مس بشہوت کرد اگر انزال شُد روزہ فاسد شود والا فاسد نہ شود۔

(مالا بد منہ ص ۹۷ کتاب الصوم)

باب القضاء والکفارۃ

(قضاء اور کفارہ کے احکام و مسائل)

سفر پر روانگی سے پہلے افطار کرنے والے کا حکم

سوال: ۔ کیا سفر کا ارادہ کرنے والے کے لیے روانگی سے پہلے گھر میں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی شخص نے ایسی حالت میں گھر میں کچھ کھا پی لیا تو اس پر قضاء لازم ہے یا کفارہ واجب ہے؟

الجواب: ۔ سفر پر نکلنے سے قبل افطار مرخص نہ ہونے کی وجہ سے اگر کسی شخص نے گھر میں کھانا کھایا اور پھر سفر پر روانہ ہوا تو اس پر کفارہ اور قضاء دونوں واجب ہیں، سفر کا ارادہ کفارہ پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ تاہم اگر خروج کے بعد روزہ افطار کیا تو صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں۔

لما قال الشیخ ابو اللیث السمرقندیؒ: ۔ ولو افطر ثم سافر فعلیہ الکفارۃ۔

(فتاوی نوازل ص۹۹ کتاب الصوم ۔ فصل فیما یفسد الصوم)[1]

قصداً روزہ نہ رکھنے کا حکم

سوال: ۔ اگر ایک شخص رمضان المبارک کی عظمت اور تقدس میں شک ڈال کر قصداً وعمداً روزہ نہ رکھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ۔ رمضان المبارک کے روزہ کو قصداً وعمداً توڑنے سے قضاء و کفارہ دونوں لازم ہوجاتے ہیں۔ شریعتِ مقدسہ نے کفارہ میں اوّلاً غلام آزاد کرنا مقرر کیا ہے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دو مہینے مسلسل روزے رکھے اور اگر روزوں کی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مساکین کو دو وقت کا کھانا کھلائے یا صدقہ کی مقدار کے برابر ہر مسکین کو غلہ یا رقم دے۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ قضاء کا روزہ اس کے علاوہ ہے جس کا رکھنا تینوں صورتوں میں ضروری ہے۔

لما قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: ۔ ولو اکل او شرب ما یتغذی بہ او یتداوی

---

[1] لما قال العلامۃ محمد کامل الطرابلسیؒ: ان سافر بعد طلوع الفجر لا یفطر ذلک الیوم لانہ لزمہ صومہ وھو مقیم فلا یبطلہ باختیارہ فان افطر قبل الخروج فعلیہ القضاء والکفارۃ بخلاف مالو افطر بعد الخروج فعلیہ القضاء دون الکفارۃ۔ (الفتاوی الکاملیۃ ص۱۶ کتاب الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی فتاوی تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۸۵ کتاب الصوم ۔ الاسباب المبیحۃ للفطر۔

به فعلیه القضاء والکفارة .... وکفارة الظهار۔ قال العلامة بدر الدین العینیؒ: تحت قوله مثل کفارة الظهار ای الکفارة التی تجب بالوقاع مثل کفارة الظهار وهی عتق رقبة فان لم یجد فصیام شهرین متتابعین فان لم یستطع فاطعام ستین مسکیناً لکل مسکین نصف صاع من بر او صاع من تمر الخ (البنایة شرح الهدایة ج۴ ص۳۰۸ باب ما توجب القضاء والکفارة)[1]

رمضان میں دن کے وقت بیوی سے جماع موجب کفارہ وقضاء ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص ماہ رمضان میں دن کے وقت اپنی بیوی سے روزہ کی حالت میں جماع کرے اور اس عمل پر نادم بھی ہو تو اس کو کیا کرنا چاہیئے؟ کیا عورت پر بھی کفارہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں دن کے وقت جماع کرنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے جس کے بدلے میں قضاء وکفارہ دونوں لازم ہیں، ایسے عمل پر اگر میاں بیوی دونوں راضی ہوں تو دونوں پر کفارہ وقضاء واجب ہے ورنہ بیوی کو مجبور کرنے کی صورت میں بیوی پر صرف قضاء اور خاوند پر قضاء وکفارہ دونوں واجب ہوں گے۔

قال طاهر بن احمدؒ:۔ اذا جامع امرأته متعمداً فی نهار رمضان فعلیه القضاء والکفارة اذا توارت الحشفة انزل او لم انزل۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۵۹ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث فیما یفسد۔ الخ)[2]

---

[1] لما قال العلامة التمرتاشیؒ:۔ ان جامع فی رمضان اداء او جومع فی احد السبیلین او اکل او شرب غذاء او دواء عمداً او احتجم فظن فطره به فاکل عمداً قضی وکفر ککفارة المظاهر۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: تحت قوله ککفارة المظاهر مرتبط بقوله وکفر ای مثلها فی الترتیب فیعتق اوّلاً فان لم یجد صام شهرین متتابعین فان لم یستطع اطعم ستین مسکیناً۔

(رد المحتار ج۲ ص۴۱۲ مطلب فی الکفارة)

وَمِثْلُهٗ فی طحطاوی ص۳۶۶ فصل فی الکفارة ومایسقطها عن الذمه بعد الوجوب)

[2] قال برهان الدینؒ:۔ ومن جامع فی احد السبیلین عامداً فعلیه القضاء استدراکاً للمصلحة الفائتة والکفارة لتکامل الجنایة۔ (الهدایة ج۱ ص۲۰۱ کتاب الصوم)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۹۱ کتاب الصوم فصل رکنه۔

کفارہ سے بچنے کا حیلہ

سوال:۔ ایک شخص نے خواہشات سے مجبور ہو کر بیوی سے جماع کا ارادہ کیا لیکن رمضان میں کفارہ کے وجوب کا ڈر بھی تھا، کفارہ سے بچنے کے لیے اس نے یہ حیلہ سوچا کہ پہلے منہ میں کاغذ رکھوں تاکہ روزہ ٹوٹ جائے، چنانچہ روزہ ٹوٹ جانے کے بعد اُس نے بیوی سے جماع کیا، کیا اس شخص پر اس صورت میں کفارہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کاغذ منہ میں رکھ کر نگل لیا ہو تو حیلہ کارآمد ہو کر روزہ ٹوٹ جانے سے قضاء واجب ہے اور جماع کرنے پر کفارہ واجب نہیں کیونکہ جماع کے وقت اس کا روزہ نہیں تھا تاہم گناہ ضرور ہے، البتہ اگر کاغذ منہ میں رکھا ہوا ہو حلق سے نیچے نہیں اُترا ہو تو پھر حیلہ بے سود ہو کر قضاء و کفارہ دونوں واجب رہیں گے، کیونکہ صرف منہ میں کاغذ رکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

قال طاھر بن احمدؒ:۔ ولو اکل حصاۃ او نواۃ او حجرا او مدرا فعلیہ القضاء ولا کفارۃ وکذا لو اکل القطن او الحشیش او التراب او الکاغذ او السفرجل اذا لم یکن مدرکا۔ (خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۵۵ کتاب الصوم الفصل الثالث فیما یفسد)[1]

روزہ کی حالت میں منجن کے استعمال کا حکم

سوال:۔ منجن کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ منجن کا استعمال روزہ کی حالت میں کسی چیز کو چکھنے کی طرح سے مکروہ ہے تاہم اگر عادتاً معدہ میں پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: او ذاق شیئا بفمہ وان کرہ لم یفطر۔ قال ابن عابدینؒ تحت قولہ ان کرہ ای الاکل کما یأتی۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۹۶ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ مطلب فی حکم الاستمناء بالکف)

قال الحصکفیؒ:۔ وکرہ مضغ علک ابیض ممضوغ ملتئم والا فیفطر۔ قال ابن عابدینؒ تحتہ: فان کان مما یصل عادۃ حکم بالفساد لانہ

---

[1] لما قال قاضی خان رحمہ اللہ:۔ اذا اکل الصائم ما لا یؤکل عادۃ کالحصاۃ والنواۃ وکالقطن والحشیش والتراب والکاغذ والبزاق...... فسد صومہ۔ (فتاوی قاضی خان ج۱ ص۱۰۲ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۲۰۲ الباب الرابع فیما یفسد۔ کتاب الصوم۔

کالمتیقن۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۱۶ مطلب فیما یکرہ للصائم)[1]

ناس کا روزہ پر اثر انداز ہونے کا حکم

سوال:۔ ناس کے سونگھنے سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے، اور ناس کی حقیقت کیا ہے؟

الجواب:۔ ناس ہندی زبان کا لفظ ہے، فیروز اللغات میں اس کا معنیٰ نسوار لکھا ہے اور اس کا استعمال ناک کے ذریعے ہوتا ہے۔ چونکہ اس نسوار کے ذرات اتنے باریک ہوتے ہیں کہ سانس کے ذریعے جوفِ دماغ یا جوفِ معدہ میں پہنچ جاتے ہیں جو کہ مفسدِ صوم ہے لہٰذا ناس سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

لما قال فی الهندیة:۔ وفی دواء الجائفة والآمة اکثر المشائخ علی ان العبرة للوصول الی الجوف والدماغ لا لکونه رطباً او یابساً حتی اذا علم ان الیابس وصل یفسد صومه ولو علم ان الرطب لم یصل لم یفسد۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۰۴ الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد)[2]

دھوئیں اور غبار کے روزے پر اثرات

سوال:۔ دھواں اور گرد و غبار اگر حلق کے اندر چلا جائے تو اس سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ دھواں یا گرد و غبار اگر حلق کے اندر بلا قصد چلا جائے تو روزہ متاثر نہیں

---

[1] لما قال الامام برهان الدین المرغینانیؒ:۔ ومن ذاق شیئاً بفمه لم یفطر لعدم الفطر صورة و معنیً ویکره له ذلک لما فیه من تعریض الصوم علی الفساد۔ قال العلامة بدر الدین العینیؒ: تحت قوله من تعریض الصوم علی الفساد لانه لا یؤمن ان یصل الی جوفه ..... قال ایضاً تحت قوله ومضغ العلک لا یفطر الصائم لانه لا یصل الی جوفه وقیل اذا لم یکن ملتئماً یفسد لانه یصل الیه) ای الی جوفه بعض اجزائه) لانه اذا لم یکن ملتئماً یتفتت فیدخل فی حلقه من ذلک شیٔ فیفسد صومه۔ (البنایة شرح الهدایة ج۴ ص۴۱۷،۴۱۸ باب ما یوجب القضاء والکفارة)

ومثله فی امداد الفتاوی ج۲ ص۱۴۱ کتاب الصوم۔

[2] لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ:۔ وما وصل الی جوف الرأس والبطن من الاذن والانف والدبر فهو مفطر بالاجماع وفیه القضاء۔

(خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۵۳ الفصل الثالث فیما یفسد الصوم وفیما لا یفسد)

ومثله فی امداد المفتیین ج۱ ص۴۹۲ المعروف بفتاوی دارالعلوم دیوبند)

ہونا البتہ اگر قصداً وعمداً ادخال کی صورت ہو تو روزہ فاسد ہو کر قضاء کا موجب بن جاتا ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ او دخل حلقه غبار او ذباب او دخان ولو ذاکراً استحساناً لعدم امکان التحرز عنه ومفاده انه لو ادخل حلقه الدخان افطر ای دخان کان ولو عوداً او عنبراً لو ذاکراً لامکان التحرز عنه۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۹۵ باب ما یفسد الصوم ومالا یفسده)[1]

روزہ رکھنے کی طاقت کے باوجود فدیہ دینا بے سود ہے

سوال:۔ کفارہ کے وجوب کی صورت میں اگر روزہ کی استطاعت ہو تو کیا فدیہ کی ادائیگی مفید ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ روزہ رکھنے کی استطاعت کے باوجود فدیہ دینا بے سود ہے، ایسی حالت میں روزہ رکھنا ضروری ہے تاہم اگر روزہ رکھنے کی استطاعت نہ ہو تو فدیہ دینا جائز ہے۔

لما قال العلامۃ بدرالدین العینیؒ: والکفّارۃ مثل کفّارۃ الظهار ای الکفّارۃ التی تجب بالوقاع مثل کفّارۃ الظّهار وهی عتق رَقَبَة فان لم یجد فصیام شهرین مُتتابعین فان لم یستطع فاطعام ستین مسکیناً الخ۔ (البنایۃ شرح الہدایۃ ج۴ ص۳۰۸ باب ما یوجب القضاء والکفّارۃ)[2]

جبراً روزہ افطار کرانے پر قضاء لازم ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص پر جبر کر کے روزہ افطار کرایا جائے تو کیا اُس پر کفّارہ لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی نے زبردستی کر کے دوسرے کا روزہ افطار کرایا تو کھانے پینے والے پر

---

[1] لما قال العلامۃ عبدالعلی البحرالعلوم:۔ ولو دخل ما لا یستطاع الاحتراز عنه فی الجوف بلا صنع منه کالدّخان والغبار لا یضر الصوم لان التکلیف بحسب الوسع واما لو ادخل الدخان کما یعتاد الیوم فی اکثر الناس فینبغی ان یفسد به الصوم خصوصاً دخان التنباك لانه یورث القرح وتحصل التسکین للمعتادین ودخول الذباب فی الحلق من قبیل الدخان عندنا۔ (رسائل الارکان ص۲۱۱ بیان دخول الدخان لغبار فی الجوف)

وَمِثلُهُ فی حاشیۃ الہدایۃ ج۱ ص۲۰۰ باب ما یوجب القضاء والکفّارہ۔

[2] لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ:۔ تحت قوله ککفارۃ الظهار مرتبط بقوله وکفّر ای مثلها فی الترتیب فیعتق اولاً فان لم یجد فصام شهرین مُتتابعین فان لم یستطع اطعم سِتّینَ مسکیناً۔ الخ (ردالمحتار ج۲ ص۴۱۲ مطلب فی الکفّارۃ)

وَمِثلُهُ فی طحطاوی ص۳۶۶ فصل فی الکفّارۃ وما یسقطها عن الذمّۃ بعد الوجوب۔

کفارہ واجب نہیں البتہ اُسی دن کی قضاء لازم ہوگی۔

قال شمس الدین سرخسیؒ:- ولو اکرہ علی اکل وشرب فعلیہ القضاء دون الکفارہ۔

(مبسوط سرخسی ج۳ ص۹۸ باب مایفسد الصوم) [1]

غروبِ آفتاب سے قبل افطار موجبِ قضاء ہے

سوال:- ایک شخص نے غروبِ آفتاب کے وقت عید کا چاند دیکھ کر یہ خیال کیا کہ آج عید کا دن ہے اور یہ چاند دوسری رات کا ہے اس لیے آج ہمارا روزہ جائز نہیں، پھر اس نے فوراً روزہ توڑ کر دوسروں کو بھی افطار کرنے کی دعوت دی، تو ایسے شخص کے روزہ کا کیا حکم ہے؟ کیا اس پر صرف قضاء واجب ہے یا کفارہ یا دونوں؟

الجواب:- روزہ اور عید کا دارومدار باقاعدہ چاند کی رؤیت پر ہے، حساب وکتاب کی روشنی میں عید منانا از روئے شرع مرخص نہیں۔ صورتِ مذکورہ میں محض چاند کی کمیت وکیفیت سے روزہ توڑنا مناسب نہیں، اگر پہلے دن کی باقاعدہ رؤیت نہ ہو تو اس شخص پر قضاء وکفارہ دونوں واجب ہیں۔

قال طاہر بن احمد رحمہ اللہ:- ولو افطر واکثر رأیہ ان الشمس لم تغرب فعلیہ القضاء والکفارۃ لان النہار کان ثابتاً وقد انضم الیہ اکبر رأیہ فصار بمنزلۃ الیقین۔ (خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۵۶ کتاب الصوم- الفصل الثالث فیما یفسد- الخ) [2]

بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے والے کا حکم

سوال:- اگر ایک شخص ضعف وبڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو کیا

---

[1] قال برہان الدین رحمہ اللہ:- ولو کان مخطیاً او مکرہاً فعلیہ القضاء۔

(الہدایۃ ج۱ ص۱۹۹ کتاب الصوم، باب ما یوجب القضاء والکفارۃ)

ومثلہٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۲۵۵ کتاب الصوم۔

[2] قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ:- (الفجر طالع والشمس لم تغرب) عملاً بالاصل فیہما۔ قال ابن عابدین رحمہ اللہ: ای فی الاول والثانی فان الاصل فی الاول بقاء اللیل، فلا تجب الکفارۃ وفی الثانی بقاء النہار فتجب علی احد الروایتین کما علمت۔

(شامی ج۲ ص۴۰۵ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم)

ومثلہٗ فی الہدایۃ ج۱ ص۲۲۵ باب ما یفسد الصوم۔

فدیہ دے کر اس کا ذمہ فارغ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- ایسا شخص جو ضعف و پیرانہ سالی کی وجہ سے روزہ کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کے لیے روزہ کی جگہ فدیہ ادا کرنا جائز ہے جو کہ ایک روزہ کے بدلہ نصف صاع یعنی ایک سو چالیس تولہ گندم یا اس کی مروجہ قیمت کی ادائیگی ہے۔

قال عبدالرحمٰن جزری رحمہ اللہ:- الشیخ الفانی الذی لا یقدر علی الصوم فی جمیع فصول السنة یفطر وتجب من کل یوم فدیة طعام مسکین۔ (کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعة ج ۱ ص ۵۷۶ کتاب الصوم)[1]

میت کے ذمہ روزوں کا حکم

سوال:- اگر بیمار کو بیماری سے شفا ملنے کے بعد اتنا وقت ملا ہو کہ اس میں وہ قضاء روزے رکھ سکتا تھا لیکن سستی کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکا اور اچانک وفات پا گیا، ایسی صورت میں پسماندگان و ورثاء کے لیے کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:- مذکورہ صورت کے مطابق اگر روزے رکھنے کا موقع نہ ملے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور نہ ورثاء پر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، البتہ اگر موقع ملا ہو اور قدرت کے باوجود روزے نہ رکھے تو عِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَر ملنے کی وجہ سے روزے واجب رہیں گے۔ اگر مرتے وقت وصیت کی ہو تو ورثاء کو ثلث مال سے وصیت کے مطابق عمل کرکے فدیہ ادا کرنا ضروری ہے، وصیت نہ کرنے پر میت گنہگار رہے، تاہم تبرع اور احسان کرکے ورثاء بلا وصیت بھی فدیہ ادا کر سکتے ہیں۔

قال محمد بن اسرائیل رحمہ اللہ:- لو افطر المریض یقضی بلا فدیة ولو مات قبل البرء لا شئ علیه اذ لم یدرك عِدَّةً من ایامٍ اُخر وعلیه ان یوصی بفدیة مکان کل یوم نصف صاع من بر یجوز فیها ما یجوز فی صدقة الفطر ورد النص فیه ویعتبر ذٰلك من ثلث ماله ولو لم یوص وتبرع عنه ورثته جاز ولا یلزمهم بلا ایصاء عندنا۔ (جامع الفصولین ج ۲ ص ۱۹۸ کتاب الصوم)[2]

---

[1] قال فی الهندیة:- فالشیخ الفانی الذی لا یقدر علی الصیام یفطر ویطعم لکل یوم مسکیناً کما یطعم فی الکفارة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۰۷ کتاب الصوم۔ الباب الخامس فی الاعذار التی تبیح الافطار)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۰۵ کتاب الصوم۔ فصل فی حکم الصوم المؤقت۔

[2] قال ابن نجیم رحمہ اللہ:- (ولا قضاء ان ماتا علیهما) ای ولا قضاء علی المریض والمسافر اذا ماتا قبل الصحة والاقامة لانهما لم یدرکا عدة من ایامٍ اُخر فلم یوجد شرط وجوب الاداء فلم یلزم القضاء وقید به لانه لو صح المریض او اقام المسافر ولم یقض حتی مات لزمه الایصاء بقدره وهو مصرح به فی بعض نسخ المتن لوجود الادراك بهذا المقدار۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۸۳ فصل فی العوارض)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۲۶۲ کتاب الصوم۔ الفصل الرابع النذر۔

روزہ کی حالت میں دانت میں دوائی ڈالنا

سوال :۔ شدتِ درد کی وجہ سے اگر دانتوں میں دوائی ڈالی گئی یا دانت نکلوانے کے بعد تکلیف ناقابلِ برداشت ہو تو روزہ افطار کیا جا سکتا ہے یا نہیں، اور کیا اس روزے کی قضاء واجب ہو گی یا کفارہ؟

الجواب :۔ دانت کا درد اگر برداشت سے باہر ہو تو ایسی حالت میں دوا استعمال کر لینا جائز ہے اور اس کے لیے روزہ افطار کرنا مرخص ہے جس کی وجہ سے قضاء واجب ہے کفارہ نہیں۔

قال قاضی خانؒ :۔ لا فرق بین الرطب والیابس اذا وصل الجوف فسد صومہ وان لم یصل لا یفسد وذکر فی الاصل انہ یفسد الصوم مطلقاً بناءً علی الغالب والغالب ھو الوصول الی الجوف وذکر الشرط فی تفسیر المجدد۔ (فتاوی قاضی خان ج۱ ص[illegible] الفصل الخامس فیما لا یفسد الصوم) ۱؎

شرمگاہ میں اُنگلی داخل کرنے سے روزہ کا حکم

سوال :۔ اگر عورت اپنی قُبل میں یا مرد اپنی دُبر میں اُنگلی داخل کرے تو کیا اس سے روزہ پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ اگر انگلی داخل کرتے وقت خشک ہو تو روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ تیل یا پانی سے اگر تر کر کے داخل کیا جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضاء واجب ہو گی کفارہ نہیں تاہم اس سے اجتناب ہر حالت میں ضروری ہے۔

قال فخر الدین الزیلعیؒ :۔ لو ادخلت الصائمۃ اصبعھا فی فرجھا او دبرھا لا یفسد علی المختار الا ان تکون مبلولۃ بماء او دھن۔ (تبیین الحقائق ج۱ ص۳۳۰ باب ما یفسد الصوم) ۲؎

۱؎ قال عالم بن العلاءؒ :۔ ان فعل ذٰلک بہ من غیر اختیارہ او باختیارہ لان بہ عذراً لا تلزمہ الکفارۃ۔ (فتاوی تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۶۵ کتاب الصوم۔ الفصل الرابع فیما یفسد الخ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۸۲ فصل فی العوارض۔

۲؎ قال العلامۃ الحصکفیؒ : (او ادخل اصبعہ الیابسۃ فیہ) ای دبرہ او فرجھا ولو مبتلۃ فسد۔ (شامی ج۲ ص۳۹۷ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۶۰ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث فیما یفسد الخ

عورت کے لیے کفارہ کا طریقہ

سوال: ۔ اگر عورت کو روزے کا کفارہ ادا کرنے کے دوران حیض آجائے تو کیا وہ دوبارہ از سرِ نو روزے رکھے گی یا نہیں؟

الجواب: ۔ ادائے کفارہ کے دوران اگر عورت کو حیض آجائے تو اس کے غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے روزوں کی توالی (پے درپے) پر کوئی اثر نہیں پڑتا تاہم حیض کے ختم ہوتے ہی فوراً روزہ رکھا جائے گا تاخیر کی صورت میں استیناف لازم ہوگا۔

قال العلامة شمس الدين سرخسي ؒ: ۔ فان كانت امرأة فافطرت فيما بين ذلك للحيض لم يكن عليها استقباله ۔ (مبسوط سرخسی ج۳ ص۸۹ کتاب الصوم)[1]

کفارہ میں تداخل ممکن ہے

سوال: ۔ ماہ رمضان میں متعدد بار روزہ افطار کرنے یا پھر متعدد ماہ رمضان میں کئی مرتبہ جماع یا افطار کرکے ان میں تداخلِ کفارہ ممکن ہے یا نہیں؟

الجواب: ۔ تداخلِ کفارہ کے بارے میں فقہاء کرام کے متعدد اقوال ہیں، ظاہر الروایت اور محتاط قول یہ ہے کہ ہر روزے کا الگ الگ کفارہ ادا کیا جائے تاہم اکثر فقہاء کرام نے تداخلِ کفارہ کی صورت اختیار کی ہے اس لیے کفارہ میں تداخل مرخص ہے۔

قال العلامة الحصكفي ؒ: ۔ ولو تكرر فطره ولم يكفر للاول يكفيه واحدة ولو في رمضانين عند محمدٌ وعليه الاعتماد بزازية ومجتبى وغيرهما واختار بعضهم للفتوى ان الفطر بغير الجماع تداخل والا لا ۔
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۴۱۳ کتاب الصوم ۔ مطلب في الكفارة)[2]

---

[1] قال ابن نجيم ؒ: وكذا في كفارة القتل والظهار للنص على التتابع لا لعذر الحيض لانها لا تجد شهرين عادة لا تحيض فيهما لكنها اذا طهرت تصل بما مضى فان لم تصل استقبلت ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۷۷ باب ما يفسد الصوم ... الخ)
وَمِثْلُهٗ في فتاوى قاضي خان ج۱ ص۱۰۱ الفصل الخامس فيما يفسد الصوم ۔

[2] قال ابن نجيم ؒ: ۔ ولو جامع مراراً في ايام من رمضان واحد ولم يكفر كان عليه كفارة واحدة لانها شرعت للزجر وهو يحصل بواحدة فلو جامع وكفر ثم جامع مرة اخرى فعليه كفارة اخرى في ظاهر الرواية للعلم بان الزجر لم يحصل بالاول ولو جامع في رمضانين فعليه كفارتان وان لم يكفر للاولى في ظاهر الرواية وهو الصحيح ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۷۷ باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده)
وَمِثْلُهٗ في بدائع الصنائع ج۲ ص۱۰۱ کتاب الصوم ۔ فصل في حكم فساد الصوم ۔

روزہ کی حالت میں جماع مع حائل کا حکم

سوال:۔ رمضان میں اگر بیوی سے جماع کرتے وقت کوئی چیز حائل ہو تو کیا اس سے کفارہ ساقط ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی چیز کے حائل ہونے کے باوجود حرارت اور لذت محسوس ہو تو جماع بلا حائل اور مع حائل دونوں کا حکم ایک ہے، قضاء و کفّارہ دونوں واجب ہوں گے، تاہم بصورتِ حائل اگر حرارت محسوس نہ ہو تو صرف قضاء واجب ہوگی۔

قال ابن نجیمؒ:۔ کذا فی المعراج والمراد باللمس اللمس بلا حائل فان مسھا وراء الثیاب فامنی فان وجد حرارۃ جلدھا فسد والا فلا۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۷۲،۲۷۳ باب ما یفسد وما لا یفسد)[1]

اغلام (لواطت) موجبِ کفّارہ و قضاء ہے

سوال:۔ کیا لواطت جیسا قبیح کام کرنے سے کفّارہ واجب ہوتا ہے یا صرف قضاء کافی ہے؟

الجواب:۔ قضاءِ شہوت کا محل مشتہات ہونا ضروری ہے جو احد السبیلین ہے، ایسی جگہوں کو جب بھی روزہ کی حالت میں استعمال کیا جائے تو کفّارہ و قضاء دونوں واجب ہو جاتے ہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں دونوں لازم ہیں۔

قال العلامۃ فخر الدین الزیلعیؒ: وقولہ او جومع نص علی انھا تجب علی المفعول بہ وعلی المرأۃ ان کان بطوعھا۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص۳۲۷ باب ما یفسد الصوم)[2]

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ:۔ قولہ ولو بحائل لا یمنع الحرارۃ) نقیض ما بعد لو وھو عدم الحائل المذکور اولیٰ بالحکم وھو وجوب القضاء لکن لا تظھر الاولویۃ بالنظر الی عدم الکفّارۃ مع ان الکلام فیما یوجب القضاء دون الکفّارۃ وقید الحائل بکونہ لا یمنع الحرارۃ لما فی البحر لو مسّھا وراء الثیاب فامنیٰ فان وجد حرارۃ جلدھا فسد والا فلا۔

(شامی ج ۲ ص۴۰۱ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۲۰۴ کتاب الصوم۔ الباب الرابع فیما یفسد الصوم۔ الخ

[2] قال العلامۃ قاضیخانؒ: وان جامعھا فی دبرھا او جامع امتہ فی دبرھا متعمّداً علیہ القضاء والکفّارۃ انزل او لم ینزل۔ (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص۱۰۱ الفصل الخامس فی ما یفسد الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی الاشباہ والنظائر ج ۲ ص۷۹ کتاب الصوم۔

روزہ کی حالت میں زنا کرنے پر قضاء اور کفارہ کا وجوب

سوال:۔ بظاہر زنا کرنے سے انسان پر حد جاری ہوتی ہے، تو کیا حد کے اجراء کی وجہ سے کفّارہ کے وجوب پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع یا کسی اجنبیہ سے زنا کرنے میں وجوبِ قضاء اور کفّارہ میں کوئی فرق نہیں جبکہ حد کا اجراء الگ مسئلہ ہے جس کا کفّارہ و قضاء کے وجوب پر کوئی اثر نہیں پڑتا، تاہم جبر و اکراہ کی صورت میں کفّارہ واجب نہیں ہوتا۔

قال العلامة طاهر بن احمدؒ:۔ وان کانت المرأة مکرهة فعلیها القضاء دون الکفارة ولو کان الرّجل مکرها علی الجماع فعلیه الکفّارة فی قولِ ابی حنیفةؒ الاوّل ثم رجع وقال علیه القضاء دون الکفارة وهو قولهما وعلیه الفتوٰی۔
(خلاصة الفتاوٰی ج ۱ ص ۲۵۹ کتاب الصوم الفصل الثالث فیما یفسد الصوم)[1]

بہیمہ (جانور) سے وطی کرنے سے روزہ کا حکم

سوال:۔ کسی جانور کے ساتھ وطی کرنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جانوروں کے ساتھ وطی کرنے سے روزہ یقیناً فاسد ہو کر قضاء لازم ہو جاتی ہے اور کفّارہ لازمی نہیں تاہم نفسِ دخول سے روزہ فاسد نہیں ہوتا لیکن یہ فعل ہر صورت میں حرام ہے۔

قال العلامة قاضیخانؒ: وکذا اذا جامع بهیمة ولم ینزل او میتة ولم ینزل الخ وان انزل فی هٰذه الوجوه کان علیه القضاء دون الکفّارة۔ (فتاوٰی قاضی خان ج ۱ ص ۲۰۱ الفصل الخامس فیما یفسد الصوم)[2]

جماع کے بغیر انزال سے صرف قضاء واجب ہے

سوال:۔ احد السبیلین کے علاوہ اگر کسی حرکت سے

---

[1] قال فی الهندیة: ولو مکنت نفسها من صبیّ او مجنون فزنی بها فعلیها الکفّارة بالاتفاق۔ (الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص ۲۰۵ کتاب الصوم النوع الثانی ما یوجب القضاء والکفّارة)
وَمِثْلُهٗ فی تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۲۷ باب ما یفسد الصوم۔

[2] قال عالم بن العلاء رحمه اللّٰه:۔ ولو جامع میتة او بهیمة فلا کفّارة علیه انزل او لم ینزل۔ (فتاوٰی تاتارخانیة ج ۲ ص ۳۷۱ کتاب الصوم۔ الفصل الرابع فیما یفسد)
وَمِثْلُهٗ فی شامی ج ۲ ص ۳۹۹ کتاب الصوم۔ مطلب فی حکم الاستمناء بالکف۔

انزال ہو جائے تو اس پر قضاء اور کفّارہ دونوں واجب ہیں یا صرف قضاء؟

الجواب:۔ کفارہ چونکہ ایک عظیم جرمانہ ہے اور جرم کی نوعیت کو دیکھ کر اس کا حکم لگایا جاتا ہے، احد السبیلین کے علاوہ کسی اور طریقہ سے انزال میں چونکہ قضاء شہوت کامل طریقہ سے نہیں پایا جاتا اس لیے اس میں صرف قضاء واجب ہے اور کفّارہ کی ضرورت نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ:۔ او جامع فیما دون الفرج ولم ینزل یعنی فی غیر السبیلین کسرة وفخذ وکذا الاستمناً بالکف (او ادخل ذکرہ فی بهیمة) او میتة من غیر انزال او مس فرج بهیمة او قبلها فانزل او اقطر فی احلیله۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۹۸، ۳۹۹ کتاب الصوم باب ما یفسد الصوم) [1]

غیر رمضان میں روزہ افطار کرنے سے صرف قضاء لازم ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص رمضان کے علاوہ روزہ (بلا عذر شرعی) افطار کرے تو اس پر صرف قضاء لازم ہے یا کفّارہ بھی لازم ہے؟

الجواب:۔ رمضان کے علاوہ کسی دوسرے موقع پر روزہ توڑنے سے فقط قضاء واجب ہے خواہ روزہ فرض ہو یا نفل یا نذر ہو کفّارہ واجب نہیں ہوتا، یہ صرف رمضان کے ساتھ خاص ہے۔

وفی الهندیة:۔ ولا کفّارة بافساد صوم غیر رمضان کذا فی الکنز۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۱۵ کتاب الصوم۔ باب المتفرقات) [2]

سفر میں روزہ نہ رکھنے پر صرف قضاء واجب ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھے تو ایسے شخص کے لیے

---

[1] قال العلامة الکاسانیؒ:۔ ولو جامع بهیمة فانزل فسد صومه وعلیه القضاء ولا کفّارة علیه لانه وان وجد الجماع صورة ومعنی وهو قضاء الشهوة لکن علی سبیل القصور لسعة المحل ولو جامعها ولم ینزل لا یفسد۔ الخ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۹۲ کتاب الصوم۔ فصل فی ارکانه)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۲ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده۔

[2] قال العلامة برهان الدینؒ:۔ انّ الکفّارة تعلقت بجنایة الافطار فی رمضان علی وجه الکمال۔ (الهدایة ج ۱ ص ۲۱۹ باب ما یفسد الصوم) الخ

وَمِثْلُهٗ فی فتاوی قاضیخان ج ۱ ص ۱۰۳ الفصل الخامس فیما یفسد الصوم۔

شریعتِ مقدسہ کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- مسافر کے لیے حالتِ سفر میں روزہ نہ رکھنا مرخص ہے لہٰذا اگر کوئی شخص حالتِ سفر میں روزہ نہ رکھے تو اس پر صرف قضاء واجب ہے کفارہ نہیں ۔

قال قاضی خان رحمہ اللہ :- لواصبح المقیم صائماً ثم سافر فافطر بعد ذٰلک لاکفارۃ علیہ - (فتاوٰی قاضیخان ج ۱ ص ۱۰۲ الفصل السابع فیما یسقط الکفارۃ ومالا یسقط) [1]

استمناء بالید سے انزال میں قضاء واجب ہے

سوال :- روزے کی حالت میں اگر کوئی شخص استمناء بالید (ہاتھ سے انزال) کرے تو کیا اس شخص پر کفارہ واجب ہے یا صرف قضاء کافی ہے ؟

الجواب :- استمناء بالید میں چونکہ قضاءِ شہوت کامل نہیں ہوتی اس لیے اس سے کفارہ واجب نہیں ہوتا تاہم قضاء لازمی ہے، اور اگر انزال نہ ہو تو پھر قضاء بھی واجب نہیں ۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ :- وکذا الاستمناء بالکف) قال ابن عابدینؒ :- ای فی کونہ لایفسد لکن ھٰذا اذا لم ینزل اما اذا انزل فعلیہ القضاء کماسیصرح بہ وھو المختار۔

(شامی ج ۲ ص ۳۹۹ کتاب الصوم مطلب فی حکم الاستمناء بالکف) [2]

غلط فہمی سے کھانا پینا موجب کفارہ نہیں

سوال :- اگر کسی نے بھول کر کھا پی لیا یا بلاسبب انزال ہے یہ سمجھا کہ میرا روزہ ابھی نہیں رہا اس لیے میرے لیے کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں، تو کیا ایسے شخص کے اس طرح قصداً کھانے پینے سے کفارہ واجب ہو گا یا قضاء ؟

---

[1] قال عالم بن العلاء رحمہ اللہ :- المسافر قدم مصرہ وھو صائم ثم فافتی ان صومہ لا یجزیہ فافطر بعد ذٰلک متعمداً لاکفارۃ علیہ - (فتاوٰی تاتارخانیہ ج ۲ ص ۳۲۹ کتاب الصوم - الفصل الخامس وجوب الکفارہ)

وَمِثْلُہٗ فی شامی ج ۲ ص ۴۰۸ کتاب الصوم مطلب فیما یکرہ للصائم۔

[2] قال قاضی خانؒ :- وکذا اذا جامع بھیمۃ ولم ینزل او میتۃ ولم ینزل وناکح بیدہ ولم ینزل اوجامع فیما دون الفرج ولم ینزل وان انزل فی ھٰذہ الوجوہ کان علیہ القضاء دون الکفارۃ -

(فتاوٰی قاضی خان ج ۱ ص ۱۰۱ الفصل الخامس فیما لایفسد الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۰۵ الباب الرابع فیما یفسد ومالا یفسد۔

الجواب:۔ اگر کسی نے بھول کر کھانا کھالیا یا بلا سبب کے انزال ہوا تو اس کا روزہ باقی ہے البتہ اگر بعد میں غلط فہمی سے کھانا کھایا کہ میرا روزہ ختم ہو چکا ہے، تو محض کسی غلط فہمی کی وجہ سے کھانا پینا موجبِ کفارہ نہیں بلکہ صرف اسی دن کی قضاء واجب ہوگی۔ کفارہ ایسی سزا ہے جو دیدہ دلیری سے کسی جرم کے ارتکاب پر دی جاتی ہے۔

قال طاهر بن احمدؒ:۔ ولو نظر الی محاسن المرأة فانزل فظن ان ذٰلك فطره فاكل بعد ذٰلك فهو كالقئ وقد ذكرنا حكمه وقال البعض ان كان عالماً عليه القضاء والكفارة عند الكل وان كان جاهلاً عليه القضاء دون الكفارة۔ (خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۲۵۹ كتاب الصوم الفصل الثالث فيما يفسد الخ) [1]

سگریٹ نوشی مفطرِ صوم ہے

سوال:۔ کیا سگریٹ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں، اگر ٹوٹ جاتا ہے تو اس سے قضاء لازم ہوگی یا کفارہ؟

الجواب:۔ سگریٹ کا دھواں منہ کے ذریعے حلق کے اندر چلا جاتا ہے جو کہ فسادِ صوم کا سبب ہے لہٰذا سگریٹ نوشی مفطرِ صوم ہے، تاہم اس صورت میں قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔

قال علاؤ الدینؒ:۔ ولو دخل الغبار او الدخان او الرائحة فی حلقه لم يفطره وان ادخله حلقه متعمداً۔ روی عن ابی یوسفؒ انه ان تعمد علیه القضاء ولا کفارة علیه۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۹ كتاب الصوم۔ فصل ركنه) [2]

---

[1] قال قاضی خانؒ:۔ ولو نظر الی محاسن المرأة فانزل او تفكر فانزل فظن ان ذٰلك فطره فاكل متعمداً فهو بمنزلة القئ۔ وقال بعضهم ان كان عالماً عليه القضاء والكفارة عند الكل وان كان جاهلاً عليه القضاء دون الكفارة۔
(فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۰۵ الفصل السابع فيما يسقط الكفارة وما لا يسقط)
ومثلهٗ فی الهندية ج ۱ ص ۲۰۶ كتاب الصوم۔ الباب الرابع فيما يفسد۔ الخ)

[2] قال عبد الرحمٰن الجزائریؒ: شرب الدخان المعروف وتناول الافيون والحشيش ونحو ذٰلك فان الشهوة فيه ظاهرة۔ (الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۱ ص ۵۶ كتاب الصوم)
ومثلهٗ فی رد المحتار ج ۲ ص [illegible] كتاب الصوم۔ باب فيما يفسد الخ۔

بے خبری میں طلوعِ فجر کے بعد کھانا کھانے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص نے ماہ رمضان میں بے خبری میں فجر کے طلوع ہونے کے بعد کھانا کھایا جبکہ اس کا گمان یہ تھا کہ فجر اب تک طلوع نہیں ہوئی ہے، اس صورت میں ایسے شخص کے روزے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ روزہ رکھنے کی ابتداء طلوعِ فجر سے ہوتی ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں موصوف نے غلط فہمی کی بناء پر طلوعِ فجر کے بعد کھانا کھایا اس لیے اُس کا یہ روزہ ختم ہو چکا ہے اب اسکے ذمے اس دن کے روزہ کی قضاء لازم ہے کفّارہ نہیں۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغينانیؒ: اذا تسحر وهو يظن ان الفجر لم يطلع فاذا هو قد طلع الخ عليه القضاء...... ولا كفّارة عليه لان الجناية قاصرة لعدم القصد۔

(الهداية ج ۱ ص ۲۰۷ باب ما يوجب القضاء)[1]

فدیہ دینے سے عاجز شخص کو کیا کرنا چاہیئے

سوال:۔ اگر کوئی شخص فدیہ دینے سے عاجز ہو اور ڈاکٹر نے بھی اس کو روزہ رکھنے سے منع کر رکھا ہو تو یہ شخص کیا کرے؟

الجواب:۔ جب کوئی شخص اتنا بیمار ہو کہ اس میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو اور پھر مسلمان ڈاکٹر نے بھی اسے روزہ رکھنے سے منع کیا ہو تو اس شخص پر فدیہ دینا واجب ہے لیکن اگر کوئی فدیہ دینے کا بھی متحمل نہ ہو تو اس صورت میں استغفار کثرت سے پڑھا کرے۔

لما قال العلامة الحصكفیؒ: وللشيخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ويفدی وجوباً..... لو موسراً والا يستغفر الله۔ قال ابن عابدينؒ: (قوله والا يستغفر الله) هذا ذكره فی الفتح والبحر عقيب مسئلة نذر الأبد اذا اشتغل عن الصوم بالمعيشة فالظاهر انه راجع اليها دون ما قبلها من مسئلة الشيخ الفانی لانه لا تقصير منه بوجه۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۲۷ فصل فی العوارض)[2]

---

[1] ولو قدم مسافرٌ او طهرت حائض او تسحر ظنه ليلاً والفجر طالع او افطر كذلك والشمس حية أمسك يومه وقضى ولم يكفر كأكله عمداً بعد أكله ناسياً ونائمةٌ ومجنونة وطئتا۔

(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ج ۱ ص ۳۴۱ كتاب الصوم)

[2] قال العلامة ابو البركات النسفیؒ: وللشيخ الفانی وهو يفدی فقط۔ قال ابن نجيمؒ تحته...... وان لم يقدر على الاطعام لعسرته يستغفر الله تعالىٰ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۸۶ كتاب الصوم فصل فی العوارض)

مُسافر یا مریض کو روزہ کی قضاء کا موقع نہ ملے تو کچھ مواخذہ نہیں

سوال:- اگر کسی مسافر کو سفر سے واپسی پر یا بیمار کو صحتیابی کے فوراً بعد فرض روزہ کی قضاء کا موقع نہیں ملا تو کیا اس شخص پہ فدیہ دینا واجب ہے یا کہ معافی ہے ؟

الجواب:- مرض اور سفر میں روزہ افطار کرنا مرخص ہے جس کی حالتِ صحت و اقامت میں قضاء واجب ہے، اب اگر مریض و مسافر کو قضاء کرنے کا کسی وجہ سے قضاء کا موقع نہیں مل سکا اور وہ فوت ہوگیا تو اس شخص پر کچھ مواخذہ نہیں البتہ اگر موقع ملنے کے باوجود روزہ نہ رکھے تو بعد الموت فدیہ دینا لازم ہے ۔

وفی الہندیۃ: ولو فات صوم رمضان بعذر المرض او السفر واستدام المرض والسفر حتی مات لاقضاء علیہ ..... وان صح المریض او قدم المسافر وادرک من الوقت بقدر ما فاتہ یلزمہ قضاء جمیع ما ادرک فان لم یصم حتی ادرکہ الموت فعلیہ ان یوصی بالفدیۃ۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص۲۰۸ الباب الخامس فی الاعذار التی تبیح الافطار) [1]

غیر رمضان کا روزہ قصداً توڑنے پر صرف قضاء واجب ہے کفارہ نہیں

سوال:- اگر کوئی شخص قصداً و عمداً غیر رمضان کا روزہ توڑ دے تو کیا اس شخص پر کفارہ واجب ہے یا صرف قضاء ؟

الجواب:- قصداً روزہ توڑنے سے کفارے کا وجوب صرف رمضان شریف کے روزے کے ساتھ خاص ہے اس کے علاوہ جو بھی روزہ قصداً یا سہواً توڑ دیا جائے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں البتہ اُس دن کی قضاءُ واجب ہے ۔

قال العلامۃ ابن ھمامؒ: ولیس فی افساد صوم غیر رمضان کفارۃ لان الافطار فی رمضان ابلغ فی الجنایۃ فلا یلحق بہ غیرہ۔ (فتح القدیر ج۲ ص۲۶۵ باب مایوجب القضاء والکفارۃ) [2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: فان ماتوا فیہ ای فی ذلک العذر فلا تجب علیھم الوصیۃ بالفدیۃ لعدم ادراکھم عدۃ ایام اخر ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصیۃ بقدر ادراکھم عدۃ من ایام اخر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۲۴ فصل فی العوارض)
وَمِثلُہٗ فی الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۲ ص۳۸۵ فصل فی الاسباب المبیحۃ للفطر۔

[2] قال العلامۃ عالم بن علاء الانصاریؒ: ولیس فی افساد الصوم فی غیر رمضان کفارۃ۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۲ ص۳۷۷ الفصل الخامس فی وجوب الکفارۃ فی افساد الصوم)
وَمِثلُہٗ فی الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۲۱۵ باب المتفرقات۔

سگریٹ یا حقہ پینے سے جب روزہ ٹوٹ جائے تو صرف قضاء کرے یا کفارہ بھی؟

سوال:- حقہ یا سگریٹ پینے سے روزہ کا ٹوٹ جانا تو معلوم ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو شخص بحالتِ روزہ حقہ یا سگریٹ پیتا ہے، اُس پر قضاء و کفارہ دونوں واجب ہیں یا صرف قضاء؟

الجواب:- حقہ نوشی اور سگریٹ نوشی سے روزہ ختم ہو جاتا ہے جس سے قضاء بدون کفارہ کے لازم ہو جاتی ہے لیکن اگر حقہ نوشی تلذذ، شہوتِ نفس یا کسی اور نفع کے لیے کی جائے تو اس صورت میں قضاء کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: انه لو ادخل حلقه الدخان افطر ... ويمنع من بيع الدخان -

وشاربه في الصوم لاشك يفطر ويلزمه التكفير لو ظن نافعًا

كذا دافعًا شهوات بطن فقررا - (ردالمحتار ج۲ ص۳۹۵ باب مایفسد الصوم ومالایفسد) [1]

سفر کے ارادہ سے گھر سے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد گھر واپس آکر روزہ افطار کرنے پر قضاء و کفارہ کا حکم

سوال:- ایک شخص سفر کی نیت سے گھر سے نکلا مگر راستے میں کچھ ضروری کام یاد آنے کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لیے گھر واپس آگیا اور روزہ افطار کرلیا، تو کیا اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- حالتِ سفر میں اگرچہ روزہ افطار کرنا جائز ہے چاہے سفر تکلیف دہ ہو یا آرام دہ، لیکن صورتِ مسئولہ میں چونکہ اس شخص نے گھر ہی کے اندر روزہ افطار کیا ہے جو کہ حالتِ اقامت ہے اس لیے اس پر قضاء و کفارہ دونوں لازم ہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: اذا دخل مصره لشيء نسيه لسفر فافطر فانه يكفر اي قياسًا لانه مقيم عند الاكل حيث رفض سفره بالعود - (ردالمحتار ج۲ ص۴۳۳ فصل في العوارض) [2]

---

[1] قال الشيخ المفتي عزيز الرحمنؒ: الجواب: حقہ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضاء لازم ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں کفارہ بھی لازم ہوتا ہے یعنی اگر اسے نفع بخش سمجھا تب تو کفارہ و قضاء دونوں لازم ہوں گے ورنہ صرف قضاء۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۶ ص۴۱۹ مسائل مفسد الصوم)

[2] قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: ولو سافر في نهار رمضان ولم يفطر حتى تذكر شيئًا في منزله قد نسيه فرجع الى منزله واكل شيئًا ثم خرج من المنزل فعليه القضاء والكفارة كالمقيم اذا اكل ثم سافر - (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۲۵۳ الفصل الثالث فيما يفسد الصوم وفي ما لا يفسد الخ)

ومثله في الهندية ج۱ ص۲۰۶ الباب الخامس في الاعذار المبيحة للفطر -

نومسلم خوف کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو اس پر قضاء و کفارہ دونوں واجب ہیں

سوال:- اگر ایک نومسلم خاندانی خوف و ڈر کی وجہ سے روزہ نہ رکھے تاکہ ان پر اس کا اسلام ظاہر نہ ہو، تو کیا اس شخص پر بھی قضاء و کفارہ دونوں واجب ہیں یا نہیں؟

الجواب:- کلمہ طیبہ پڑھنے سے ایک غیر مسلم آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس پر جملہ احکامِ اسلام پر پورا عمل کرنا لازم ہو جاتا ہے، صورتِ مسئولہ کے مطابق نومسلم اسلامی احکامات کا مکلف ہے اس لیے روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے اس پر قضاء و کفارہ ہیں۔ لما قال العلامة الحصکفی أو لم ینو فی رمضان کله صوماً ولا فطراً مع الامساک لشبهة خلاف زفر او اصبح غیر ناو للصوم فأکل عمداً ولو بعد النیة قبل الزوال لشبهة (الدر المختار علی صدر رد المحتار ۲-۴۰۳ کتاب الصوم)

قصداً روزہ توڑنے کے بعد مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کے قابل نہ رہے تو صرف قضاء لازم ہے

سوال:- اگر کوئی شخص قصداً و عمداً روزہ توڑ دے مگر اچانک کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے کہ روزہ رکھنے کے قابل نہ رہے تو کیا اس شخص پر صرف کفارہ واجب ہے یا قضاء؟

الجواب:- قصداً روزہ توڑنے کی صورت میں کفارہ اُس وقت واجب ہوتا ہے جب کوئی عمل مسقطِ کفارہ رونما نہ ہو جائے۔ صورتِ مسئولہ میں مرض (جو کہ مسقطِ کفارہ ہے) کی موجودگی کی وجہ سے کفارہ ساقط ہو جائے گا البتہ اُس دن کی قضاء لازم ہوگی۔

لما قال الحصکفیؒ: انما یکفر ان نوی لیلاً ولم یکن مکرهاً ولم یطرء مسقط کمرض وحیض۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۱۲،۴۱۳ مطلب فی الکفارة)[2]

لما قال الکاسانی ومن اصبح فی رمضان لاینوی الصوم فأکل او شرب او جامع علیه قضاء ذلک الیوم ولا کفارة علیه عند اصحابنا الثلاثة (بدائع الصنائع ۔ ۲ / ۲۵۸ کتاب الصوم)

[2] وفی الهندیة، والصحیح اذا افطر ثم مرض مرضاً لا یستطیع معه الصوم تسقط الکفارة عندنا۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۱۵ الفصل السابع فیما یسقط الکفارة ومالا یسقط)
ومثله فی فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۶ ص۴۲۸ مسائل مفسد الصوم۔

باب الاعذار المبیحة للافطار

(روزہ افطار کرنے (توڑنے) کے اعذار کا بیان)

ناقابلِ برداشت تکلیف کے وقت روزہ توڑنا

سوال:۔ اگر بیماری کی شدت کی وجہ سے روزہ بحال رکھنا مشکل ہو تو کیا افطار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی ناقابلِ برداشت تکلیف کی وجہ سے روزہ افطار کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ایسی حالت میں روزہ توڑنا بہتر ہے تاکہ ہلاکت کا موجب نہ بنے، البتہ اگر برداشت کی طاقت ہو تو پھر روزہ پورا کرنا بہتر ہے۔

قال فی الھندیة :۔ المریض اذا خاف علی نفسه التلف او ذهاب عضو یفطر بالاجماع وان خاف زیادة العلة وامتدادہ فکذالک عندنا وعلیه القضاء اذا افطر۔ (الفتاوی الھندیة ج ۱ ص ۲۰۷ کتاب الصوم، الباب الخامس فی الاعذار)[1]

حائضہ کے لیے امساک ضروری نہیں

سوال:۔ طلوعِ فجر کے بعد اگر عورت کو حیض آجائے تو عندالشرع عورت کے لیے بقیہ یوم کا امساک (کھانا پینا بند) کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ طلوعِ فجر کے بعد عورت کو ماہواری شروع ہو جائے تو اس سے روزہ ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا ایسی عورت کے لیے کھانا پینا جائز ہے امساک ضروری نہیں تاہم ایسی عورت دوسرے روزہ داروں سے خفیہ طور پر کھانا کھائے یا پانی پئے۔

قال حسن بن عمار بن علی الشرنبلالیؒ :۔ ومن له نوبة حمی او عادة حیض

---

[1] قال ابن عابدین رحمه الله :۔ (تحت قوله وخادمة) اذا اشتد الحر وخاف الهلاک فله الافطار۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۴۲۲ کتاب الصوم فصل فی العوارض)
وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۸۲ فصل فی العوارض۔

لاباس بفطرة علی ظن وجوده۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۵۶۳ کتاب الصوم) [1]

مسافر کے لیے افطار میں عزیمت پر عمل کرنا بہتر ہے

سوال: سفر کے دوران مسافر کو روزہ نہ رکھنا چاہیئے یا روزہ رکھنا بہتر ہے؟

الجواب: روزہ رکھنا اور نہ رکھنا مسافر کی حالت پر مبنی ہے جس میں اس کو آسانی ہو وہی طریقہ اختیار کرے، تاہم اگر کوئی شدید ضرورت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے اور یہی عزیمت ہے۔

قال برهان الدین رح: وان کان مسافراً لا یستضر بالصوم فصومه افضل وان افطر جاز لان السفر لا یعری عن المشقة۔ الخ (الهداية ج۱ ص۲۰۱ کتاب الصوم) [2]

شدید بیمار کیلئے روزہ افطار کرنا جائز ہے

سوال: اگر کوئی شخص بلند فشار خون (ہائی بلڈ پریشر) یا اس جیسی کسی دوسری بیماری میں مبتلا ہو جائے جس میں دوائی کا استعمال لازمی ہو تو ایسی حالت میں روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ جبکہ اس جیسی بیماریاں بعض اوقات ہلاکت کا باعث بھی بن جاتی ہیں۔

الجواب: جب بھی روزہ بیماری میں اضافہ کا سبب بنتا ہو تو اس میں کسی دیندار ماہر حکیم یا ڈاکٹر کے مشورہ سے یا اپنے غلبہ ظن پر عمل کرتے ہوئے روزہ افطار کیا جا سکتا ہے تاہم معمولی قسم کی بیماری میں افطار کرنا ضروری نہیں۔

قال عبدالرحمن الجزائری: الاعذار التی تبیح الفطر للصائم کثیرة۔ منها المرض، فاذا مرض الصائم وخاف زیادة المرض بالصوم او خاف تاخر البرء من المرض او حصلت له مشقة شديدة بالصوم فانه یجوز له الفطر۔ (فقه مذاهب اربعه ج۱ ص۵۷۲) [3]

---

[1] قال علامة ابی بکر بن علی رح: واذا حاضت المرأة افطرت وقضت وکذا اذا انفست وهی تاکل سراً اوجهراً ولا یجب علیه التشبه۔ (الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۷۷ کتاب الصوم)

ومثله فی الهندية ج۱ ص۲۰۷ کتاب الصوم۔ الباب الخامس فی الاعذار۔ الخ

[2] قال ابن نجیم رح: وللمسافر صومه احب ان لم یضره ای جاز للمسافر الفطر۔ (البحرالرائق ج۲ ص۲۸۲ کتاب الصوم)

ومثله رد المحتار ج۲ ص۴۲۱ کتاب الصوم۔ فصل فی العوارض۔

[3] قال العلامة الکاسانی رح: وما وجوب الفداء فشرطه العجز عن القضاء عجزاً لا ترجی معه القدرة فی جمیع عمره۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۱۰۵ کتاب الصوم فصل فی حکم الصوم الموقت)

ومثله فی البحرالرائق ج۲ ص۲۸ فصل فی العوارض۔

کیا بیماری کی وجہ سے روزہ افطار کرنے پر کفّارہ لازم ہے یا قضاء

سوال:- اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں اچانک شدید بیمار ہو جائے تو کیا اس کو روزہ افطار کر لینا چاہیئے یا نہیں؟ اور افطار کرنے کی صورت میں قضاء و کفارہ دونوں لازم ہوں گے یا صرف قضاء؟

الجواب:- شدتِ مرض میں جب نقصان کا خوف ہو تو اس صورت میں روزہ افطار کر لینا جائز ہے اور اس روزہ کی صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وبقي الاکراہ وخوف ھلاك او نقصان عقل ولو بعطش او جوع شدید الخ الفطر یوم العذر ...... وقضوا لزوماً۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۲۱ فصل فی العوارض المبیحۃ)[1]

شدتِ پیاس سے روزہ توڑنے کا حکم

سوال:- اگر کبھی اتنی گرمی ہو جائے کہ پیاس کی وجہ سے لوگوں کی ہلاکت یا کسی شدید نقصان کا خطرہ ہو تو کیا اس صورت میں روزہ توڑا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- بھوک اور پیاس کی شدت میں جب کسی سخت نقصان کا خطرہ ہو تو اس صورت میں روزہ توڑا جا سکتا ہے لیکن اس روزہ کی قضا لازمی ہوگی اگرچہ کفارہ واجب نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وبقي الاکراہ وخوف ھلاك او نقصان عقل ولو بعطش او جوع شدید او لسعة حیة ..... الفطر وقضوا لزوماً۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۲۱ فصل فی العوارض المبیحۃ)[2]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سفر میں افطار کیا تھا

سوال:- کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھی سفر میں روزہ افطار کیا تھا یا نہیں؟

الجواب:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ مُعلّم بنا کر بھیجے گئے تھے اس لیے آپ حالات اور تقاضے کے مطابق روزہ رکھتے بھی تھے اور افطار بھی کرتے تھے، بعض حالات میں آپؐ نے

---

[1] وفی الھندیة: المریض اذا خاف علی نفسه التلف او ذهاب عضو یفطر بالاجماع وان خاف زیادة العلة وامتدادہ فکذلك عندنا وعلیه القضاء اذا افطر کذا فی المحیط۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۲۰۷ فصل فی العوارض المبیحۃ)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی التاتارخانیة ج ۲ ص ۳۸۳ فصل فی الاسباب المبیحة للفطر۔

[2] وفی الھندیة: اذا خیف منها الھلاك او نقصان العقل کالامة اذا ضعفت عن العمل وخیفت الھلاك بالصوم وکذا الذی ذهب به ..... (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۲۰۷ فصل فی العوارض والمبیحۃ)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی التاتارخانیة ج ۲ ص ۳۸۲ فصل فی الاسباب والمبیحة للفطر۔

افطار نہ کرنے والوں پر نکیر بھی فرمائی۔

عن ابن عباسؓ: سافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان حتی بلغ عسفان ثم دعا باناء فیہ شراب فشربہ نہارا لیراہ الناس ثم افطر حتی دخل مکۃ۔ قال ابن عباسؓ فصام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وافطر ومن شاء صام ومن شاء افطر۔

(صحیح مسلم ج۱ ص۲۵۶ باب جواز الصوم والفطر فی شہر رمضان للمسافر) [1]

کیا سفر میں روزہ افطار کرنا قصر نماز کی طرح لازم ہے ؟

سوال:- حالتِ سفر میں تو نماز قصر کرکے پڑھنا واجب ہے، کیا روزے کا حکم بھی نماز کی طرح ہے کہ سفر میں لازماً افطار کیا جائے ؟

الجواب:- شریعتِ مقدسہ نے حالتِ سفر میں نماز کو قصر کرکے پڑھنا ایک نعمتِ خداوندی قرار دے کر اس میں قصر کو واجب کیا ہے مگر روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار بندے کو دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی بحالتِ عافیت روزہ رکھنے کو افضل قرار دیا ہے اس لیے سفر میں روزہ رکھنا افضل و بہتر ہے بخلاف نماز کے، تاہم اگر روزہ رکھنے سے تکلیف زیادہ ہوتی ہو تو روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

قال العلامہ ابن نجیمؒ: وانما کان الصوم افضل ان لم یضرہ لقولہ تعالیٰ: "وان تصوموا خیر لکم" ولان رمضان افضل الوقتین فکان فیہ الاداء اولیٰ ولا یرد علینا القصر فی الصلوٰۃ فانہ واجب حتی یأثم بالاتمام لان القصر ھو العزیمۃ۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۸۳ فصل فی العوارض) [2]

---

[1] وعن جابر بن عبد اللہؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج الی مکۃ عام الفتح فصام حتی بلغ کراع الغمیم وصام الناس معہ فقیل لہ ان الناس شق علیہم الصیام وان الناس ینظرون فیما فعلت فدعا بقدح من ماء بعد العصر فشرب والناس ینظرون الیہ فافطر بعضہم وصام بعضہم۔ (ترمذی ج۱ ص۱۵۱ باب ما جاء فی افطار الصوم فی السفر)

[2] وفی الہندیۃ: ویکرہ للمسافر ان یصوم اذا اجہدہ الصوم فان لم یکن کذلک فالصوم افضل۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۲۰۱ الباب الثالث فیما یکرہ للصائم وما لا یکرہ)
ومثلہ فی الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۲ ص۳۸۳ فصل الاسباب مبیحۃ للفطر۔

مہمان کے مجبور کرنے پر روزہ افطار کرنا

سوال:۔ اگر کسی شخص کا نفلی روزہ ہو مگر مہمان اس کو روزہ توڑنے پر مجبور کرے تو کیا وہ شخص روزہ توڑ سکتا ہے؟

الجواب:۔ مہمان کی ضیافتِ طبع اور خاطر تواضع کے لیے نفلی روزہ توڑنا عند الشرع مرخص ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: الضيافة عذر للضيف والمضيف ان كان صاحبها ممن لا يرضى بمجرد حضوره ويتأذى بترك الافطار فيفطر والا لا۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۴۲۹ فصل فی العوارض)[1]

آدمی جس علاقے یا ملک میں ہو وہاں چاند کے اعتبار سے روزہ رکھے

سوال:۔ ایک شخص سعودی عرب سے پاکستان آیا، وہاں چاند کے حساب سے اس کے تیس روزے پورے ہو چکے ہیں جبکہ پاکستان میں روزہ ہے، تو کیا یہ شخص اب افطار کرے یا روزہ رکھے؟

الجواب:۔ سعودی عرب میں چاند کے اعتبار سے اگرچہ اس شخص کے فرض روزے پورے ہو چکے ہیں مگر یہاں کے لوگوں کے ساتھ مشابہت کی خاطر روزہ رکھے گا افطار کرنا صحیح نہیں۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: فانه يجب عليه الامساك تشبها۔

(رد المحتار ج۲ ص۴۰۸ مطلب فی جواز الافطار بالتحری)[2]

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: والصحيح من المذهب ان ينظر فی ذلك ان كان صاحب الدعوة ممن يرضى بمجرد حضوره ولا يتأذى بترك الفطر لا يفطر وان كان يعلم انه يتأذى بترك الافطار يفطر۔

(الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۳۸۲ فصل الاسباب مبيحة للفطر)

وَمِثْلُهٗ فی ما لا بد منه ص۱۰۱ كتاب الصوم۔

[2] قال العلامة الحصكفیؒ: الاخيران يمسكان بقية يومهما وجوباً على الاصح لان الفطر قبيح وترك القبيح شرعاً واجب (كمسافر اقام وحائض ونفساء طهرتا ومجنون افاق ومريض صح)۔

قال الشيخ احمد الطحطاویؒ: تحت قوله (كمسافر اقام) الاصل فی هذا ان كل من صار على حالة فی آخر النهار لو كان عليها اوله يلزمه الامساك قضاء الحق الوقت تشبيها بالصائمين۔

(حاشية الطحطاوی على الدر المختار ج۱ ص۴۵۵ باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد)

شوگر کے مریض کے لیے روزے کا حکم

سوال :۔ جناب محترم مفتی صاحب! میرے والد صاحب شوگر کے مریض ہیں، ڈاکٹر نے انہیں روزہ رکھنے سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر انہوں نے روزہ رکھا تو بیماری بڑھ جائے گی، جبکہ حقیقت بھی یہی ہے اس لیے کہ جب بھی انہوں نے روزہ رکھا تو تکلیف زیادہ ہوئی، اس صورت میں شرعاً ان کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ اور اگر نہ رکھ سکیں تو انہیں کیا کرنا چاہئے؟

الجواب :۔ اسلام کسی کو بلاوجہ تکلیف میں نہیں ڈالتا۔ اگر آپ کے والد محترم کو واقعی شوگر کا شدید مرض لاحق ہے کہ ان میں روزہ رکھنے کی بھی طاقت نہیں اور اگر رکھ لیں تو مرض کے بڑھنے کا خطرہ ہے اور ساتھ ہی مسلمان ڈاکٹر نے بھی خوب تشخیص کے بعد روزے نہ رکھنے کا مشورہ دیا ہے تو شرعاً ان کو اجازت ہے کہ وہ روزے نہ رکھیں۔ اور اگر مرض دائمی ہو تو ہر روزے کا فدیہ دینا ہوگا جو ایک روزے کے بدلہ میں صدقۂ فطر کی مقدار کے برابر ہے۔

قال العلامة الحصكفیؒ : وللشيخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ويفدی وجوباً

قال ابن عابدينؒ المريض اذا تحقق اليأس من الصحة فعليه الفدية لكل يوم من المرض۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۴۲۷ كتاب الصوم، فصل فی العوارض المبيحة لعدم الصوم)

ظن غالب کی بناء پر مرض بڑھ جانے کے خوف سے روزہ نہ رکھنا

سوال :۔ ایک شخص بیمار ہے اور اس نے ڈاکٹر سے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں پوچھا نہیں، مگر اس کا غالب گمان یہ ہے کہ اگر وہ روزہ رکھے گا تو اس کی بیماری بڑھ جائے گی، تو کیا یہ بیمار شرعاً درست کر رہا ہے یا یہ کہ اس کو روزہ نہ رکھنے کے بارے ڈاکٹر سے لازمی پوچھنا پڑے گا؟

الجواب :۔ شرعاً شدتِ مرض یا خوفِ مرض کی وجہ سے روزہ افطار کرنا جائز ہے بشرطیکہ کسی ماہر مسلمان طبیب نے کہا ہو۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں مریض کا غالب شدتِ مرض ہے اس لیے اس کو اپنے گمان کی بناء پر روزہ نہ رکھنا مرخص ہے، ڈاکٹر سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله : او مريض خاف زيادة مرضه وصحيح خاف المرض المراد بالخوف غلبة الظن۔

(رد المحتار ج۱ ص۱۵۳ كتاب الصوم)

باب الاعتکاف

(اعتکاف کے احکام و مسائل)

روزہ کے فاسد ہونے سے اعتکاف کا حکم

سوال: اگر معتکف سے خطأً روزہ فاسد ہو جائے تو کیا اس کا اعتکاف باقی رہے گا یا نہیں؟

الجواب: اعتکاف مسنون اور واجب دونوں کے لیے روزہ رکھنا چونکہ شرط ہے اسلئے اگر کسی عذر کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے تو اعتکاف بھی باقی نہیں رہتا، البتہ اگر بلاصوم اعتکاف میں بیٹھا رہا تو نفلی اعتکاف شمار ہوگا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وشرط الصوم لصحة الاول اتفاقاً علی المذهب۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: قلتُ ومقتضی ذلك ان الصوم شرط ایضاً فی الاعتکاف المسنون لانهٗ مقدر بالعشر الاخیر حتی لو اعتکفه بلا صوم لمرض او سفر ینبغی ان لا یصح عنه بل یکون نفلاً۔
(رد المحتار ج۲ ص۴۲۲ باب الاعتکاف)[1]

اعتکاف فاسد ہونے پر اس کی قضا نہیں

سوال: اگر کسی وجہ سے اعتکاف فاسد ہو جائے تو کیا اس کی قضا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف (مسنون اور نفلی) ٹوٹ جانے سے اس کی قضا واجب نہیں تاہم اگر جس دن یا رات کو اعتکاف ٹوٹ جائے اور اسی دن رات کی قضا کی جائے تو بعض کے قول پر بھی عمل ہو جائے گا جو کہ بہتر ہے مگر ضروری نہیں۔

قال العلامة عالم بن العلاءؒ: ولو شرع فیه ثم قطع لا یلزمه القضاء فی روایة الاصل

---

[1] لما قال برهان الدین المرغینانیؒ: قال الاعتکاف مستحب والصحیح انه سُنّة مؤکدة لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظب علیه فی العشر الاواخر من رمضان والمواظبة دلیل السنة وهو اللبث فی المسجد مع الصوم..... والصوم من شرطه..... ثم الصوم شرط لصحة الواجب منه۔ (الهدایة ج۱ ص۲۱۱ باب الاعتکاف)
ومِثْلُهٗ فی البنایة شرح الهدایة ج۴ ص۳۹۲، ۳۹۴ باب الاعتکاف۔

وفی روایة الحسن یلزمه۔ وفی الظهیریة عن ابی حنیفةؒ انه یلزمه یومًا۔

(فتاوی تاتارخانیة ج ۲ ص۴۱۲ الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف)[1]

اعتکاف کا اہتمام نہ کرنے کے اثرات

سوال:۔ اگر محلہ والے اعتکاف کا اہتمام نہ کریں تو اس سے ان کی ذمہ داری کہاں تک متاثر ہوتی ہے؟

الجواب:۔ اعتکاف جملہ محلے والوں کے لیے سنت مؤکدہ کفایہ ہے، اگر تمام محلہ والوں کی طرف سے ایک شخص بھی اعتکاف کے لیے بیٹھ جائے تو جملہ محلہ والوں کا ذمہ فارغ ہوجائے گا، لیکن اگر پورے محلہ میں سے کوئی ایک شخص بھی اعتکاف کے لیے نہ بیٹھے تو تمام محلہ والے گنہگار ہوں گے۔

قال ابن عابدینؒ:۔ (وسن مؤکدًا) ای استنانا مؤکدا۔ بمعنی انه طلب طلبا مؤکدًا زیادة علی بقیة النوافل۔ ولهذا کانت السنة المؤکدة قریبة من الواجب فی لحوق الاثم کما فی البحر۔ ویستوجب تارکها التضلیل واللوم کما فی التحریر۔

(رد المحتار ج ۲ ص۱۲ باب الوتر۔ مطلب فی السنن والنوافل)[2]

معتکف کا کسی دوسری مسجد میں قرآن کریم سننے یا سنانے کیلئے نکلنا

سوال:۔ اگر (حافظ قرآن) معتکف کے لیے تراویح میں قرآن سنانے کا اپنی مسجد میں انتظام نہ ہو تو کیا وہ صرف قرآن سنانے کے لیے کسی دوسری مسجد میں جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تراویح میں قرآن کا ختم بلاشک سُنت ہے، البتہ بصورتِ استثناء (یعنی اعتکاف میں چند امور کی نیت سے) مسجد سے نکلنا مرخص ہے لیکن بہتر عدم خروج ہے تاکہ اعتکاف کے

---

[1] قال ابن عابدینؒ: فلو شرع فی نفله ثم قطعه لا یلزمه قضاؤه لانه لا یشترط له الصوم علی الظاهر من المذهب وما فی بعض المعتبرات انه یلزم بالشروع مفرع علی الضعیف قاله المصنف وغیره۔ (رد المحتار ج ۲ ص۴۴۲ باب الاعتکاف)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج ۱ ص۲۱۱ باب الاعتکاف۔

[2] قال العلامة محمد عبدالحیؒ:۔ والصحیح الذی علیه جمهور الفقهاء هو انه سنة مؤکدة فی العشر الاواخر من رمضان علی سبیل الاستیعاب کفایة علی اهل کل بلدة۔ (حاشیه هدایه ج ۱ ص۲۱۱ باب النوافل۔

وَمِثْلُهٗ فی حاشیة مستخلص الحقائق ج ۱ ص۳۰۹ باب النوافل

تندرستی پر کوئی اثر نہ پڑے۔

وفی الهندية: ولو شرط وقت النذر والالتزام ان يخرج الى عيادة المريض وصلوٰة الجنازة وحضور مجلس العلم يجوز له ذلك۔ (الفتاوى الهندية ج ١ ص ٢١٢ الباب السابع فی الاعتکاف) [1]

اعتکاف کے دوران بے فائدہ باتوں سے اجتناب کا حکم

سوال:۔ کیا اعتکاف کے دوران فضول باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ بسا اوقات انسان غیر اختیاری طور پر ایسی باتیں کرجاتا ہے جن کا کوئی مقصد نہیں ہوتا؟

الجواب:۔ اعتکاف کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کثرت سے کی جائے لہٰذا دورانِ اعتکاف دنیاوی باتوں سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہیئے تاہم دینی مسائل پر گفتگو کرنا اور ضروریات اس سے مستثنیٰ ہیں، البتہ دنیاوی باتیں کرنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔

قال العلامة عبد الرحمٰن جزریؒ:۔ وما آدابه فمنها الا يتكلم الا بخير۔ [2]
(الفقه على المذاهب الاربعة ج ١ ص ٥٨٩ باب الاعتکاف)

معتکف کی موت پر اعتکاف کی تکمیل کا حکم

سوال:۔ اگر معتکف دورانِ اعتکاف انتقال کرجائے تو کیا کسی اور کا اس کی جگہ اعتکاف بیٹھنا ضروری ہے یا نہیں تاکہ اعتکاف مکمل ہوجائے؟

الجواب:۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں پورے دس دن کا اعتکاف کرنا سنت ہے چند ایام اعتکاف کرنے سے سنت ادا نہیں ہوتی، موت واقع ہونے کی صورت میں معتکف نے اعتکاف پورا نہیں کیا کیونکہ اس کا اعتکاف عشرہ تک نہ رہا۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور شخص اعتکاف پر

---

[1] قال عالم بن العلاءؒ:۔ ولو شرط وقت النذر والالتزام ان يخرج الى عيادة المريض وصلوٰة الجنازة وحضور مجلس العلم يجوز له ذالك۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ ج ٢ ص ٤١٢ الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف)
ومثله فی رد المحتار ج ٢ ص ٤٤٨ باب الاعتکاف۔

[2] قال عالم بن العلاءؒ:۔ ولا يتكلم بفضول كلام الدنيا۔۔۔۔۔۔ ولا يتكلم بما فيه اثم فان النبي صلى الله عليه وسلم كان يحدث مع الناس فی اعتکافه۔
(فتاویٰ تاتارخانية ج ٢ ص ٤١٣ تا ٤١٤ الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف)
ومثله فی البحر الرائق ج ٢ ص ٣٠٢ باب الاعتکاف۔

نہ بیٹھا ہو تو پوری بستی پر ذمہ داری باقی رہے گی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ:۔ (قوله ای سنة کفایة) نظیرها اقامة التراویح بالجماعة فاذا قام بها البعض سقط الطلب عن الباقین فلم یاثموا بالمواظبة علی الترک بلا عذر ولو کان سنة عین لاثموا بترک السنة المؤکدة اثما دون اثم ترک الواجب۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۴۲ باب الاعتکاف)[1]

کیا معتکف کیلئے نماز جنازہ پڑھنا درست ہے؟

سوال:۔ معتکف کے لیے شرعاً نماز جنازہ پڑھانا جائز ہے یا نہیں اور اس کے اعتکاف پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وجوبی اور مسنون اعتکاف سے بلا ضرورت نکلنا مفسدِ اعتکاف ہے، البتہ اگر ابتداء میں نماز جنازہ وغیرہ کے لیے نکلنے کی شرط رکھی جائے تو اس صورت میں نماز جنازہ کا پڑھنا یا پڑھانا مفسدِ اعتکاف نہیں لیکن بغیر شرط کے نماز جنازہ پڑھنے یا پڑھانے کے لیے نکلنا فسادِ اعتکاف کا ذریعہ ضرور ہے تاہم نفلی اعتکاف میں توسع کی بناء پر بغیر استثناء کے نکلنا مفسدِ اعتکاف نہیں۔

لما قال العلامة عالم بن العلاءؒ:۔ ولا یخرج لاکله وشربه ولا لعیادة المریض ولا لصلوٰة الجنازة...... ولو شرط وقت النذر والالتزام ان یخرج الی عیادة المریض وصلوٰة الجنازة وحضور مجلس العلم یجوز له ذلک...... واما فی الاعتکاف النفل فلا بأس بان یخرج بعذر او بغیر عذر۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۲۱۲، ۲۱۳ کتاب الصوم باب الاعتکاف)[2]

---

[1] قال العلامة محمد عبد الحیؒ:۔ هو سنة مؤکدة کفایة اذا قام بها البعض سقط عن الآخرین۔ (عمدة الرعایة علی هامش شرح وقایة ج۱ ص۳۲۲ باب الاعتکاف)

ومثله فی البحر الرائق ج۱ ص۱۷ کتاب الطهارة۔

[2] لما قال العلامة السید محمد یوسف البنوریؒ:۔ لا یخرج المعتکف من معتکفه الا لحاجة شرعیة او طبعیة...... واما اذا خرج من المسجد بغیر حاجة شرعیة او طبعیة فیفسد الاعتکاف...... لو شرط وقت النذر ان یخرج لعیادة مریض وصلاة الجنازة وحضور مجلس علم جاز ذلک...... وما روی عنه صلی الله علیه وسلم من الرخصة فی عیادة المریض وصلوٰة جنازة فقال ابو یوسف ذلک محمول علی اعتکاف التطوع۔ (معارف السنن ج۵ ص۵۲۹، ۵۳۰ باب المعتکف یخرج لحاجته ام لا)

معتکف کا نماز باجماعت کے لیے مسجد سے نکلنا

سوال:۔ جس مسجد میں نماز باجماعت پابندی کے ساتھ نہ ہوتی ہو یا سرے سے جماعت ہوتی ہی نہ ہو تو معتکف کے لیے کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ مرد کے اعتکاف کے لیے جماعت والی مسجد ضروری ہے، البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں جماعت کی کوئی ممکن صورت نہ ہو تو معتکف کے لیے کسی دوسری مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے جانا درست ہے البتہ اگر نہ جائے تو اس کے اعتکاف پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

قال العلامة علاء الدین الحصکفیؒ:۔ فی مسجد جماعة هو ما له امام ومؤذن اديت فيه الخمس ام لا، وعن الامام اشتراط اداء الخمس فيه صححه بعضهم وقال لا يصح فی كل مسجد وصححه السروجی واما الجامع فيصح فيه مطلقاً اتفاقاً۔ قال ابن عابدينؒ: ای وان لم يصلوا فيه الصلوٰة كلها......

ايضاً قال الحصكفیؒ:۔ حرم عليه الخروج الا لحاجة الانسان) طبيعية كبول وغائط وغسل...... او شرعية كعيد واذان لو مؤذناً وباب المنارة خارج المسجد۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۴۰ باب الاعتكاف) ؎

معتکف کا غسل جمعہ کے لیے مسجد سے نکلنا

سوال:۔ دورانِ اعتکاف جمعہ کے دن غسل کرنے کے لیے مسجد سے نکلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ معتکف کا جمعہ کے دن غسل کے لیے مسجد سے نکلنا جائز ہے، بعض جزئیات میں سنتِ مؤکدہ اعتکاف کو نفلی اعتکاف میں شمار کیا گیا ہے اسی طرح ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کرنے کے لیے مسجد سے نکلنے کی صورت میں اعتکاف فاسد نہیں ہوتا تاہم اجتناب اولیٰ ہے۔

قال العلامة الحصكفیؒ:۔ واما النفل فله الخروج لانه منه لهٗ لا مبطل كما امر

؎ قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاریؒ: ثم المسجد الجامع ويجوز الاعتكاف فی الجامع وان لم يصلوا فيه بالجماعة...... ولا يخرج المعتكف من المسجد الا لحاجة لازمة شرعية كالجمعة او لحاجة طبعية كالبول والغائط۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۶۷ الفصل السادس فی الاعتكاف)

وَمِثْلُهٗ فی الكفاية فی ذيل فتح القدير ج۲ ص۳۰۸ باب الاعتكاف۔

قال ابن عابدینؒ: (واما النفل) ای الشامل للسنة المؤکدة۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۴۳ باب الاعتکاف)[1]

معتکف جمعہ پڑھنے کے لیے کتنی دُور تک جاسکتا ہے

سوال:۔ اگر محلے کی مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو تو معتکف جمعہ پڑھنے کے لیے کتنی دور کی مسجد تک جاسکتا ہے؟

الجواب:۔ معتکف کے لیے شرعاً جمعہ پڑھنے کے واسطے مصر (شہر) جانے کی اجازت ہے اگر مصر دور ہو تو قبل از زوال اپنی مسجد سے جمعہ پڑھنے کے لیے روانہ ہو سکتا ہے، تاہم ایسے وقت پر روانہ ہونا چاہیئے کہ وہاں پہنچ کر تسلی کے ساتھ سنتیں اور فرض پڑھ سکے، فرض پڑھنے کے فوراً بعد اپنی مسجد کو واپس آجائے لیکن بقیہ سنتیں پڑھنے کے لیے اگر وہیں ٹھہر جائے تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا۔

قال فی الهندیة: ویخرج للجمعة حین تزول الشمس ان کان معتکفه قریباً من الجامع بحیث لو انتظر زوال الشمس لا تفوته الخطبة والجمعة واذا کان بحیث تفوته لم ینتظر زوال الشمس لکنه یخرج فی وقت یمکنه ان یأتی الجامع فیصلی اربع رکعات قبل الاذان عند المنبر وبعد الجمعة یمکث بقدر ما یصلی اربع رکعات او ستا علی حسب اختلافهم فی سنة الجمعة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۱۳ الباب السابع فی الاعتکاف)[2]

اعتکاف کی حالت میں تعلیم کے لیے نکلنا

سوال:۔ اگر اعتکاف کے دوران تعلیم کی ضرورت پڑے تو معتکف کے لیے مسجد سے نکلنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص اعتکاف میں بیٹھنے سے قبل بعض امور کے کرنے کو مشروط کرے تو

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاءؒ:۔ واما فی الاعتکاف النفل فلا بأس بان یخرج بعذر او بغیر عذر۔ (الفتاوی التاتارخانية ج۲ ص۴۱۲ الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۱۳ الباب السابع فی الاعتکاف۔

[2] قال العلامة طاهر بن احمد بن عبد الرشیدؒ:۔ وعن محمدؒ انه ان کان منزله بعیداً من الجامع یخرج حین تری انه یبلغ الجامع عند النداء وان کان خروجه قبل الزوال هو الصحیح۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۶۷ الفصل السادس فی الاعتکاف)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۰۱ باب الاعتکاف۔

اس دوران اس کے لیے وہ عمل کرنا جائز ہوگا اور اس سے اس کا اعتکاف متاثر نہیں ہوگا۔

قال العلامة عالم بن العلاءؒ: ولو شرط وقت النذر والالتزام ان یخرج الی عبادة المریض وصلوٰة الجنازة وحضور العلم یجوز لهٗ ذٰلك۔

(فتاوٰی تاتارخانیة ج ۲ ص ۴۱۲ الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف)[1]

بوقتِ ضرورت اعتکاف سے نکلنا

سوال: اہل وعیال کی بیماری یا کسی بہت بڑے حادثہ کی وجہ سے اعتکاف کا چھوڑنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جان ومال یا اہل وعیال کے کسی ممکنہ یقینی خطرہ کی وجہ سے اعتکاف کو چھوڑنا جائز ہے ایسی حالت میں ضرورتِ شدیدہ کی وجہ سے اگر معتکف باہر چلا جائے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا لیکن گنہگار نہ ہوگا، تاہم اگر مسجد کے انہدام کی وجہ سے یا جبراً مسجد سے نکالے جانے کی صورت میں فوراً دوسری مسجد میں داخل ہوجائے تو اعتکاف برقرار رہے گا۔

لما قال العلامة فخر الدین الزیلعیؒ: وکذا لو خرج للجنازة یفسد اعتکافه وکذا لصلوٰتها ولو تعینت علیه او لانجاء الغریق او الحریق او الجهاد اذا کان النفیر عامًا او لاداء الشهادة کل ذٰلك مُفسد بخلاف الخروج لحاجة الانسان لانها معلومة الوقوع فتکون مستثناة ولهٰذا لو انهدم المسجد الذی هو فیه فانتقل الیٰ مسجد آخر لم یفسد اعتکافه للضرورة لانه لم یبق مسجدًا بعد ذٰلك ففات شرطه وکذا لو تفرق اهله لعدم الصّلوات الخمس فیه ولو اخرجه ظالم کرهًا او خاف علی نفسه وماله من المکابرین فخرج لا یفسد اعتکافه۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۵۱ باب الاعتکاف)[2]

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: لو شرط وقت النذر ان یخرج لعیادة مریض وصلوٰة جنازة وحضور مجلس علم جاز ذٰلك فلیحفظ۔ (الدر المختار ج ۲ ص ۱۲۶ باب الاعتکاف)

وَمِثْلُهٗ فی حاشیة طحطاوی ج ۱ ص ۴۸۳

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: واما ما لا یغلب کانجاء غریق وانهدام مسجد فمسقط للاثم لا للبطلان والا لکان النسیان اولی بعدم الفساد کما حققه الکمال خلافًا لما فصله الزیلعی وغیره۔ قال ابن عابدینؒ: تحت قوله خلافًا لما فصله الزیلعیؒ حیث جعل الخروج لعیادة المریض والجنازة وصلوٰتها وانجاء الغریق والحریق والجهاد اذا کان النفیر عامًا واداء الشهادة مفسدًا بخلاف خروجه الیٰ مسجد آخر بانهدام المسجد او تفرق اهله لعدم صلوٰة الخمس فیه واخراج ظالم کرهًا وخوفه علیٰ نفسه وماله من المکابرین۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۴۴۹ باب الاعتکاف)

اخراجِ ریح کے لیے معتکف کا مسجد سے نکلنا

سوال:۔ ظاہر ہے کہ مسجد میں ریح نکالنا مناسب نہیں، کیا معتکف اس کے لیے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسجد میں اخراجِ ریح اگرچہ بالاتفاق مکروہ ہے لیکن طبعی تقاضے کی وجہ سے معتکف کے بارے میں فقہاءِ کرام کے مختلف اقوال ہیں، بعض فقہاء اخراجِ ریح کے لیے مسجد سے نکلنا افضل مانتے ہیں جبکہ بعض فقہاء مسجد سے نکلنے کو منع کرتے ہیں، اگرچہ سب کے ہاں مسجد ہی میں ریح نکالنا مرخص ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اخراجِ ریح کے لیے مسجد سے باہر نکلے۔

قال ابن عابدینؒ :۔ (تحت قوله ولا البول والفصد فیه) وكذا لا يخرج فيه الريح من الدُّبر كما فی الاشباه واختلف فيه السلف فقيل لا بأس وقيل يخرج اذا احتاج اليه وهو الاصح حموی عن شرح الجامع الصغير للتمرتاشي۔ (رد المحتار ج۱ ص۴۸۶ مطلب فی احكام المسجد)[۱]

بھول کر اعتکاف سے نکلنے کا حکم

سوال:۔ کسی آدمی کا بھول کر اپنے معتکف سے نکلنے کی وجہ سے اس کے اعتکاف کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بھول کر معتکف سے نکلنا صاحبین کے نزدیک مفسدِ اعتکاف نہیں، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف باقی نہیں رہتا، احتیاط اسی میں ہے۔

قال برہان الدینؒ :۔ ولو خرج من المسجد ساعة بغير عذر فسد اعتكافه عند ابی حنيفةؒ رحمه الله تعالىٰ لوجود المنافی وهو القياس وقالا لا يفسد۔ (الهداية ج۱ ص۲۱۲ باب الاعتكاف)[۲]

---

[۱] لما فی الهندية: سئل ابو حنيفةؒ عن المعتكف اذا احتاج الى الفصد او الحجامة هل يخرج فقال لا وفی الآلی واختلف فی الذی يفسو فی المسجد فلم ير بعضهم بأسًا وبعضهم قالوا لا يفسو ويخرج اذا احتاج اليه وهو الاصح كذا فی التمرتاشی۔ (الفتاویٰ الہندیہ جلد ۵ ص۳۲۱ کتاب الکراہیۃ، الباب الخامس فی آداب المسجد)
وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاویٰ ج۲ ص۱۵۶ باب الاعتکاف۔

[۲] قال العلامة شيخ الاسلام ابی بكر بن علی رحمه الله :۔ وكذا اذا خرج من المسجد ساعة بغير عذر فسد اعتكافه عند ابی حنيفة لوجود المنافی وعندهما لا يفسد۔
(الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۸۰ باب الاعتكاف۔
وَمِثْلُهٗ فی فتح القدير ج۲ ص۳۱۰ باب الاعتكاف۔

حُقہ پینے کے لیے مسجد سے نکلنا مرخص نہیں

سوال:- اگر معتکف حُقہ پینے کا عادی ہو تو کیا اس کے لیے حُقہ پینے کی خاطر مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- حُقہ نوشی کوئی ایسی چیز نہیں جو معتکف کے حوائج طبعی میں شمار ہو سکے جس کے لیے مسجد سے نکلنا مرخص ہو، اگر مسجد کے احاطہ میں کھڑے ہو کر دھواں باہر نکالنا ممکن ہو تو تطبیق کی صورت پیدا ہو سکتی ہے، ورنہ مسجد سے محض اس کے لیے نکلنا یا مسجد میں حُقہ پینا معتکف کو زیب نہیں دیتا، تاہم دورانِ اعتکاف ایسی چیزوں کا استعمال آزمائش سے خالی نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ:- (الخروج الا لحاجة الانسان) طبيعية كبول وغائط وغسل لو احتلم ولا يمكنه الاغتسال في المسجد او شرعية كعيد واذان لو مؤذنا وباب المنارة خارج المسجد ...... فلو خرج ولو ناسيا ساعة زمانية لا رملية كما مر بلا عذر فسد۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۴۸ باب الاعتكاف)[1]

معتکف کا بیرونِ مسجد باتیں کرنا

سوال:- اگر معتکف کسی ضرورت کی تکمیل کے لیے مسجد سے باہر نکلے تو راستے میں کسی سے باتیں کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- اگر کوئی معتکف کسی ضرورت کے تحت مسجد سے باہر نکل کر چند باتیں کرے تو اس سے اعتکاف پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا البتہ اگر بلا ضرورت باتوں کیلئے ٹھہر جائے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا تاہم بہتر یہ ہے کہ بلا ضرورت باتوں سے اجتناب کیا جائے۔

قال ابن نجيمؒ:- واما التكلم بغير خير فانه يكره لغير المعتكف فما ظنك للمعتكف۔

(البحر الرائق ج۲ ص۳۰۴ باب الاعتكاف)[2]

---

[1] لما قال العلامة عماد بن حسن الشرنبلاليؒ:- ولا يخرج منه) من معتكفه فيشمل المرأة..... الا لحاجة شرعية كالجمعة..... او حاجة طبعية كالبول والغائط وازالة نجاسة ..... فان خرج ساعة بلا عذر فسد الواجب۔ (مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص۵۲۹ باب الاعتكاف)

وَمِثْلُهٗ فی کفایت المفتی ج۴ ص۲۳۲ باب الاعتکاف۔

[2] قال طاهر ابن احمد ابن عبد الرشيدؒ:- واذا خرج لبول او غائط لا يمكث في منزله بعد الفراغ من الطهور۔ (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۲۶۷ باب الاعتكاف۔

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۸۱ باب الاعتكاف

حالتِ اعتکاف میں بیوی سے بوس وکنار کا حکم

سوال: مسجد میں اعتکاف کے دوران اپنی بیوی سے بوس وکنار سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جماع مفسدِ اعتکاف ہے۔ البتہ دواعی جماع (بوس وکنار) مفسدِ اعتکاف نہیں مگر اس کا ارتکاب حرام ضرور ہے، تاہم اس دواعی سے اگر انزال ہو جائے تو اس صورت میں اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وبطل بوطء فی فرج انزل ام لا ولو کان وطؤہ خارج المسجد لیلا او نهاراً عامداً او ناسیاً فی الاصح لان حالته مذکرۃ وبطل بانزال بقُبلة او لمس او تفخیذ ولو لم ینزل لم یبطل وان حرم الکل لعدم الحرج ـــ قال ابن عابدینؒ: تحت قوله (وان حرم الکل) ای کل ما ذکر من دواعی الوطء اذ لا یلزم من عدم البطلان بها حلها۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۴۵۰ باب الاعتکاف) ؎

حالتِ اعتکاف میں بیوی سے باتیں کرنا

سوال: کیا اعتکاف کی حالت میں بیوی سے باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ معتکف مسجد میں ہو اور اس کی بیوی گھر میں ہو؟

الجواب: حالتِ اعتکاف میں بالکل خاموش رہنا مکروہ ہے، خیر اور بھلائی کی باتیں کرنا ہر کسی سے جائز ہے چاہے انسان کی شریکِ حیات ہو یا کوئی اور، تاہم بیوی سے پیار و محبت کی باتیں کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویکرہ تحریماً صمت ان اعتقدہ قربة والا لا وتکلم الا بخیر وهو ما لا اثم فیه ومنه المباح عند الحاجة الیه لا عند عدمها الخ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۴۹ باب الاعتکاف)

؎ وفی الهندیة: (ومنها الجماع ودواعیه) فیحرم علی المعتکف الجماع ودواعیه نحو المباشرة والتقبیل واللمس والمعانقة والجماع فیما دون الفرج واللیل والنهار فی ذٰلك سواء والجماع عامداً او ناسیاً لیلاً او نهاراً یفسد الاعتکاف انزل اَو لم ینزل وما سواہ یفسد اذا انزل وان لم ینزل لا یفسد۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۲۱۳ الباب السابع فی الاعتکاف)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۱۶ کتاب الاعتکاف۔

کیا محلے کی ہر مسجد میں اعتکاف ضروری ہے؟

سوال:۔ کیا رمضان المبارک میں محلے کی ہر مسجد میں اعتکاف کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمضان کے مہینے میں اعتکاف مسنون علی الکفایہ ہے لیکن فقہی ذخائر میں اس بات کی کوئی تصریح نظر سے نہیں گذری ہے کہ ہر محلے کی ہر مسجد میں اعتکاف کرنا ضروری ہے، البتہ علامہ شامیؒ کی ایک تشبیہ سے جو انہوں نے اعتکاف کو تراویح کے ساتھ دی ہے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کی طرح اعتکاف بھی ہر محلے کی ہر مسجد میں مسنون ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (قوله سنة علی الکفایة) نظیرها اقامة التراویح بالجماعة فاذا قام بها البعض سقط الطالب عن الباقین فلم یأثموا بالمواظبة علی الترک بلا عذر ولو کان سنة عین لاثموا بترک السنة المؤکدة اثما دون اثم ترک الواجب۔

(ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۴۲ فصل فی الاعتکاف)[1]

وقال ایضاً (تحت قوله والجماعة فیها سنة علی الکفایة) افاد ان اصل التراویح سنة عین (الی ان قال) وهل المراد انها سنة کفایة لاهل کل مسجد من البلدة او مسجد واحد منها او من المحلة ظاهر کلام الشارح الاول واستظهر الثانی ویظهر لی الثالث لقول المنیة حتی لو ترک اهل محلة کلهم الجماعة فقد ترکوا السنة واساؤا۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۳ فصل فی التراویح)

معتکف کا اذان کے لیے خارج از مسجد اذان خانہ کو جانا

سوال:۔ اگر اذان خانہ مسجد سے باہر ہو تو کیا مؤذن جو کہ مسجد میں معتکف ہے اذان کے لیے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ معتکف کا بلا ضرورت شرعی وطبعی کے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، چونکہ اذان دینا ایک امر شرعی ہے اسلیئے اذان کے لیے مسجد سے باہر اذان خانے کو جا سکتا ہے اور اس سے اعتکاف متاثر نہیں ہوگا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: او شرعیة ای خرج لحاجة شرعیة کعید واذان لو مؤذنا وباب المنارة خارج المسجد۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۸ باب الاعتکاف)

---

[1] قال العلامة ابن همامؒ:- وصعود المئذنة ان کان بابها من خارج المسجد لا یفسد فی ظاهر الروایة وقال بعضهم هذا فی حق المؤذن لان خروجه للاذان معلوم فیکون مستثنیٰ اما غیره فیفسد اعتکافه وصحح قاضیخان انه قول الکل فی حق الکل۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۱۱ باب الاعتکاف) —— ومثلهٗ فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۲۶۹ الباب السادس فی الاعتکاف۔

عورتوں کے لیے اعتکاف کا حکم

سوال:۔ عورتوں کا اعتکاف کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ علماءِ احناف کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ ہمارے علاقے کے گھروں میں عورتوں کے لیے نماز پڑھنے کی کوئی خاص جگہ مقرر نہیں ہوتی اور وہ ہر پردہ کی جگہ میں نماز ادا کرلیتی ہیں، تو کیا وہ گھر میں جس جگہ نماز پڑھتی ہیں اسی جگہ اعتکاف کرسکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ عورتوں کا اپنے گھروں میں اعتکاف کرنا احناف کے ہاں جائز ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں، عورتیں گھر کے کسی بھی کونے میں پردہ لگاکر اعتکاف کرسکتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ عورتوں کا نماز کے لیے گھر کے اندر کوئی خاص جگہ مقرر کرنا ضروری نہیں جہاں بھی ممکن ہو نماز بلاکراہت ادا کی جاسکتی ہے، تاہم جہاں تک ہوسکے پردہ میں نماز ادا کی جائے تو بہتر ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: او لبثت امرأة فی مسجد بیتها. قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله فی مسجد بیتها وهو المعد لصلاتها الذی یندب لها ولکل احد اتخاذه۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۴۱ باب الاعتکاف)[1]

حالتِ اعتکاف میں اخبار وغیرہ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ معتکف آدمی اعتکاف کے دوران اخبار و رسائل پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح خبریں سننے کی غرض سے ریڈیو اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اخبارات میں اکثر عریاں تصویریں ہوتی ہیں جبکہ ریڈیو میں صرف آواز سنائی دیتی ہے، تو کیا خبریں سننا زمرۂ عبادت میں شمار ہیں یا معاملات میں؟ ان افعال کے مرتکب شخص کو بار بار سمجھایا گیا کہ معتکف کے لیے یہ فعل غیر مناسب ہے، معتکف چونکہ ریٹائر ٹیچر ہے اس لیے وہ اپنے اس فعل کو مجتہد کی حیثیت سے چھوڑنے کے لیے قطعاً تیار نہیں۔ برائے مہربانی تقدسِ مسجد اور آدابِ اعتکاف سے تفصیلاً آگاہ فرمائیں؟

---

[1] وفی الهندية: المرأة تعتکف فی مسجد بیتها اذا اعتکف فی مسجد بیتها فتلک البقعة فی حقها کمسجد الجماعة فی حق الرجل لا تخرج منه الا لحاجة الانسان۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۱۱ الباب السابع فی الاعتکاف)

الجواب:۔ اعتکاف کا بنیادی مقصد رضاء الٰہی ہے اس لیے اعتکاف کے دوران اُن عبادات میں مشغول ہونا چاہیئے جو رضاء الٰہی کا باعث بنتی ہوں۔ فقہاء کرام نے معتکف کے لیے قرآنِ کریم کی تلاوت، احادیثِ مبارکہ اور دینی کتابوں کا مطالعہ اور نوافل کثرت سے پڑھنا تجویز کیا ہے، لہٰذا ایک معتکف کو ان امور میں مشغول رہنا چاہیئے نہ کہ اخبار پڑھنے اور خبریں سُننے میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرے۔ اور ویسے بھی مسجد کے اندر تصاویر اور آلاتِ لہو و لعب لے جانا شرعاً جائز نہیں۔ اس لیے کسی معتکف کو ریڈیو سے خبریں سننا اور اخبارات دیکھنا صحیح نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: تكلم إلا بخير وهو ما لا اثم فيه ومنه المباح عند الحاجة اليه لا عند عدمها........ كقراءة قرآن وحديث وعلم وتدريس في سير الرسول عليه الصلوٰة والسلام وقصص الانبياء عليهم السلام وحكاية الصالحين وكتابة امور الدين۔

{الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۴۹، ۴۵۰ باب الاعتکاف} [1]

بحالتِ اعتکاف جگہ تبدیل کرنا

سوال:۔ عمومی طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ اعتکاف کے لیے ایک جگہ مخصوص کرتے ہیں، کیا جگہ مخصوص کرنے کے بعد بحالتِ اعتکاف اُس جگہ کو تبدیل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اعتکاف کیلئے مسجد کا ہونا ضروری ہے، معتکف مسجد کے اندر جہاں چاہے رہ سکتا ہے، حالتِ اعتکاف میں مسجد کے اندر جگہ تبدیل کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

لما قال الشیخ عزیز الرحمنؒ: تمام مسجد میں جہاں چاہے اعتکاف بیٹھنے میں کچھ حرج نہیں۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۶ ص۵۰۲ باب الاعتکاف)

---

[1] وفی الهندية: ويلازم التلاوة والحديث والعلم وتدريسه وسير النبي صلى الله عليه وسلم والانبياء عليهم السلام واخبار الصالحين وكتابة امور الدين۔

{الفتاوى الهندية ج ۱ ص۲۱۲ الباب السابع في الاعتكاف}

معتکف دھوپ کے لیے مسجد کے صحن میں بیٹھ سکتا ہے

سوال:۔ کیا سردی کے دنوں میں معتکف اپنی مخصوص جگہ سے نکل کر باہر صحن میں دھوپ میں بیٹھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حالتِ اعتکاف میں مسجد کے اندر رہنا ضروری ہے، تمام مسجد مُعتکِف کے لیے مُعتکَف ہے، لہٰذا مُعتکِف آدمی مسجد کے اندر جہاں چاہے قیام کرے اگرچہ مخصوص جگہ کے علاوہ ہی ہو۔

لما قال الشیخ عزیز الرحمنؒ: مُعتکِف جس مسجد میں مُعتکَف ہے اُس تمام مسجد میں جس جگہ چاہے رہ سکتا ہے اور سو سکتا ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۶ ص ۵۰۳ باب الاعتکاف)[1]

حالتِ اعتکاف میں کھانا لانے کیلئے گھر جانے اور وہاں منہیات کا ارتکاب کرنے والے کے اعتکاف کا حکم

سوال:۔ ہمارے گاؤں کا ایک شخص رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے کیلئے محلے کی مسجد میں بیٹھ گیا، چونکہ اس کے لیے گھر سے سحری اور افطاری لانے کا کوئی انتظام نہ تھا اس لیے اسے خود ہی سحری اور افطاری لانے کے لیے گھر جانا پڑتا، ایک دن سحری لانے کیلئے جب وہ گھر گیا تو لاعلمی میں اس نے ضرورت سے زیادہ وقت گزارا اور اپنی بیوی کا بوسہ بھی لیا لیکن جماع نہیں کیا۔ اِس پر مسجد کے امام نے اس سے کہا کہ آپ کا اعتکاف ٹوٹ گیا ہے اسلئے آپ اس کی قضاء کریں۔ آنجناب سے التجاء ہے کہ کیا یہ شخص تمام دنوں کے اعتکاف کی قضاء کرے گا یا صرف اسی دن کی؟ نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ کیا اعتکاف کی قضاء غیر رمضان میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو شخص رضا الٰہی کے لیے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں معتکف ہو جائے تو وہ بلا ضرورتِ شرعی یا دنیاوی مسجد کی حدود سے باہر نہ نکلے۔ بہتر یہ ہے کہ گھر سے سحری یا افطاری لانے کے لیے کوئی دوسرا انتظام کیا جائے لیکن اگر کوئی دوسرا انتظام ممکن نہ ہو تو پھر خود بھی جا سکتا ہے مگر بقدرِ ضرورت یعنی صرف سحری یا افطاری اٹھا کر مسجد میں لے آئے۔

---

[1] قال العلامة الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: ہر وقت گوشہ میں رہنا ضروری نہیں بلکہ عبادتِ نافلہ ذکر کے لیے اس میں رہنا بہتر ہے، باقی اوقات میں مسجد کے اندر جہاں چاہے اُٹھے بیٹھے۔
(امداد الاحکام ج ۲ ص ۱۲۵ باب الاعتکاف)

کما قال العلامۃ المرغینانیؒ: ولا یخرج من المسجد الا لحاجۃ الانسان والجمعۃ۔ (الھدایۃ ج۱ ص۲۱۲ کتاب الصوم، باب الاعتکاف)

ضرورت سے زیادہ تاخیر نہ کرے اور نہ اُن اوامر کا ارتکاب کرے جو شرعاً اعتکاف کے دوران ممنوع ہیں، مثلاً بیوی سے جماع کرنا یا دعاوی جماع کرنا وغیرہ۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں چونکہ اس شخص نے حالتِ اعتکاف میں دو منہیات کا ارتکاب کیا ہے (۱) سحری لاتے وقت بلا ضرورت گھر میں ٹھہرا۔ (۲) اپنی منکوحہ کا بوسہ لیا۔ اس لیے اس کا اس دن کا اعتکاف ٹوٹ گیا ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وخص المعتکف باکل وشرب ونوم وعقد احتاج الیہ ۔۔۔ فلو خرج لاجلھا فسد لعدم الضرورۃ۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۵۱ باب الاعتکاف)۔

اس لیے اس پر صرف اسی دن کے اعتکاف کی قضا کر ہے۔

کما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ای علی قول ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ یقضی الیوم الذی افسدہ لاستقلال کل یوم بنفسہ۔

(رد المحتار ج۲ ص۴۴۳ کتاب الصوم۔ باب الاعتکاف)

قضاء چاہے رمضان میں کرے یا غیر رمضان میں، لیکن غیر رمضان میں اعتکاف کی قضا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس دن روزہ بھی رکھے۔

* *

كتاب
الحج

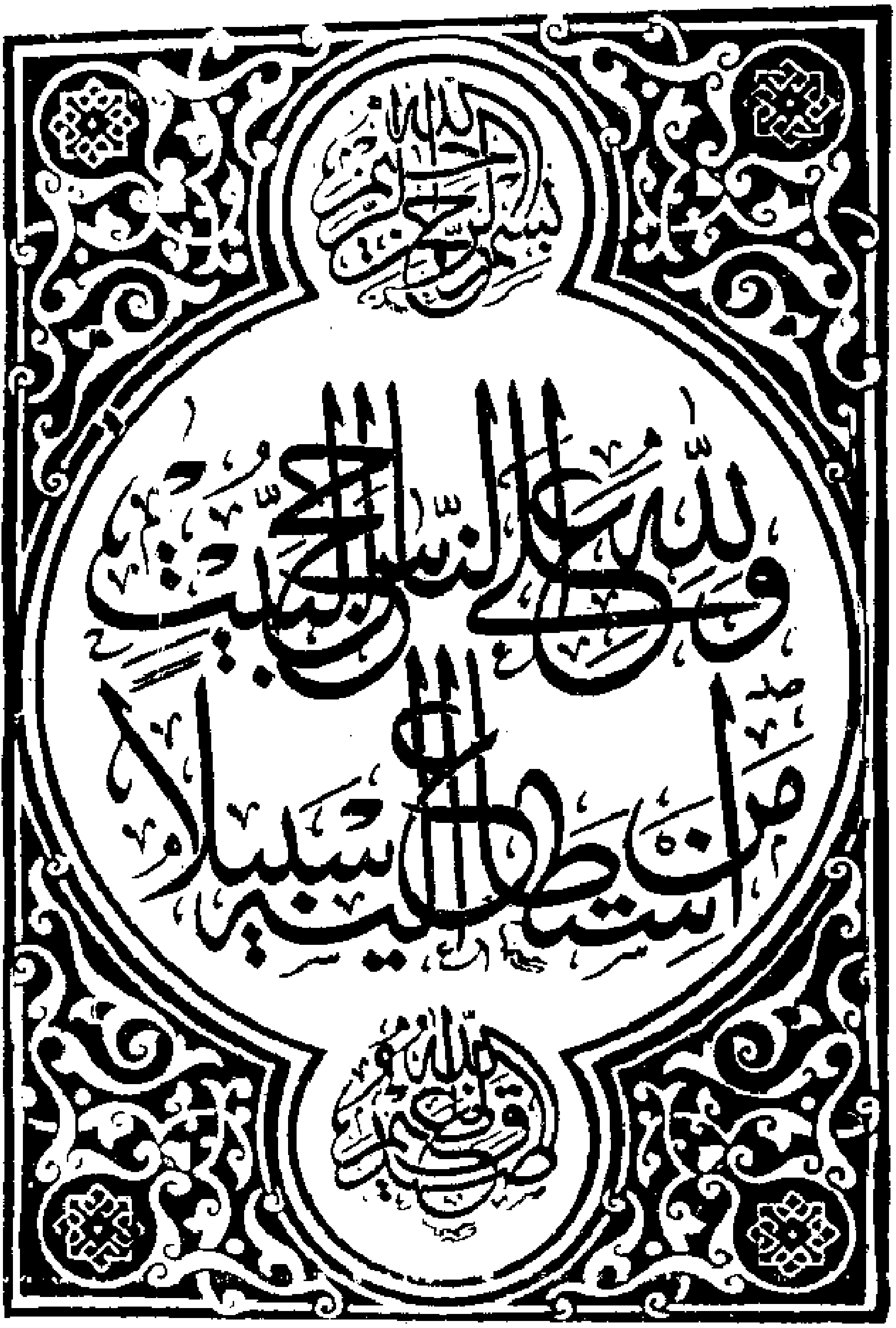
بسم الله الرحمن الرحيم
ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا
صدق الله العظيم

مصر کے مشہور استاد خطاط محمد حسنی کا خط ثلث کا ایک نادر نمونہ

باب شرائط الحج وارکانہ

(حج کے شرائط وارکان کے بارے میں)

حج کی فرضیت کا وقت

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کو رمضان کے مہینہ میں اپنے دادا کی میراث سے کافی مقدار میں مال ملا اور محرم کے مہینہ تک مال موجود رہا بعد میں مال خرچ ہوگیا تو کیا اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فرضیت حج کے لیے اشہر حج میں مال کثیر کا مالک ہونا ضروری ہے، چونکہ یہ آدمی اشہر حج میں مال کا مالک بنا تھا اس لیے اس پر حج فرض ہوگیا ہے، البتہ اگر یہ آدمی کسی ایسے بعید ملک میں رہتا ہو کہ وہاں سے اشہر حج سے قبل حجاج روانہ ہوتے ہوں تو قافلۂ حجاج کی روانگی کا وقت معتبر ہوگا۔

قال الامام ابن همامؒ:۔ والاولی ان یقال اذا کان قادرًا وقت خروج اهل بلده ان کانوا یخرجون قبل اشهر الحج لبعد المسافة او قادرًا فی اشهر الحج ان کانوا یخرجون فیها ولم یحج حتیٰ اذا افتقر تقرر دینًا۔ (فتح القدیر ج ۲ ص۳۲۱ کتاب الحج) [1]

ضرورت سے زائد زمین ہو تو حج فرض ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کی زمین اس کی ضروریات سے زائد ہے تو کیا اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مصارف حج ادا کرنے کے بعد اتنی زمین باقی رہتی ہو کہ وہ اس کے اور اس کے اہل وعیال کی معاش کے لیے کافی ہو تو اس پر حج فرض اور لازمی ہے۔

وفی الهندیة:۔ ان کان له من الضیاع لو باع مقدار ما یکفی لزاد والراحلة ذاهب

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله علی مسلم الاوّل شروط الوجوب والوقت ای القدرة فی اشهر الحج او فی وقت خروج اهل بلدة علیٰ ما یأتی۔

(ردالمحتار ج ۲ ص۴۵۸ کتاب الحج، مطلب فیمن حج بمال الحرام)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۲۱۹ کتاب المناسك، الباب الاوّل۔

وجائیاً ونفقة عیاله واولاده ویبقی له من الصنیعة قدر ما یعیش بغلّة الباقی یفترض علیه الحج والا فلا۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۲۱۸ الباب الاول فی تفسیر الحج)[1]

زمین کی آمدنی پر حج کی فرضیت

سوال: میری کچھ زمین ہے اُس سے جو سالانہ آمدنی حاصل ہوتی ہے اس سے صرف میرا خرچہ پورا ہوتا ہے تاہم اگر زمین کی قیمت لگائی جائے تو وہ کافی مالیت کی بنتی ہے، کیا اس قیمت کی وجہ سے مجھ پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: حج کی فرضیت کے لیے مالی استطاعت کا ہونا ضروری ہے صرف زمین کی قیمت پر حج فرض نہیں ہوتا البتہ اگر زمین کی آمدنی اتنی مقدار میں ہو کہ جس سے اہل و عیال کا اور حج کے لیے آمد و رفت کا خرچہ پورا ہوتا ہو تو حج فرض ہے ورنہ نہیں۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: اذا قدر علی الزاد والراحلة فاضلة عن المسکن وما لا بد منه وعن نفقة عیاله الی حین عوده۔ (الهدایه ج ۱ ص ۲۱۳ کتاب الحج)[2]

صرف تصرّف کا اختیار حج کی فرضیت کے لیے کافی نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بیوہ عورت کی اولاد مالدار ہے اور ماں کو بھی اولاد کے مال پر تصرف کرنے کا پورا پورا اختیار ہے، تو کیا اس اختیار کی وجہ سے اس عورت پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر اس عورت کے پاس مال بطورِ مِلک ہو اور اس میں شرائطِ حج بھی پائی جائیں تو اس پر حج فرض ہے، صرف مال پہ اختیار ہونے کی وجہ سے شرعاً حج فرض

---

[1] وقال قاضیخان: وان کان صاحب صنیعة ان کان له من الضیاع لو باع مقدار ما یکفی لزاد والراحلة ذاهباً وجائیاً ونفقة عیاله واولاده ویبقی له من الصنیعة قدر ما یعیش بغلّة الباقی یفترض علیه الحج والا فلا۔ (الفتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الهندیه ج ۱ ص ۲۸۱ کتاب الحج)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۱۴ کتاب الحج۔

[2] قال العلامة التمرتاشیؒ: وراحلة فضلت عما لا بد منه وفضلا عن نفقة عیاله الی حین عوده۔ (تنویر الابصار علیٰ صدر ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۶۲ کتاب الحج)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۱۱ کتاب الحج۔

نہیں ہوتا۔

واما شرائط الوجوب منها الاسلام ومنها العقل ومنها القدرة على الزاد والراحلة بطريق الملك۔ (الفتاویٰ الهندية ج١ ص٢١٧ كتاب الحج، الباب الاول فى تفسير الحج) ـہ

مشترکہ مال سے حج کی فرضیت کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم چار بھائی مشترکہ کاروبار کرتے ہیں، کیا اس کاروبار سے جو نفع حاصل ہوتا ہے اس سے ایک بھائی حج کرسکتا ہے؟ نیز مشترکہ مال پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر مشترکہ کاروبار کے اس منافع کو چار حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد ہر ایک کے حصہ میں اتنی رقم آئے کہ اس سے حج کے جملہ اخراجات پورے ہوتے ہوں تو ہر حصہ دار پر حج فرض ہے، مال مشترکہ کے کل نفع پر مجموعی طور پر حج فرض نہیں ہوتا۔

قال العلامة الحصكفيؒ:- على مسلم ذی زاد، الخ- وراحلة فضلا عما لا بد منه و فضلاً عن نفقة عياله الخ الى حين عوده. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج٢ ص٤٥٨ كتاب الحج) ـہ ٢

حکومت کے خرچ پر حج کرنے سے حج کا فریضہ ساقط ہوجاتا ہے

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک آدمی سرکاری ملازم ہے اور وہ ۱/۴ حصہ رقم جمع کراتا ہے باقی رقم حکومت اپنی جانب سے ادا کرتی ہے لہٰذا اگر یہ شخص اس طرح حج کرے تو کیا یہ حج فرض حج شمار ہوگا یا نفل؟

الجواب:- اس سفر سے اس کا حج فرض ادا ہوکر اس کا ذمہ فارغ ہوجائے گا، کیونکہ

ـہ قال العلامة التمرتاشيؒ: على مسلم ذی زاد وراحلة وفضلاً عن نفقة عياله الى حين عوده۔ (تنوير الابصار على صدر رد المحتار ج٢ ص٤٦١ كتاب الحج)

وَمِثْلُهُ فى البحر الرائق ج٢ ص٣١١ كتاب الحج۔

ـہ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ:- شرائط وجوب الحج العقل والبلوغ والحرية والاستطاعة وتكلموا فى تفسير الاستطاعة۔ قال ابو حنيفةؒ فى ظاهر رواية تفسيرها سلامة البدن وملك الزاد والراحلة۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ ج٢ ص٤٢٩ كتاب الحج، الفصل الاول فى شرائط الوجوب)

وَمِثْلُهُ فى الهندية ج١ ص٢١٧ الباب الاول فى تفسير الحج۔

حکومت نے جو رقم دی ہے وہ حج بدل کے لیے نہیں بلکہ بطورِ تعاون دی ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ:۔ بخلاف ما لو خرج لیحج عن نفسه وفقیر جاز عنه وصوله الی المیقات صار قادراً لقدرة نفسه وقیه ایضًا الا فاقی اذا وصل الی المیقات فهو کالمکی۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۲ کتاب الحج)[1]

حرام مال سے حج کرنے کا حیلہ

سوال:۔ ایک شخص کے مال میں حرام مال کا اختلاط ہے اب وہ حج کرتا ہے تو اس کے لیے کسی سے کچھ رقم قرض پر لیتا ہے لیکن جب قرض ادا کرتا ہے تو حرام مال سے ادا کرتا ہے، تو کیا اس شخص کا حج صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:۔ وجوبِ حج کے لیے مالِ حلال یا مخلوط مال کا ہونا ضروری ہے چونکہ اس شخص نے قرض (مالِ حلال) سے کر حج کیا تو اس کا حج صحیح ہے اگرچہ اس شخص نے قرض کو مالِ حرام سے واپس کیا ہو تاہم اس طرح کی حیلہ بازیوں سے اجتناب ضروری ہے۔

اذا اراد الرجل ان یحج بمال الحلال فیه شبهة فانه یستدین للحج ویقضی دینه من ماله کذا فی فتاوٰی قاضیخان۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۲۲۰ الباب الاول فی الحج)[2]

چوری کا مال مخلوط ہوجانے پر حج کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص چوری کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر تجارت کرے اور جب اسے غناء حاصل ہو اور اس پر حج فرض ہوجائے تو کیا یہ شخص اس مال سے حج کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چوری کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملانے سے کل مال اس کی ملک میں

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ:۔ والفقیر اذا حج ماشیاً ثم ایسر لا حج علیه۔ (الفتاوٰی التاتارخانیة ج۲ ص۴۳۳ کتاب الحج۔ الفصل الاول فی شرائط الوجوب)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۱۷ کتاب المناسك الباب الاول۔

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ:۔ واذا اراد ان یحج بمال الحلال فیه شبهة فانهٗ یستدین للحج ویقضی دَیْنه من ماله۔ (الفتاوٰی التاتارخانیة ج۲ ص۵۷۶ کتاب الحج الفصل العشرون فی المتفرقات)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۰۹ کتاب الحج۔

داخل ہوگیا ہے تو وجوب کے شرائط پائے جاتے کی صورت میں اس پر حج فرض ہے، اسلئے حج سے بچنے کیلئے مالِ حرام کی موجودگی کا بہانہ نہ بنائے بلکہ حج ادا کرے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: کالحج بمال حرام) لیس الحرام بل حرام ھو الانفاق للمال الحرام ولا تلازم بینھما۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۵۶ کتاب الحج مطلب فیمن حج بمال حرام) [۱]

حج فرض ہونے کے بعد تنگدستی سے حج ساقط نہیں ہوتا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت پر حج فرض تھا لیکن بعض عوارض کی وجہ سے وہ حج نہ کرسکی جبکہ اب وہ تنگدست ہوچکی ہے، کیا اس تنگدستی کی وجہ سے اُس سے حج ساقط ہوگیا یا نہیں؟ نیز اگر کوئی آدمی حج فرض ہونے کے باوجود صرف عمرہ کرلے تو کیا اُس سے حج ساقط ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی عورت کے پاس اتنی رقم موجود ہو کہ وہ اپنا اور محرم کا خرچہ برداشت کرسکتی ہو تو اس پر حج فرض ہے، تنگدست ہوجانے سے یا عمرہ کرلینے سے حج ساقط نہ ہوگا زندگی میں حج کرنا ضروری ہے اور اگر حج نہ کرسکا تو پھر موت سے قبل حج کی وصیت کرے اور اس کی وصیت پر عمل کیا جائے گا۔

ومنھا المحرم للمرأۃ شابۃ کانت او عجوزًا اذا کانت بینھا وبین مکۃ ثلاثۃ ایام، ھکذا فی المحیط۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۱۹ کتاب الحج)

وقال ایضاً:۔ واما شرائط وجوبه منھا الاسلام حتّٰی لو ملك به الاستطاعۃ حال کفرہ ثم اسلم بعد ما افتقر لا یجب علیه شئ بتلك الاستطاعۃ بخلاف ما لو ملکه مسلمًا فلم یحج حتّٰی افتقر حیث یتقرر الحج فی ذمته دَینًا علیه۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۱۷ کتاب المناسك، الباب الاوّل) [۲]

---

[۱] وفی الھندیۃ: ویجتھد فی تحصیل نفقۃ حلال فانه لا یقبل الحج بالنفقۃ الحرام مع انه یسقط الفرض معھا۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۲۰ الباب الاوّل فی تفسیر الحج)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۰۹ کتاب الحج۔

[۲] قال العلامۃ ابن ھمامؒ:۔ بخلاف ما لو ملکه مسلمًا فلم یحج حتّٰی افتقر حیث یتقرر الحج فی ذمته دینا علیه۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۲۲ کتاب الحج)

وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۱۵ کتاب الحج۔

مکانات حوائج اصلیہ سے زائد ہوں تو حج فرض ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کے پاس زمین کے علاوہ مکانات بھی ہیں جو حوائج اصلیہ سے زائد ہیں تو کیا اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ شخص حج نہ کرے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: زرعی زمین، مکانات اور دیگر جائیداد وغیرہ اگر حوائج اصلیہ سے زائد ہوں تو اس پر حج فرض ہے لہٰذا یہ شخص فریضۂ حج ادا کرے تاہم اگر حج ادا نہ کرے تو گنہگار ہوگا۔

قال العلامة التمرتاشیؒ: وراحلة فضلة عما لا بد منه وفضلاً عن نفقة عیاله الخ الی حین عوده۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۲ کتاب الحج)[1]

بیٹی کی شادی کرنا مانع حج نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید پر حج فرض ہو چکا ہے لیکن اس کی ایک غیر شادی شدہ بالغ لڑکی ہے جس کا ابھی تک نکاح بھی نہیں ہوا ہے، تو کیا زید گھر میں غیر شادی شدہ بیٹی کی موجودگی میں حج کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: غیر شادی شدہ اولاد کا ہونا والدین کی عدالت پر کوئی اثر نہیں ڈالتی اور اولاد کی شادی کے لیے کثیر مال خرچ کرنا نہ ضروری ہے اور نہ ہی یہ حج کے لیے مانع شرعیہ میں سے ہے، لہٰذا جب زید پر شرعاً حج فرض ہو چکا ہے تو اس کے لیے حج پر جانا ضروری ہے۔

قال فی الهندیة:- ومنها القدرة علی الزاد والراحلة بطریق الملك والاجارة۔ الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۱۷ الباب الاول فی تفسیر الحج۔)[2]

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمه الله:- اذا قدر علی الزاد والراحلة فاضلة عن المسکن ومالا بد منه وعن نفقة عیاله الی حین عوده۔

(الهدایة ج ۱ ص ۲۱۲ کتاب الحج)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۱۱ کتاب الحج۔

[2] قال العلامة ابن عابدینؒ:- (علی مسلم) تحت هذه العبارة الاول شروط الوجوب اذا وجبت بتمامها وجب الحج والا فلا۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۵۹ کتاب الحج)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۱۱ کتاب الحج۔

صاحبِ استطاعت کیلئے مکان کا نہ ہونا مانعِ حج نہیں

سوال: میرے پاس اتنی رقم موجود ہے کہ جس سے میں فریضہ حج ادا کر سکتا ہوں، اگر اس رقم سے مکان بناؤں تو حج کے لیے پیسے نہیں بچتے، کیا اس وقت مکان بنانا ضروری ہے یا حج کرنا؟

الجواب: مکان ایسی ضرورت نہیں جو شرعاً فریضۂ حج کے لیے مانع بنے، جب آپ کے پاس حج کی ادائیگی کے لیے مناسب رقم موجود ہے تو اس پر حج کرنا فرض ہے مکان بنانا ضروری نہیں۔

قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: ھو فرض بشرط حریة وبلوغ وعقل وصحة وقدرة زاد وراحلة وفضلت عن مسکنه۔ وفی قوله وما لا بد منه اشارة الی ان المسکن لا بد ان یکون محتاجاً الیه للسکنی فلا تثبت الاستطاعة بدار یسکنها وعبد یستخدمه وثیاب یلبسها ومتاع یحتاج الیه وتثبت الاستطاعة بدار لا یسکنها وعبد لا یستخدمه فعلیه ان یحج۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۳۱۳ کتاب الحج) لہ

اولاد کا غیر شادی شدہ ہونا وجوبِ حج سے مانع نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اس سال مع اہلیہ حج بیت اللہ کا ارادہ کیا ہے لیکن اتفاق سے میرا ایک بالغ لڑکا غیر شادی شدہ ہے کیا بیٹے کا غیر شادی شدہ ہونا عذر شرعی بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بیٹے کا غیر شادی شدہ ہونا عذر شرعی نہیں جو وجوبِ حج سے مانع بنے، لہٰذا جب آپ پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی شرعی مانع نہیں تو جتنا جلد ممکن ہو سکے آپ فریضۂ حج ادا کریں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وفی الاشباہ ومعه الف وخاف العزوبة ان کان قبل خروج اهل بلدة فله التزوج ولو وقته لزم الحج۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۲ کتاب الحج) ۲ہ

لہ قال العلامة ابن عابدینؒ: وان لم یکن له مسکن ولا شیء من ذلک وعنده دراهم تبلغ به الحج وتبلغ ثمن مسکن وخادم وطعام وقوت وجب علیه الحج وجعلها فی غیره۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۲ کتاب الحج قبیل مطلب فی قولهم یقدم حق العبد)

ومثله فی التاتارخانیة ج ۲ ص ۴۳۳ کتاب الحج، الفصل الاول فی شرائط الوجوب۔

۲ہ وفی الهندیة: اذا وجد ما یحج به وقد قصد التزوج یحج به ولا یتزوج لان الحج فریضة اوجبها اللہ تعالیٰ علی عبده کذا فی التبیین۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۱۷ کتاب المناسک الباب الاول فی تفسیر الحج)

ومثله فی التاتارخانیة ج ۲ ص ۴۳۳ کتاب الحج، الفصل الاول فی شرائط الوجوب۔

سعودی عرب میں رہ کر بھی حج نہیں کیا تو اب حج فرض ہے یا نہیں

سوال:۔ ایک شخص کاروبار کی غرض سے کچھ عرصہ سعودی عرب میں رہا اور چند عُمرے بھی کر لیے لیکن کسی وجہ سے سعودی حکومت نے گرفتار کر کے وطن واپس بھیجدیا، کیا اس آدمی پر اب حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج کی فرضیت کے لیے استطاعتِ حج ہونا ضروری ہے صرف سعودی عرب جانے سے حج فرض نہیں ہوتا، چونکہ اس شخص نے نہ احرام باندھا ہے اور نہ ایامِ حج تک وہاں رہا ہے لہٰذا اس شخص پر حج فرض نہیں۔

کما ہو فی الہندیۃ: ثم ذکر من شرائط الوجوب الحج عن الزاد والراحلۃ وغیر ذلک یعتبر وجودھا وقت خروج اھل بلدہ الی مکۃ۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج۱ ص۲۱۹ الباب الاول فی تفسیر الحج) [1]

عورت پر حج فرض ہو تو خاوند کی اجازت ضروری نہیں

سوال:۔ ایک عورت پر حج فرض تھا اُس نے خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے بھائی کے ہمراہ حج ادا کیا تو کیا اس عورت کا حج صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر اس عورت پر شرعاً حج فرض تھا تو اس کا بغیر اجازتِ شوہر کے بھائی کے ساتھ حج ادا کرنا صحیح ہے، لیکن اگر نفلی حج ہو تو خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے۔

قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا وجدت محرماً ولا یأذن لھا زوجھا ان تخرج فلھا ان تخرج بغیر اذنہ فی حجۃ الاسلام دون التطوع۔

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج ۱ ص۱۳۵ کتاب الحج، الفصل الاول فی شرائط الوجوب) [2]

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: وقت خروج اھل بلدھا وکذا سائر الشرائط۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۵ کتاب الحج)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۱۱ کتاب الحج۔

[2] قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: واشار بعدم اشتراط رضا الزوج الی انہ لیس لہٗ منعھا عن حجۃ الاسلام واذا وجدت محرما لانہ حقہ لا یظھر فی الفرائض بخلاف التطوع۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۱۵ کتاب الحج)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۲ ص۲۱۹ کتاب الحج۔ الباب الاوّل فی تفسیر الحج۔

عورت کا کراچی سے جدہ تک بغیر محرم کے سفر کرنا اور حج محرم کے ساتھ ادا کرنے کا حکم

سوال: ۔ اگر ایک آدمی سعودی عرب سے اپنی والدہ کے لیے حج کا داخلہ کرے اور اس کی والدہ کراچی سے جدہ تک بلا محرم سفر کرے اور حج اپنے بیٹے کے ساتھ ادا کرے تو اس کا حج شرعاً ادا ہو گا یا نہیں؟

الجواب: ۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق عورت کا بغرضِ حج کراچی سے جدہ تک بلا محرم سفر کرنا ناجائز ہے تاہم اس کے باوجود حج ادا ہو جائے گا اگرچہ مکروہ ضرور ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: ولو حجت بلا محرم جاز مع الکراهة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۵ کتاب الحج)[1]

عورت کے لیے اس کا بہنوئی محرم نہیں

سوال: ۔ میرا خاوند بیمار ہے کیا میں حج کے لیے اپنے بہنوئی کے ساتھ جا سکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب: ۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے عورت کے ساتھ اس کے محرم کا ہونا لازمی ہے بہنوئی چونکہ شرعاً محرم نہیں اس لیے بہنوئی کے ساتھ فریضۂ حج کے لیے کسی بھی عورت کا جانا درست نہیں، البتہ اگر کوئی عورت بغیر محرم کے حج کے لیے جائے تو ذمہ فارغ ہو جائے گا مگر ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

ومنها المحرم للمرأة شابة کانت عجوزاً إذا کانت بینها وبین مکة ثلاثة أیام هکذا فی المحیط وإن کان أقل من ذلك حجت بغیر محرم والمحرم الزوج ومن لا یجوز مناکحتها علی التابید بقرابة أو رضاع أو مصاهرة کذا فی الخلاصة۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۱۹ الباب الأول فی تفسیر الحج)[2]

---

[1] وفی الهندیة: ووجود المحرم للمرأة شرط لوجوب الحج أم لأدائه بعضهم جعلوها شرط للوجوب ولبعضهم شرط لأدائه وهو الصحیح۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۱۹ الباب الأول فی تفسیر الحج)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۱۵ کتاب الحج۔

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: ومع زوج أو محرم وفی رد المحتار والمحرم من لا یجوز له مناکحتها علی التابید بقرابة أو رضاع أو صهریة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۴ کتاب الحج مطلب فی قولهم یقدم حق العبد)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۱۵ کتاب الحج۔

عورت کیلئے خاوند کے بھائی یا بھتیجے کے ساتھ حج کرنے کا حکم

سوال:۔ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے، خاوند کی زندگی میں وہ حج ادا کر چکی ہے اب وہ دوبارہ حج کرنا چاہتی ہے تو کیا وہ اپنے خاوند کے بھائی یا بھتیجے کے ساتھ حج کے لیے جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عورت کے لیے حج پر جانے کے لیے کسی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے، خاوند کا بھائی اور بھتیجا چونکہ محرم نہیں اس لیے عورت کا ان کے ساتھ حج پر جانا صحیح نہیں۔

ومنها المحرم للمرءة شابة كانت او عجوزًا اذا كانت بينها وبين مكه ثلاثة ايام۔ هكذا في المحيط وان كان اقل من ذٰلك حجت بغير محرم والمحرم الزوج ومن لا يجوز مناكحتها على التابيد بقرابة او رضاع او مصاهرة كذا في الخلاصة۔

(الفتاوٰى الهندية ج۱ ص۲۱۹ الباب الاول في تفسير الحج) [1]

عورت غیر محرم ہمسایہ کے ساتھ حج کیلئے نہیں جا سکتی

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت حج ادا کرنا چاہتی ہے لیکن اس کا خاوند، بھائی وغیرہ نہیں ہے، کیا وہ اپنے غیر محرم ہمسایہ کے ساتھ حج کے لیے جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب تک اس عورت کے ساتھ اس کا محرم نہ ہو اُس وقت تک اس پر حج فرض نہیں اور یہ کسی غیر محرم پڑوسی کے ساتھ حج کے لیے نہیں جا سکتی۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ويعتبر في المرءة ان يكون لها محرم تحج به او زوج ولا يجوز لها ان تحج بغيرهما اذا كان بينها وبين مكة سيرة ثلاثة ايام۔ (الهداية ج۱ ص۲۱۳ كتاب الحج) [2]

---

[1] قال العلامة الحصكفيؒ: ومع زوج او محرم۔ وفي ردّ المحتار والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التابيد لقرابة او رضاع او صهرية۔ (الدر المختار على صدر ردّ المحتار ج۲ ص۴۶۴ كتاب الحج مطلب في قولهم يقدم حق العبد)

وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج۲ ص۳۱۵ كتاب الحج۔

[2] قال العلامة الحصكفيؒ: ومع زوج او محرم مع وجوب النفقة لمحرمه عليها الخ لامرأة (وفي حاشية) والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التابيد بقرابة او رضاع او صهرية۔ (الدر المختار على صدر ردّ المحتار ج۲ ص۴۶۴ كتاب الحج)

وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج۲ ص۳۱۵ كتاب الحج۔

عورت کا دیور یا شوہر کے چچا کے ساتھ حج کے لیے جانا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی عورت اپنے دیور یا شوہر کے چچا کے ساتھ حج کے لیے جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عورت کے لیے حالتِ سفر میں محرم یا خاوند کا ساتھ ہونا ضروری ہے، دیور اور شوہر کا چچا محارم نہ ہونے کی وجہ سے عورت شرعاً ان کے ساتھ سفر نہیں کرسکتی، اس لیے کسی بھی عورت کا اپنے دیور یا شوہر کے چچا کے ساتھ حج پر جانا صحیح نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: ویؤیدہ حدیث صحیحین لایحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر مسیرۃ یوم ولیلۃ الا مع ذی محرم علیہا۔ (ردّ المحتار ج۲ ص ۲۶۵ کتاب الحج)[1]

راہن کے پیسوں سے حج کرنا

سوال:۔ ایک آدمی نے اپنی زمین رہن پر دے دی اس مرہونہ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے وہ اس رقم سے حج کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کا یہ حج ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ رہن سے انتفاع لینا جائز نہیں، البتہ حج نام ہے ارکانِ حج کی ادائیگی کا، چاہے جس مال بھی ہو، اولیٰ یہی ہے کہ حلال مال سے ہو، البتہ حرام مال سے حج کرنے سے بھی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے، اس لیے راہن کا رہن کے پیسوں سے حج کرنا جائز ہے۔

وفی الہندیۃ: ویجتہد فی تحصیل نفقۃ حلال فانہ لایقبل الحج بالنفقۃ الحرام مع انہ یسقط الفرض معہا وان کان مغصوبۃ۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص ۲۲۰ کتاب المناسک۔ الباب الاول)[2]

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ: (تحت ھٰذہ العبارۃ) ومحرم او زوج لامرأۃ فی سفر ای وبشرط محرم الیٰ آخرہ۔ کما فی الصحیحین لاتسافر امرأۃ الا ومعہا محرم وزاد مسلم فی روایۃ او زوج۔ (البحر الرائق ج۲ ص ۳۱۲ کتاب الحج)
وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص ۲۱۸، ۲۱۹ الفصل الاول فی تفسیر الحج۔

[2] قال ابن نجیم المصریؒ: ویجتہد فی تحصیل نفقۃ حلال فانہ لایقبل بالنفقۃ الحرام کما ورد فی الحدیث مع انہ یسقط الفرض۔ (البحر الرائق ج۲ ص ۳۰۹ کتاب الحج)
وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج۲ ص ۴۵۶ کتاب الحج۔ مطلب فیمن حج بمال الحرام۔

صرف نیت کر لینے سے حج فرض نہیں ہوجاتا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چند آدمیوں نے زید سے کہا کہ تم حج کی نیت کرو ہم تم کو حج کے لیے بھیج دیں گے، زید نے حج کی نیت کی مگر انہوں نے زید کو حج کے لیے نہیں بھیجا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا صرف نیت کر لینے سے حج فرض ہوجاتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ صرف نیت کر لینے سے حج فرض نہیں ہوتا جب تک تلبیہ نہ پڑھا ہو، لہٰذا زید پر صرف نیت کر لینے سے حج فرض نہیں ہوا ہے۔

وفی الہندیۃ :۔ ولا یصیر شارعًا بمجرد النیّۃ ما لم یأت بالتلبیۃ او ما یقوم مقامھا۔ (الفتاوٰی الہندیۃ ج ۱ ص۲۲۲ کتاب المناسک۔ الباب الاوّل فی تفسیر الحج) [1]

خاوند کی اجازت کے بغیر حج کرنا

سوال:۔ عورت پر حج فرض ہونے کے بعد اس کے لیے خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج ایک عبادت ہے جو مالدار مسلمان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے اس کی ادائیگی کیلئے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی عورت پر حج فرض ہوجائے تو اس کے لیے خاوند سے اجازت لینا ضروری نہیں اور وہ خاوند کی اجازت کے بغیر بھی حج کر سکتی ہے بشرطیکہ محرم ساتھ ہو۔

وفی الہندیۃ : وعند وجود المحرم کان علیھا ان یحج حجۃ الاسلام وان لم یأذن لھا زوجھا۔ (الفتاوٰی الہندیۃ ج ۱ ص۲۱۹ الباب الاوّل فی تفسیر الحج) [2]

والدہ کی اجازت کے بغیر نفل حج کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نفلی حج کے لیے جانا چاہتا

---

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ : ولا یصیر داخلاً فی الاحرام بمجرد النیّۃ ما لم یضم الیہ التلبیۃ او یسوق ھدیًا۔ (الفتاوٰی التاتارخانیۃ ج ۲ ص۴۳۹ الفصل الثالث فی تعلیم اعمال الحج)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۲۲ کتاب الحج۔ باب الاحرام۔

[2] قال الشیخ ابن عابدینؒ : ولیس لزوجھا منعھا عن حجۃ الاسلام ای اذا کان معھا محرم والا فلہ منعھا۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۴۶۵ کتاب الحج۔ مطلب فی قولھم یقدم حق العبد)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۱۵ کتاب الحج۔

ہے لیکن والدہ اجازت نہیں دیتی، تو کیا زید والدہ کی اجازت کے بغیر نفلی حج کے لیے جا سکتا ہے؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ نے والدین کی اطاعت و فرمانبرداری پر بہت زور دیا ہے لہٰذا زید کو نفلی حج ادا کرنے کے لیے والدہ سے اجازت لینا ضروری ہے بغیر اجازت کے جانا کراہت سے خالی نہیں البتہ فرض حج کے لیے والدہ یا کسی اور کی اجازت ضروری نہیں۔

وفی الهندیة: ویکره الخروج الی الحج اذا کره احد ابویه ان کان الوالد محتاجاً الی خدمة الولد وان کان مستغنیاً عن خدمته فلا بأس، وفی الملتقط حج الفرض اولی من طاعة الوالدین وطاعتهما اولی من حج النفل۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۲۱ الباب الاول فی تفسیر الحج) [1]

نفلی حج کیلئے خاوند کی اجازت ضروری ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت فرض حج ادا کر چکی ہے، اب وہ نفلی حج ادا کرنا چاہتی ہے، اس عورت کے لیے خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: فرض حج کی ادائیگی کے لیے کسی سے اجازت کی ضرورت نہیں البتہ عورتوں کیلئے نفلی حج ادا کرنے میں اپنے خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے بشرطیکہ محرم ساتھ ہو، خاوند سے اجازت لیے بغیر عورت کا نفلی حج پر جانا درست نہیں۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا وجدت محرما ولا یأذن لها زوجها ان تخرج فلها ان تخرج بغیر اذنه فی حجة الاسلام دون التطوع۔

(فتاوی تاتارخانیة ج ۲ ص ۴۳۵ کتاب الحج الفصل الاول فی شرائط الوجوب) [2]

---

[1] قال الشیخ ابن عابدینؒ: (تحت هذه العبارة) ومن یجب استیذانه کاحد ابویه المحتاج الیه ند مثله — آگے فرماتے ہیں: وهذا کلهم فی حج الفرض اما حج النفل وطاعة الوالدین لی مطلقاً۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۵۲ کتاب الحج مطلب فیمن حج بمال حرام)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۰۸ کتاب الحج۔

[2] قال العلامة ابن نجیمؒ (واشار بعدم اشتراط رضا الزوج الی انه لیس له منعها عن حجة الاسلام واذا وجدت محرماً لانه حقه لا یظهر فی الفرائض بخلاف حج التطوع۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۳۱۵ کتاب الحج)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۲۱۹ الباب الاول فی تفسیر الحج۔

نفلی حج افضل ہے یا صدقہ

سوال:- فرض حج ادا کرنے کے بعد نفلی حج کرنا افضل ہے یا اس رقم کو غرباء اور محتاجوں پر خرچ کرنا افضل ہے؟

الجواب:- فرض حج ادا کرنے کے بعد فقراء و مساکین پر مال کو خرچ کرنا نفلی حج سے افضل و بہتر ہے خاص کر جہاں پر فقراء کو ضرورت زیادہ ہو۔

قال الشیخ ابن عابدینؒ: ورد فی البزازیۃ افضلیت الحج و حیث قال الصدقۃ افضل من الحج التطوّع واذا کان الفقیر مضطرًّا الخ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۶۶۱ کتاب الحج مطلب فی تفضیل الحج عن الصدقۃ) [1]

حائضہ عورت طوافِ زیارت چھوڑ دے تو کیا حکم ہے؟

سوال:- اگر کسی عورت نے بوجہ حیض طوافِ زیارت نہ کیا ہو تو کیا اس پر دم لازم ہے؟ کیا یہ عورت اب حلال ہے یا نہیں؟

الجواب:- طوافِ زیارت حج کے ارکان میں سے ایک رُکن ہے، اگر حائضہ عورت حالتِ حیض میں طوافِ زیارت کرے تو اس پر ایک بدنہ (اُونٹ) دم آتا ہے اور اگر طوافِ زیارت کے بغیر ہی وطن واپس آگئی ہے تو یہ عورت حلال نہ ہوگی بلکہ اُسے دوبارہ مکہ مکرمہ جاکر طوافِ زیارت کرنا ہوگا۔

قال العلامۃ ابن العلاء الانصاریؒ:- اذا ترکہا جمیعا ان کان بمکۃ فانہ یعیدہا وان رجع الی اہلہ فہو محرم من النساء ابدًا فیعود الی مکۃ بذٰلک الاحرام۔

(الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۱۸، ۵۱۹ الفصل السابع فی الطواف والسعی) [2]

❖ ❖ ❖

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قد یقال ان صدقۃ التطوّع فی زماننا افضل لما یلزم الحاج غالبًا من ارتکاب المحظورات۔ (منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ج۲ ص۳۱۱ کتاب الحج)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۷۱ کتاب الحج۔ الفصل العشرون فی المتفرقات۔

[2] قال الشیخ ابن عابدینؒ: ویمتد الوقت الی آخر العمر فان اخرہ عنہا ای ایام النحر ولیالیہا منہا کرہ تحریما ووجب الدم ولو لم یطف اصلاً لایحل لہ النساء وان طال ومضت سنون باجماع۔

(ردّ المحتار ج۲ ص۵۱۸ مطلب فی طواف الزیارۃ)

ومثلہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۲۴۵ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الرابع۔

زمین حل میں رہنے والے کے لیے طواف قدوم کا حکم

سوال:۔ اگر ایک آدمی زمینِ حل میں رہتا ہو تو وہ طوافِ قدوم کرے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ طوافِ قدوم جس کو طوافِ تحیۃ الکعبہ بھی کہا جاتا ہے ہر اُس شخص پر واجب ہے جو حدودِ حرم سے باہر رہتا ہو چونکہ یہ شخص ارضِ حل میں رہتا ہے جو حدودِ حرم سے باہر ہے اس لیے اس شخص کے لیے طوافِ قدوم کرنا ضروری ہے۔

وفی الھندیۃ: وھذا الطواف یسمیٰ طواف قدوم والتحیۃ واللقاء ولیس علیٰ اھلِ مکۃ طواف القدوم کذا فی الکافی۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۲۲۶ الباب الخامس فی کیفیۃ اداء الحج) [1]

میقات کے اندر رہنے والوں کے لیے طوافِ وداع کا حکم

سوال:۔ جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہوں ان لوگوں پر طوافِ وداع واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طوافِ وداع اُن لوگوں پر واجب ہے جو حج کے لیے باہر سے آتے ہوں اور جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہوں اُن پر طوافِ وداع واجب نہیں۔

قال ابن نجیم المصریؒ: واراد باھلِ مکۃ من اتخذ مکۃ او داخل المواقیت دارا فلا طواف صدر علیٰ من کان داخل المواقیت۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۵۱ باب الاحرام) [2]

فجر اور عصر کی نماز کے بعد احرام کی نماز کا حکم

سوال:۔ کیا نمازِ فجر اور عصر کے بعد احرام کے دو رکعت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نمازِ فجر اور عصر کے بعد مطلقاً نفل پڑھنا جائز نہیں اس لیے نوافل ذوات الاسباب (احرام یا طواف وغیرہ کی نماز) بھی ممنوع ہے۔

---

[1] قال ابن عابدینؒ: للآفاقی ای لاغیر فتح فلا یسن للمکی ولا لاھل المواقیت ومن دونھا الی المکۃ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۹۲ کتاب الحج، مطلب فی دخول مکہ)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۳۲ باب الاحرام۔

[2] قال ابن عابدینؒ: ثم طواف الصدر (ای الوداع سبعۃ اشواط بلا رمل وسعی وھو واجب الا علی اھل مکۃ ومن فی حکمھم۔ (ردالمحتار ج۲ ص۵۲۳ مطلب فی طواف الصدر)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۳۵ الباب الخامس فی کیفیۃ اداء الحج۔

وفی الھندیۃ: ویصلی رکعتی الطواف فی وقت یباح لہ اداء التطوع فیہ کذا فی شرح الطحاوی۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۲۲۶ الباب الخامس فی کیفیۃ اداء الحج)[1]

مکروہ اوقات میں احرام کی دو رکعت پڑھنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جن اوقات میں احناف کے نزدیک نفل پڑھنا جائز نہیں احرام کی نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: احناف کے ہاں جن اوقات میں مطلقاً نفل نماز پڑھنا جائز نہیں تو انہی اوقات میں نوافل ذوات الاسباب (مثلاً احرام یا طواف وغیرہ کی نماز) بھی پڑھنا ممنوع ہے۔

قال ابن عابدینؒ: ثم صلی شفعا فی وقت المباح۔ قال ابن عابدینؒ تحت ھذہ العبارۃ وفی اطلاقہ نظر لما مر فی اوقات الصلوٰۃ من ان الواجب ولو لغیرہ کرکعتی الطواف والنذر لا تنعقد فی ثلاثۃ من الاوقات المنھیۃ۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۴۹۹ مطلب فی طواف القدوم)[2]

احرام باندھنے سے قبل غسل کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے حج کے لیے روانگی کے وقت بخار کی وجہ سے احرام باندھنے سے قبل غسل نہیں کیا صرف وضو کرکے احرام باندھ لیا تو کیا اس سے زید کے حج میں کوئی نقص تو نہیں آیا؟ اگر نقص آیا ہو تو زید کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب: احرام باندھنے سے قبل غسل کرنا فرض یا واجب نہیں بلکہ ایک مستحب عمل ہے اگر بغیر غسل کے صرف وضو پر اکتفاء کرکے احرام باندھا جائے تو بھی حج میں کوئی نقص نہیں آتا۔

قال العلامۃ ابن العلاء الانصاریؒ: ویستحب عن ارادۃ الاحرام ان یقص شاربہ واظفارہ

---

[1] قال الشیخ ابن عابدینؒ: ثم صلی شفعا فی وقت مباح۔ قال ابن عابدینؒ تحت ھذہ العبارۃ وفی اطلاقہ نظر لما مر فی اوقات الصلوٰۃ من ان الواجب ولو لغیرہ کرکعتی الطواف والنذر لا تنعقد فی ثلاثۃ من الاوقات المنھیۃ۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۴۹۹ مطلب فی طواف القدوم)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۳۲ کتاب الحج، باب الاحرام۔

[2] لما فی الھندیۃ: ویصلی رکعتی الطواف فی وقت مباح لہ اداء التطوع فیہ کذا فی شرح الطحاوی۔ (الفتاوی الھندیہ ج ۱ ص۲۲۶ الباب الخامس فی کیفیۃ اداء الحج)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۳۱ باب الاحرام۔

وفی الینابیع ویحلق عانتہ ۔ ثم یغتسل او یتوضأ وفی الکافی فیقوم الوضوء مقام الغسل کما فی العیدین والجمعۃ ۔ والغسل افضل وھذا الاغتسال للنظافۃ ولیس بواجب ۔

(الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۴۴۱ الفصل الثالث فی اعمال الحج) [1]

احرام کی چادروں کے رنگ کا مسئلہ

سوال: کیا احرام کی چادروں کا رنگ سفید ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: احرام کی چادروں کا رنگ سفید ہونا ضروری نہیں البتہ مستحب یہ ہے کہ احرام سفید رنگ کا ہو۔

قال الحصکفیؒ: ولبس ازار ورداء جدیدین او غسیلین طاھرین. قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ابیض ککفن الکفایۃ وھذا بیان السنۃ والا فساتر العورۃ کاف ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۸۱ کتاب الحج، فصل فی الاحرام) [2]

تبلیغ پر حج مقدم ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھ پر حج فرض ہے لیکن میرا ارادہ ایک سال کے لیے جماعت میں جانے کا ہے، کیا میں پہلے حج کروں یا تبلیغ میں ایک سال لگاؤں؟

الجواب: جب آپ پر حج فرض ہو چکا ہے تو آپ تمام چیزوں سے حج کو مقدم رکھیں، تبلیغ عذر شرعی نہیں۔ البتہ ایسا کیا جاسکتا ہے کہ کوشش کرکے آپ کسی ایسی جماعت میں تشکیل کرائیں جس میں حج ہو سکتا ہو تو اس طرح ایک ہی سفر میں آپ کے دونوں مقاصد پورے ہو جائیں گے۔

خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا ایھا الناس قد فرض علیکم الحج فحجوا (مشکوٰۃ ج ص ۲۲۰ کتاب الحج) [3]

---

[1] قال الشیخ ابن الھمامؒ: واخرج ایضاً عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال من السنۃ ان یغتسل اذا اراد ان یحرم ۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۴۲۹ باب الاحرام)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۲۲ الباب الثالث فی الاحرام ۔

[2] قال ابن نجیمؒ: وما فی الکتاب بیان السنۃ والا فساتر العورۃ کاف فی الجمع واشارۃ بتقدیم الجدید الی افضلیۃ وکونہ ابیض افضل ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۳۲۱ باب الاحرام)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۲۲ الباب الثالث فی الاحرام ۔

[3] قال ابن عابدینؒ: الاول شروط الوجوب وھی التی اذا وجدت بتمامھا وجب الحج والا فلا وھی سبعۃ الاسلام والعلم بالوجوب لمن فی دار الحرب والبلوغ والعقل والحریۃ ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۵۵ مطلب فیمن حج بمال حرام)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۱۶ کتاب المناسک ۔ الباب الاول فی تفسیر الحج ۔

بلوغت کے بعد دوبارہ حج کی فرضیّت

سوال: میں نے پانچ سال کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ حج کیا تھا جبکہ اب میں بالغ اور صاحبِ استطاعت ہوں، کیا مجھ پر اب حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: بلوغت سے قبل جو حج کیا جاتا ہے اس سے حج فرض ادا نہیں ہوتا کیونکہ فرض حج کے لیے بالغ ہونا شرط ہے اسلیے سوال مذکور کے مطابق بلوغت کے بعد دوبارہ حج کرنا ضروری ہے۔

عن ابی ظبیان عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ایما صبی حج ثم بلغ الحنث فعلیہ ان یحج حجۃ اخریٰ۔ (فتح القدیر ج۲ ص۳۲۵ کتاب الحج)[1]

فقر کی حالت میں حج کرنے کے بعد غنی ہونے کی صورت میں دوبارہ حج کرنا فرض نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے حالتِ بلوغ اور فقر میں اپنے والد کے مال سے حج کیا ہے جبکہ اب زید خود غنی ہوچکا ہے، کیا اس پر دوبارہ حج کرنا فرض ہے یا پہلے حج سے فرضیت ساقط ہوگئی ہے؟

الجواب: فرض حج کی ادائیگی کے لیے غناء شرط نہیں، بلوغت کے بعد جب بھی یا جیسے بھی حج ادا کرے تو فرضیت ساقط ہوجائے گی، لہٰذا زید نے جو حج حالتِ فقر میں اپنے والد کے مال سے کیا ہے اس سے حج فرض ہی ادا ہوا ہے، اب غنی ہونے کے بعد دوبارہ حج کرنا لازمی نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ للآفاقی لا لمکی) ان الفقیر الآفاقی اذا وصل الی المیقات فھو کالمکی فی انہ ان قدر علی المشی لزمہ الحج ولا ینوی النفل علی زعمہ انہ فقیر۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۶ کتاب الحج، مطلب فیمن حج بمال حرام)[2]

---

[1] لما فی الھندیۃ: ولو ان الصبیّ اذا حج قبل البلوغ فلا یکون ذلک حجۃ الاسلام ویکون تطوعاً۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۲۱۷ الباب الاول فی تفسیر الحج)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۳۶ الفصل الحادی عشر فی الاحصار۔

[2] وفی الھندیۃ: الفقیر اذا حج ماشیا ثم ایسر لا حج علیہ ھٰکذا فی فتاویٰ قاضی خان۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۲۱۷ الباب الاول فی تفسیر الحج)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۳۷ الفصل الثانی عشر فی بیان رکن الحج۔

حج میں تجارت کی وجہ سے ثواب کم نہیں ہوتا

سوال:۔ ایک آدمی حج کے لیے جاتا ہے لیکن وہ کچھ سامان وغیرہ بھی تجارت کی نیت سے ساتھ لے جاتا ہے، کیا ایسے آدمی کا حج صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج مخصوص نیت کے ساتھ خاص اوقات میں مخصوص ارکان کے ساتھ مخصوص مقامات کی زیارت کا نام ہے جو کہ اس شخص نے پورا کیا ہے لہٰذا اس کا حج صحیح ہے، تاہم حج میں تجارت کی نیت نہیں کرنی چاہیئے۔

قال ابن نجیمؒ:۔ وتجرید السفر عن التجارۃ احسن ولو اتجر لا ینقص ثوابہ۔

(البحر الرائق ج ٢ ص ٣٠٩ کتاب الحج) [1]

١٠ ذی الحجہ کے بعد آئندہ رات کا حکم

سوال:۔ عام طور پر قربانی سے فارغ ہوتے ہوتے منیٰ میں ہی شام ہو جاتی ہے، اب اگر عشاء کے بعد آدمی طوافِ زیارت کے لیے مکہ مکرمہ جائے تو واپس ہوتے ہوتے فجر ہو جائے گی اور رات کا اکثر حصہ منیٰ سے باہر گذرے گا، تو کیا دس ذی الحجہ کو طوافِ زیارت نہ کرے یا دس ذی الحجہ کو طوافِ زیارت کر کے رات کا اکثر حصہ منیٰ سے باہر مکہ میں گذارے؟ اگر ایسا کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ فقہائے کرام نے ذی الحجہ کے دسویں دن کے بعد آنے والی رات کو بھی دسویں کے حکم میں قرار دیا ہے۔ اور عام فقہاء کرام کی تعبیر بھی یہی ہے کہ طوافِ زیارت کے بعد منیٰ کو واپس چلا جائے، نیز یہ پیشرفت رمی جمار کے لیے ہے اور رمی کا رتبہ طواف کے بعد ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ ولیالیھا منھا) والمراد بلیلۃ کل یوم من ایام النحر اللیلۃ التی تعقب ذٰلک الیوم کما ان لیلۃ یوم عرفۃ اللیلۃ التی تعقب الوجود قلت وھٰذا علی اطلاقہ ظاھر فی حق الرمی فانہ اذا لم یرم نہاراً من النحر یرمی اللیلۃ التی تعقب فی ذٰلک۔ (رد المحتار ج ٢ ص ٥١٨ فصل فی الاحرام، مطلب فی طواف الزیارۃ) [2]

---

[1] لما فی الھندیۃ، وتجرید السفر عن التجارۃ احسن ولو اتجر لا ینقص ثوابہ کذا فی البحر الرائق۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ١ ص ٢٢٠ کتاب المناسک۔ الباب الاول)

وَمِثْلُہٗ فِی احکام القرآن ج ٢ ص ٣٠٩

[2] لما قال السید احمد الطحطاویؒ، (تحت قولہ ولیالیھا منھا)..... والمراد بلیلۃ کل یوم من ایام النحر اللیلۃ التی تعقب ذٰلک الیوم فی الوجود کما ان لیلۃ یوم عرفۃ اللیلۃ التی تعقبہ فی الوجود۔ اھ

(الطحطاوی حاشیۃ الدر المختار ج ١ ص ٥٠٨ کتاب الحج، فصل فی الاحرام)

حائضہ عورت کے لیے حج کرنے کا طریقہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک عورت حج کے لیے جائے اور دورانِ حج اسے حیض آجائے تو اس عورت کے لیے کیا حکم ہے؟ اور وہ ارکانِ حج کیسے ادا کرے گی؟

الجواب: حج کے دوران جب کسی عورت کو حیض شروع ہو جائے تو اس کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ طواف وسعی بین الصفا والمروہ کے علاوہ تمام ارکانِ حج ادا کرے گی، مثلاً وقوفِ عرفات ومزدلفہ، رمی جمار و ذبح وغیرہ، اور جب پاک ہو جائے تو پھر طوافِ زیارت وغیرہ کرے گی۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: اذا حاضت المرأۃ عند الاحرام اغتسلت واحرمت وصنعت کما یصنع الحاج غیر انہا لا تطوف بالبیت حتیٰ تطہر لحدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا۔

(الہدایۃ ج ۱ ص۲۴۵ کتاب الحج) [1]

حائضہ عورت پر طوافِ صدر لازمی نہیں

سوال:۔ زید کی زوجہ نے دورانِ حج حیض کی وجہ سے طوافِ صدر چھوڑ دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ایامِ حیض کے اندر عورت کے لیے طوافِ کعبہ شرعاً ممنوع ہے، اگر حائضہ طوافِ صدر ترک کر دے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: فلا یجب علی المکی ولا علی المعتمر مطلقاً وفائت الحج والمحصر والمجنون والصبی والحائض والنفساء کما فی اللباب وغیرہ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۵۲۳ مطلب فی طواف القدوم) [2]

---

[1] قال ابن العلاء الانصاریؒ: والمرأۃ اذا حاضت فی الحج ان حاضت قبل ان تحرم وانتہت الی المیقات فانہا تغتسل فتحرم فاذا قدمت مکۃ وہی حائض تصنع کما یصنع الحاج غیر انہا لا تطوف بالبیت وتسعیٰ بین الصفا والمروۃ وتشہد جمیع المناسک۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۷۱ کتاب الحج)

وَمِثْلُہٗ فی ردّالمحتار ج۲ ص۵۲۸ قبل باب القران)

[2] قال ابن العلاء الانصاریؒ: وکذٰلک لیس علی الحائض والنفساء طواف الصدر۔

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۲۲ الفصل السابع فی الطواف والسعی)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۵۱ الباب الاحرام۔

حج میں گرمی کی وجہ سے صرف تہبند پر اکتفاء کرنا

سوال:۔ اگر حج کے ایام میں سخت گرمی ہو اور کوئی حاجی گرمی کی شدت کی وجہ سے احرام کی چادر اتار کر صرف تہبند پر اکتفاء کرے تو کیا اس سے حج متاثر ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ احرام میں سترِ عورت کے لیے تہبند باندھنا فرض ہے، لہٰذا اگر کسی عذر کی وجہ سے کوئی حاجی چادر اتار کر صرف تہبند پر اکتفاء کرے تو حج پر کوئی برا اثر نہیں پڑے گا۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وكن ايستحب لمريد الاحرام...... لبس ازار ورداء على ظهره..... وهذا بيان السنة والا فستر العورة كاف۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۴۸۱ کتاب الحج فصل فی الاحرام)[1]

عورت کی طرف سے مرد کا رمی جمار کرنا

سوال:۔ حج میں رمی جمار کے وقت بہت زیادہ رش ہوتا ہے جس میں عورتیں رمی جمار نہیں کر سکتیں، تو اگر مرد ان کی طرف سے رمی جمار کریں تو کیا اس سے دم لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ رمی جمار واجباتِ حج میں داخل ہے، اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے واجب ترک کیا جائے تو ترک کرنے والے پر دم لازم نہیں ہوتا، اس لیے صورتِ مسئولہ میں عورت پر دم واجب نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجيم رحمه الله: اما اذا ترك واجب لعذر فانه لاشئ عليه۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۲۳ فصل فی الجنایات)[2]

رمی جمرات کیلئے حاجی کنکریاں کہاں سے لے؟

سوال:۔ اگر کوئی شخص شیطان کو مارنے کے لیے کنکریاں وہیں سے اٹھائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بہتر یہ ہے کہ رمی جمار یعنی شیاطین کو مارنے کے لیے کنکریاں مزدلفہ یا راستے

---

[1] قال العلامة المفتی عزیز الرحمنؒ: ہر وقت اوڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، پسینہ وغیرہ کی ضرورت سے علیحدہ کی جا سکتی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۶ ص۵۵۲ تیسرا باب احرام)

[2] قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: لو ترك شيئاً من الواجبات بعذر لا شئ عليه۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۷۵ کتاب الحج، باب الجنايات)

وَمِثْلُهُ في بدائع الصنائع ج۲ ص۱۳۴ فصل فی بیان واجبات الحج۔

سے اٹھا کر ساتھ لائے اُسی جگہ (یعنی جہاں کنکریاں ماری جاتی ہیں) سے نہ لے تاہم اگر وہیں سے اٹھا کر رمی جمار کرے تو ایسا عمل مکروہ تنزیہی ہے۔

وفی الهندية: ويستحب ان يأخذ الجمار من المزدلفة من الطريق ولا يرمي بحصاة اخذها من عند الجمرة فان رمى بها جاز وقد اساء۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۲۱۹ كتاب الحج) [1]

عرفات میں نمازِ مغرب پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص عرفات میں مغرب کی نماز پڑھ کر مزدلفہ چلا جائے اور عشاء کی نماز وہاں ادا کرے تو کیا اس شخص کی نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج میں عرفات کے بعد مغرب اور عشاء کی نماز مزدلفہ میں ادا کرنا لازمی ہے اگر کوئی شخص مغرب کی نماز عرفات کے میدان کے راستے میں ادا کرے تو نماز کا اعادہ لازمی ہے۔

قال العلامة الحصكفي: ولو صلى المغرب والعشاء في الطريق او في عرفات اعاده۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۵۰۹ كتاب الحج، مطلب في اجابة الدعاء) [2]

عرفات میں جمع تاخیر کی صورت میں ظہر اور عصر ایک ساتھ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر عرفات میں امام حج کی نماز پڑھانے کے بعد چند آدمی اکٹھے ہو کر جمع تقدیم یعنی ظہر اور عصر کی نماز با جماعت پڑھنا چاہیں تو کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں عرفات کے میدان میں جمع تقدیم کے لیے چند شرائط کا ہونا ضروری ہے: (۱) احرام (۲) عرفات کا میدان (۳) عرفہ کا دن (۴) امام اعظم یا ان کا نائب۔ ان شرائط میں سے اگر ایک بھی نہ پائی جائے تو نماز صحیح نہیں ہوگی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں نماز درست نہیں ہے، البتہ اگر اپنے اپنے اوقات میں اکیلے پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله: وشرط لصحة هذا الجمع الامام الاعظم

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالي: ويستحب اخذ الجمار من المزدلفة او من الطريق ويكره من الذي عند الجمرة۔ (مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص۴۰۵ فصل في كيفية افعال الحج)

[2] وفي الهندية: ولو صلى المغرب بعد غروب الشمس قبل ان يأتي المزدلفة فعليه ان يعيدها اذا أتى بمزدلفة في قول ابي حنيفة ومحمد الخ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۲۳۰ فصل في كيفية اداء الحج)

او نائبہ والا صلوا وحدانًا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۵۰۴ کتاب الحج مطلب فی شروط الجمع بین الصلوتین)[2]

مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز جمع تاخیر میں پڑھنا

سوال:۔ عرفات سے مزدلفہ جانے کے بعد اگر چند لوگ اکٹھے ہو کر مغرب اور عشاء کی نماز ایک وقت جمع تاخیر کے ساتھ پڑھیں تو کیا ان کی یہ جمع بین الصلوتین صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں عرفات میں جمع تقدیم کے اندر امام کا ہونا ضروری ہے مگر مزدلفہ میں یہ شرط نہیں ہے، اس لیے اگر چند آدمی اکٹھے ہو کر مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین یعنی مغرب اور عشاء کی نماز ایک وقت میں پڑھیں تو جائز اور صحیح ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: کما لا احتیاج ھٰھُنا للامام۔ قال ابن عابدینؒ: وشرائط ھذا الجمع احرام بالحج وتقدیم الوقوف علیہ الزمان والمکان والوقت الخ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۰۹ کتاب الحج مطلب فی اجابۃ الدعاء)[1]

میلے احرام کو تبدیل کرنے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص کا احرام بہت گندا ہو جائے تو کیا وہ احرام بدل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج میں احرام باندھنا ضروری امر ہے چاہے ایک ہی احرام باندھ کر حج ادا کرے یا تبدیل کر کے مناسک حج ادا کرتا ہے، اس تبدیلیٔ احرام کی وجہ سے حج پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

تلبیہ جہراً پڑھے یا سراً، کیا مرد اور عورت دونوں اس میں یکساں ہیں؟

سوال:۔ کیا عمرہ یا حج کی نیت کرنے اور احرام باندھنے کے بعد تلبیہ بآواز بلند پڑھا جائے یا کہ آہستہ؟ کیا تلبیہ کا یہ حکم مرد و عورت دونوں کے لیے ایک ہی ہے یا الگ الگ؟

---

[1] وفی الھندیۃ: ومنھا ان یکون الامام ھو الامام الاعظم او نائبہ وھو شرط عند ابی حنیفۃؒ فلو صلی الظھر بجماعۃ لا مع الامام والعصر مع الامام لم یجز العصر عند ابی حنیفۃؒ والصحیح قولہ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۲۸ فصل فی کیفیۃ اداء الحج)

[2] قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ: اس سے معلوم ہوا کہ جمع میں امام الحج شرط نہیں، پس اگر فرادیٰ پڑھیں یا چند آدمی جمع ہو کر جماعت سے پڑھیں ہر طرح صحیح ہے۔ (امداد الفتاوی ج ۲ ص ۱۷۱ کتاب الحج)

الجواب:۔ حج یا عمرہ کی نیت کرنے اور احرام باندھنے کے بعد بلند آواز سے تلبیہ پڑھا جائے لیکن زیادہ چیخنے چلّانے (جہرِ مفرط) کی بجائے اعتدال یعنی درمیانی آواز سے تلبیہ پڑھا جائے، البتہ عورت اس انداز سے تلبیہ پڑھے کہ خود سُن سکے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله:۔ ويرفع صوته بالتلبية لقوله عليه السلام افضل الحج العجّ والثجّ فالعج رفع الصّوت بالتلبية - قال ابن همام رحمه الله: قوله ويرفع صوته بالتّلبيّة وهو سنّة فان تركه كان مسيئًا ولا شئ عليه ولا يبالغ فيه فيجهد نفسه۔ (فتح القدير ج٢ ص٣٥٠ باب الاحرام) [1]

احرام باندھنے سے قبل ناخن وغیرہ کاٹنا

سوال:۔ کیا احرام باندھنے سے قبل ناخن کاٹنا، مونچھیں اور دیگر غیر ضروری بال صاف کرنا لازمی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا کرنا لازمی تو نہیں البتہ مستحب یہ ہے کہ احرام باندھنے سے قبل ناخن کاٹ لیے جائیں، مونچھیں اور دیگر غیر ضروری بال صاف کر لینے چاہئیں اور اس کے بعد وضو یا غسل کر کے احرام باندھا جائے۔

قال العلامة عبد الله بن مودود الموصلي رحمه الله: واذا اراد ان يحرم يستحبّ له ان يقلم اظفاره ويقص شاربه ويحلق عانته وهو المتوارث لانه انظف للبدن فكان احسن ثم يتوضأ او يغتسل وهو افضل۔
(الاختيار لتعليل المختار ج١ ص١٤٣ كتاب الحج) [2]

---

[1] قال العلامة عثمان الزيلعي رحمه الله:۔ قال النخعي كان السّلف يستحبون التلبية في هذه الاحوال ولان التلبية في الحج بمنزلة التكبير في الصّلوٰة اوّلها شرط وباقيها سنّةٌ فيأتي بها عند الانتقال من حال الى حال ويرفع بها صوته.اھ
(تبيين الحقائق ج٢ ص١١ باب الاحرام)

[2] قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله: وكذا يستحب لمريد الاحرام ازالة ظفره وشاربه وعانته وحلق رأسه ان اعتاده والافيسرحه اھ
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج٢ ص١٨١ كتاب الحج)

قصر کی مقدار کا مسئلہ

سوال:۔ حج کے دوران سر کے بال کٹوانے کی مقدار کتنی ہے؟

الجواب:۔ حج اور عمرہ کے احرام سے نکلنے کے لیے حلق وقصر دونوں جائز ہیں البتہ حلق افضل ہے اور عورت کے لیے حلق نہیں بلکہ مرد اور عورت کے لیے ایک بند انگشت کی مقدار تمام سر سے بال کتروانا ضروری ہے، اور اس طریقہ کو قصر کہتے ہیں۔

قال العلامة ابن العلاء الانصاریؒ: اما المرأة فلا علیها ولکنها تقصر باخذ شئ من اطراف الشعر مقدار انملہ والافضل لها ان تقصر من کل شعرة مقدار الانملة وان قصرت بعض رأسها وترکت البعض اجزاها اذا کانت ما قصرت مقدار ربع رأس فصاعداً وان کان اقل من ذٰلك لا یجزیها اعتباراً للتقصیر فی حقها بالحلق وفی حق الرجال۔

(الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۵۴۳ الفصل الرابع عشر فی الحلق والقصر)[1]

حج اور نکاح کی تقدیم وتاخیر کا مسئلہ

سوال:۔ ایک آدمی کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ حج کے لیے جاسکتا ہے مگر وہ شادی کا بھی خواہشمند ہے، تو کیا یہ شخص پہلے شادی کرے یا حج کے لیے جائے، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر موصوف اپنے جذبات کو قابو میں رکھ سکتا ہو اور زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کے لیے حج کی ادائیگی شادی پر مقدم ہے، اور اگر کسی فتنے میں مبتلا ہونے کا خوف قوی ہو تو پھر اس کیلئے شادی کرنا حج پر مقدم ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (قوله فی الاشباه) المسئلة منقولة عن ابی حنیفةؒ فی تقدیم الحج علی التزویج ۔۔۔۔ ولذا اعترضه ابن کمال باشا فی شرحه الهدایة بانه حال التوقان مقدم علی الحج اتفاقاً لان فی ترکه امرین ترك الفرض والوقوع علی الزنا وجواب ابی حنیفةؒ فی غیر حال التوقان۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۹۷ کتاب الحج)

---

[1] قال صاحب البحرؒ: والمراد بالتقصیر ان یاخذ الرجل او المرأة من رؤس شعر ربع رأس مقدار انمله۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۴۶ باب الاحرام)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۳۱ الباب الثالث فی الاحرام۔

استفتاء

حج کے متعلق چند سوالات
اور
اُن کے جوابات

ہم چند خادمانِ حرم شریف کو چند مسائل کے بارے میں کافی تشویش ہے امید ہے کہ آنجناب ان سوالات کے جوابات تفصیل سے ارسال فرمائیں گے۔

(۱) تقریباً سات سو افراد نے (جو کہ سعودی عرب جا رہے تھے) اسلام آباد سے احرام نہیں باندھا کیونکہ کمپنی والوں نے احرام باندھنے کی اجازت نہیں دی، کمپنی والوں نے تیسرے دن ہمیں عمرہ کی اجازت دیدی، چونکہ اس میں ہمارا اپنا اختیار نہیں تھا، تو کیا ہم پر دم واجب ہے یا نہیں؟

(۲) کمپنی والے ہمیں مدینہ منورہ زیارت کے لیے لے گئے واپسی پر ہم نے احرام باندھا اور عمرہ ادا کیا، یہ حج افراد ہے یا تمتع؟ عمرہ شوال میں ادا کیا۔

(۳) بعض افراد نے احرام نہیں باندھا اور مدینہ منورہ سے شوال میں واپسی عمرہ نہیں کیا کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر ہم نے احرام باندھ لیا تو ہم پر قربانی واجب ہوگی۔ تو کیا ان افراد پر دم واجب ہوگیا ہے یا نہیں؟

(۴) جن لوگوں نے مدینہ منورہ سے واپسی پر عمرہ کیا تو ان کا کون سا حج ہوگا اور جن لوگوں نے احرام باندھا ہی نہیں تو ان پر کون سا حج واجب ہوگا؟

(۵) کیا ہم خادمانِ حرم شریف پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہم یہاں صرف چار ماہ کے لیے آئے ہیں۔

(۶) اگر کسی پر دم واجب ہوگیا اور وہ غریب ہے تو وہ متبادل مسئلے کے مطابق کیا کرے گا؟

(۷) اے (A) شفٹ والے صبح چھ بجے سے لے کر ڈھائی بجے تک حرم شریف میں ڈیوٹی کرتے ہیں، وہ کس طریقے سے حج کر سکتے ہیں؟

بی (B) شفٹ ڈھائی بجے دن سے لے کر رات ساڑھے دس بجے تک ہوتی ہے، وہ کس

طریقے سے حج کر سکتے ہیں ؟

سی (c) شفٹ رات ساڑھے دس بجے سے لے کر صبح چھ بجے تک ہوتی ہے، اس شفٹ والے کس طریقے سے حج کر سکتے ہیں ؟

الجواب (۱) بغیر احرام کے دخولِ حرم سخت گناہ ہے اور ایسی صورت میں توبہ اور آفاق کی کسی میقات پر واپس جاکر حج یا عمرہ کا احرام باندھنا واجب ہے، اگر واپس نہ ہوا اور وہیں سے احرام باندھا تو گنہگار ہوگا اور دم واجب ہوگا۔ البتہ اگر اسی سال آفاق کی کسی بھی میقات پر جاکر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیا یا حرم میں احرام باندھ لیا مگر طواف کا ایک شوط پورا کرنے سے قبل کسی میقات پر جاکر تلبیہ کہہ کر حج یا عمرہ کر لیا تو دم ساقط ہو جائے گا۔ اس حج یا عمرہ میں بدون احرام تجاوز کی وجہ سے واجب کی ادائیگی کی نیت ضروری نہیں بلکہ حج یا عمرہ نفل یا نذر یا حج فرض، جو نیت بھی کرے گا اس سے بدون احرام تجاوز کے واجب ادا ہو جائے گا اور اگر اس سال آفاق کی کسی میقات سے حج یا عمرہ نہیں کیا بلکہ دوسرے سال کیا تو دم ساقط نہ ہوگا البتہ تجاوز کی وجہ سے جو نسک واجب ہوا تھا وہ ادا ہو جائے گا اگرچہ نفل یا نذر یا فرض کی نیت کی ہو۔

فتاوٰی قاضی خان میں ہے: ولو دخل آفاقی مکة بغیر احرام ثم رجع الی المیقات فی تلك السنة واحرم بحجة الاسلام سقط عنه ما كان واجبًا بالمجاوزة ودخول مكة بغیر احرام عندنا وان لم یخرج من مكة حتى مضت السنة ثم خرج الى المیقات فی السنة الثانیة واحرم بحجة الاسلام وحج یجزیه حجة الاسلام ولا یسقط عنه الدم الذی كان واجبًا علیه فی العام الاول۔

(فتاوٰی قاضی خان علی هامش الهندیة ج ۱ ص ۳۸۷)

اور ہدایہ میں ہے: واذا اتى الكوفی بستان بنی عامر فاحرم بعمرة فان رجع الى ذات عرق ولبّى بطل عنه دم الوقت۔ وفی هامشه قوله الى ذات عرق التخصیص به بالنظر الى حال الكوفی والا فالرجوع الیه والى غیره من مواقیت الآفاقیین سواء فی سقوط الدم فی ظاهر الروایة۔ (ج ۱ ص ۲۶۸ باب مجاوزة الوقت بغیر احرام)

اور مواقیت الآفاق یہ ہیں: ذوالحلیفہ، ذات عرق، جحفہ، قرن، یلملم۔

یہ ہیں آفاقی کے مواقیت، اور میقاتی کا میقات وہ زمینِ حل ہے جو حرم اور میقات کے درمیان ہو، اور مکی کا میقات حج کے لیے حرم ہے اور عمرہ کیلئے زمینِ حل۔ (فتاوٰی علائیہ ج ۲ ص ۱۶۵ تا ۱۶۹)

اور عذر من جہت العباد مسقطِ دم نہیں ہے۔

اور "مسائلِ حج" لسیدی مولانا المفتی الاعظم مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ میں ہے کہ:

مسئلہ: اگر ایک محرم میقات سے احرام کی نیت نہ کرے اور اس سے آگے دوسرا میقات ہو تو دوسرے میقات سے احرام باندھے گا اور اگر دوسرا میقات نہ ہو اور احرام باندھ لیا تو طواف شروع کرنے سے پہلے ایک میقات کی طرف واپس لوٹے گا، اگر واپس نہ ہوا تو دم واجب ہے۔ (شرح لباب وغیرہ، مسائلِ حج پشتو ص ۹۳)

فائدہ: ایسا ڈرائیور یا ملازم جو خارج میقات سے حرم یا مکہ مکرمہ کو کثرت سے جایا کرتا ہے تو اس کے لیے ہر بار عمرہ کرنا ضروری ہے، اور جتنی دفعہ بغیر احرام کے ارضِ حرم یا مکہ مکرمہ میں داخل ہوا اتنی دفعہ عمرے اور دم اس پر واجب ہوئے۔

اور صدر الشریعہ اور صاحبِ دُرر اور صاحب ایضاح فرماتے ہیں کہ جس آدمی کا حج یا عمرے کا ارادہ نہ ہو تو وہ زمینِ حرم اور مکہ معظمہ بغیر احرام کے آمد و رفت کر سکتا ہے، لیکن محققین احناف نے ان کی تغلیط کی ہے۔ (شرح لباب وغیرہ)

(۲) ھندیہ میں ہے: ولو احرم لعمرة قبل اشهر الحج فقضاها وتحلل بمكة فاحرم بعمرة ثم حج من عامه ذلك لم يكن متمتعا فان كان حين فرغ من الاولى خرج فجاوز الميقات قبل اشهر الحج فاهل منه لعمرة فى اشهر الحج وحج من عامه فهو متمتع وان كان جاوز الميقات فى اشهر الحج لم يكن متمتعا الا اذا خرج الى اهله ثم اعتمر ثم حج من عامه عند ابى حنيفة وعندهما هو متمتع جاوز الميقات قبل اشهر الحج او بعده هكذا فى محيط سرخسى۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۴۰ باب العمرة۔ كتاب الحج)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ خدام مکہ مکرمہ میں قیام اور عمرہ کی ادائیگی کی صورت میں اگر مدینہ منورہ کو شوال سے پہلے چلے گئے ہوں اور شوال (یعنی اشہر حج) میں مدینہ منورہ سے عمرہ ادا کیا ہو اور پھر اسی سال آپ لوگ حج بھی ادا کریں تو پھر تمہارا حج حجِ تمتع ہو گا اور اگر آپ لوگ شوال ہی میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ چلے گئے ہوں اور مدینہ منورہ سے شوال میں عمرہ کر چکے ہوں اور پھر حج بھی کریں تو آپ لوگ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق متمتع نہ ہوں گے اور امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ کے مذہب کے مطابق متمتع ہوں گے۔

(۳) جن حضرات نے شوال میں مدینہ منورہ سے عمرہ کیا ہے وہ سوالِ ثانی کا جواب ملاحظہ کریں اور جنہوں نے مدینہ منورہ سے عمرہ نہیں کیا ہے اور بغیر احرام کے مکہ مکرمہ آئے ہیں وہ سوالِ اول کا جواب ملاحظہ کریں۔

(۴) جن لوگوں نے شوال سے پہلے مدینہ منورہ جاکر وہاں سے شوال یعنی اشہرِ حج میں عمرہ کیا ہے اور اس سال حج بھی کرلیں تو ان کا حج بالاتفاق تمتع ہے اور شوال یعنی اشہرِ حج میں مدینہ طیبہ جاکر مدینہ طیبہ سے اشہرِ حج میں عمرہ کیا گیا ہو اور پھر حج کیا جائے تو یہ حج حجِ تمتع نہ ہوگا، اور یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک اور مذہب ہے، اور امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک یہ حج بھی حجِ تمتع ہے اور جو لوگ مدینہ منورہ سے بغیر احرام کے مکہ مکرمہ آئے ہیں ان کا حج حجِ تمتع نہیں، البتہ ان کے ذمہ سابقہ تفصیل کے مطابق میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کی وجہ سے دم لازم آئے گا، اور اس صورت میں بھی اگر اشہرِ حج سے پہلے آفاق کی کسی میقات سے تجاوز کیا جائے اور پھر اسی میقات سے اشہرِ حج میں عمرہ کیا جائے اور اسی سال میں حج بھی کیا جائے تو یہ بھی بالاتفاق حجِ تمتع ہوگا، اور اگر اشہرِ حج میں تجاوز کیا گیا ہو اور اسی میقات سے عمرہ کیا جائے اور اسی سال میں حج بھی کیا جائے تو یہ حج امام صاحبؒ کے نزدیک تمتع نہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک تمتع ہے ——

اب ملاحظہ ہو ھندیہ کی وہ عبارت جو جوابِ ثانی کی ابتداء میں درج کی گئی ہے اور تمتع کی تعریف بھی ملاحظہ ہو اور وہ یہ ہے: والمتمتع من یاتی بافعال العمرۃ فی اشھر الحج او یطوف اکثر طوافھا فی اشھر الحج ویحج من عامہ ذلک قبل ان یلم باھلہ بینھما الماما صحیحًا سواء حل من احرامہ الاول اولا۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۳۸) نیز "غنیۃ المناسک" کی یہ عبارت ملاحظہ ہو: التاسع ان لا یدخل علیہ اشھر الحج وھو حلال بمکۃ او ماحولھا او محرم طاف لعمرتہ اکثرہ قبلھا حتی لو احرم بعمرۃ اخری وحج من عامہ لا یکون متمتعا الا ان یعود الی اھلہ فیحرم بھا فیکون متمتعا اتفاقًا او الی خارج المیقات فیکون متمتعًا عندھما۔ (غنیۃ المناسک ص ۱۱۴)

(۵) ہندیہ میں ہے: ولا تجب علی المسافر ولا علی الحاج اذا کان محرمًا وان کان من اھل مکۃ، کذا فی شرح الطحاوی۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۵ ص ۲۹۳)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ حاجی جو حج کے احرام میں ہو اس پر قربانی واجب نہیں اگرچہ مکہ میں مقیم ہو، اور دوسرا قول اس مسئلہ مذکورہ کی مخالفت میں یہ ہے کہ مکی اور مکہ میں مقیم پر

قربانی واجب ہے اگرچہ وہ حج کے احرام میں ہو۔

فتاویٰ علائیہ میں ہے: (فتجب ای التضحیة) علیٰ حر مقیم فلا تجب علیٰ حاج مسافر فاما اھل مکة فتلزمھم وان حجوا وقیل لا تلزم المحرم۔ سراج وفی رد المحتار قوله وقیل لا تلزم المحرم وان کان من اھل مکة جوھرة عن الخجندی وحمله فی الشرنبلالیة علی المسافر وفیه نظر ظاھر۔ (فتاویٰ علائیہ ج ۵ ص ۲۲۲)

(۵) مگر میرے شیخ اور مربی سیدی حضرت مفتی اعظم مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم قولِ اول کو پسند فرمایا کرتے ہیں۔

(۶) ردالمحتار میں ہے: تحت شرح قول صاحب الدر المختار: الواجب دم علی محرم بالغ۔ الخ

(تنبیه) فی شرح النقایة للقاری ثم الکفارات کلها واجبة علی التراخی فیکون مؤدیا فی ای وقت وانما یتضیق علیه الوجوب فی آخر عمره فی وقت یغلب علی ظنه انه لو لم یؤده لفات فان لم یؤد فیه حتیٰ مات اثم وعلیه الوصیة ولو لم یوص لم یجب علی الورثة ولو تبرعوا عنه جاز الا الصوم۔ وفیه ایضاً (قوله ولو ناسیاً) قال فی اللباب ثم لا فرق فی وجوب الجزاء بینما اذا جنی عامدا او خاطئاً مبتدئاً او عائداً ذاکراً او ناسیاً عالماً او جاھلاً طایعا او مکرھا نائماً او منتبھاً سکرانا او صاحیا مغمی علیه او مفیقا موسراً او معسراً بمباشرته او مباشرة غیره بامره۔ (ج ۲ ص ۲۱۷ باب الجنایات۔ کتاب الحج)

ان عبارات و روایات سے معلوم ہوا کہ غریب کے لیے بھی دم دینا ضروری ہے، البتہ دم دینے میں اتنی سہولت ہے کہ علی الفور ضروری نہیں بلکہ اگر موت سے پہلے پہلے دے دیا تو بھی اس سے ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

(۷) یہ تو آپ اور کمپنی والوں پر منحصر ہے کہ کمپنی والے آپ لوگوں کی اتنی رعایت تو کریں کہ آپ لوگ کم از کم ضروریاتِ حج تو ادا کر سکیں۔

(ھو الموفق)

* *

باب التمتع والقران

(حج قران وتمتع کے مسائل واحکام)

حج تمتع میں قربانی نہ کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے حج تمتع کے ارادہ سے سفر کیا لیکن بعض اعذار کی وجہ سے قربانی نہ کرسکا، اب اس قربانی کا نقصان مکہ مکرمہ ہی میں قربانی کرنے سے پورا ہوگا یا اپنے وطن میں بھی قربانی کرسکتا ہے۔

الجواب: متمتع پر چونکہ قربانی کرنا واجب ہے اور اگر کسی شرعی عذر کی بناء پر قربانی نہ کرسکا تو حج کے بعد اس شخص کو دو قربانیاں کرنی ہوں گی اور دونوں قربانیاں مکہ مکرمہ میں ہی کرنی ہیں اصالتاً کرے یا وکالتاً، چاہے جن ایام میں ہو۔

قال ابن نجیم المصریؒ: فلو لم یقدر علی الهدی تحلل وعلیه دمان دم التمتع ودم التحلل قبل الهدی۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۶۱ باب القران)[1]

متمتع اور قارن کا قربانی سے پہلے حلق کرنا

سوال: متمتع یا قارن اگر قربانی سے پہلے حلق کرے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: اگر مفرد بالحج ہو تو دم واجب نہیں کیونکہ جنایت نہیں ہوا، اور اگر متمتع یا قارن ہو تو قربانی سے قبل حلق کرنے سے دم واجب ہوا اور اس پر زمینِ حرم میں ہی قربانی کرنی پڑے گی۔

قال ابن نجیمؒ: فان حلق القارن قبل ان یذبح فعلیه دمان عند ابی حنیفةؒ دم بالحلق فی غیر اوانه بعد الذبح ودم بتاخیر الذبح عن الحلق وعندهما یجب علیه دم واحد هو الاقل۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۶۱ باب القران)[2]

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: فلو لم یقدر تحلل وعلیه دمان۔ قال ابن عابدینؒ: فی قوله دمان دم التمتع ودم التحلل قبل اوانه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۳۳ کتاب الحج، باب القران)

ومِثلُهٗ فی الهدایة ج۲ ص۲۳۰ باب القران۔

[2] لما قال ابن همامؒ: قال محمدؒ فی الروایة دم للقران ودم للحلق قبل ان یذبح الا تری ان المفرد لو حلق قبل ان یذبح لم یلزمه شیٔ بالاتفاق لعدم استلزامه لتاخیر الواجب۔ (فتح القدیر ج۲ ص۴۴۳ باب الجنایات)

ومِثلُهٗ فی رد المحتار ج۲ ص۵۵۵ باب الجنایات۔

حج قران وتمتع کی تعریف

سوال: زید نے اگر سفرِ حج میں عمر کی طرف سے عمرہ ادا کیا تو کیا یہ صحیح ہے یا نہیں، اگر صحیح ہے تو کیا زید حج ادا کرنے تک احرام میں رہے گا یا اس سے پہلے بھی حلال ہو سکتا ہے؟

الجواب: زید نے اگر عمرے کا ثواب عمر کو بخش دیا تو صحیح ہے اور اشہرِ حج میں عمرہ کر کے احرام سے نکلنے کے بعد حج کے لیے دوبارہ احرام باندھے تو شریعت کی اصطلاح میں یہ شخص متمتع کہلاتا ہے اور اگر یہ دونوں ایک احرام سے کرے تو قران ہے اور اس پر دمِ شکر واجب ہوگا۔

کما فی الهندیة: هو ان یجمع بین احرامی الحج والعُمرة من المیقات او قبله فی اشهر الحج او قبلها۔ هٰکذا فی معراج الدرایة والمتمتع من یأتی باعمال العُمرة فی اشهر الحج او یطوف اکثر طوافها فی اشهر الحج ثم یحرم بالحج ویحج من عامه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۳۷ الباب السابع فی القران والتمتع)[1]

متمتع کے لیے عمرہ کرنے کے بعد حج کا احرام باندھنے کی جگہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ متمتع عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام کہاں سے باندھے گا؟

الجواب: متمتع جب عمرہ سے فارغ ہو کر حلال ہو جائے تو جب حج کے لیے احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو مکہ مکرمہ اور تمام زمینِ حرم سے احرام باندھ سکتا ہے۔

قال الحصکفیؒ: قال فی اللباب والافضل ان یحرم من المسجد ویجوز من جمیع الحرم ومن مکّة افضل من خارجها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۳۷ باب التمتع)[2]

---

[1] قال العلامة ابن العلاء الانصاریؒ: والقارن هو الجامع بین الحج والعُمرة سواء احرم بهما معًا او احرم بالحجة واضاف الیها العُمرة وعلیه دم الشکر لما انعم الله علیه من التوفیق للجمع بین العبادتین بسفر واحد۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۱ ص۵۲۶ الفصل التاسع فی القارن)

وَمِثلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۵۷ باب القران۔

[2] قال الشیخ ابن الهمامؒ: فاذا کان یوم الترویة احرم بالحج من المسجد۔ هدایة وفی فتح القدیر والمسجد لیس بلازم بل هو افضل ومکّة افضل من غیرها من الحرم۔

(فتح القدیر ج۲ ص۴۲۳ باب التمتع)

وَمِثلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۶۳ باب التمتع۔

حجِ تمتع کرنے والے کے لیے عمرہ کے بعد احرام کھولنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پاکستان سے کچھ حجاج کرام حجِ تمتع کے ارادہ سے شعبان میں مکہ مکرمہ گئے اور عمرہ کرنے کے بعد حلال ہوگئے، رمضان کا مہینہ انہوں نے بیت اللہ ہی میں گذارا، شوال کے مہینے میں زیارتِ نبوی کے ارادے سے مدینہ منورہ چلے گئے، واپسی پر پھر عمرہ کا احرام باندھا، تو اب عمرہ کرنے کے بعد انہیں احرام کھولنے کی اجازت ہے یا نہیں یا حج تک وہ اسی احرام میں رہیں گے؟

الجواب:۔ مدینہ منورہ سے واپسی پر اگر کوئی شخص حجِ تمتع کا ارادہ رکھتا ہو تو ذوالحلیفہ والے احرام سے عمرہ کرکے بعد میں احرام کھول دے اور اس کے بعد حج کے لیے احرام باندھے جو کہ واجب ہے۔

قال ابن نجیم المصریؒ: ولم یقید احرامها باشهر الحج لانه لیس بشرط لکن اداء اکثر طوافها فیها شرط فلو طاف الاقل فی رمضان مثلاً ثم طاف الباقی فی الشوال ثم حج من عامه کان متمتعا۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۶۲ کتاب الحج) [1]

میقات میں رہنے والے کیلئے حجِ تمتع و قران کا حکم

سوال:۔ جو شخص میقات کے اندر رہتا ہو وہ حج تمتع اور قران کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قران اور تمتع ہر اُس شخص کے لیے ہے جو میقات سے باہر رہتا ہو، لہٰذا جو شخص میقات کے اندر رہتا ہو وہ تمتع اور قران نہیں کر سکتا وہ صرف حج یا صرف عمرہ کرے گا۔

قال العلامة التمرتاشیؒ: والمکی ومن فی حکمه ای من اهل داخل المواقیت یفرد فقط ولو قرن او تمتع جاز واساء وعلیه دم جبر۔ (تنویر الابصار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۵۳۹ باب التمتع) [2]

---

[1] وفی الهندیة: ولیس من شرائط التمتع وجود الاحرام بالعُمرة فی اشهر الحج بل اداؤها فیها واداء اکثر طوافها۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۳۸ الباب السابع فی القران والتمتع)

وَمِثلُهٗ فی التاتارخانیة ج۲ ص۵۳۱ الفصل العاشر فی التمتع۔

[2] وفی الهندیة: ولیس لاهل مکة تمتع ولا قران وانما لهم الافراد خاصة۔ کذا فی الهدایة و کذلک اهل المواقیت۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۳۹ الباب السابع فی القران والتمتع)

وَمِثلُهٗ فی الهدایة ج۱ ص۲۴۳ باب القران والتمتع۔

حج تمتّع کی نیّت کرنے کے بعد حج قران کی نیّت کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص پاکستان سے حج تمتّع کی نیّت سے مکہ مکرمہ جائے مگر وہاں پہنچ کر عمرہ کرنے کے بعد مدینہ منوّرہ جاکر وہاں سے حج قران کی نیّت کرے تو کیا یہ شخص حج قران کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صاحبینؒ کے نزدیک جب محرم حدودِ حرم سے نکل جائے تو اس کی حیثیّت آفاقی کی ہوگی، اب اگر وہ تمتّع کی جگہ قران کی نیّت کرے تو حج قران جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں حدودِ حرم سے نکل جانے سے نیّتِ تمتّع باطل ہو جاتی ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک خروج حرم سے نیّتِ تمتّع باطل نہیں ہوتی اس لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق حج قران کی نیّت کرنا جائز نہیں البتہ موجودہ حالات کو مدِنظر رکھ کر صاحبینؒ کی رائے کو مفتیٰ بہ قرار دینا چاہیئے۔

لما قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ، وهو متمتع ان حج من عامه ولكن لو خرج الى الآفاق لحاجة فقرن لا يكون قارنًا عند ابی حنيفةؒ وعليه رفض احدهما ولا يبطل تمتعه لان الاصل عنده ان الخروج فی اشهر الحج الى غير اهله كالاقامة بمكّة فكانه لم يخرج وقرن من مكة اما عندهما فكالرجوع الى اهله فاذا خرج بطل تمتعه ثمّ اذا قرن من الميقات كان قارنًا۔ (امداد الاحکام ج۲ ص۱۸۱ کتاب الحج)

حج تمتّع افضل ہے یا قران؟

سوال:۔ حج تمتّع اور قران میں سے احناف کے ہاں کون سا حج افضل ہے؟

الجواب:۔ حج کی تین قسمیں ہیں (۱) حج افراد (۲) حج تمتّع (۳) حج قران۔ احناف کے ہاں ان تینوں میں سے حج قران افضل ہے اور قران کے بعد حج تمتّع بہتر ہے۔

قال العلامة الحصكفیؒ: باب القِران وهو افضل لحديث اتانی الليلة من ربی وانا بالعقيق فقال يا آلِ محمد اهلوا بحجة وعمرة معاً...... ثـمّ التّمتع ثـمّ الافراد۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۳۰ باب القِران، کتاب الحج) لہ

*

بَابُ الحَجِّ عَنِ الغَیرِ

(حج بدل کے مسائل واحکام)

نفلی حج میں حج بدل کی نیت کرنا ضروری نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد صاحب پر حج فرض نہیں تھا اور نہ انہوں نے وصیت کی تھی، اب میں ان کے ایصالِ ثواب کیلئے نفلی حج میں حج بدل کی نیت کروں یا صرف نفلی حج کی؟

الجواب:۔ جب کسی پر حج فرض ہی نہ ہو تو اس کی طرف سے حج بدل بھی نہیں ہوتا لہٰذا اس صورت میں آپ نفلی حج ادا کریں اور اس کا ثواب اپنے والد کو بخش دیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (بعبادة ماله جعل ثوابها لغیره) ای سواء کانت صلوٰة او صوما او صدقة او قراءة قرآن او ذکرًا او طوافًا او حجًا او عمرةً او غیر ذٰلك۔

(ردّ المحتار ج ۲ ص ۵۹۵ باب الحج عن الغیر، مطلب فی إهداء ثواب الاعمال الخ)[1]

فوت شدہ آدمی کے لیے نفل حج کا ثواب

سوال:۔ اگر ایک آدمی اپنے فوت شدہ والد کے ایصالِ ثواب کے لیے نفلی حج کرے تو کیا اس کو نفلی حج کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ ہر نفلی عبادت چاہے بدنی ہو یا مالی، کرنے سے اس کا ثواب کسی فوت شدہ کو بخشنا شرعاً صحیح اور ثابت ہے اور یہی اہل السنة والجماعة کا عقیدہ ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے فوت شدہ والد کے لیے نفلی حج کر کے اس کا ثواب اُسے بخش دے تو وہ ثواب اس کو پہنچے گا۔

قال العلامة ابن نجیم المصریؒ:۔ فان من صام او صلی او تصدّق وجعل ثوابه لغیره

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ:۔ فان من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابه لغیره من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابها الیهم عند اهل السنة والجماعة کذا فی البدائع۔

(البحر الرائق ج ۳ ص ۵۹ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر۔

من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابها الیهم عند اهل السنة والجماعة کذا فی البدائع ۔

(البحر الرائق ج۳ ص۵۹ باب الحج عن الغیر)[1]

نفلی حج کے لیے والدہ سے اجازت لینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی سعودی عرب میں مقیم ہے وہ اپنی بوڑھی والدہ کے لیے نفلی حج کرنا چاہتا ہے جو کہ پاکستان میں رہتی ہے، کیا اُسے اپنی والدہ سے اجازت لے کر پاکستان سے سفرِ حج اختیار کرنا ہوگا یا سعودی عرب سے ہی والدہ کی طرف سے حج ادا کرے؟

الجواب: حج بدل فرضی میں اُس مکان سے بہ نیتِ حج جانا ضروری ہے جہاں پر رہتا ہو، البتہ اگر کوئی کسی کی طرف سے نفلی حج کا ارادہ کرے تو اس میں اجازت لینا ضروری نہیں اور نہ ہی صورتِ مسئولہ کے مطابق پاکستان آنے کی ضرورت ہے، لہٰذا آپ اپنی والدہ کی طرف سے بغیر اُن کی اجازت کے سعودی عرب سے ہی نفلی حج کرسکتے ہیں ۔

وفی الهندیة: الآمر بالحج فلا یجوز حج الغیر عنه بغیر أمره الا الوارث ۔ هندیة ففی الحج النفل تجوز النیابة حالة القدرة لأن باب النفل اوسع کما فی سراج الوهاج ۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۵۷ الباب الخامس عشر فی الوصیة بالحج)[2]

نفلی حج کے لیے پاکستان آنا ضروری نہیں

سوال: اگر کوئی آدمی اپنے فوت شدہ والدین یا کسی رشتہ دار کے لیے نفلی حج کرتا ہے اور وہ ابوظہبی میں ملازم ہے تو کیا وہ ابوظہبی سے ہی نفلی حج کیلئے جا سکتا

---

[1] ان الانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰة کان او صوماً او صدقة او غیرها کالحج ۔ الخ
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)
وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج۲ ص۵۴۵ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر ۔

[2] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: وانما شرط غیر المنوب للحج الفرض لا النفل لجواز الانابة مع القدرة فی حج النفل لأن المقصود منه الثواب ۔
(البحر الرائق ج۳ ص۶۲ باب الحج عن الغیر)
وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج۲ ص۵۴۵ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر ۔

ہے یا اس کے لیے پاکستان آنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ کسی فوت شدہ کے ایصالِ ثواب کے لیے نفل حج ممنوع نہیں اور نہ اس کے لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق ابوظہبی سے پاکستان آنا ضروری ہے بشرطیکہ فوت شدہ آدمی نے وصیت نہ کی ہو تو فوت شدہ کی طرف سے نفلی حج کرنے والا جہاں بھی ہو وہیں سے مکہ مکرمہ جا کر حج کرے تو صحیح ہے، کیونکہ نفل حج کی صورت میں توسیع ہے البتہ حج بدل وصیت کی صورت میں ہو تو پھر پاکستان آنا ضروری ہے۔

وفی الهندیة: ففی الحج النفل تجوز نیابة حال القدرة لان باب النفل اوسع کما فی السراج الوهاج۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [۱]

غریب آدمی سے حج بدل کرانا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص غریب و نادار ہے جسے ایک صاحبِ ثروت حج بدل کے لیے بھیج رہا ہے، کیا کسی غریب و نادار کو جس نے خود حج نہیں کیا ہو حج بدل کے لیے بھیجنا جائز ہے یا اس کیلئے کسی ایسے شخص کا انتخاب ضروری ہے جس نے خود حج کیا ہو؟

الجواب:۔ بہتر یہ ہے کہ حج بدل کے لیے کسی ایسے آدمی کو بھیجا جائے جس نے خود فریضۂ حج ادا کیا ہو لیکن باوجود اس کے اگر ایک غریب و نادار شخص کو حج بدل کے لیے بھیجا جائے تو اس سے بھی حج بدل ادا ہو جاتا ہے اور اس شخص پہ حج فرض نہیں ہوتا۔

وفی الهندیة: والافضل للانسان اذا اراد عن نفسه ان یحج رجلاً قد حج عن نفسه ومع هذا لو[۲] أحج رجلاً لم یحج عن نفسه حجة الاسلام یجوز عندنا وسقط الحج عن الآمر کذا فی المحیط۔ (الهندیة ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)

---

[۱] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله:۔ وانما شرط عجز المنوب للحج الفرض لجواز الانابة مع القدرة فی حج النفل لان المقصود منه الثواب۔

(البحر الرائق ج ۳ ص ۶۲ باب الحج عن الغیر)

ومثله فی التاتارخانیة ج ۲ ص ۵۲۵ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

[۲] قال ابن عابدین: (ثم فرع علیه) علی ان الشرط هو الاهلیة دون اشتراط ان یکون المامور قد حج عن نفسه۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۶۰۳ باب الحج عن الغیر قبل مطلب فی حج الضرورة)

ومثله فی التاتارخانیة ج ۲ ص ۵۲۶ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

حج بدل میں آمر کی اطاعت کا حکم

سوال :۔ زید نے عمر کو حج بدل کے لیے بھیجا، عمر نے میقات سے عمرہ کی نیت کرلی اور جب حج میں پانچ روزہ رہ گئے تو عمر نے زید کی طرف سے حج بدل کے لیے احرام باندھ کر افعال حج ادا کیے تو کیا شرعاً زید کا حج بدل ادا ہوگیا یا نہیں؟

الجواب :۔ حج بدل کرنے والے کے لیے آمر کے حکم کی اطاعت ضروری ہے، صورتِ مسئولہ کے مطابق چونکہ عمر نے زید کے امر کی مخالفت کی ہے اس لیے اس صورت میں زید کی طرف سے حج بدل ادا نہیں ہُوا آئندہ سال عمر کو زید کیلئے دوسرا حج کرنا پڑے گا۔

قال ابن عابدینؒ :۔ الثانی عشران یحرم من المیقات فلو اعتمر وقد امرہ بالحج ثم حج من مکۃ لا یجوز ویضمن۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۶۱۰ باب الحج عن الغیر) [1]

حج بدل میں عمرہ کی نیت کا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حج بدل میں عمرہ کی نیت صحیح ہے یا نہیں، اور اگر کسی شخص نے حج بدل میں عمرہ کی نیت کرلی تو اس سے حج بدل صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب :۔ حج بدل میں صرف حج کی نیت کرنا اُس وقت ضروری ہے جبکہ آمر نے مامور کو حج افراد پر مامور کیا ہو، چونکہ ہمارے بلاد میں حج قران، تمتع اور افراد تینوں کو حج کہا جاتا ہے اور آمر کی طرف سے تینوں کی اجازت ہوتی ہے لہٰذا تمتع کرسکتا ہے، بہتر یہی ہے کہ آمر سے اس کی تصریح کرالی جائے۔

وفی الھندیۃ : واذا امر غیرہ بالافراد بحجۃ او عمرۃ فقرن فھو ضامنٌ فی قول ابی حنیفۃؒ۔ وقال ابو یوسفؒ ومحمدؒ رحمھما اللہ یجزی عن الآمر استحساناً۔ (الفتاوی الہندیہ ج ا ص۲۵۸ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [2]

---

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ : ولو امرہ بالحج فاعتمر ثمّ حج من مکۃ فھو مخالف فی قولھم۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۲ ص۵۴۶ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۲ ص۱۵۸ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر۔

[2] قال ابن عابدینؒ ، فلو امرہ الافراد فقرن او تمتع ولو للمیّت لم یقع عنہ ولیضمن النفقۃ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۶۱۰ باب الحج عن الغیر، مطلب شروط الحج عن الغیر عشرون)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج ۲ ص۵۴۶ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

ذیابیطس کے مریض کے لیے حج بدل کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی ذیابیطس (شوگر) کے مرض میں مبتلا ہے، ڈاکٹر اور حکیم اسے سفر کی اجازت نہیں دیتے، تو کیا ایسا شخص اپنی طرف سے کسی کو حج بدل کے لیے بھیج سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ذیابیطس کا مریض اگر کسی دوائی یا اور کسی واسطہ سے اپنے مرض پر وقتی طور پر کنٹرول حاصل کر سکتا ہو یا اس کو امید ہو کہ عنقریب اس مرض سے صحتیاب ہو جاؤں گا تو یہ شخص کسی کو اپنی طرف سے حج بدل نہیں کرا سکتا اور اگر ایسا ہونا ممکن نہیں تو پھر حج بدل کرا سکتا ہے۔

وفی الهندیة: ومنها ان یکون المحجوج عنه عاجزاً عن الاداء۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [1]

حج بدل میں خرچہ محجوج عنہ کی طرف سے ہوگا

سوال:۔ کیا حج بدل محجوج عنہ کے مال سے کرنا ضروری ہے یا کوئی شخص اپنی جانب سے بھی کر سکتا ہے؟

الجواب:۔ حج بدل میں یہ شرط ہے کہ مامور کا حج محجوج عنہ کے مال سے ہو، پس اگر حج بدل کرنے والے نے اپنے مال سے حج کر لیا تو محجوج عنہ کی طرف سے ادا نہ ہوگا۔

کما فی الهندیه: ومنها ان یکون حج المامور بمال المحجوج عنه فان تطوع الحاج عنه بمال نفسه لم یجز عنه حتی یحج بماله۔ (الفتاوی الهندیه ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [2]

میقات کی بجائے حرم سے حج بدل کا احرام باندھنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے حج بدل میں میقات سے حج کا احرام نہیں باندھا بلکہ عمرہ احرام باندھا ہے، تو کیا

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: لکن بشرط دوام العجز الی الموت ونیة الحج عنه هذا اذا کان المرض یرجی زواله۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۹۸ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج۲ ص۵۲۵ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: وبقی من الشرائط النفقة من مال الآمر کلها او اکثرها۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۶۰۱ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج۲ ص۵۲۵ الفصل الخامس عشر فی الرّجل یحجّ عن الغیر۔

حرم شریف سے دوبارہ حج بدل کا احرام باندھنے سے حج بدل ادا ہو جائے گا یا نہیں ؟

الجواب:۔ مامور کے لیے آمر کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے افعال حج ادا کرنے چاہئیں اس لیے اگر آمر نے مامور کو حج تمتع کی اجازت دی ہو تو بنا بر تحقیق آمر کا ذمہ فارغ ہوگا ورنہ نہیں۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: ان اذن له الامر بالقران والتمتع والا فیصیر مخالفًا۔ (الدر المختار ج۲ ص۶۱۱ باب الحج عن الغیر)[1]

حج بدل میں خرچہ آمر کی طرف سے ضروری ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت پر حج فرض ہے اور اس عورت نے بنا بر ضعف اپنے بیٹے کو رقم دے کر حج بدل کے لیے روانہ کیا ہے کیا مامور بہ کو آمر کے مال سے ہی حج کرنا ضروری ہے یا اپنی طرف سے بھی کچھ خرچ کر سکتا ہے ؟

الجواب:۔ حج بدل میں ضروری ہے کہ خرچہ آمر کی طرف سے ہو صورتِ مسئولہ کے مطابق اس بیٹے کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ اپنی والدہ کے لیے حج بدل کر رہا ہے تو خرچہ بھی والدہ کے مال سے کرے گا تاہم اگر حج فرض نہ ہو تو نفلی حج میں توسع ہے۔

وفی الهندیة: ومنها ان یکون الحج بمال المحجوج عنه فان تطوع الحاج عنه بمال نفسه لم یجز عنه حتی یحج بماله۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)[2]

حج بدل میں اپنے لیے حج کرنا اور کسی دوسرے کو حج بدل کیلئے مقرر کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمر کو اپنی والدہ کی طرف سے حج بدل کے لیے کہا، تو عمر نے

---

[1] قال العلامة الانصاریؒ: ولو امره بالحج فاعتمر ثم حج من مکة فهو مخالف فی قولهم۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۵۲۶ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۵۸ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر۔

[2] قال ابن عابدینؒ: (فتطوع رجل) اطلق الرجل المتطوع فتشمل الوارث۔ وبه صرح قاضیخانؒ بقوله المیت اذا اوصی بان یحج عنه بماله فتبرع عنه الوارث او الاجنبی لایجوز قلت یعنی لایجوز عن فرض المیت والا فله ثواب ذلك الحج۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۰۶ باب الحج عن الغیر مطلب العمل علی القیاس دون الاستحسان هنا)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۶۲ باب الحج عن الغیر۔

سے کہا کہ آپ آمد و رفت کا خرچہ مجھے دے دیں میں مکہ مکرمہ میں کسی آدمی کو حج بدل کے لیے مقرر کر دوں گا اور ان پیسوں سے میں اپنی جانب سے حج کر لوں گا۔ تو کیا یہ طریقہ درست ہے؟

الجواب:- حج بدل میں آمر کے وطن سے جانا ضروری ہے اس لیے صورتِ مسئولہ میں طریقۂ مذکورہ سے حج کرنا غیر مشروع ہے اور نہ ہی اس طریقے سے حج بدل ادا ہوتا ہے اور زید کی والدہ ذمہ بھی فارغ نہ ہوا۔

قال العلامة محمد امین الشہیر بابن عابدین رحمہ اللہ: الحادی عشر ان یحج عنہ من وطنہ ان اتسع الثلث والا فمن حیث یبلغ۔
(رد المحتار ج ۲ ص ۶۰۰ باب الحج عن الغیر۔ مطلب شروط الحج عن الغیر)[1]

سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے حج بدل ادا کرنا صحیح نہیں

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی پر حج فرض ہو چکا ہے لیکن سفر کی تکالیف اور تھکاوٹ کی وجہ سے وہ حج بدل کرانا چاہتا ہے، کیا یہ حج بدل صحیح ہوگا۔

الجواب:- اگر کسی پہ حج فرض ہو جائے تو حج کی ادائیگی اسی شخص پر ضروری ہے محض تھکاوٹ کی وجہ سے حج بدل نہیں کرا سکتا کیونکہ حج بدل کے لیے فقہاء کرام نے جو شرائط ذکر کی ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں: ۱۔ کہ محجوج عنہ ادائے حج سے خود عاجز ہو، ۲۔ یہ کہ یہ عجز موت تک قائم ہو وغیرہ، چونکہ صورتِ مسئولہ میں یہ شرائط مفقود ہیں اس لیے حج بدل نہیں کرایا جا سکتا۔

قال العلامة الحصکفیؒ:- لکن بشرط دوام العجز الی الموت ونیة الحج عنه هٰذا اذا کان المرض یرجی زواله۔ الخ (الدر المختار علی صدر ردالمحتار ج ۲ ص ۵۹۸ باب الحج عن الغیر)

---

[1] رجل اوصی ان یحج عنه فأحج عنه رجلاً فلما بلغ الکوفة مات او سرقت نفقته وقد انفق النصف فانه یحج عن المیت منزله بثلث ما بقی۔ (جامع الصغیر ص ۱۲۵ کتاب الحج)
وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج ۲ ص ۵۵۲ الفصل السادس عشر فی الوصیة بالحج۔

[2] وفی الهندیة: ومنها ان یکون المحجوج عنه عاجزاً عن الاداء، ومنها استدامة العجز من وقت الاحجاج الی وقت الموت۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)
وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج ۲ ص ۵۲۵ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

حج بدل کی شرائط

سوال:- ایک شخص حج بدل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے شرعاً کیا شرائط ہیں؟

الجواب:- فقہاء اسلام نے اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے کتب فقہ میں مستقل باب (باب فی الحج عن الغیر) قائم کیا ہے جس میں حج بدل کی شرائط ذکر ہیں، اگر ان شرائط کے تحت حج بدل کیا جائے تو درست ہے ورنہ نہیں، اور وہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں:-
۱۔ محجوج عنہ خود ادائے حج سے عاجز ہو اور وہ مال کا مالک ہو ۲۔ وہ حج کرنے سے عاجز ہو اور عجز موت تک قائم ہو ۳۔ امر بالحج ہو ۴۔ احرام کے وقت نیت محجوج عنہ کی طرف سے ہو ۵۔ مامور کا حج محجوج عنہ کے مال سے ہو۔

کما فی الھندیۃ: ومنها ان يكون المحجوج عنه عاجزاً عن الاداء ومنها استدامة العجز من وقت الاحجاج الى وقت الموت ومنها الامر بالحج ومنها نية المحجوج عنه عند الاحرام ومنها ان يكون المامور بماله۔ (الفتاوى الہندیہ ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)[1]

وصیت کے بغیر حج بدل کا حکم

سوال:- ایک آدمی پر حج فرض تھا زندگی میں اس نے حج ادا نہ کیا اور نہ ہی مرتے وقت وصیت کی تو اس کے لیے حج بدل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر کوئی شخص وفات پاگیا اور اس پر حج فرض ہوچکا تھا مگر اس نے حینِ حیات ادا نہ کیا اور مرتے وقت وصیت بھی نہ کی تو اب اگر اس کے وُرثاء اپنی خوشی سے میت کی طرف سے حج بدل کریں تو جائز ہے اور امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کی طرف سے قبول فرمالیں گے، مگر میت کی وصیت ضروری ہے۔

کما فی الھندیۃ: من عليه الحج اذا مات قبل ادائه من غير وصية يأثم بلا خلاف وان احب الوارث ان يحج عنه يجزئه ذلك انشاء الله تعالى، كذا ذكر ابو حنيفة رحمة الله عليه وان مات عن وصية لا يسقط الحج عنه واذا حج عنه يجوز عندنا باستجماع

---

[1] قال الحصكفی رحمہ اللہ: لكن يشترط دوام العجز الى الموت ونية الحج عنه هذا اذا كان المرض يرجى زواله -الخ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۸ باب الحج عن الغير)
ومثله فی التاتارخانية ج ۲ ص ۵۲۵ الفصل الخامس فی الرجل يحج عن الغير۔

شرائط الجواز۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۵۹ الباب الخامس عشر فی الوصیة بالحج) [1]

عورت کا مرد کی طرف سے حج بدل کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مرد کی طرف سے عورت حج بدل کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج بدل کے لیے مسلمان عاقل بالغ ہونا ضروری ہے خواہ مرد ہو یا عورت! البتہ اگر عورت نے حج بدل کیا تو فقہاء کی تصریح کے مطابق مکروہ ہے تاہم حج بدل ادا ہوجائے گا۔

وفی الهندیة، ولو احج عنه امرأة او عبدًا اَو اُمة باذن السیّد جاز ویکره هکذا فی محیط السرخسی۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [2]

غیر وصی کا حج بدل ادا کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے موت کے وقت چار اشخاص کو وصیت کی کہ مجھ پر حج فرض ہے آپ میری طرف سے حج بدل ادا کردیں، تو کیا حج بدل صرف اوصیاء اور وارثین کو ادا کرنا ضروری ہے یا غیر وصی بھی حج بدل کرسکتا ہے؟

الجواب:۔ حج بدل اوصیاء وارثین کو ادا کرنا ضروری نہیں بلکہ غیر وصی بھی حج بدل ادا کرسکتا ہے۔

یکون الاوصیاً مطلقاًو یدل علیه مافی الهندیة۔ ولو اوصٰی المیت ان یحج عنه ولم یزد کان للوصی ان یحج بنفسه فان کان الوصی وارث المیت او دفع المال الی وارث المیت لیحج عن المیت (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۲۵۹ الباب الخامس عشر فی الوصیة بالحج) [3]

---

[1] قال الشیخ ابن العلاء الانصاریؒ: ومن مات وعلیه فرض الحج ولم یوصی به لم یلزم الوارث ان یحج عنه وان احب ان یحج عنه فأرجوا ان یجزیه انشاءالله۔ (الفتاوی التاتارخانیه ج ۲ ص۵۴۶ الفصل السابع عشر فی احرام المرأة)

وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج ۳ ص۶۱ باب الحج عن الغیر۔

[2] قال الشیخ ابن الهمامؒ: ویجوز حجاج الحر والامة والحرة وفی الاصل نص علی کراهة المرأة۔ (فتح القدیر ج ۳ ص۱۵۱ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج ۳ ص۶۶ باب الحج عن الغیر۔

[3] قال الشیخ ابن العلاء الانصاریؒ: وفی الکبریٰ اوصی بان یحج عنه ولم یوص الی احد فاجتمعت الورثة لیحجوا عنه رجلاً جاز۔ (الفتاوی التاتارخانیه ج ۲ ص۵۵۶ الفصل السادس عشر فی الوصیة بالحج)

وَمِثْلُهٗ فی ردالمحتار ج ۲ ص۵۹۹ باب الحج عن الغیر۔

ایک سال کے بعد حج بدل ادا کرنا

سوال:- گذشتہ سال رمضان میں زید نے عمر کے ساتھ وعدہ کیا کہ آپ میرے بھائی بکر مرحوم کی طرف سے حج بدل ادا کریں میں آپ کو ماہ شوال میں پانچسو روپیہ ارسال کروں گا، عمر نے رقم کا انتظار کیا لیکن زید نے شوال میں رقم ارسال نہیں کی، جب دس روز حج کو رہ گئے تو عمر نے اپنی والدہ کی طرف سے حج بدل ادا کیا، پھر تین ماہ بعد زید نے عمر کو پانچسو روپے ارسال کئے اور عمر ایک سال مکہ مکرمہ میں رہا اور سنہ ۱۳۸۴ھ حج میں بکر مرحوم کی طرف سے حج بدل ادا کیا، تو کیا حج بدل ادا ہوا یا نہیں؟

الجواب:- اگر بکر مرحوم کے لیے حج نفلی برائے ایصالِ ثواب ہو تو ہر کس اور ہر جگہ سے ہر وقت درست ہے اور اگر فرض حج بدل ہو تو میت کے ثلث کا یا وصی کی وصیت کا اعتبار ہوگا، لہٰذا اگر ثلث میت کے وطن سے حج بدل کے لیے کافی ہو تو میت کے وطن سے سفرِ حج ضروری ہے اور اگر کافی نہ ہو تو جہاں سے ممکن ہو سکے ادا کر لیا جائے۔

قال الحصکفیؒ: الاصل ان کل من اتی بعبادۃ ما جعل ثوابها لغیرہ وان نواها عند الفعل لنفسه۔

قال ابن عابدینؒ: بعبادۃ ما) ای سواء کانت صلوٰۃ او صوماً الخ (رد المحتار ج۲ ص۵۹۵ باب الحج عن الغیر)

قال ابن عابدینؒ: الحادی عشر ان یحج عنه من وطنه ان اتسع الثلث والا فمن حیث یبلغ کما سیأتی بیانه۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۰۰ باب الحج عن الغیر، مطلب شروط الحج عن الغیر)[1]

صاحبِ عذر کا عذر ختم ہو جانے کے بعد حج بدل کا حکم

سوال:- اگر ایک معذور آدمی (جس پر حج فرض تھا) حج بدل کرائے،

---

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: اذا اوصی بان یحج عنه وهو فی منزله ان بیت مکاناً یحج عنه من ذلک المکان بالاجماع، فان لم یبین مکاناً یحج عنه من وطنه عند علمائنا وهذا اذا کان ثلث ماله یکفی للحج من وطنه فاما اذا کان لا یکفی لذلک فان یحج عنه من حیث یمکن الاحجاج عنه بثلثه۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۵۲ الفصل السادس عشر فی الوصیۃ بالحج)

وفی الهندیۃ: الاصل فی هذا الباب ان الانسان له ان یجعل ثواب عمله لغیرہ صلوٰۃ کان او صوماً او صدقۃ او غیرها کالحج وقرأۃ القرآن۔ (الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)

اور حج بدل کے بعد اس کا عذر کسی بھی وقت ختم ہو جائے تو باقی ماندہ زندگی میں اُسے دوبارہ حج کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب: حج بدل کے لیے عجز (مرض) کا دائمی ہونا ضروری ہے، اگر مرض دائمی نہ ہو تو اس کی طرف سے حج بدل ادا نہ ہوگا، چونکہ بصورت مسئولہ میں اس شخص کا مرض تا موت دائمی نہ تھا بلکہ مرنے سے پہلے پہلے ہوگیا تو اس پر دوبارہ خود حج کرنا لازمی ہے حج بدل سے ذمہ فارغ نہ ہوگا۔

وفی الهندیة: ومنها استدامة العجز من وقت الاحجاج الی وقت الموت هکذا فی البدائع حتیٰ لو احج عن نفسه وهو مریض یکون مراعی فان مات اجزءه وان تعافی بطل۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)[1]

حج بدل کے بعد منذورہ عُمرہ ادا کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمرہ کی نذر مانی ہے دریں اثنا زید کسی آدمی کے لیے حج بدل کرنے کے لیے گیا تو حج بدل ادا کرنے کے بعد زید نے اپنا منذورہ عمرہ ادا کیا، تو کیا زید کا یہ عمرہ صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب: بظاہر اس نے اداء کا التزام کیا ہے، کیونکہ اس نے اوّلاً حج بدل ادا کیا ہے اور آمر کے حکم کی کوئی مخالفت نہیں کی اس لیے زید کا یہ عُمرہ ادا کرنا صحیح ہے اور اس سے زید کا ذمہ فارغ ہوگیا۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ابن سماعة عن محمدؒ: المأمور بالحج اذا حج عن الامر ثم احرم بعمرة ینفق من مال نفسه ما دام معتمراً فاذا انفق من مال الآمر۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج۲ ص۵۴۷ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر)[2]

---

[1] قال ابن نجیمؒ: وان کان مرضاً یرجی زواله فاحج فالامر مراعی فان استمر العجز الی الموت سقط الفرض والالا۔ (البحر الرائق ج۳ ص۶۶ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۵۹۹ باب الحج عن الغیر۔

[2] قال ابن عابدینؒ: (تحت هٰذه العبارة فیصر مخالفاً) ولو امره بالعمرة فاعتمر ثم حج عن نفسه لم یکن مخالفاً بخلاف ما اذا حج اوّلاً ثم اعتمر۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۱۱ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۶۳ باب الحج عن الغیر۔

والدین کی طرف سے حج کرنے میں زیادہ ثواب ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض ادا کرنے کے بعد اپنے لیے نفلی حج کرنا افضل ہے یا والدین کی طرف سے حج کرنا افضل ہے؟

الجواب: اگر والدین پر حج فرض نہیں تھا تو اپنے لیے نفل حج کرنے کی بجائے والدین کی طرف سے حج کرنا افضل واولیٰ ہے اور بعض احادیث میں دس گنا کی زیادتی آئی ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله : بخلاف ما لو اهل عن ابویه او غیرهما من الاجانب حال کونه متبرعا فعین بعد ذٰلك جاز لانه متبرع بالثواب فله جعله لاحدهما او لهما وفی الحدیث من حج عن ابویه فقد قضیٰ عنه حجته وکان له فضل عشر حجج و بعث من الابرار۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۶۰۸ باب الحج عن الغیر) [1]

دم تمتع ودم قران آمر پر ہے یا مامور پر

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی میت کی طرف سے حج بدل میں تمتع یا قران کی نیت کرے تو کیا اس کا حج ادا ہو جائے گا یا نہیں، اور دم کس پر واجب ہوگا، آمر پر یا مامور پر؟

الجواب: اگر آمر نے حج تمتع یا قران کی اجازت نہ دی ہو تو اس کا حج ادا نہ ہوگا اور اگر اجازت دی ہو تو حج ادا ہو جائے گا مگر دم تمتع یا قران مامور پر ہوگا آمر پر نہیں۔

قال الحصکفیؒ : ودم القران والتمتع والجنایة علی الحاج ان اذن له الآمر بالقران والتمتع والا فیصیر مخالفاً فیضمن۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۶۱۱ باب الحج عن الغیر) [2]

⁂

---

[1] قال النبی صلی الله علیه وسلم من حج عن ابیه وامه فقد قضیٰ عنه حجته وکان له افضل عشر حجج۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۹۲ باب الحج عن الغیر)

ومثله فی البحر الرائق ج ۳ ص ۶۹ باب الحج عن الغیر۔

[2] قال ابن نجیمؒ : ودم الحصار علی الآمر ودم القران ودم الجنایة علی المامور۔ قال ابن نجیمؒ ، وانما وجب دم القران علی المامور باعتبار انه وجب الشکر لما وفقه الله تعالیٰ من الجمع بین النسکین۔

(البحر الرائق ج ۳ ص ۶۵ باب الحج عن الغیر)

ومثله فی التاتارخانیة ج ۲ ص ۵۲۸ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

محرم نہ ملنے کی صورت میں عورت حج بدل بھی نہیں کرا سکتی

سوال:۔ اگر کسی پردہ دار عورت کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ اپنا اور محرم کا خرچہ کرسکتی ہے مگر اس کو کوئی ایسا محرم نہیں مل رہا کہ اس کے ساتھ حج ادا کرنے کے لیے جاسکے، تو کیا یہ عورت حج بدل کرا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عورت پر حج کی فرضیت کے لیے محرم کا ہونا شرط ہے بغیر محرم کے عورت پر حج فرض ہی نہیں اگرچہ اس کے پاس مال زیادہ ہو، اس لیے اس عورت پر حج بدل کرانا بھی لازمی نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ومع زوج أو محرم ولو عبداً او ذمیاً أو برضاع بالغ قید لهما۔

قال ابن عابدینؒ: تحت (قوله ومع زوج أو محرم) هذا وقوله ومع عدم عدة علیها شرطان مختصان بالمرأة۔ الخ (ردالمحتار ج ۲ ص ۴۶۴ کتاب الحج)[1]

حج بدل ادا کرنے کے بعد مامور وطن واپس نہ آئے تو حج کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے حج بدل ادا کرنے کے لیے سعودی عرب (مکہ مکرمہ) چلا جائے اور حج ادا کرنے کے بعد واپس وطن نہ آئے بلکہ وہیں رہے تو کیا اس طرح حج بدل ادا ہوجائے گا؟

الجواب:۔ حج بدل میں آمر کے ملک/شہر سے جانا ضروری اور شرط ہے حج ادا کرنے کے بعد آمر کے وطن واپس آنا ضروری نہیں، اس لیے اگر کوئی حج کے بعد وہیں مقیم ہوجائے تو حج بدل ادا ہوجائے گا، اقامت اختیار کرنے سے حج متاثر نہ ہوگا، البتہ بہتر یہ ہے کہ واپس آجائے۔

لما فی الهندیة: ولو احج رجلاً یؤدی الحج ویقیم بمکة جاز والافضل ان یحج ویرجع واذا فرغ المامور من الحج ونوی الاقامة خمسة عشر یوماً فصاعداً انفق من مال نفسه ولو انفق من مال الآمر یضمن۔ الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۵۸ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)[2]

---

[1] قال العلامة عبد الله بن مودود الموصلیؒ: ولا تحج المرأة الا بزوج أو محرم اذا کان سفراً ونفقة المحرم علیها۔ وفی شرحه ولابد من العقل والبلوغ لعجز الصبی والمجنون عن الحفظ۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۱۴۱ کتاب الحج)

[2] قال العلامة الکاسانیؒ: ولو احج رجلاً یؤدی الحج ویقیم بمکة جاز لانه فرض الحج صار مؤدیاً بالفراغ عن افعاله والافضل ان یحج ثم یعود الیه لان الحاصل للآمر ثواب النفقة فمهما کانت النفقة اکثر کان الثواب اکثر۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۱۵ کتاب الحج، فصل فی الذی یرجع الی النیات)

حج افراد پر مامور شخص اپنے لیے عمرہ کر سکتا ہے

سوال: ۔ اگر کوئی شخص کسی کو حج افراد کرنے کے لیے اپنا نائب مقرر کرے تو مامور حج افراد کے بعد اپنے لیے عمرہ کرے تو کیا یہ حج بدل جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: ۔ اصل میں حج بدل کے اندر یہ ضروری ہے کہ مامور اپنے آمر کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرے، صورتِ مسئولہ میں مامور نے چونکہ پہلے آمر کے حکم کو پورا کیا ہے اور بعد میں اپنے لیے عمرہ کیا تو اس سے آمر کی طرف سے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا بلکہ حج اور عمرہ دونوں درست ہیں تاہم اس عمرے کا خرچہ مامور کے ذمے واجب ہوگا۔

لما قال الشیخ عبد الرحمٰن الجزائری رحمہ اللہ: ۔ أما لو أمرہ بالعمرۃ فنفذ أمرہ واعتمر عنہ ثم حج عن نفسہ او أمرہ بالحج فحج عنہ ثم اعتمر عن نفسہ فان ذٰلک یجوز وتجزی العمرۃ فی الصورۃ الاولی والحج فی الصورۃ الثانیۃ عن المستنیب الا أن نفقۃ اقامتہ للحج عن نفسہ فی الاولی والعمرۃ عن نفسہ فی الثانیۃ فلزمہ فی مالہ۔

(کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ج۱ ص۶۸۲ کتاب الحج) [1]

حج کے منافی عمل سے فسادِ حج کی صورت میں حج کا خرچ کس پر ہوگا؟

سوال: ۔ اگر مامور سے کوئی ایسا عمل سرزد ہو جائے کہ جس سے حج فاسد ہوتا ہے تو اب حج کا خرچہ آمر پر ہوگا یا مامور پر ؟

الجواب: ۔ اگر حج میں فساد وقوفِ عرفہ سے قبل آیا ہو تو مامور آمر کے خرچے کا ضامن ہوگا اس لیے کہ مامور اس فساد کا سبب بنا ہے اور اگر وقوفِ عرفہ کے بعد فساد آیا ہو تو مامور ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ وہ حج کا رکنِ اعظم ادا کر چکا ہے۔

لما قال الشیخ عبد الرحمٰن الجزائری رحمہ اللہ: واذا فعل المأمور ما یفسد الحج فان کان ذٰلک قبل الوقوف بعرفۃ فانہ یضمن المال للمنیب وان کان ذٰلک بعد الوقوف فلا یضمن لانہ أدی الرکن الاعظم وھو الوقوف

---

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: ۔ ولو أمرہ بالعمرۃ فاعتمر اوّلاً ثم حج عن نفسہ لم یکن مخالفاً۔۔۔۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۴۶ الحج عن الغیر)
ومِثْلُہٗ فی الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج۳ ص۵۶ باب النیابۃ فی الحج۔ الخ

وكل كفارة جناية تجب على المأمور لانه سببها۔

(كتاب الفقه على المذاهب الاربعة ج۱ ص۶۰۸ كتاب الحج)[1]

کیا حج افراد پہ مامور شخص تمتع یا قران کرسکتا ہے یا نہیں؟

سوال:۔ اگر آمر نے حج افراد کا حکم دیا ہو اور مامور حج تمتع یا قران کرے تو اس حج کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مامور حج میں ہر وقت آمر کے حکم کا تابع ہے، اگر آمر نے صرف افراد کا حکم دیا ہو تو مامور کو صرف حج افراد کرنا چاہیئے، اگر اس نے آمر کے حکم کے خلاف حج تمتع یا قران کیا تو حج مامور کی طرف سے ادا ہوگا اور مامور آمر کی رقم کا ذمہ دار ہوگا، تاہم اگر آمر کی طرف سے کُلی اختیار ہو کر مامور جس قسم کا حج کرنا چاہے کرسکتا ہے تو اس صورت میں مامور جو بھی حج ادا کرے گا وہ آمر ہی کی طرف سے ہوگا۔

قال الشيخ عبد الرحمن الجزائري رحمه الله: ومنها عدم مخالفة ما شرطه المستنيب، فلو أمر بالافراد فحج عنه الغائب قارنا او متمتعا لم يقع عنه ويضمن النفقة التي صرفت له۔ (كتاب الفقه على المذاهب الاربعة ج۱ ص۶۰۸ كتاب الحج)[2]

مامور کا مدینہ منورہ جانے کے لیے آمر کی رقم سے خرچ کرنا

سوال:۔ حج بدل میں مامور جب مدینہ منورہ جائے تو یہ خرچہ کس پر واجب ہوگا، مامور پر یا آمر پر؟ کیا مامور آمر کے مال سے اس سفر کے لیے خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاريؒ: قال ابو يوسف الحاج عن الغير اذا افسد حجه قبل الوقوف عليه ضمان النفقة وعليه الحج الذي افسده وعمرته وحجته للآمر ولو فاته الحج لا يضمن لأنه امين وعليه قضاء الفائت وحج عن الآمر. (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۵۲۹ الحج عن الغير)

ومِثلُهُ في الهداية ج۱ ص۲۷۹ الحج عن الغير۔

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاريؒ: واذا أمر غيره بالافراد بحجة او عمرة فقرن فهو مخالف ضامن۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۵۲۶ الحج عن الغير)

ومِثلُهُ في الفقه الاسلامي وادلتُهُ ج۳ ص۵۱ النيابة في الحج۔

الجواب:۔ حج سے پہلے یا بعد مدینہ طیبہ جانا چونکہ نہ فرض ہے نہ واجب، اس لیے آمر کی اجازت کے بغیر مامور اُس کے مال سے خرچ نہیں کرسکتا بلکہ اس خرچہ کو خود برداشت کرے، ہاں اگر آمر کی اجازت ہو تو پھر اُس کے مال سے خرچ کرنا جائز ہے۔

قال الشیخ وهبة الزحیلی رحمه الله: ولو امره ان یعتمر، فاحرم بالعُمرة واعتمر، ثمّ احرم بالحج عن نفسه، لم یکن مخالفاً، لانهٗ فعل ما امر به، اوهو اداء العمرة وحجّة عن نفسه بعد ئذ کاشتغاله بعمل آخر من التجارة وغیرها، لکن النفقة فی حجه تکون من ماله، لانه عمل لنفسه۔

(الفقه الاسلامی وَاَدِلَّتُهٗ ج ۳ ص ۵۷ کتاب الحج)[1]

حج بدل میں نیت آمر کی طرف سے ہوگی

سوال:۔ حج بدل کی نیت مامور اپنی طرف سے کرے گا یا آمر کی طرف سے کرے گا؟

الجواب: جب ایک آدمی کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل کرنا چاہتا ہو تو احرام باندھ کر اُس کی طرف سے نیت کرے اور تلبیہ کہتے وقت آمر کا نام لیکر تلبیہ پڑھے۔

لما قال العلامة عبد الله بن مودود الموصلی رحمه الله: ومن حج عن غیره وینوی الحج عنه ویقول لبیك بحجة عن فلان۔

(المختار علی صدر الاختیار ج ۱ ص ۱۷۱، ۱۷۱ باب الحج عن الغیر)[2]

---

[1] قال الکرمانی رحمه الله: ثمّ عندنا المحرم الذی یحجّ عن المیت او عن غیره من العاجزین علی ذکرنا فی الفصول المتقدّمة یحج عنه بنفقةٍ وسطٍ من غیر تقتیر ولا اسراف ذاهبًا وجائیًا راکبًا غیر ماش ۔۔۔۔۔۔

(حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق ج ۲ ص ۸۸ باب الحجّ عن الغیر)

[2] قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمه الله: وبشرط نیة الحج عنه ای عن الآمر فیقول احرمتُ عن فلان ولبیت عن فلان ولو نسی اسمه فنوی عن الآمر صح وتکفی نیة القلب۔

{ الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۹
باب الحج عن الغیر }

باب الجنایات

(حج میں غلطی کرنے کے مسائل)

رمی چھوڑنے کی وجہ سے دم واجب ہونے کا حکم

سوال:۔ ایامِ حج میں ایک آدمی کے ساتھ اپنی عورت ہو اور وہ رمی جمار کی استطاعت نہیں رکھتی ہو، اگر یہ عورت اپنے شوہر کو رمی جمرات میں وکیل مقرر کرے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں، اور اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: ایامِ حج میں رات کے وقت رمی جمار کرنے میں کوئی دِقت نہیں ہوتی اسلئے بلاعذرِ شرعی اس کو ترک کرنا اور کسی کو وکیل بنانا موجبِ دم ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اس عورت پر دم واجب ہے۔

وفی الهندية: ولو ترك الجمار كلها او رمی واحدة او جمرة العقبة يوم النحر فعليه شاة۔ (الفتاوٰی الهندية ج ۱ ص ۲۴۷ الباب الثامن فی الجنايات، الفصل الخامس) [1]

جمرۃ العقبہ کی رمی بلاعذرِ شرعی چھوڑنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی ایامِ حج میں شرعی عذر کے بغیر جمرۃ العقبہ کی رمی چھوڑ دے تو کیا اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمی جمار واجباتِ حج میں سے ہے جس کے چھوڑ دینے سے دم واجب ہو جاتا ہے لہٰذا جس شخص نے جمرۂ عقبہ کی رمی ترک کر دی اُس پر دم لازم ہے۔

وفی الهندية: ولو ترك الجمار كلها او رمی واحدة او جمرة العقبة يوم النحر فعليه شاة۔ (الفتاوٰی الهندية ج ۱ ص ۲۴۷ الباب الثامن فی الجنايات، الفصل الخامس) [2]

---

[1] قال المرغينانیؒ: ومن ترك رمی الجمار فی الايام كلها فعليه دم لتحقق ترك الواجب۔ (الهداية ج ۱ ص ۲۵۵ باب الجنايات)

وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج ۲ ص ۵۵۴ باب الجنايات۔

[2] قال الحصكفیؒ: او الرمی كله او فی يوم واحد۔ قال ابن عابدينؒ: انما وجب بتركه كله دم واحد۔

(ردّ المحتار ج ۲ ص ۵۵۴ كتاب الحج باب الجنايات)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۲۳ باب الجنايات۔

۱۱ ذی الحجہ کی رمی چھوڑنے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک آدمی گیارہ ذی الحجہ کی رمی بلاعذر شرعی نہ کرے تو کیا اس پر دم واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ ذی الحجہ کی گیارہ اور بارہ تاریخ کو جمرات کی رمی واجب ہے، اگر کوئی شخص ان دنوں میں رمی نہ کرے تو اس پر دم واجب ہے جو کہ ارضِ حرم میں خود یا کسی اور سے ذبح کرائے۔

وفی الھندیۃ: ولو ترک الجمار او رمی واحد او جمرۃ العقبۃ یوم النحر فعلیہ شاۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۴۷ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الخامس)[1]

ترکِ سنت کی وجہ سے دم لازم نہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص رمی جمار کے بعد منیٰ میں قیام نہ کرے بلکہ مکہ معظمہ میں قیام کرے تو کیا اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمی جمار کے بعد منیٰ میں قیام کرنا سنت ہے واجب نہیں اور ترکِ سنت پر دم لازم نہیں آتا اگرچہ ایسا کرنا خلافِ سنت ہے۔

قال الشیخ ابن عابدینؒ: فیبیت بھا للرمی ای لیالی ایام الرمی ھو السنۃ فلو بات بغیرھا کرہ ولا یلزمہ شئ۔ اھ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۲۰ فصل فی الاحرام، مطلب فی حکم صلوٰۃ العید والجمعۃ فی منیٰ)[2]

مفرد پر دمِ شکریہ لازم نہیں

سوال:۔ کیا حج افراد کرنے والے پر دمِ شکر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج افراد کرنے والے پر دمِ شکر واجب نہیں افضل ضرور ہے تاہم حج تمتع اور حج قران کرنے والے پر واجب ہے۔

کما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ثم بعد الرمی ذبح ان شاء لانہ مفرد۔ علامہ شامی اس عبارت

---

[1] قال الحصکفیؒ: او الرمی کلہ او فی یوم واحد۔ قال ابن عابدینؒ: انما وجب بترکہ کلہ دم واحد۔
(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۵۵۴ باب الجنایات)
ومِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج ۱ ص ۲۵۵ باب الجنایات۔

[2] قال الشیخ ابن نجیم المصریؒ: (تحت ثم الی منیٰ الخ) ثم الی منیٰ فارم الجمار اقتداءً برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یذکر البیتوتۃ بمنیٰ لانھا لیست بواجبۃ لان المقصود الرمی لکن ھی السنۃ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۳۴۸ باب الاحرام)
ومِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۱۹ الباب الاول فی تفسیر الحج۔

کے تحت لکھتے ہیں: والذبح له افضل ويجب على القارن والمتمتع۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۱۵ فصل فی الاحرام وصفة المفرد، مطلب فی رمی جمرة العقبة) [1]

احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہننے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک آدمی حج کے دوران سلے ہوئے کپڑے پہن لے بعض سلے ہوئے کپڑوں میں تین گھنٹے اور بعض میں آٹھ گھنٹے وقت گذارے تو دم واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ دن یا رات سے کم وقت میں سلے ہوئے کپڑے پہننا موجبِ صدقہ ہے اور دن یا رات سے زائد وقت تک سلے ہوئے کپڑے پہننا موجبِ دم ہے۔

قال الحصکفیؒ: او لبس مخیطا او ستر رأسه یوماً کاملاً۔ قال فی شرح التنویر فی الاقل صدقة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۴۷ کتاب الحج، فصل الجنایات) [2]

حالتِ احرام میں سر ڈھانپنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے مچھروں سے تنگ آکر اپنے سر کو تمام رات احرام کی چادر میں ڈھانپے رکھا، کیا اس شخص پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احرام کی حالت میں مردوں کے لیے سر چھپانا جائز نہیں، البتہ اگر کسی نے تمام رات سر کو ڈھانپے رکھا تو اس پر دم واجب ہے البتہ اگر کسی نے اس سے کم وقت تک سر کو ڈھانپے رکھا تو اس پر صدقہ واجب ہے۔

وفی الهندیة: ولو غطی المحرم رأسه او وجهه یوماً فعلیه دم وان کان اقل من

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ولم یذکر الذبح هٰذا الرمی قبل الحلق لانه مفرد فلا یلزم الذبح ولا اضحیة علیه لانه مسافر وان کان قارن او متمتع یذبح۔
(الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۴۶۲ الفصل الثالث فی تعلیم اعمال الحج)
وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۱ ص۲۱۳ کتاب الحج۔

[2] قال العلامة ابن نجیمؒ: وکذا قوله والا تصدق ای وان کان لبس المخیط وتغطیة الرأس اقل من یوم لزمه صدقة۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۰ باب الجنایات)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۴۲ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الثانی فی اللبس۔

ذٰلک فعلیہ صدقۃ۔ (الفتاوٰی الہندیہ ج۱ ص۲۴۲ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الثانی فی اللبس) [1]

حالتِ احرام میں چہرے کو ڈھانکنے کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے شرعی عذر کے بغیر احرام کی حالت میں پورا ایک دن اپنے چہرے کو ڈھانکا، تو کیا اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- حالتِ احرام میں عذر کے بغیر چہرے کو چھپانا جائز نہیں، اگر بلا عذر چہرے یا سر کا چوتھائی یا چوتھائی سے زیادہ حصہ ایک دن یا ایک رات ڈھانکا تو دم واجب ہے۔

قال ابن عابدینؒ: فی تغطیۃ کل الوجہ او الرأس یوماً اولیلۃ دم والربع منہما کالکل الخ

(ردّ المحتار ج۲ ص۴۸۸ کتاب الحج مطلب فی یحرم بالاحرام ولا یحرم) [2]

حالتِ احرام میں عطاری کی دوکان میں بیٹھنا

سوال:- حالتِ احرام میں عطاری کیساتھ مصافحہ کرنا یا اس کی دوکان میں بیٹھنا موجبِ دم ہے یا نہیں؟

الجواب:- عطاری کی دوکان میں بیٹھنا اور اس کے ساتھ مصافحہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کے بدن پر خوشبو کی ذات یعنی عطر وغیرہ نہ لگے اور اگر عطر وغیرہ اس کو لگ جائے تو زیادہ لگنے سے دم اور معمولی مقدار میں لگ جائے تو صدقہ واجب ہوگا۔

قال ابن نجیمؒ:- ولا بأس ان یجلس فی حانوت عطار ولا فرق ایضاً بین ان یقصدہ اولا ولذا قال فی المبسوط: وان استلم الرکن فاصاب فمہ او یدہ خلوف کثیر فعلیہ دم وان کان قلیلاً فصدقۃ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۳ باب الجنایات) [3]

---

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: وکذا اذا غطی ربع رأسہ یوماً فصاعداً فعلیہ دم۔ (الفتاوٰی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۹۵ الفصل الخامس فیما یحرم علی المحرم، نوع منہ فی لبس المخیط)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۶ باب الجنایات

[2] وفی الہندیۃ: ولو غطی المحرم رأسہ او وجہہ یوماً فعلیہ دم وان کان اقل من ذٰلک فعلیہ صدقۃ۔ کذا فی الخلاصۃ۔ (الفتاوٰی الہندیہ ج۱ ص۲۴۲ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الثانی فی اللبس)
وَمِثْلُہٗ فی الفتاوٰی تاتارخانیۃ ج۲ ص۴۹۳ الفصل الخامس، نوع منہ فی لبس المخیط)

[3] وفی الہندیۃ: ولا بأس ان یقعد فی دوکان عطار او موضع یتبخر فیہ قبراً الا انہ یکرہ۔ (الفتاوٰی الہندیۃ ج۱ ص۲۴۲ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الاول)
وَمِثْلُہٗ فی الفتاوٰی تاتارخانیۃ ج۲ ص۵۰۶ الفصل الخامس فیما یحرم علی المحرم۔ نوع منہ فی الدہن والتطیب بخفاً

ذبح اور حلق میں ترتیب

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حکومت سعودی عرب نے قربانی کے گوشت کو محفوظ کرنے کے لیے ایک نئی قربان گاہ قائم کی ہے، بعض حاجی حضرات سہولت کے لیے اپنی قربانی کو دوسرے کے سپرد کر دیتے ہیں یا قربانی کی قیمت بینک میں جمع کرا دیتے ہیں، اس طرح قربانی کا وقت کامل طور پر معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس وقت ذبح کی گئی، اب اگر کسی شخص نے حلق کر لیا اور یہ حلق ذبح پر مقدم ہو گیا تو کیا اس مقدم ہونے پر دم واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- احناف کے نزدیک ذبح حلق پر مقدم کرنا واجب ہے مؤخر کرنے سے دم واجب ہوگا، اسلئے اگر بینک والوں نے ذبح بعد میں کیا اور حاجی نے حلق پہلے کیا ہو تو دم لازم ہوتا ہے اسلئے بہتر یہ ہے کہ اپنی قربانی خود ذبح کر کے پھر حلق کرے۔

قال ابن نجیمؒ :- فان حلق القارن قبل ان یذبح فعلیه دمان عند ابی حنیفةؒ دم بالحلق فی غیر اوانه لان اوانه بعد الذبح ودم بتاخیر الذبح عن الحلق۔

(البحر الرائق ج۲ ص۳٦٦ باب القران) [1]

ترک سعی کا دم ایام النحر کے ساتھ مخصوص نہیں

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک آدمی آدمی سے واجب سعی ترک ہو جائے تو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- حج وعمرہ میں صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے ترک کرنے کی صورت میں دم واجب ہو جاتا ہے اور یہ ذبح ہر وقت جائز ہے ایام نحر کے ساتھ مخصوص نہیں کسی کو بھی پیسے دے کر مکہ مکرمہ میں ذبح کیا جا سکتا ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ :- ومن ترک السعی بین الصفا والمروة فعلیه دم وحجه تام وفیها ایضاً یجوز ذبح بقیة الایام فی ای وقت شاء۔ (الهدایة ج۱ ص۲۵۵ باب الجنایات) [2]

---

[1] قال الحصکفیؒ :- ثم بعد الرمی ذبح ثم قصر وفی رد المحتار ای او حلق کما دل علیه قوله وحلقه افضل۔ (رد المحتار ج۲ ص۵۱۵ فصل فی الاحرام وصفة الحج مطلب فی رمی العقبة)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۲٤۳ باب الجنایات۔

[2] قال فی الهندیة :- من ترک السعی بین الصفا والمروة فعلیه دم وحجه تامٌ۔
(الفتاوى الهندیة ج۱ ص۲٤۷ الباب الثامن الجنایات، فصل خامس فی الطواف والسعی)
ومثلهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۸۱ باب الهدی۔

طوافِ صدر چھوڑنے پر دم واجب ہے

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ طوافِ صدر کے ترک کرنے سے دم واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- طوافِ صدر ترک کرنے سے دم واجب ہوتا ہے، البتہ طوافِ صدر اب بھی کرسکتا ہے، یعنی عمرہ کی نیت کرکے عمرہ ادا کیا جائے تو اس طوافِ عمرہ سے طوافِ صدر ادا ہو جائے گا۔

وفی الهندیة: ولو ترك طواف صدر او اکثر تجب علیه الشاة۔
(الفتاوى الهندية ج ١ ص۲۴۶ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الخامس)[1]

عورت کے لیے وقوفِ مزدلفہ کا دم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض اعذار کی وجہ سے اگر کوئی عورت وقوفِ مزدلفہ اور رمی نہ کر پائے تو اس پر دم واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- بغیر عذرِ شرعی کے وقوفِ مزدلفہ اور رمی کو ترک کرنا صحیح نہیں چھوٹ جانے کی صورت میں دم لازم ہے، البتہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے وقوفِ مزدلفہ اور رمی چھوٹ جانے پر دم واجب نہیں۔

قال العلامة الشامی رحمه الله:- ثم وقف بمزدلفة ووقته من طلوع الفجر الی طلوع الشمس ولو مارًا كما فی عرفة لكن لو تركه بعذر كزحمة بمزدلفة فلا شیٔ علیه۔ قال ابن عابدینؒ: الا اذا كانت لعلة او ضعف او یكون امرأة تخاف الزحام فلا شیٔ علیه۔ (رد المحتار ج ٢ ص۵۱۱ كتاب الحج، مطلب فی الوقوف بالمزدلفة)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: ولما كان طواف الصدر واجبًا وجب بترك كلّه او اكثره دم۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۲۱ باب الجنایات)
وَمِثْلُهُ فی رد المحتار ج ٢ ص۵۵۵ باب الجنایات۔

[2] قال العلامة ابن نجیمؒ: اراد بالترك الترك لغیر عذرٍ اما اذا ترك واجبًا لعذر فانه لاشیٔ علیه۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۲۳ باب الجنایات)
وَمِثْلُهُ فی الهندیة ج ١ ص۲۴۷ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الخامس۔

دم جنایت زمینِ حرم سے خاص ہے

سوال:۔ ایک شخص پر ترکِ رمی کی وجہ سے دم واجب ہوا اُس کا ذبح کرنا کہاں ضروری ہے؟

الجواب:۔ دم جنایت زمینِ حرم سے خاص ہے خواہ منیٰ ہو یا مکہ مکرمہ، لیکن حرم کی زمین ضروری ہے۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ:۔ ولا یجوز ذبح الهدایا الا فی الحرم لقوله تعالیٰ فی جزاء الصید هدیًا بالغ الکعبة فصار اصلاً فی کل دم۔ (الہدایہ ج۱ ص۲۸۱ باب الہدی) [1]

بلا احرام میقات سے تجاوز کرکے پھر عود کرنا

سوال:۔ ایک شخص جو آفاقی ہے ماہ شوال میں حج کے لیے آیا اور میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں اقامت کی نیت کرلی، اس کے بعد مدینہ منورہ چلا گیا پھر مکہ مکرمہ میں بغیر احرام داخل ہوا تو کیا اس آدمی پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس آفاقی پر دونوں صورتوں میں دم واجب نہیں، پہلی صورت میں اس وجہ سے کہ ابتداء میں اس نے عمرہ کا احرام میقات سے باندھا ہے تو تجاوز میقات سے بلا احرام نہ پایا گیا اور مدینہ منورہ جانے میں تجاوز میقات سے بلا احرام پایا گیا ہے لیکن پھر عود کرکے واپس مکہ مکرمہ میں داخل ہوا ہے اور حج کا احرام زمینِ حرم سے باندھا ہے اسلئے دم ساقط ہوا ہے۔

وفی الهندیة: فان عاد حلالاً ثم احرم سقط عنه الدم۔

(الفتاوی الہندیہ ج۱ ص۲۵۳ الباب العاشر فی مجاوزة المیقات بغیر احرام) [2]

آفاقی شخص کا زیارتِ نبوی کیلئے بغیر احرام جانا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آفاقی شخص

---

[1] وفی الهندیة: ولا یجوز ذبح الهدایا الا فی الحرم۔ (الفتاوی الہندیہ ج۱ ص۲۶۱ الباب السادس عشر فی الہدی)

ومِثلُہٗ فی التاتارخانیة ج۲ ص۵۳۶ الفصل الحادی عشر فی الاحصار۔

[2] قال الشیخ ابن نجیم المصریؒ: ومن جاوز آخر المواقیت بغیر احرام ثم عاد الیه وهو محرم ولبی فیه فقد سقط عنه الدم اللازم له بالمجاوزة بغیر احرام۔

(البحر الرائق ج۳ ص۴۸ باب مجاوزة المیقات بغیر احرام)

ومِثلُہٗ فی التاتارخانیة ج۲ ص۴۲۶ الفصل الرابع فی بیان مواقیت الاحرام۔

مکہ مکرمہ آیا اور وہاں اقامت کی نیّت کر کے شوال میں مدینہ منوّرہ زیارتِ روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چلا گیا پھر ذوالحلیفہ سے عمرہ کے لیے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آیا، تو کیا اس شخص پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مواقیت سے بلا احرام تجاوز کرتے ہوئے حج وعمرہ کے لیے جانا جائز نہیں، چونکہ اس شخص نے میقات سے تجاوز حج یا عمرہ کے لیے نہیں بلکہ زیارتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا ہے اس لیے ایسا کرنے سے اس پر کوئی دَم وغیرہ لازم نہیں ہوا۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله لمکی یرید الحج) اما لو خرج الی الحل لحاجة فاحرم منه ووقف بعرفة فلا شئ علیه کالافاقی اذا جاوز المیقات قاصداً البستان ثمّ احرم منه۔

(ردّ المحتار ج ۲ ص ۵۸ باب الجنایات، مطلب لا یجب الضمان بکسر آلات اللهو) ۱؎

جدّہ جانے والے کے لیے میقات سے بلا احرام تجاوز کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جدّہ جانے کا قصد کرتا ہے تو کیا وہ میقات سے بغیر احرام کے گذر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص ہوائی جہاز سے صرف جدّہ تک سفر کا قصد رکھتا ہو تو وہ میقات سے بلا احرام تجاوز کر سکتا اور اس شخص پر کوئی دَم لازم نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: اما لو قصد موضعا من الحل کخلیص وجدة حل له مجاوزته بلا احرام۔ (الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار ج ۲ ص ۴۷۷ مطلب فی المواقیت) ۲؎

۱؎ قال الشیخ ابن الهمام رحمہ اللہ:۔ لانه خرج الی الحل لحاجة فاحرم منه ووقف بعرفة فلا شئ علیه کالافاقی اذا جاوز المیقات قاصداً للبستان ثمّ احرم منه...... التمتع بما اذا خرج لحاجة الی الحل ثمّ احرم بالحج منه لا یجب علیه شئ کالمکی۔

(فتح القدیر ج ۳ ص ۴۴ باب مجاوزة المیقات بغیر احرام)

ومثله فی التاتارخانیة ج ۲ ص ۴۷۶ الفصل الرابع فیما یلزم لمجاوزة المیقات بغیر احرام۔

۲؎ قال ابن العلاء الانصاریؒ: رجل دخل بستان بنی عامر وفی التجرید وبستان بنی عامر لحاجة فله ان یدخلها مکة بغیر احرام۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج ۲ ص ۴۷۷ الفصل الرابع ما یخرج علی المحرم)

میقات میں تلبیہ بھول جانے پر دم کا وجوب

سوال :- ایک آدمی نے میقات سے عمرہ و حج وعمرہ کے لیے احرام باندھا اور تلبیہ پڑھنا بھول گیا اور میقات میں داخل ہونے کے بعد تلبیہ شروع کیا تو کیا اس آدمی پر دم واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب : شرعی قواعد کی رو سے اس آدمی پر دم واجب ہے کیونکہ صرف نیت کرنا اور بغیر تلبیہ کے احرام میں داخل ہونا غیر ظاہر روایت ہے، پس اس آدمی پر ضروری ہے کہ دوسرے شخص کے ذریعے حدودِ حرم میں ذبح کرائے۔

قال العلامة الحصکفیؒ : (وجاوز وقته) ظاهر ما فی النهر عن البدائع اعتبار الارادة عند المجاوزة (ثم احرم) لزمه دم کما اذا لم یحرم۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج ٢ ص ٥٢٩ باب الجنایات) [1]

طوافِ زیارت سے پہلے بیوی سے جماع حرام ہے

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی سے طوافِ رہ جائے تو طوافِ زیارت ادا کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کرسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- طوافِ زیارت ادا کرنے سے پہلے بیوی سے جماع کرنا حرام ہے، اگر حلق کے بعد اور طواف سے پہلے جماع کرے تو دم لازم ہوگا، اور اگر حلق و طواف دونوں سے پہلے اور وقوفِ عرفہ کے بعد کرے تو ایک بدنہ یعنی اونٹ ذبح کرنا واجب ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ : وطؤه بعد وقوفه لم یفسد حجه وتجب بُدنة وبعد الحلق قبل الطواف شاة لخفة الجنایة۔ قال ابن عابدینؒ : بعد وقوفه ای قبل الحلق والطواف۔
(ردّ المحتار ج ٢ ص ٥٦٠ باب الجنایات۔ کتاب الحج) [2]

---

[1] لما فی الهندیة : اذا دخل الآفاقی مکة بغیر احرام وهو لا یرید الحج والعمرة فعلیه لدخول مکة اما حَجّة او عُمرة فان احرم بالحج او العمرة من غیر ان یرجع الی المیقات فعلیه دم لترك حق المیقات۔ (الفتاوی الهندیة ج ١ ص ٢٥٣ الباب العاشر فی مجاوزة المیقات بغیر احرام)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ٣ ص ٤٨ باب مجاوزة المیقات بغیر احرام۔

[2] لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ : ومن جامع بعد الوقوف بعرفة لم یفسد حجه وعلیه بُدنة ..... وان جامع بعد الحلق فعلیه شاة لبقاء احرامه فی حق النساء دون لبس المخیط ..... (الهدایة ج ١ ص ٢٥١، ٢٥٢ کتاب الحج، باب الجنایات)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ١ ص ٢٣٥ الباب الثامن فی الجنایات۔ الفصل الرابع فی الجماع۔

عینک کے ساتھ حج کرنا درست ہے

سوال: اگر کسی شخص کی آنکھیں خراب ہوں تو کیا وہ چشمہ لگا کر حج کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: احرام کی حالت میں پورے چہرے کا چھپانا ممنوع ہے اور چشمہ سے چونکہ چہرہ نہیں چھپتا ہے لہٰذا چشمہ لگا کر حج کرنا جائز ہے۔

لما قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ: لگا سکتا ہے۔ (امداد الاحکام ج۲ ص۱۸۰) [1]

احرام کی حالت میں خوشبودار پان کھانے کا مسئلہ

سوال: اگر کوئی شخص پان کھانے کا عادی ہو اور وہ احرام کی حالت میں خوشبودار پان کھائے تو کیا اس سے دم لازم آئے گا یا نہیں؟

الجواب: خوشبودار چیز کسی اور کھانے والی شئے میں پکا کر یا بغیر پکائے استعمال کی جائے تو اگر خوشبودار چیز مغلوب ہو جائے تو اس چیز کے کھانے سے دم لازم نہیں آتا مگر کراہت سے خالی بھی نہیں اور اگر خوشبودار شئے غالب ہو تو اس کے کھانے کی صورت میں دم ضرور لازم ہوگا، لہٰذا پان میں چونکہ خوشبودار چیز مغلوب ہوتی ہے اس لیے پان کھانے سے دم تو لازم نہیں ہوتا مگر ایسا کرنا مکروہ ضرور ہے، بہتر یہ ہے کہ احرام کی حالت میں پان میں خوشبودار چیز استعمال نہ کی جائے۔

وفی الهندية: ولو كان الطيب فی طعام طبخ وتغير فلا شئ على المحرم فی اكله سواء يوجد رائحته اولا كذا فی البدائع وان خلطه بما يؤكل بلا طبخ فان كان مغلوبا فلا شئ عليه غيرانه ان وجدت معه الرائحة كره وان كان غالبا وجب الجزاء۔
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۴۱ الباب الثامن فی الجنايات) [2]

✠ ✠

---

[1] لما قال المفتی عزیز الرحمٰنؒ: سوال: محرم چشمہ لگا سکتا ہے یا نہیں؟ جواب: لگا سکتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۶ ص۵۵۴ مسائل جنایات)

[2] قال العلامة الشیخ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: پان چونکہ داخل طیب نہیں بلکہ موجب زینت ہے منافی احرام نہیں اور الائچی اور مثل اس کے طیب ضرور ہیں مگر چونکہ پان و تمباکو میں مغلوب ہیں لہٰذا وہ بھی جنایت نہیں گو خالی از کراہت بھی نہیں۔ اھ
(امداد الفتاویٰ ج۲ ص۱۶۲ باب الاحرام)

دورانِ حج خرید و فروخت کرنا جائز ہے

سوال:۔ جو شخص حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ جائے تو کیا وہ وہاں حج کے دوران تجارت یعنی خرید و فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں منیٰ وغیرہ کے مقامات میں بازار لگتے تھے تو جو لوگ حج کے لیے آتے تھے وہ حج کے ساتھ ساتھ خرید و فروخت بھی کرتے تھے، قرآنِ کریم نے بھی اس کے جواز کا حکم دیا ہے، یہاں ایک بات ذہن میں رہے کہ یہ سفر صرف حج کی نیت سے ہونا چاہیئے اور اگر یہ سفر تجارت کی غرض سے ہو تو حج ادا نہ ہوگا۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاِذَا اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۹۸)[1]

حدودِ حرم سے باہر حلق یا قصر کرکے احرام سے نکلنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص عمرہ کا احرام باندھے، طواف اور سعی کے بعد حلق نہ کرے اور حدودِ حرم سے باہر چلا جائے اور وہاں یاد آنے پر حلق کرکے احرام کھول دے تو کیا اس شخص پر دم لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ احرام سے نکلنے کے لیے ضروری ہے کہ حلق یا قصر حدودِ حرم کے اندر کیا جائے، اگر کوئی محرم حالتِ احرام میں حدودِ حرم سے باہر جاکر حلق یا قصر کرکے احرام سے نکلے تو اس پر دم لازم ہوگا اور اس دم کو حدودِ حرم کے اندر ذبح کرنا لازم ہوگا۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: واعتمر فخرج من الحرم وقصر فعلیہ دم عندھما۔ (ردالمحتار ج۲ ص۲۲۵ کتاب الحج)

* *

---

[1] قال ابوبکر الجصاص الحنفی رحمہ اللہ۔ حتی قال فی جوازہ بعد ذکر الدلائل وجمیع ذلک یدل علی ان الحج لا یمنع التجارۃ وعلی ھذا امر الناس من عصر النبی علیہ السلام الی یومنا ھذا فی مواسم منیٰ ومکۃ فی ایام الحج۔ واللہ اعلم ــــ وکذا قال محمد بن احمد الانصاری القرطبی فی تفسیرہ احکام القرآن ج۲ ص۴۱۳۔ (احکام القرآن ج۱ ص۳۲۵ باب التجارۃ فی الحج)

باب الہدی

(قربانی کے احکام و مسائل)

قارن یا متمتع کا اپنی قربانی سے گوشت کھانا

سوال:۔ کیا متمتع اور قارن اپنی قربانی سے گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں دمِ تمتع اور دمِ قران دمِ شکر ہے اور اس کے گوشت کا حکم بھی عام قربانی کی طرح ہے یعنی جس طرح اضحیۃ سے مالک خود کھا سکتا ہے اسی طرح دمِ قران اور دمِ تمتع سے بھی کھا سکتا ہے بلکہ اوروں کو بھی کھلایا جا سکتا ہے۔

قال الشیخ وهبة الزحیلی: ویری الحنفیة انه یجوز الأکل من هدی التطوع والتمتع والقران اذا بلغ الهدی محله لانه دم نسك فیجوز الأکل منه بمنزلة الاضحیة وما جاز لصاحبه الأکل منه جاز للغنی الأکل منه۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج۳ ص۳۰۳ باب الهدی رابعا الأکل من الهدی)[1]

دمِ جنایت سے خود کھانا جائز نہیں

سوال:۔ دمِ جنایات مثلاً احرام میں خوشبو لگانے یا تقدیم و تاخیر وغیرہ سے جو دم لازم آتا ہے حاجی کا اس سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ہر وہ قربانی (دم) جو کسی جنایت کی وجہ سے حاجی پر لازم ہو جائے یا وہ خود اس کو اپنے اوپر لازم کرلے تو اس قربانی کا استعمال (کھانا وغیرہ) خود حاجی اور اغنیاء دونوں کے لیے حرام ہے بلکہ صرف فقراء ہی اس سے کھا سکتے ہیں۔

قال الشیخ وهبة الزحیلی: ولا یجوز الأکل من بقیة الهدایا کدماء الکفارات والنذور وهدی الاحصار والتطوع اذا لم یبلغ محله و

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانی: ویجوز الأکل من هدی التطوع والمتعة والقران ویستحب له ان یأکل منها۔ (الهدایة ج۱ ص۲۸۰ کتاب الحج)
ومثله فی تبیین الحقائق ج۲ ص۸۹ باب الهدی۔

محله منیٰ او مكة۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج ۳ ص ۳۰۳ باب الهدی رابعا الأكل من الهدی) [1]

حرم کی حدود میں تحلیل کے لیے یوم النحر سے قبل ذبح کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص احرام باندھنے کے بعد کسی عذرِ شرعی کی وجہ سے حج کے لیے نہ جا سکے اور وہ تحلیل کے لیے حرم کی حدود میں یوم نحر سے قبل جانور ذبح کرے تو کیا یہ آدمی ایسا کرنے سے حلال ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دمِ احصار کے ذبح کے لیے صرف حرم کی حدود کا ہونا ضروری ہے اگرچہ یوم نحر سے قبل ہو، اس لیے صورتِ مسئولہ میں اس محصر کا احرام سے حلال ہونا درست ہے۔

قال الشیخ وهبة الزحیلی: فیجوز عند ابی حنیفةؒ ذبح الهدی قبل یوم النحر لاطلاق النص ولأنه لتعجیل التحلل۔ وقال الصاحبان لایجوز الذبح للمحصر بالحج إلّا فی یوم النحر کدم التمتع والقِران وعلی الرای الاوّل هو الراجح یکون زمان ذبح الهدی مطلق الوقت لایتوقف بیوم النحر سواء کان الإحصار من الحج أم عَنِ العُمْرَةِ۔ [2]

(الفقه الاسلامی وادلته ج ۳ ص ۲۹۲ باب الهدی - اما زمان ذبح الهدی)

حج سے واپسی کے بعد دم اپنے وطن میں ادا کرنا

سوال:۔ اگر کسی شخص پر دم لازم آئے اور اس کے پاس قربانی کے لیے پیسے نہ ہوں تو کیا یہ شخص واپس آکر اپنے وطن میں دم دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو قربانی (دم) ایام حج میں حج کی وجہ سے یا جنایات کی وجہ سے حاجی پر

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: ولا یجوز الأكل من بقية الهدايا لانها دماء كفاراتٍ۔ (الهداية ج ۱ ص ۲۸۰ کتاب الحج۔ باب الهدی)

وَمِثْلُهُ فی تبیین الحقائق ج ۲ ص ۸۹ کتاب الحج۔ باب الهدی۔

[2] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: ولا یجوز دم الاحصار الا فی الحرم ویجوز ذبحه قبل یوم النحر عند ابی حنیفةؒ وقالا لایجوز الذبح للمحصر بالحج الا فی یوم النحر۔

(الهداية علی صدر فتح القدیر ج ۳ ص ۵۵ باب الاحصار)

وَمِثْلُهُ فی الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۵۶ الباب الثانی عشر فی الاحصار۔

لازم آئے تو ان ھدایا کا حدودِ حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے، حدودِ حرم سے باہر اُن کا ذبح کرنا جائز نہیں، اس لیے یہ شخص اپنے وطن میں ذبح کرنے کے بجائے حرم میں ہی ذبح کرے گا۔

قال الشیخ وھبة الزحیلی: ولا یجوز ذبح الھدایا الا فی الحرم لأن الھدی اسم لما یھدی الی مکان ومکانه الحرم۔ (الفقه الاسلامی وَاَدِلَّتُهٗ ج٣ ص٣٠٧ خامسًا مکان ذبح الھدی)[1]

دم جنایات کے لیے وقت یا دن کا مشروط ہونا

سوال:۔ کیا دم جنایات کے لیے کوئی وقت یا دن شرعًا مقرر ہے یا کہ جس وقت اور جب چاہے ادا کر سکتا ہے؟

الجواب:۔ حج میں نقصان کے جبیرہ (ازالہ) کے لیے جو دم لازم ہوتا ہے شرعًا اس کے ادا کرنے کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ جانی جب اور جس وقت چاہے ادا کر سکتا ہے۔

قال الشیخ وھبة الزحیلی: ویجوز ذبح بقیة الھدایا ای وقت شاء لانها دماء کفارات فلا یختص بیوم النحر لانها وجبت لجبر النقصان۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج٣ ص٣٠٧ خامسًا مکان ذبح الھدی وزمانه)[2]

منیٰ میں قربانی پر عدم قدرت کی صورت میں کیا کرنا چاہیئے؟

سوال:۔ اگر حاجی منیٰ میں قربانی کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کو کیا کرنا چاہیئے، شرعًا اس کا کوئی بدل ہے؟

---

[1] قال العلامة برھان الدین المرغینانیؒ: لایجوز ذبح الھدایا الا فی الحرم۔ لقوله تعالیٰ: فِیْ جَزَآءِ الصَّیْدِ هَدْیًا بَالِغَ الْکَعْبَةِ .... ولان الھدی اسم لما یھدیٰ الی مکانٍ و مکانه الحرم۔ (الھدایة ج١ ص٢٨١ باب الھدی)

وَمِثْلُهٗ فی تبیین الحقائق ج٢ ص٩٠ باب الھدی۔

[2] قال العلامة برھان الدین المرغینانیؒ: ویجوز ذبح بقیة الھدایا فی أی وقت شاء ولنا ان ھٰذہ دماء کفارات ولا یختص بیوم النحر لانها لما وجبت بجبر النقصان کان التعجیل بها أولیٰ لارتفاع النقصان به من غیر تأخیر بخلاف دم المتعة والقران لانه دم نسك۔

(الھدایة ج١ ص٢٨١ کتاب الحج، فصل فی الھدی)

وَمِثْلُهٗ فی الھندیة ج١ ص٢٦١ الباب السادس عشر فی الھدی۔

الجواب: منیٰ میں قربانی پر عدم قدرت کی وجہ سے قربانی کے بدلے میں ایامِ حج میں تین روزے اور حج سے فارغ ہوکر گھر آجانے کے بعد سات روزے رکھنے لازمی ہیں، یاد رہے کہ یہاں عدم قدرت سے مراد منیٰ میں قربانی کرنے پر قادر نہ ہونا ہے اگرچہ اپنے وطن میں قادر ہو۔

قال الشیخ وهبة الزحیلی: فان لم یجد المتمتع الهدی ینتقل الی صیام ثلاثة ایام فی الحج وسبعة اذا رجع الی وطنه وتعتبر القدرة علی الهدی فی موضعه فمتی عدمه فی موضعه جاز له الانتقال الی الصیام وان کان قادراً علیه فی بلده۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۳ ص۳۰۲ باب الهدی)[1]

بینک کے ذریعے قربانی کرنا جائز ہے

سوال: آجکل بعض حجاج حکومتی بینکوں میں قربانی کے پیسے جمع کرا دیتے ہیں اور بینک والے اُن کی طرف سے قربانی کرتے ہیں، جبکہ اس طریقہ میں تقدیم وتاخیر اور نہ کرنے کا خطرہ بھی رہتا ہے، تو کیا ان شبہات کے ہوتے ہوئے بینک کے ذریعے قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قربانی کرنا ایسا عمل ہے جس میں نیابت درست ہے اس لیے بینک کی معرفت قربانی کرنے سے قربانی کا فریضہ ادا ہو جائے گا، مگر اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ حلق اور قربانی میں تقدیم وتاخیر نہ ہو ورنہ حنفیہ کے نزدیک دمِ جنایت لازم آئے گا، اسی طرح قربانی میں جانور کا ذبح کرنا ضروری ہے صرف قربانی کے پیسے جمع کرا دینے سے ذمہ فارغ نہ ہوگا، لہٰذا مذکورہ شبہات کے ہوتے ہوئے بینک کے ذریعے قربانی نہ کرائی جائے بلکہ خود قربانی کرکے حلال ہو جائے۔

قال الشیخ وهبة الزحیلی: والاولیٰ بالاتفاق ان یتولی الانسان ذبح الهدی بنفسه ان کان یحسن ذلك لانه قربة والعمل بنفسه فی القربات اولیٰ لما فیه من زیادة الخشوع..... وان ذبح الهدی غیر صاحبه اجزاه والمستحب أن یشهد ذبحه۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۳ ص۳۰۹ باب الهدی، سادساً ذبح الهدی)[2]

---

[1] قال الله تبارك وتعالیٰ: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ (سورة البقرة آیت ۱۹۶)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۵۳۸ کتاب الحج۔ تفسیر الهدی۔

[2] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: والاولیٰ ان یتولی ذبحها بنفسه اذا کان یحسن ذلك..... الا ان الانسان قد لا یهتدی لذلك ولا یحسنه فجوزناه تولیة غیره۔ (الهدایة ج۱ ص۲۸۱ باب الهدی)

وَمِثْلُهٗ فی تبیین الحقائق ج۲ ص۹ باب الهدی۔

باب العمرۃ

(عمرہ کے مسائل واحکام)

عمرہ کے بعد سر منڈانے کا حکم

سوال:۔ عمرہ ادا کرنے کے بعد سر کو منڈانا ضروری ہے یا نہیں اگر سر نہ منڈائے تو کیا گنہگار ہوگا؟

الجواب:۔ عمرہ میں باقاعدہ حلق یا قصر واجب ہے اس کو ترک کرنا یا حرم سے باہر جا کر حلق کرنا موجب دم ہے۔

كما في الهندية: اما واجباتها فالسعي بين الصفا والمروة والحلق او التقصير (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۳۷)

وقال ايضاً: وتجب شاة بتاخير النسك عن مكانه كما اذا خرج من الحرم وحلق رأسه سواء كان الحلق للحج او للعمرة۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۴۷۔ الباب الثامن في الجنايات۔ الفصل الخامس)[1]

متعدد عمرے کرنے کی صورت میں حلق کیسے کیا جائے؟

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے عمرہ کرنے کے بعد حلق کر لیا، اس کے بعد جب دوسرا عمرہ کیا تو چونکہ اس کا سر پہلے سے محلوق تھا، اب یہ شخص کیا کرے، سر پہ استرہ پھیرے یا ویسے ہی چھوڑ دے؟

الجواب:۔ جب ایک عمرہ ادا کرنے کے بعد حلق کر لیا جائے تو دوسرے اور تیسرے عمرے کی ادائیگی کے بعد سر پر صرف استرہ ہی پھیر دے جو کہ قائم مقام حلق کے ہوگا۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاريؒ: واذا جاء وقت الحلق ولم يكن على رأسه شعر بان كان حلق قبل ذلك او بسبب آخر ذكر في الاصل انه يجري موسى على رأسه۔ (الفتاوى التاتارخانية ج ۲ ص ۵۴۳ الفصل الرابع عشر في الحلق والقصر)[2]

---

[1] قال الحصكفيؒ: وغيرهما واجب وفي رد المحتار: اراد بالغير من المذكورات هنا وذلك اقل اشواط الطواف والسعي والحلق او التقصير۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۷۳ كتاب الحج، مطلب في احكام العمرة)
ومثله في تاتارخانية ج ۲ ص ۵۲۶ الفصل الثامن في بيان وقت الحج والعمرة۔

[2] قال في الهندية: واذا جاء وقت الحلق ولم يكن على رأسه شعر بان كان حلق قبل ذلك او بسبب آخر ذكر في الاصل انه يجري موسى على رأسه۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۳۱ الباب الثالث في الاحرام۔)

عُمرہ اور مزدوری

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید عمرہ کے ویزہ سے سعودی عرب جانا چاہتا ہے، عمرہ کے بعد اگر وہ وہاں مزدوری کرے تو کیا اسلام میں یہ اقدام جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- یہ طریقہ کار قانونی جُرم تو ہے اسلامی جرم نہیں، جیسا کہ حج وعمرہ کے لیے جاتے وقت تجارت کا ارادہ کرنا اسلامی جرم نہیں، اس لیے زید کا عمرہ کے ویزہ سے سعودی عرب جانے کے بعد وہاں مزدوری کرنا درست ہے۔

لما فی قولہ تعالیٰ: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ - قال ابن العربی: ای فی مواسم الحج المسئلۃ الثانیۃ فی ھذا دلیل علیٰ جواز التجارۃ فی الحج للحاج مع اداء العبادۃ.

(احکام القرآن ج ۱ ص۱۳۶ سورۃ البقرۃ)

بسلسلہ مزدوری جدّہ جانے والے پر عمرہ واجب نہیں

سوال:- ایک شخص جدّہ میں ملازمت کے سلسلہ میں رہتا ہے تو کیا اس پر عمرہ کرنا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- جدّہ چونکہ حرم کعبہ کی حدود سے خارج ہے اور خارج حرم میں جانے سے عمرہ واجب نہیں ہوتا، لہٰذا جدّہ جانے والے پر عمرہ واجب نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: اما لو قصد موضعا من الحل کخلیص وجدۃ حل لہ مجاوزتہ بلا احرام - (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۷۷ کتاب الحج، مطلب فی المواقیت)[2]

حج کی بجائے عمرہ ادا کرنا

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص پر حج فرض ہے لیکن اس نے حج کی بجائے عمرہ

---

[1] قال الشیخ ابن نجیمؒ: وتجرید السفر عن التجارۃ احسن ولو اتجر لا ینقص ثوابہ کالغازی۔
(البحر الرائق ج ۲ ص۳۰۹ کتاب الحج)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۲۲۰ کتاب المناسک، الباب الاول فی تفسیر الحج -

[2] قال العلامۃ العالم بن العلاء الانصاریؒ: رجل دخل بستان بنی عامر وفی التجرید وغیرہ لحاجتہ فلہ ان یدخل مکۃ بغیر احرام - (الفتاوی التاتارخانیہ ج ۲ ص۴۷۷ الفصل الرابع فی ما یحرم علی المحرم)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۲۲۱ الباب الثانی فی المواقیت۔

ادا کیا، تو کیا اس سے فریضہ حج ساقط ہوا یا نہیں؟

الجواب:۔ حج ارکانِ اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے جو خاص وقت میں مخصوص مقامات کی زیارت و افعال کا نام ہے اسلئے عمرہ ادا کرلینے سے حج کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ ایسا کرنے والے کو حج کرنا ضروری ورنہ مستحقِ وعید ہے۔

عن علیؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من ملک زاداً و راحلۃ تبلغہ الی بیت اللّٰہ ولم یحج فلا علیہ ان یموت یھودیًا او نصرانیًا۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص۲۲۲ کتاب الحج)[1]

دن میں متعدد عمرے کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا ایک دن میں ایک سے زائد عمرے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عمرہ کی ادائیگی کے لئے شریعت مقدسہ نے کسی وقت یا تعداد کا تعین نہیں کیا بلکہ ایک شخص دن میں جتنے عمرے ادا کرسکتا ہے کرلے اس میں کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں۔

وفی الھندیۃ: ووقتھا جمیع السنۃ إلّا فی خمسۃ ایام تکرہ فیھا العمرۃ لغیر قارن و اما رکنھا فالطواف و اما واجبتھا فالسعی بین الصفا والمروۃ والحلق او التقصیر۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۲۳۷ الباب السادس فی العمرۃ)[2]

شوال اور ذیقعدہ میں عمرہ ادا کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اشہرِ حج میں عمرہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں، اگر کسی نے عمرہ کرلیا تو کیا اس پر دم لازم آئے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ ایامِ تشریق، عرفہ اور عید کے دن کے علاوہ تمام سال میں عمرہ کرنا جائز ہے چاہے اشہرِ حج ہوں یا غیر اشہرِ حج۔

قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: ووقت العمرۃ السنۃ کلھا۔ وفی الھدایۃ والعمرۃ

---

[1] قال ابن الھمامؒ: یشترط نوعان ولو ملکہ مسلماً فلم یحج حتی افتقر حیث یتقرر الحج فی ذمتہ دینا علیہ۔ (فتح القدیر ج ۲ ص۳۲۰ کتاب الحج)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۲۱۷ الباب الاول فی تفسیر الحج۔

[2] لما قال الحصکفیؒ: وھی احرام وطواف وسعی وحلق او تقصیرٌ فالاحرام شرط..... وجازت فی کل سنۃٍ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۷۲،۴۷۳ مطلب فی احکام العمرۃ)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج ۲ ص۵۲۵ الفصل الثامن فی بیان وقت الحج والعمرۃ۔

لا تفوت ولکن تکرہ فی یوم عرفۃ وایام التشریق۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۵۲۵ الفصل الثامن فی بیان وقت الحج والعمرۃ) [1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں کوئی عمرہ نہیں کیا

سوال:۔ کیا رمضان شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عمرہ ادا فرمایا ہے، اگر ادا فرمایا ہے تو وہ رمضان شریف کی کون سی تاریخ تھی؟

الجواب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں کوئی عمرہ نہیں کیا ہے، البتہ رمضان شریف میں عمرہ کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

قال البراء ابن عازب: اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرتین قبل ان یحج فلم یحتسب لعمرۃ الحدیبیۃ کذا فی الصحیحین وکلھن فی ذیقعدۃ علی ما ھو الحق۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۱۳۷ باب العمرۃ) [2]

زندہ آدمی کیلئے طواف اور عمرہ کرنا

سوال:۔ عمرہ اور طواف کا ثواب اگر کسی زندہ آدمی کو بخشا جائے تو کیا شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زندہ آدمی کے لیے عمرہ اور طواف کا ثواب بخشا جائز ہے اس کی مشروعیت میں کوئی اختلاف نہیں۔

قال ابن عابدینؒ تحت ھذہ العبارۃ بعبادۃ مالہ جعل ثوابھا لغیرہ ای سواء کانت صلوۃ او صوماً او صدقۃ او قرأۃ او ذکراً او طوافاً او حجاً او عمرۃ او غیر ذلک۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۵ مطلب فی اھداء ثواب الاعمال للغیر) [3]

---

[1] قال الحصکفیؒ: (وجازت کل سنۃ) وندبت فی رمضان (وکرھت) تحریماً یوم عرفۃ واربعۃ بعدھا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۷۳ مطلب احکام العمرۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۳۷ الباب السادس فی العُمرۃ۔

[2] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وندب فی رمضان وقد اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربع عمرات کلھن بعد الھجرۃ فی ذیقعدۃ علی ما ھو الحق وتمام فیہ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۷۳ مطلب احکام العمرۃ)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۵۲۶ کتاب الحج۔ باب العمرۃ۔

[3] قال ابن نجیمؒ: فان من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابہ لغیرہ من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابھا الیھم عند اھل السنۃ والجماعۃ، کذا فی البدائع۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۵۹ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر۔

حج بدل کے بعد کسی کے ایصالِ ثواب کیلئے عمرہ کرنے کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی حج بدل کے لیے گیا، حج بدل ادا کرنے کے بعد اُس نے اپنے والد مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لیے عمرہ ادا کیا، تو کیا اس کا یہ عمرہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:- حج بدل کرنے والے پر ادائیگی حج تک اپنے آمر کے فرمان کے مطابق ارکانِ حج ادا کرنے لازمی ہیں تاکہ آمر کے حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آئے، صورتِ مسئولہ میں اُس نے چونکہ پہلے حج بدل ادا کیا اور پھر ایصالِ ثواب کیلئے عمرہ کیا اس طرح اس نے آمر کے حکم کی مخالفت نہیں کی اس لیے اس کا یہ عُمرہ صحیح ہے۔

قال عالم بن العلاء الانصاریؒ: ابن سماعة عن محمدؒ المأمور بالحج اذا حج عن الآمر ثم احرم بعمرة ینفق من مال نفسه ما دام معتمرًا فاذا انصرف من مال آمر۔ (الفتاوی التاتارخانیہ ج۲ ص۵۴۷ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر)[1]

بیوی کی طرف سے عُمرہ کرنا

سوال:- کیا صحت مند آدمی کی طرف سے عمرہ ادا کیا جا سکتا ہے یا نہیں، بیوی کی طرف سے خاوند کے عمرہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- عمرہ اور نفلی حج ہر شخص چاہے صحت مند ہو یا غیر صحت مند، اور بیوی یا کسی اور خاتون کی طرف سے ادا کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: بعبادة ماله جعل ثوابها لغیر (ای سواء کانت صلوٰة او صومًا او صدقة او قراءة او ذکرًا او طوافًا او عُمرة وغیر ذٰلک۔

(ردالمحتار ج۲ ص۵۹۵ مطلب فی اِهدَاء ثواب الاعمال للغیر)[2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ: ولو امرہ بالعُمرة فاعتمر ثمّ حج عن نفسه لم یکن مخالفًا بخلاف ما اذا حجّ اوّلًا ثمّ اعتمر۔ (ردالمحتار ج۲ ص۶۱۰ مطلب شروط الحج عن الغیر عشرون)

وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج۳ ص۶۳ باب الحج عن الغیر۔

[2] قال ابن نجیمؒ: فان من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابه لغیرہ من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابها الیهم عند اهل السنّة والجماعة کذا فی البدائع۔

(البحرالرائق ج۳ ص۵۹ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر۔

عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد تلبیہ کتنی مرتبہ پڑھنا ضروری ہے؟

سوال: عمرہ کے لیے احرام باندھنے کے بعد کتنی مرتبہ تلبیہ پڑھنا چاہیے، کیا شرعاً اس کے لیے کوئی تعداد مقرر ہے؟

الجواب: عمرہ یا حج کے لیے احرام باندھنے کی نیت کرنے کے بعد ایک مرتبہ تلبیہ پڑھنا شرط ہے اور تین مرتبہ پڑھنا مستحب امر ہے۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: ثمّ یلبی دبر صلوٰته ناویاً بها الحج وهی لبّیك اللّٰهم لبّیك، لبّیك لا شریك لك لبّیك، ان الحمد والنعمة لك والملك لا شریك لك۔ وزاد فیها ولا تنقص۔ قال شارح التنویر (ولا تنقص) ای منها فانها مکروه ای تحریما لقولهم انها مرة شرط والزیادة سنة ویکون مسیئا بترکها وبترك رفع الصوت بها۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج۲ ص۴۸۲ فصل فی الاحرام)[1]

عمرہ فرض ہے یا واجب یا سنّت؟

سوال: عُمرہ فی نفسہٖ کیا حکم رکھتا ہے، فرض ہے یا واجب یا سنت ہے؟

الجواب: احناف کے ہاں زندگی میں ایک بار عمرہ کرنا سُنتِ مؤکدہ ہے فرض نہیں۔

قال الشیخ عبد الرحمٰن الجزائریؒ: المالکیة والحنفیة قالوا العمرة سُنة مؤکدة فی العمر مرّة لا فرض لقوله صلی الله علیه وسلم الحج مکتوب والعمرة تطوع۔

(کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ج۱ ص۶۸۴ مبحث العمرة)[2]

---

[1] لما فی الهندیة: وله رکن وشرط (فالرکن) ان یوجد منه فعل من خصائص الحج وهو نوعان احدهما قول) بان یقول لبّیك اللّٰهمّ لبّیك، لبّیك لاشریك لك.... الخ وهی مرّة شرط والزیادة سنة۔ الخ
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۲۲،۲۲۱ کتاب المناسك۔ باب الثالث فی الاحرام)

[2] وفی الهندیة: العمرة عندنا سُنة ولیست بواجبة ویجوز تکرارها فی السنة الواحدة (ووقتها) جمیع السنة الّا خمسة ایام وتکره فیها العمرة لغیر القارن کذا فی فتاوی قاضیخان، وهی یوم عرفة ویوم النحر وایّام التشریق والاظهر من المذهب ما ذکرنا ولکن مع هذا لو اداها فی هذه الایام صح ویبقی محرما بها فیها کذا فی الهدایة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۳۷ الباب السادس فی العمرة)
ومثلهٗ فی ردّ المحتار ج۲ ص۱۵۱ مطلب احکام العمرة۔

کن ایام میں عمرہ کرنا منع ہے؟

سوال:۔ سال کے کون کون سے دنوں میں عمرہ کرنا جائز نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں عمرہ سال بھر میں صرف پانچ دن کرنا مکروہ ہے: (۱) یوم العرفہ (۲) یوم النحر (۳) اور عید الاضحیٰ کے بعد تین دن۔

قال الشیخ عبد الرحمن الجزائریؒ: قال الحنفیۃ: یکرہ الاحرام بالعمرۃ تحریماً فی یوم عرفۃ قبل الزوال وبعدہ علی الراجح وکذلک یکرہ الاحرام بہا فی یوم عید النحر وثلاثۃ ایام بعدہ۔ (کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعۃ ج۱ ص۶۸۵ کتاب الحج، ارکان العمرۃ) [1]

عمرہ کے کتنے ارکان ہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص عمرہ کرنا چاہتا ہو تو اس کیلئے کیا کیا کرنا ضروری ہے یعنی عمرہ کے ارکان کیا ہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں عمرہ کے لیے ایک رکن (طواف) ایک شرط (احرام) اور سعی بین الصفا والمروۃ اور حلق یا قصر واجبات میں شامل ہیں، عمرہ کرنے والے کے لیے ان امور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

قال الشیخ عبد الرحمن الجزائریؒ: الحنفیۃ قالوا للعمرۃ رکن واحد هو معظم الطواف اربعۃ اشواط اما الاحرام فهو شرط لها واما السعی بین الصفا والمروۃ فهو واجب کما تقدم فی الحج ومثل السعی الحلق او التقصیر فهو واجب۔

(کتاب الفقہ علی مذاهب الاربعۃ ج۱ ص۶۸۶ کتاب الحج۔ ارکان العمرۃ) [2]

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالی رحمہ اللہ:۔ العمرۃ سنۃ وتصح فی جمیع السنۃ، وتکرہ یوم عرفۃ ویوم النحر وایام التشریق۔

(مراقی الفلاح علی نور الایضاح ص۴۰۸ کتاب الحج فی فصل العمرۃ)

ومثلہ فی شرح الوقایۃ ج۱ ص۲۵ کتاب الحج۔

[2] لما قال العلامۃ قاضی خان رحمہ اللہ:۔ ورکن العمرۃ شیئان الاحرام والطواف بالبیت وواجبها شیئان السعی بین الصفا والمروۃ والحلق ولیس علیہ ماسوی ذلک من رمی الجمار۔

(فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندیۃ ج۱ ص۳۰۱ فصل فی العمرۃ)

ومثلہ فی الهندیۃ ج۱ ص۲۳۷ الباب السادس فی العمرۃ۔

ایامِ تشریق میں عمرہ کرنے کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص ایامِ تشریق میں عمرہ کرے تو کیا اس کا عمرہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اگرچہ عید الاضحیٰ اور ایامِ تشریق میں عمرہ کرنا شرعاً ممنوع یعنی مکروہ تحریمی ہے، تاہم اگر ایامِ تشریق یا یوم النحر میں عمرہ کیا جائے تو کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا ہو جائے گا۔

قال العلامة عبد الله بن مودود الموصلیؒ: تکرہ یوم عرفة والنحر وایام التشریق.......... ولو اداها فیها جاز مع الکراهیة کصلاة التطوع فی الاوقات الخمسة المکروهة۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص۱۵۷ فصل فی العمرة۔)[1]

ارکانِ عمرہ میں تقدیم و تاخیر کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص عمرہ کے طواف اور سعی کے بعد حلق کرنے کی بجائے پہلے زیرِ ناف بالوں کی صفائی کرے اور پھر حلق کرے تو کیا اس پر دم لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: جس طرح حج کے ارکان و واجبات میں ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے اور تقدیم و تاخیر کی وجہ سے دم لازم آتا ہے، تو اسی طرح عمرہ میں بھی ترتیب کا خیال رکھا جائے اگر کہیں ترتیب ساقط ہو جائے تو دم دینا لازم ہوگا۔

لما قال المفتی عبد الرحیم لاجپوری: ہاں دم واجب ہوگا، پہلے سر منڈا کر پھر مونچھ یا دیگر مواضع کے بال کٹوانا چاہئیں، الٹا کرنے سے دم لازم آئے گا، فتاویٰ اسعدیہ میں ہے۔ (سوال) فی رجل اهل بعمرة وطاف وسعی وحلق احد ابطیه ثم حلق رأسه وحلق الابط الآخر ماذا یجب علیه افتونا۔ (الجواب) یجب علیه دم والصورة ما شرح۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۲ ص۵۲ کتاب الحج)

---

[1] وفی الهندیة: جمیع السنة الآخمسة ایام تکره فیها العمرة لغیر القارن وهی یوم عَرَفَة والنحر وایام التشریق والاظهر من المذهب ما ذکرنا ولکن مع هٰذا لو اداها فی هٰذه الایام صح۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۲۳۷ الباب السادس فی العمرة)

باب فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(روضۂ اقدس کی زیارت کے بیان میں)

حج یا عمرہ میں روضۂ اقدس کی زیارت کیلئے جانا لازمی ہے

سوال :۔ جو شخص حج یا عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ جائے تو کیا اس پر روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ جانا لازمی ہے؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بارے میں فقہاء کرام کے تین اقوال ہیں بعض مندوب کہتے ہیں، بعض واجب اور بعض واجب کے قریب کے قائل ہیں۔ علامہ شامیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تیسرے قول کو ترجیح دی ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ : وشرح المختار انہا قریبۃ من الوجوب لمن لہٗ سعۃ۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۵۲ باب الھدی) [1]

زیارتِ روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کیا کرنا چاہیئے؟

سوال :۔ جو شخص روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے جانا چاہتا ہو تو مدینہ منورہ داخل ہونے سے قبل اُسے کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب :۔ جو شخص زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیئے کہ کثرت سے دُرود پڑھے اور جب مدینہ طیبہ کی حدود یعنی شہر کی دیواریں نظر آنے لگیں تو درود شریف پڑھ کر یہ دعا مانگے: اللھم ھٰذا حرم نبیك فاجعلہ وقایۃ لی من النار وأمانا من العذاب وسوء الحساب، اور مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے قبل غسل کرکے، اچھا لباس زیب تن کرکے خوشبو لگاکر تواضع اور وقار کے ساتھ داخل ہوکر یہ دعا پڑھے: بِسْمِ اللّٰہِ وعلیٰ ملّۃِ رسول اللّٰہِ

---

[1] قال العلامۃ عبد اللہ بن محمود الموصلیؒ : اذ ھی من افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجۃ الواجبات فانہٗ صلی اللہ علیہ وسلم حرص علیھا وبالغ فی الندب الیھا۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۱۷۵ فصل فی زیارۃ النبی)

ومِثْلُہٗ فی امداد الفتاوی ج ۲ ص ۱۶۹ کتاب الحج۔

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ الخ

لما قال العلامة عبد اللّٰه بن مودود الموصلیؒ: ینبغی لمن قصد زیارة قبر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ان یکثر الصلوٰة علیه فقد جاء فی الحدیث انه یبلغه ویصلّ علیه فاذا عاین حیطات المدینة یصلی علیه ویقول اللّٰهم هٰذا حرم نبیّك فاجعله وقایة لی من النار وأمانا من العذاب وسوء الحساب ویغتسل قبل الدخول او بعده ان امکنه ویتطیب ویلبس أحسن ثیابه فهو اقرب الی التعظیم ویدخلها متواضعا علیه السکینة والوقار ویقول بسم اللّٰه وعلی ملّةِ رسول اللّٰه رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ …. الی آخر الآیة۔

(الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۱۷۵ فصل فی زیارة قبر النبیؐ)[1]

زیارت روضۃ الرسولؐ کیلئے مسجد نبوی میں داخلہ کے وقت دو رکعت پڑھنا

سوال: جو شخص زیارت روضۃ الرسولؐ کیلئے مسجد نبوی میں داخل ہو تو کیا وہ دو رکعت نماز پڑھے یا نہیں؟

الجواب: جو شخص زیارت کے لیے مسجد نبوی میں داخل ہو تو اُسے چاہیئے کہ پہلے دو رکعت نماز اگر ممکن ہو تو منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس طرح پڑھے کہ منبر کے ستون اُسکے دائیں طرف آجائیں ورنہ جہاں بھی موقع ملے نماز ادا کرے اور پھر سلام کیلئے روضہ اطہر پر حاضر ہو۔

لما قال العلامة عبد اللّٰه بن مودود الموصلیؒ: ثم یدخل المسجد فیصلی عند منبره صلی اللّٰه علیه وسلم رکعتین یقف بحیث یکون عمود المنبر بحذاء منکبه الایمن فهو موقفه صلی اللّٰه علیه وسلم وهو بین قبره ومنبره۔

(الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۱۷۵ فصل فی زیارة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم)[2]

---

[1] وفی الهندیة: اذا توجه الی الزیارة یکثر من الصلوٰة والسلام علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم مدة الطریق…. واذا عاین حیطان المدینة یصلی علیه ویقول اللّٰهم هٰذا حرم نبیك فاجعله وقایة لی من النار وآمانا من العذاب وسوء الحساب ویغتسل قبل الدخول او بعده ان امکنه ویتطیب ویلبس أحسن ثیابه ویدخلها متواضعاً علیه السکینة والوقار۔ (الفتاوٰی الهندیه ج۱ ص۲۶۵ کتاب الحج، خاتمہ فی زیارۃ قبر النبیؐ)

[2] وفی الهندیة: ویصلّی عند منبره رکعتین یقف بحیث یکون عمود المنبر بحذاء منکبه الایمن وهو موقفه علیه السلام وهو بین قبره ومنبره ثم یسجد شکراً للّٰه تعالٰی۔

(الفتاوٰی الهندیه ج۱ ص۲۶۵ کتاب الحج، خاتمہ فی زیارۃ قبر النبیؐ)

حرمِ نبویؐ کی زیارت کے وقت کیا کرنا چاہیئے

سوال:۔ روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے مسجدِ نبوی میں داخل ہو تو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد جب قبر شریف کی زیارت کے لیے جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے قبلہ رُخ مواجہہ شریف سے تین چار ذراع ۲ گز) دور اس طرح آرام سے کھڑا ہو جیسا کہ نماز کے لیے کھڑا ہوا جاتا ہے، اور یہ تصوّر کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں اور اس کے آنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہے اور آپؐ اس کے کلام کو سن رہے ہیں، اور پھر آہستہ سے سلام پیش کرے۔

لما قال العلامة عبد اللہ بن مودود الموصلیؒ: ثمّ ینهض فیتوجه الی قبره صلی اللہ علیه وسلم فیقف عند رأسه صلی اللہ علیه وسلم مستقبلا للقبلة یدنو منه قدر ثلاثة أذرع او اربعة ولا یدنو منه اکثر من ذلك.....ویقف کما یقف فی الصلوٰة ویمثل صورته الکریمة البهیة صلی اللہ علیه وسلم کانه نائم فی لحده عالم به یسمع کلامه۔ قال النبی صلی اللہ علیه وسلم من صلی عند قبری سمعته وفی الخبر انه وکل بقبره ملك یبلغه سلام من سلم علیه من أمته۔۔۔۔ ویقول السلام علیك یا رسول اللہ۔ الخ (الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۱۷۵ فصل فی زیارة النبی صلی اللہ علیه وسلم) [1]

قانوناً حجاز میں مدّتِ قیام کم ہونے کی وجہ سے حاجی مدینہ طیبہ نہ جاسکے تو کیا اس کا حج متاثر ہوگا یا نہیں؟

سوال:۔ اگر ملکی قانون کی وجہ سے حج کے ویزے میں وقت کم ہونے کی وجہ سے حاجی مدینہ طیبہ نہ جاسکے تو کیا اس کا حج متاثر ہوگا یا نہیں؟

---

[1] وفی الهندیة: ثمّ ینهض فیتوجه الی قبره صلی اللہ علیه وسلم فیقف عند رأسه مستقبل القبلة ثم یدنو منه ثلاثة أذرع او اربعة ولا یدنو منه أکثر من ذلك ولا یضع یده علی جدار التربة فهو أهیب وأعظم للحرمة ویقف کما یقف فی الصلوٰة ویمثل صورته الکریمة البهیة کانه نائم فی لحده عالم به یسمع کلامه ثمّ یقول اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا نبی اللہ الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۶۵ کتاب الحج خاتمة فی زیارة قبر النبیؐ)

الجواب:۔ جس کو روضۂ اقدس کی زیارت کرنے کی طاقت و قدرت ہو تو اس پر زیارت روضۂ اقدس کے لیے جانا قریب الی الوجوب (حکماً واجب) ہے، البتہ اگر کسی قانونی اور عذرِ شرعی کی وجہ سے نہ جا سکے تو اس کا حج کامل اور صحیح ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ:۔ وزیارۃ قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم مندوبة بل قیل واجبة لمن لہ سعة ویبدأ بالحج لو فرضاً ویخیر لو نفلاً مالم یمر بہ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۷ باب الہدی) [1]

اُسطوانة ابولبابة کے پاس دو رکعت پڑھنے کا حکم

سوال:۔ کیا اُسطوانہ ابولبابہ کے پاس دو رکعت پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فارغ ہو کر مستحب یہ ہے کہ اُسطوانہ ابولبابہ کے قریب دو رکعت نماز ادا کی جائے اور اپنے لیے مغفرت کی دعا کی جائے۔

قال العلامة عبد اللہ بن مودود الموصلی رحمہ اللہ: ثم یأتی اُسطوانة ابی لبابة اَلَّتِیْ رَبَطَ نفسہ فیہا حتّٰی تاب اللہ علیہ وھی بین القبر والمنبر ویصلی رکعتین ویتوب الی اللہ تعالٰی ویدعو بما شاء۔

(الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۱۷۷ فصل زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم) [2]

---

[1] قال العلامة عبد اللہ بن مودود الموصلی رحمہ اللہ:۔ اذ ھی من افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجة الواجبات فانہ صلی اللہ علیہ وسلم حرص علیہا وبالغ فی الندب الیہا فقال من وجد سعة ولم یزرنی فقد جفانی۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۱۷۵ فصل فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

وَمِثْلُہٗ فی فتاوٰی دار العلوم دیوبند ج۶ ص۵۸ مسائل حج۔

[2] وفی الہندیة: ثم یأتی اُسطوانة ابی لبابة التی ربط نفسہ فیہا حتّٰی تاب اللہ علیہ وھی بین القبر والمنبر فیصلی رکعتین ویتوب الی اللہ ویدعو بما شاء۔

الفتاوٰی الہندیة ج۱ ص۲۶۶ کتاب الحج
خاتمة فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

روضۂ اطہر کی زیارت کے وقت صلوٰۃ وسلام کا طریقہ

سوال:- جب کوئی شخص روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہو تو وہ کن الفاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پیش کرے، اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب:- اللہ تعالیٰ جب کسی کو روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی توفیق عطا فرمائے تو اسے چاہیئے کہ وہ روضۂ اطہر پر مواجہ شریف کے سامنے نہایت ادب واحترام سے کھڑا ہو جائے اور یہ تصور کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں آرام فرما رہے ہیں اور یہ بھی خیال کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ جانتے ہیں کہ فلاں ابن فلاں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پیش کر رہا ہے، اس کے بعد درمیانی آواز سے مؤدبانہ لہجے میں ان الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پیش کرے۔

السلام عليك ايها النبي ورحمة الله۔ السلام عليك ياخير خلق الله۔ السلام عليك ياخيرة الله من خلق الله۔ السلام عليك ياحبيب الله۔ السلام عليك ياسيد ولد آدم۔ السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته۔ يارسول الله انى اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد انك عبده ورسوله۔ اشهد انك بلغت الرسالة واديت الامانة ونصحت الامة وكشفت الغمة فجزاك الله خيرا جزاك الله عنا افضل ما جزى نبيا عن امته۔ اللهم اعط سيدنا عبدك ورسولك محمد الوسيلة والفضيلة والدرجة الرفيعة وابعثه مقاما محمودا الذى وعدته انك لا تخلف الميعاد وانزله المنزل المقرب عندك انك سبحانك ذو الفضل العظيم۔

(قرة العينين الشهير بفتاوى حرمين ص ۳۰۴)

* * *

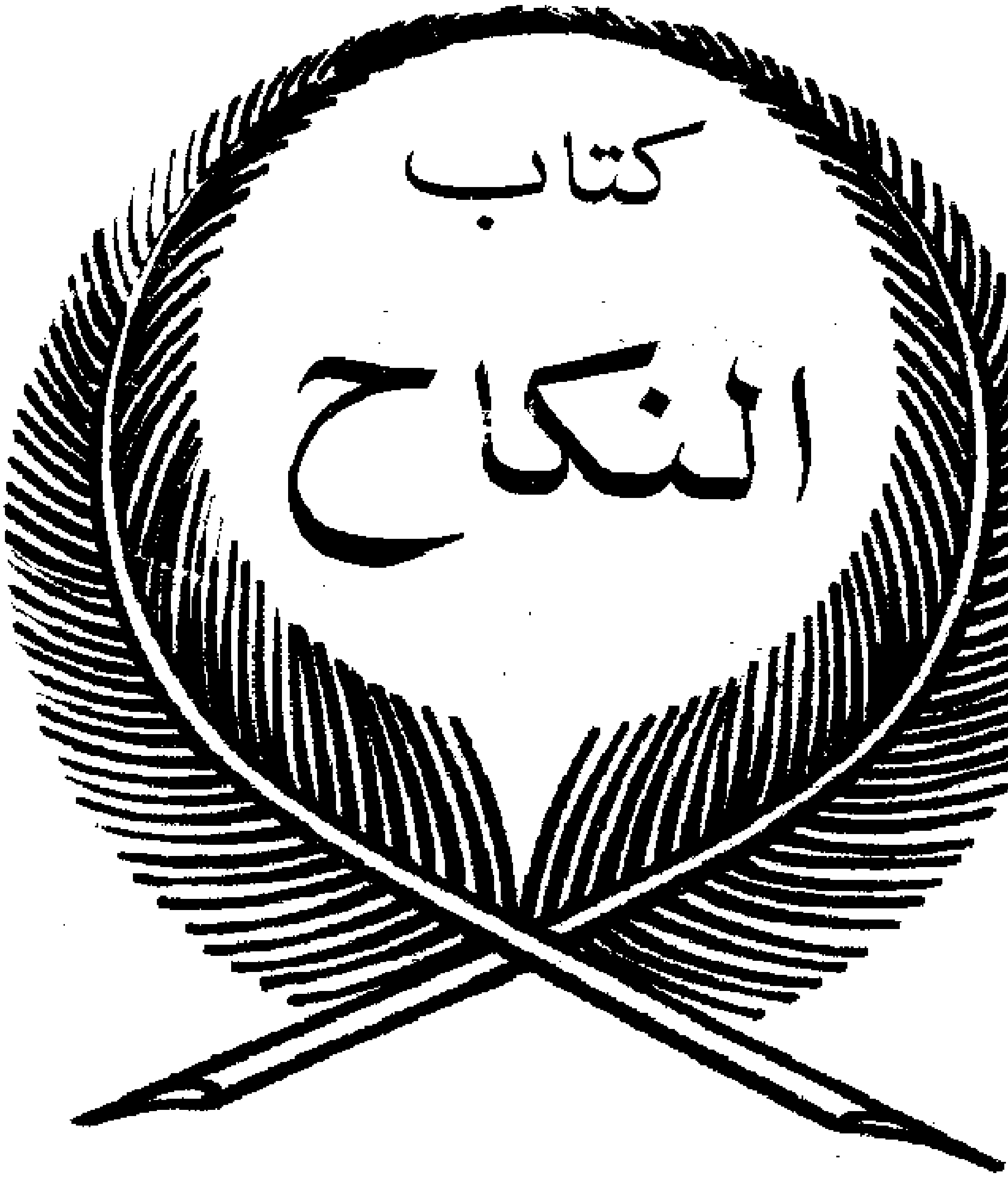

کتاب
النکاح

هو الذى خلقكم من
نفس واحدة وجعل منها
زوجها ليسكن اليها

باب آداب النکاح وشرائطه

(نکاح کے آداب وشرائط)

خطبہ نکاح سے پہلے پڑھنا چاہیئے

سوال :- بعض علاقوں میں یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ نکاح (ایجاب وقبول) کے بعد خطبہ پڑھا جاتا ہے کیا خطبہ ایجاب وقبول سے قبل پڑھنا چاہیئے یا بعد میں؟

الجواب :- نکاح باہمی رضامندی سے ایجاب وقبول کا نام ہے، البتہ نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا ایک استحبابی عمل ہے اس لیے نکاح سے پہلے خطبہ پڑھا جائے بعد میں پڑھنا صحیح نہیں۔

قال الحصکفیؒ: ویندب اعلانه وتقدیم خطبة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۸ کتاب النکاح)[1]

لفظ "نکاح" کے بجائے "بیع" کا لفظ کہنے سے نکاح کا حکم

سوال :- اگر نکاح کے وقت لفظ نکاح کے بجائے بیچنے وغیرہ کے الفاظ کہہ دیئے جائیں تو ان الفاظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- خرید وفروخت اور بیچنے وغیرہ کے الفاظ جب نکاح کی نیت سے استعمال کیے جائیں تو نکاح بلا اختلاف صحیح ہے۔

قال ابن نجیمؒ: فینعقد النکاح بلفظ الهبة والعطیة والصدقة والملك والتملیك والجعل والبیع والشراء علی الاصح۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۵ کتاب النکاح)[2]

---

[1] قال ابن نجیم رحمہ اللہ: وفی المجتبیٰ یستحب ان یکون النکاح ظاهرًا وأن یکون قبله خطبة۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۱ کتاب النکاح)
ومِثلُهٗ فی الفقه الاسلامی وادلتهٗ ج۷ ص۱۲۲ البحث الخامس مندوبات عقد النکاح)

[2] قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله: وکل ما تملك به الرقاب) کالجعل والبیع والشراء فانّه ینعقد بها ...... ثم قال هذا حاصل ما فی الفتح وملخصه أنّه لا بد فی کنایات النکاح من النیّة مع قرینة او تصدیق القابل للموجب وفهم الشهود المراد او اعلامهم به (رد المحتار ج۳ ص۱۸ کتاب النکاح)
ومِثلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۷۱ الباب الثانی فیما ینعقد به النکاح ومالا ینعقد به)

نکاح کے لیے عورت کی زبان پر اعتماد کرنا

سوال:۔ ایک لڑکی نے بیان دیا کہ میں بالغ ہو چکی ہوں اور اس سے پہلے میرا کسی کے ساتھ نکاح نہیں ہوا ہے تو کیا اُس کے اِس اقرار پر اُس سے نکاح کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عورت کا بیان غلبۂ ظن کے لئے مفید ہو تو اس کے قول پر اعتماد کیا جا سکتا ہے ایسی حالت میں اس سے نکاح درست رہے گا بشرطیکہ بالغہ عاقلہ ہو۔

قال ابن عابدینؒ: قالت ارتددت زوجی بعد النکاح وسعه أن یعتمد علی خبرها و یتزوجها وإن اخبرت بالحرمة بأمر عارض بعد النکاح من رضاع طاری او نحو ذلك فان کانت ثقة او نحو ذلك فان کانت ثقة أولم تکن ووقع فی قلبه صدقها فلا بأس بأن یتزوجها۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۲۹) [1]

رشتہ منظور ہے“ سے نکاح کے انعقاد کا حکم

سوال:۔ لڑکی کے والد نے لڑکے کو دیکھتے وقت کہا کہ مجھے یہ رشتہ منظور ہے، تو کیا یہ الفاظ کہنے سے نکاح منعقد ہو گیا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر لڑکی کے والد نے ایجاب وقبول کی مجلس میں باقاعدہ گواہوں کے سامنے یہ الفاظ کہے ہوں تو شرعاً نکاح منعقد ہو چکا ہے، اگر لڑکی نابالغ ہے تو خیارِ فسخ بھی حاصل نہیں اور اگر بالغ ہے تو نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہے، اور اگر ان الفاظ سے فقط وعدۂ نکاح مقصود ہو تو پھر شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوا۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله اذا لم ینو الاستقبال) قال فی شرح الطحاوی لو قال هل اعطیتنیها فقال أعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔

(ردّ المحتار ج۳ ص۱۱ کتاب النکاح) [2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: وحاصله أنه متی أخبرت بأمر محتمل فان ثقة أو وقع فی قلبه صدقها لا بأس بتزوجها وان بأمر مستنکر لا۔ مالم یستفسرها۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج۵ ص۲۹۸)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۰۹ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات۔

[2] قال الحصکفی رحمه الله: وینعقد ملتبسا بایجاب من احدهما وقبول من الآخر۔

(الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج۳ ص۹ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۸۳ کتاب النکاح۔

بغیر گواہوں کے ایجاب وقبول سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال:۔ اگر کسی بالغ لڑکی اور لڑکے کے درمیان گواہوں کے بغیر ایجاب وقبول ہوجائے تو کیا یہ شرعی نکاح متصور ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح کے انعقاد کے لیے باقاعدہ دو گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے اس لیے اگر مجلسِ نکاح میں گواہوں کے بغیر ایجاب وقبول ہوجائے تو بے سود ہے شرعاً ایسے معاہدۂ نکاح کو نکاح نہیں کہا جاسکتا۔

قال ابن نجیم المصریؒ: وهو الاشهاد فلم یصح بغیر شهود لحدیث الترمذی البغایا اللاتی ینکحن انفسهن من غیر بینة۔ (البحر الرائق ج۳ ص۹۸ کتاب النکاح)[1]

اثباتِ نکاح کیلئے شہادت بالتسامع کافی ہے

سوال:۔ کیا نکاح کے ثبوت کیلئے ان لوگوں کی گواہی قبول ہوسکتی ہے جو نکاح کے وقت حاضر نہ ہوں بلکہ دوسروں سے نکاح کی خبر سُن کر گواہی دیں؟

الجواب: اثباتِ نکاح کے لیے جو گواہی دی جاتی ہے اُس کے لیے گواہوں کا مجلسِ نکاح میں حاضر ہونا ضروری نہیں بلکہ ثبوتِ نکاح کے لیے شہادت بالتسامع بھی کافی ہے بشرطیکہ اتنے لوگوں سے نکاح کے انعقاد کی سماعت ہوچکی ہو جن کا جھوٹ بولنے پہ اتفاق کرنا متصوّر نہ ہو۔

قال فی الهندیة: الشهادة بالشهرة والتسامع تقبل فی اربعة اشیاء بالاجماع وهی النکاح والنسب والموت والقضاء کذا فی المحیط السرخسی۔ (الفتاوی الهندیة ج۳ ص۳۵۷)[2]

---

[1] وهو حدیث صحیح روی مرفوعاً وموقوفاً قاله العثمانیؒ۔ (اعلاء السنن ج۱۱ ص۱۷)

قال فی الهندیة: ومنها الشهادة۔ قال عامة العلماء انها شرط جواز النکاح هکذا فی البدائع۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۶۷ کتاب النکاح۔ الباب الاول فی تفسیره شرعاً)

ومثله فی فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج۱ ص۳۳۱، ۳۳۲ فصل فی شرائط النکاح۔

[2] قال الکاسانیؒ: فلا تحل الشهادة بالتسامع إلا فی اشیاء مخصوصة وهی النکاح والنسب والموت فله تحمل الشهادة فیها بالتسامع من الناس وان لم یعاین بنفسه۔ (بدائع الصنائع ج۶ ص۲۶۶)

ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۸۹ کتاب النکاح۔

نکاح کی اجازت لیتے وقت گواہ بنانا مستحب ہے

سوال: عورت سے نکاح کی اجازت طلب کرتے وقت گواہوں کی موجودگی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: عورت سے نکاح کی اجازت طلب کرتے وقت دو گواہوں کی موجودگی مستحب ہے البتہ نکاح پڑھاتے وقت دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہے۔

قال ابن نجیم المصریؒ: ولا یشترط الاشهاد علی التوکیل۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۸۹ کتاب النکاح)[1]

بذریعۂ دف نکاح کا اعلان کرنا

سوال: نکاح کا اعلان دف کے ذریعے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نکاح کی تشہیر و اعلان سنت ہے بہر دیگر ممنوعات شرعیہ سے خالی ہونے کی صورت میں دف کے ذریعے نکاح کا اعلان کرنا جائز ہے۔

روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اعلنوا ھذا النکاح..... الخ

(مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص۲۷۲ کتاب النکاح)[2]

جوان بیٹیوں کو گھر میں رکھ کر بلا عذرِ شرعی اُن کا نکاح نہ کرنا

سوال: کیا جوان بیٹیوں کو گھر میں رکھنے اور بلا کسی شرعی رکاوٹ کے اُن کے نکاح نہ کرنے سے سرپرست یا والد کی شرعی حیثیت متأثر ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: کفو ملنے کی صورت میں جوان بیٹیوں کا نکاح جلد از جلد کر دینا ضروری ہے تاہم

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: واعلم انه لا تشترط الشهادة علی الوکالة بالنکاح بل علی عقد الوکیل وانما ینبغی أن یشهد علی الوکالة اذا خیف جحد الموکل إیاها۔ (رد المحتار ج ۳ ص۹۵ باب الاکفاء مطلب فی الوکیل والفضولی فی النکاح)

ومثلُهُ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۵۶ کتاب النکاح فصل ومنها العدد۔

[2] قال الشیخ الطوریؒ: وعن الحسن بن زیاد لا بأس بأن یکون فی العرس دف یضرب به یشتهر ویعلن النکاح..... وفی الذخیرة لا بأس بضرب الدف فی العرس والولیمة والاعیاد۔ (تکملة البحر الرائق ج ۸ ص۱۸۹ کتاب الکراهیة قبل فصل فی اللبس)

موزوں رشتہ کی تلاش میں تاخیر ہو جانا ممنوع نہیں اور اس سے سرپرست یا والد کی شرعی حیثیت متأثر نہیں ہوتی، البتہ موزوں رشتہ ملنے کی صورت میں سازگار حالات کے باوجود بیٹیوں کو رسمی غیرت کی وجہ سے نکاح سے محروم رکھنا زیادت علی الشرع کے مترادف ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ۔ (سورۃ النور آیت ۳۲)

قال ابن عابدینؒ: ویزوجها کفواً فان خطبها الکفو لا یؤخرها وهو کل مسلم تقی۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۲۸۵ کتاب النکاح)[1]

رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح پڑھانا جائز ہے

سوال:۔ ایک بالغہ لڑکی کا نکاح اس کے باپ نے کر دیا تو رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح پڑھانا کیسا ہے؟

الجواب:۔ بالغہ عورت کے نکاح کا حکم یہ ہے کہ جب دوسرا کوئی شخص (سرپرست یا والد) اس کا نکاح کسی سے کر دے اور اس کی خبر پہنچنے پر وہ اُسے رَد نہ کرے بلکہ رضامندی ظاہر کرے تو نکاح درست ہے، تاہم رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح پڑھانا جائز اور مستحسن ہے۔

قال فی الهندیة: لا یجوز نکاح احد علی بالغة صحیحة العقل من أب وسلطان بغیر إذنها بکراً کانت او ثیباً فَإِنْ فعل ذلک فالنکاح موقوف علیٰ إجازتها فَإِنْ أجازته جاز۔ وَإِنْ ردّته بطل کذا فی السراج الوهاج ولو ضحکت البکر عند الاستئمار او بعد ما بلغها الخبر

---

[1] وعلی رضی اللہ عنه مرفوعاً: ثلاث لا تؤخر: اَلصَّلٰوةُ إِذَا أَتَتْ وَالْجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ وَالْاَيِّمُ، إِذَا وَجَدَتْ لها کفوًا۔ اخرجه الترمذی والحاکم باسناد ضعیف۔ قلت حسنه السیوطی فی الجامع الصغیر وصححه الحاکم والذهبی کلاهما فی المستدرک۔

(اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۶۷ فصل فی الکفاءة باب مراعاة الکفاءة وجواز النکاح)

وعن عمر بن الخطابؓ وَاَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال فی التوراة مکتوب من بلغت إبنته اثنتی عشرة سنة ولم یزوجها فاصابت اثماً فاثم ذلک علیه۔ رواه البیهقی فی الشعب۔ (مشکوٰة المصابیح ج ۲ ص ۲۷۱ کتاب النکاح)

فهو رضا۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۲۸۷ الباب الرابع فی الاولیاء)[1]

منگنی ہوجانے کے بعد کسی لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کرانا

سوال:۔ ایک لڑکی کی باقاعدہ منگنی ہوچکی ہے جبکہ اُس نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلیا ہے، کیا یہ دوسرا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ منگنی کی مجلس میں باقاعدہ گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول نہ ہُوا ہو تو یہ فقط وعدۂ نکاح ہے نکاح نہیں، لہٰذا اس لڑکی کا کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے، البتہ وعدے کی خلاف ورزی کرنا مروت کا تقاضا نہیں جسکی وجہ سے گناہ لازم ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله اذا الحرینوا الاستقبال) قال فی شرح الطحاوی لو قال هل اُعطتنیها فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔ (ردّ المحتار ج ۳ ص ۱۱ کتاب النکاح)[2]

صرف وعدۂ نکاح سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال:۔ بعض علاقوں میں منگنی کی رسومات کی ادائیگی پر کافی مالی اخراجات کیے جاتے ہیں لیکن کوئی باقاعدہ ایجاب وقبول نہیں ہوتا ہے، کیا ایسی رسومات کی ادائیگی کو نکاح کہا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح نام ہے گواہوں کے سامنے باقاعدہ ایجاب وقبول کرنے کا، چونکہ منگنی کی جملہ رسومات میں باقاعدہ طور پر ایجاب وقبول کا اہتمام نہیں ہوتا صرف رشتہ دینے یا

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: فإن استاذنها هو أی الولی وهو السنة أو وکیله أو رسوله أو زوّجها ولیها وأخبرها رسوله أو فضولی عدل فسکتت عن ردّه مختارة أو ضحکت غیر مستهزءة أو تبسمت أو بکت بلا صوت ..... فهو إذن۔ (ثم قال بعد أسطر) ولذا استحسنوا التجدید عند الزفاف لأن الغالب اظهار النفرة عند فجاة السّماع۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المختار ج ۳ ص ۶۰ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۱۱۱ کتاب النکاح۔

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: وینعقد ملتبسا بایجاب من أحدهما وقبول من الآخر۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المختار ج ۳ ص ۹ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۸۳ کتاب النکاح۔

لینے کا وعدہ ہوتا ہے، اس لیے صرف ان رسومات کے ادا کر لینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا اور نہ اس پر شرعی ازدواجی احکام جاری ہوں گے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله اذا لم ینو الاستقبال) قال فی شرح الطحاوی لو قال هل أعطیتنیها فقال أعطیت إن کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔
(رد المحتار ج ۳ ص ۱۱ کتاب النکاح)[1]

بالغہ عورت سے زبردستی کیے گئے نکاح کا حکم

سوال:۔ اگر کسی عورت سے زبردستی ایجاب وقبول کرایا جائے تو کیا جبر و اکراہ سے کئے گئے ایجاب وقبول سے شرعاً نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عاقلہ بالغہ عورت سے زبردستی ایجاب وقبول کرایا جائے تو چونکہ اس میں من وجہ اس عورت کی رضامندی شامل ہے اس لیے اس صورت میں شرعاً نکاح منعقد ہو جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله لیتحقق رضاهما) ای لیصدر منهما ما من شأنه ان یدل علی الرضاء إذ حقیقة الرضاء غیر مشروطة فی النکاح لصحته مع الاکراه والهزل۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۱ کتاب النکاح)[2]

بالغہ عورت کو نکاح کیلئے مجبور نہیں کیا جا سکتا

سوال:۔ کیا کسی عاقلہ بالغہ عورت کو شادی پر مجبور کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے زبردستی اس کا نکاح کسی مرد سے کر دیا جس سے وہ عورت انکاری ہو تو یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح مسلمان مرد و عورت کی باہمی رضامندی سے منعقد ہوتا ہے، اس میں

---

[1] قال ابن نجیمؒ: لو قال هل أعطیتنیها فقال أعطیتك ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۸۳ کتاب النکاح)
ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۲۶۷ کتاب النکاح الباب الاول فی تفسیره شرعاً۔ الخ

[2] وقال الطوریؒ: وفی المبسوط فکل تصرف یصح مع الهزل کالطلاق والعتاق والنکاح یصح مع الاکراه۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۷۵ کتاب النکاح)
ومثله فی الفقه الاسلامی وأدلته ج ۷ ص ۷۹ کتاب النکاح۔

کسی بالغہ عورت کو شرعاً مجبور نہیں کیا جاسکتا بلکہ نکاح میں اس کی رضامندی ضروری ہے بغیر اسکی رضامندی کے اگر نکاح کیا جائے تو وہ نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوگا۔

قال ابن نجیمؒ: (تحت قول صاحب الکنز) ولا تجبر بکر بالغة علی النکاح أی لا ینفذ عقد الولی علیها بغیر رضاها عندنا۔ انتہی (البحرالرائق ج۳ ص۱۱۷ کتاب النکاح، باب الاولیاؤ والاکفاء)[1]

بالغہ کی اجازت سے والد کا کرایا ہوا نکاح ناقابل فسخ ہے

سوال:۔ باپ نے اپنی بالغہ بیٹی کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے ایک نابالغ لڑکے سے کردیا اور نکاح کے بعد اس نے بیٹی کو خبر دی کہ میں نے تیرا نکاح فلاں لڑکے سے کردیا ہے، اس پر اسکی بیٹی نے صرف یہ کہا کم از کم مجھ سے تو پوچھ لیتے، اسکے بعد وہ خاوند کے گھر چلی گئی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ نکاح نافذ ہے، اور وہ عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بالغہ بیٹی کے نکاح کے لیے باپ کو بیٹی سے اجازت لینا ضروری ہے، اگر لاعلمی میں باپ نے بالغہ بیٹی کا نکاح کردیا اور پھر باپ نے جب اپنی بالغہ بیٹی کو اس نکاح کی خبر دی اور اس نے ردّ نہیں کیا تو یہ نکاح اب لازم اور منعقد ہے اور بالغہ دوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی تاہم اگر وہ پہلے سے ردّ کرتی تو اسکو یہ حق حاصل تھا۔

قال صاحب الکنز: فإن استأذنها الولی فسکتت أو ضحکت أو زوجها فبلغها الخبر فسکتت فهو إذن۔ (کنزالدقائق ج۲ ص۱۱۱ کتاب النکاح)[2]

---

[1] قال فی الهندیة: لا یجوز نکاح أحد علی بالغة صحیحة العقل من أب أو سلطان بغیر إذنها بکرا کانت او ثیبا۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۸۷ کتاب النکاح)

وقال العلامة العثمانی رحمه الله: روی عن ابن عباسؓ ان جاریة بکرا أتت النبی صلی الله علیه وسلم فذکرت أن أباها زوجها وهی کارهة فخیرها النبی صلی الله علیه وسلم۔ رواه الامام أحمد ورجاله ثقات، وقال ابن القطان صحیح۔ (درایة ص۲۲۱)۔ (إعلاء السنن ج۱۱ ص۶۷ کتاب النکاح)

[2] قال ابن نجیمؒ: والسنة ان یستأمر البکر ولیها قبل النکاح ..... وإن زوجها بغیر استئمار فقد أخطأ السنة و توقف علی رضاها انتهی فهو محمل النهی فی حدیث مسلم لا تنکح الأیم حتی تستأمر ولا تنکح البکر حتی تستأذن قالوا یا رسول الله وکیف إذنها قال ان تسکت، فهو لبیان السنة للاتفاق علی أنها لو صرحت بالرضاء بعد العقد نطقا فانه یجوز۔ (البحرالرائق ج۳ ص۲۸۳ کتاب النکاح۔ باب الاولیاء والاکفاء)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۸۷ الباب الرابع فی الاولیاء۔

نکاح کا شرعی حکم

سوال:۔ شریعتِ مقدسہ میں نکاح کرنے کا کیا حکم ہے؟ فرض ہے، واجب ہے یا سُنّت؟

الجواب:۔ نکاح کرنا تمام انبیاءِ کرام کی سُنّت ہے، جو شخص نکاح کے جملہ حقوق ادا کر سکتا ہو تو اس کو نکاح کر لینا چاہیئے۔ اور اگر شہوت کا غلبہ ہو تو واجب جبکہ خوفِ زنا کے وقت فرض ہو جاتا ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ، ویکون ای النکاح واجب عند التوقان فان تیقن الزناء الا بہ فرض نہایۃ وھٰذا ان ملک المھر والنفقۃ والا فلا اثم بترکہ، بدائع ویکون سنۃ مؤکدۃ فی الاصح۔ الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج ۲ ص ۳۵۷ تا ۳۵۹ کتاب النکاح[1]

نکاح نفلی عبادت سے بہتر ہے

سوال:۔ کیا احناف کے ہاں نکاح کرنا افضل ہے یا نفل عبادت کرنا؟

الجواب:۔ حنفیہ کثر اللہ سوادہم کے ہاں جو شخص بیوی کے نان و نفقہ کی طاقت رکھتا ہو تو اس کے لیے نکاح کرنا نفلی عبادت کرنے سے افضل ہے، البتہ شوافع کے ہاں نفلی عبادت نکاح سے افضل ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قالوا ان الاشتغال بہ ای بالنکاح افضل من التخلی لنوافل العبادات ای الاشتغال بہ وما یشتمل علیہ من القیام بمصالحہ ولعفاف النفس عن الحرام وتربیۃ الولد ونحو ذلک۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۳۵۵ کتاب النکاح)[2]

اسلام میں بیک وقت تعدادِ ازواج کا حکم

سوال:۔ اسلام نے ایک مرد کے لیے بیک وقت کتنی بیویاں جمع کرنے

---

[1] وقال فی الھندیۃ: واما صفۃ فھو انہ فی حالۃ الاعتدال سُنّۃ مؤکدۃ وحالۃ التوقان واجب وحالۃ خوف الجور مکروہ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۲۶۷ کتاب النکاح، فصل اوّل)

[2] قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: وعلیٰ ھٰذا الاصل بنی اصحابنا من قال منھم ان النکاح فرض او واجب لان الاشتغال بہ مع اداء الفرائض والسنن اولیٰ من التخلی لنوافل العبادات مع ترک النکاح وھو قول اصحاب الظواھر۔
(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۲۹ کتاب النکاح)

کی گنجائش رکھی ہے ؟

الجواب :۔ اسلام نے ایک مرد کے لیے بشرطِ عدل و مساوات ایک وقت میں چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے، ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کو حرام و ناجائز قرار دیا ہے ۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ : فانکحوا ما طاب لکم ۔ ای تزوجوا ما بمعنی من النساء مثنیٰ وثلٰث وربع (ولا تزیدوا علیٰ ذٰلک) ۔ (تفسیر جلالین ص٦٩ سورۃ البقرۃ)[1]

دوسری شادی کیلئے پہلی بیوی کی اجازت کا مسئلہ

سوال :۔ کیا دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا شرعاً ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اسلام میں مرد کو چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ ان کے درمیان عدل و مساوات قائم رکھ سکتا ہو، اس کے علاوہ کسی بھی شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا شرعاً ضروری نہیں ۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ : وصح نکاح اربع من الحرائر والاماء فقط للحر لا اکثر ۔
(الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج٢ ص۴ باب المحرمات)[2]

خطبۂ نکاح کے دوران باتیں کرنا گناہ ہے

سوال :۔ اگر قاضی نکاح کا خطبہ پڑھ رہا ہو اور لوگ آپس میں باتوں میں مشغول ہوں تو کیا وہ لوگ گنہگار ہوں گے یا نہیں ؟

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ : وصح نکاح اربع من الحرائر والاماء فقط للحر لا اکثر وله التسری بما شاء من الاماء ۔ (الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج٢ ص٣ فصل فی المحرمات)

ومثلہٗ فی الھدایۃ ج٢ ص٧ کتاب النکاح ۔

[2] قال العلامۃ المرغینانیؒ : وللحر ان یتزوج اربعًا من الحرائر والاماء ولیس لہٗ ان یتزوج اکثر من ذٰلک، لقولہٖ تعالیٰ : فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔

(الھدایۃ ج٢ ص٧ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی تفسیر جلالین ص٦٩ سورۃ البقرۃ ۔

الجواب:۔ ہر خطبہ چاہے وہ نکاح کا ہو یا عیدین وجمعہ کا، سُننا واجب ہے، اور جو شخص وجوب کو قصداً ترک کرے تو گنہگار ہوگا، اسی طرح خطبۂ نکاح کے دوران باتیں کرنے والے لوگ بھی گنہگار ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وکذا یجب الاستماع لسائر الخطب کخطبۃ نکاح وخطبۃ عید وختم علی المعتمد۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۷۶۹ کتاب النکاح)[1]

عدالتی نکاح (کورٹ میرج) کا شرعی حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی اور لڑکے نے اپنے ورثاء اور اولیاء کو بتائے بغیر چپکے سے عدالت میں جاکر کورٹ میرج (نکاح) کرلیا، جبکہ مجلس نکاح میں سرکاری خطیب صاحب کے علاوہ صرف دو اور آدمی بطور گواہ موجود تھے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس نکاح سے لڑکا لڑکی ایک دوسرے کے لیے حلال ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ احادیثِ مبارکہ میں ذکر ہے کہ عقدِ نکاح خوب ظاہر کرکے علی الاعلان کیا جائے، چپکے سے بغیر گواہوں کے نکاح کرنے کو شریعتِ مقدسہ نے باطل قرار دیا ہے۔ چونکہ صورتِ مسئولہ کے مطابق اس نکاح میں لڑکے لڑکی کے علاوہ سرکاری خطیب اور دو آدمی اور بھی بطور گواہ شریک تھے اس لیے یہ نکاح جائز اور درست ہے مگر کراہت سے خالی نہیں تاہم اس عقدِ نکاح کے بعد دونوں ایک دوسرے کے لیے حلال ہیں۔

کما قال العلامۃ ظفر احمد العثمانیؒ: (الجواب) نکاح سر کہ ممنوع و باطل است آن است کہ دو شاہدین علاوہ ناکح و منکوحہ نباشد و اگر شاہدین یا شہود حاضر باشند ایں چنیں نکاح نکاح سر کہ باطل نباشد اما خالی از کراہت نباشد۔ لان السنۃ فی النکاح الاعلان ولذا شرع لہ الدف ونحوہ وفی الحدیث الفرق بین الحلال والحرام الدف ولان فیہ القاء نفسہ فی التہمۃ ویتہمہ بالزنا من لم یعلم بالنکاح والحدیث اتقوا مواضع التہم۔ (امداد الاحکام ج ۲ ص ۲۳۷)

بالغ اولاد کا نکاح کرنا والدین کی ذمہ داری ہے

سوال:۔ عوام الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ والدین کا یہ فرض ہے کہ

---

[1] قال العلامۃ ابن الھمام رحمہ اللہ: وھذہ فروع تتعلق بالمحل وقدمناھا فی باب صفۃ الصلوٰۃ ویتعین ان لا یخلی عنھا مظنتھا یحرم فی الخطبۃ الکلام وان کان امراً بمعروف اوتسبیحاً والاکل والشرب والکتابۃ۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۷ کتاب النکاح)

جب اولاد بالغ ہوجائے تو اس کا نکاح کریں، کیا واقعی یہ بات صحیح ہے؟

الجواب: ۔ احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بیٹا یا بیٹی بالغ ہوجائے تو والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کی شادی کا انتظام کریں، اور اگر بغیر کسی شرعی عذر کے نہ کیا اور وہ کسی معصیت میں مبتلا ہوگئے تو والدین بھی اس گناہ میں ان کے ساتھ برابر کے شریک ہوں گے، اس لیے عوام الناس کی یہ بات درست معلوم ہوتی ہے۔

عن ابی سعید وابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ من ولد لہٗ فلیحسن اسمہٗ وادّبہ فاذا بلغ فلیزوّجہ فان بلغ ولم یزوجہ فاصاب اثماً فانما اثمہٗ علی ابیہ۔

(مشکوٰۃ ج۲ ص۲۷۰ کتاب النکاح ۔ باب الولی)[1]

بیوہ کے نکاحِ ثانی کا حکم

سوال: ۔ پٹھانوں میں یہ رواج ہے کہ جس بیوہ کا چھوٹا بچہ ہو تو اس کے لیے نکاحِ ثانی کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے، تو کیا بیوہ عورت کا چھوٹے بچے کی وجہ سے نکاحِ ثانی نہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: ۔ نکاح کرنا یا نہ کرنا انسان کا ذاتی عمل ہے، بیوہ کو عدتِ وفات کے بعد دوسرا نکاح کرنے کی شرعاً اجازت ہے اس کو رواج یا رسم کی وجہ سے نہ روکا جائے، تاہم اگر کوئی بیوہ عورت اپنی اولاد کی پرورش کے لیے دوسرا نکاح نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ان امرأۃ قالت یا رسول اللہ ان ابنی ھٰذا کان بطنی لہ وعاء وثدی لہٗ سقاء وحجری لہ حواء وان اباہ طلقنی واراد ان ینزعہ منی فقال علیہ السلام انت احق بہ مالم تنکحی۔ رواہ احمد وابوداؤد

(مشکوٰۃ ج۲ ص۲۹۳ کتاب النکاح)[2]

---

[1] وعن عمر بن الخطاب وانس بن مالک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی التوراۃ مکتوب من بلغت ابنتہ عشرۃ سنۃ ولم یزوجھا فاصابت اثماً فاثم ذٰلک علیہ رواھما البیھقی فی شعب الایمان۔ (مشکوٰۃ ج۲ ص۲۷۱ کتاب النکاح ۔ باب الولی)

[2] وفی الھندیۃ: ولو تزوّجت الام بزوج آخر وتمسکت الصغیرۃ معھا ام الام فی بیت الراب فللاب ان یاخذھا منھا صغیرۃ عند جدّۃ تکون حقّھا فلعما تھا ان تأخذھا منھا اذا طھرت خیانتھا۔

(الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۵۴۱ الباب السادس عشر فی الحضانۃ)

لڑکیوں کے نکاح میں بلاوجہ تاخیر کرنا گناہ ہے

سوال:- بعض لوگ مالدار داماد نہ ملنے کی وجہ سے لڑکیوں کی شادیوں میں تاخیر کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:- احادیثِ مبارک میں نکاح میں تعجیل کی ترغیب دی گئی ہے جس کی وجہ سے بالغ لڑکے لڑکیوں کا نکاح جلدی کرنا چاہیئے، محض دنیاوی اغراض اور رسم و رواج کی وجہ سے تاخیر کرنا موجبِ گناہ ہے۔

قال علیه السلام: من ولد له ولد فلیحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فلیتزوجه فان بلغ ولم یزوجه فاصاب اثماً فانما اثمه علی ابیه۔ (مشکوٰۃ ج۱ ص۲۷۱ کتاب النکاح) [1]

کیا لڑکی کو از خود نکاح کا حق حاصل ہے

سوال:- اگر والدین نے اس بات کی وصیت کی ہو کہ ان کی لڑکی کا نکاح فلاں مرد سے کر دیا جائے لیکن کسی وجہ سے لڑکی اُس مرد سے نکاح نہیں کرتی تو کیا لڑکی کو ایسا کرنے کا حق حاصل ہے؟

الجواب:- بالغ مرد و عورت اپنے نفس کے خود حقدار ہیں، صورتِ مسئولہ میں اگر کسی وجہ سے لڑکی والدین کی وصیت پر عمل نہیں کرتی تو اس کو یہ حق حاصل ہے دُوسری جگہ نکاح اس سے متاثر نہ ہوگا، اور اگر لڑکی نابالغ ہو تو یہ حق اُس کے ورثاء کو حاصل ہے۔

عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الثیب احق بنفسها من ولیها والبکر یستاذنها ابوها فی نفسها واذنها صماتها۔ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ج۲ ص۲۷۰ باب الولی فی النکاح واستیذان المرأۃ) [2]

---

[1] قال علیه السلام: من بلغت ابنته اثنتی عشرۃ سنة ولم یزوجها فاصابت اثماً فاثم ذٰلک علیه۔ (مشکوٰۃ ج۱ ص۲۷۱ کتاب النکاح)

[2] قال العلامة الحصکفی رحمه اللہ: (فتنفذ نکاح حرۃ مطلقة بلا) رضا (ولی) والاصل ان کل من تصرف فی ماله تصرف فی نفسه وما لا فلا (وله اذا کان عصبة الاعتراض فی غیر الکفء) .... (ویفتی) فی غیر الکفؤ (لعدم جوازه اصلاً) وهو المختار للفتوٰی (لفساد الزمان) فلا تحل مطلقة ثلاثاً نکحت غیر کفء الخ

(الدر المختار مع رد المحتار ج۲ ص۳۲۲ کتاب النکاح- باب الولی)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۲ ص۲۹۳ باب فی الاولیاء والاکفاء۔

مجلس نکاح میں لڑکی کا نام لینا

سوال:۔ کیا نکاح کے انعقاد کے وقت لڑکی کا نام مجمع کے سامنے لینا ضروری ہے یا کہ بغیر نام لیے بھی نکاح صحیح ہو جائے گا؟

الجواب:۔ نکاح کے انعقاد کے لیے لڑکی کا امتیاز ضروری ہے، یہ امتیاز چاہے نام سے حاصل ہو یا اشارے سے یا دیگر صفات سے حاصل ہو جائے جس کے بعد کوئی شبہ نہ رہے، صرف نام لینا ضروری نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: قلتُ وظاھرہ انھا لو جرت المقدمات علیٰ معیّنۃ وتمیزت عند الشھود ایضًا یصح العقد وھی واقعۃ الفتویٰ لان المقصود نفی الجھالۃ وذٰلک حاصل بتعینھا عند العاقدین والشھود وان لم یصرح باسمھا۔

(ردّ المحتار ج۲ ص۲۳۷ کتاب النکاح)[1]

نکاح میں ایجاب وقبول کا تین بار دہرانا ضروری نہیں

سوال:۔ ہمارے علاقے کے نکاح خوان حضرات نکاح باندھتے وقت ایجاب وقبول کے الفاظ تین مرتبہ دہراتے ہیں، کیا یہ امر مستحب ہے یا ضروری ہے؟

الجواب:۔ نکاح کا انعقاد نفس ایجاب وقبول کے صرف ایک مرتبہ کرنے سے ہو جاتا ہے، تین مرتبہ دہرانا ضروری نہیں اور نہ یہ امر مستحب ہے۔

قال المرغینانی رحمہ اللہ: وینعقد بلفظین یعبر باحدھما عن الماضی وبالآخر عن المستقبل ان یقول زوّجنی فیقول زوجتک ....الخ (الھدایۃ ج۲ ص۲۸۵ کتاب النکاح)[2]

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ: لا بد من تمییز المنکوحۃ عند الشاھدین لتنتفی الجھالۃ فان کانت حاضرۃ متنقبۃ کفی الاشارۃ الیھا ------ ان کانت المرأۃ فی البیت وحدھا جاز النکاح لزوال الجھالۃ۔

(البحر الرائق ج۳ ص۸۸ کتاب النکاح)

[2] قال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ: وینعقد بایجاب وقبول وضعًا للمضی او احدھما۔ الخ

(کنز الدقائق علی ھامش بحر الرائق ج۳ ص۸۱ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۷ کتاب النکاح۔ الباب الثانی فیما ینعقد بہ النکاح۔ الخ

ثیبہ (مطلقہ) عورت سے نکاحِ ثانی کیلئے اجازت بالقول کا حکم

سوال:۔ اگر کسی عورت کا پہلے نکاح ہو چکا ہو پھر شوہر نے اُسے طلاق دیدی ہو تو کیا دوسرے نکاح کے لیے اُس سے اجازت بصورتِ سکوت صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ثیبہ عورت جب دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہو تو اجازت دیتے وقت زبان سے کہنا ضروری ہے اس کا سکوت وغیرہ اجازت کے قائم مقام نہیں، یہ حکم صرف باکرہ لڑکی کے ساتھ مختص ہے۔

عن ابی ھریرۃ ؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الثّیّب احق بنفسھا من ولیھا والبکر یستاذنھا ابوھا فی نفسھا واذنھا صماتھا۔ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ج۲ ص۲۷۰ باب الولی فی النکاح واستیذان المرأۃ) [1]

زفاف (پہلی ملاقات) کے وقت دُعا پڑھنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! زفاف کے وقت کون سی دُعا پڑھنی چاہیئے؟

الجواب:۔ جب کوئی آدمی شادی کرے تو پہلی ملاقات میں سُنّت یہ ہے کہ بیوی کے پیشانی کے بال پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے برکت کی دُعا مانگے اور پھر بِسْمِ اللہ پڑھ کر یہ دُعا مانگے: اللّٰھمّ انّی اسئلک خیرھا وخیراً جُبلت علیہ واعوذ بک من شرّھا وشرّ ما جبلت علیہ۔ اور جب جماع کا ارادہ ہو تو یہ دُعا پڑھے: بسم اللہ اللّٰھم

---

[1] قال العلّامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: (فنفذ نکاح حرّۃ مکلفۃ بلا) رضا (ولی) والاصل ان کل مَنْ تصرف فِیْ مالہ تصرف فی نفسہ وما لا فلا (و) لولی اذا کان عصبۃٌ الاعتراض فی غیر الکفء)...... (ویفتی) فی غیر الکفءِ (بعدم جوازہ اصلاً) وھو المختار للفتوٰی (لفساد الزمان) فلا تحل مطلقۃ ثلاثاً نکحت غیر کفءٍ الخ۔

(الدر المختار مع ردّ المحتار ج۲ ص۳۲۲ کتاب النکاح۔ باب الولی)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۲ ص۲۹۳ باب فی الاولیاء والاکفاء۔

جَنِّبْنا الشیطٰن وجنب الشیطٰن ما رزقتنا۔

عن ابن عباسٍ رضی اللہ عنہما قال قال النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم اَمَا لو احدھم یقول حین یأتی اھلہ بسم اللہ اَللّٰھم جنّبنی الشیطٰن وجنّب الشیطٰن ما رزقتنا ثم قدر بینھما فی ذٰلک او قضی ولدٌ لم یضُرّہٗ شیطٰنٌ اَبَدًا۔

(صحیح البخاری ج ٢ ص ٧٧٦ کتاب النکاح۔ باب مایقول الرجل اذا اتی اھلہ) [1]

نکاح کے وقت بھول کر کسی دوسری عورت کا نام لینا

سوال:۔ نکاح کے انعقاد کے وقت وکیل نے غلطی سے اصل لڑکی کے نام کی بجائے اس کی دوسری بہن کا نام لیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب نکاح کس کے ساتھ منعقد ہوگا؟

الجواب:۔ مجلسِ نکاح میں جب کوئی ممیّز اشارہ وغیرہ نہ ہو جس کی وجہ سے اصل لڑکی دوسروں سے الگ ہو، صورتِ مسئولہ میں وکیل نے جس لڑکی کا نام لیا ہے تو نکاح اُسی کے ساتھ ہوا ہے، اس لیے اب اصل لڑکی کی بہن کو طلاق دے کر اس کے ساتھ نکاح باندھا جائے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: غلط وکیلھا بالنکاح فی اسم ابیھا بغیر حضورھا لم یصح للجھالۃ وکذا لو غلط فی اسم ابنتہ الا اذا کانت حاضرۃ واشار الیھا فیصح ولو لہ بنتان اراد تزویج الکبرٰی فغلط فسماھا باسم الصغرٰی صح للصغرٰی خانیہ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ٢ ص ٢٥ کتاب النکاح) [2]

---

[1] اخرج امام الترمذی رحمہ اللہ: عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لو ان احدکم اذا اتی اھلہ قال بسم اللہ اللّٰھم جنبنا الشیطٰن وجنب الشیطٰن ما رزقتنا فان قضی اللہ بینھما ولدًا لم یضرہ الشیطان۔ (الجامع الترمذی ج ١ ص ٢٠٧ ابواب النکاح۔ باب ما جاء فیما یقول اذا دخل علی اھلہ)

[2] قال العلامۃ قاضی خانؒ: امرأۃ وکلت رجلا بان یزوّجھا فزوّجھا وغلط فی اسم ابیھا لا ینعقد النکاح اذا کانت غائبۃ۔ رجل لہ ابنۃ واحدۃ واسمھا عائشۃ فقال الاب وقت العقد زوجت منک ابنتی فاطمۃ لا ینعقد النکاح بینھما ولو کانت المرأۃ حاضرۃ فقال الاب زوجتک ابنتی فاطمۃ ھٰذہ واشار الی عائشۃ وغلط فی اسمھا وقال الزوج قبلتُ جاز النکاح۔

(فتاوٰی قاضیخان علی ھامش الھندیۃ ج ١ ص ٣٢٤ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الاحکام ج ٢ ص ٢٢٦ کتاب النکاح۔

بیوی کو خاوند کے پاس جانے سے روکنا

سوال:- جناب مفتی صاحب! میری شادی [illegible] سسرال والوں نے میری بیوی کو اپنے پاس روک رکھا ہے اور اُسے میرے گھر آنے نہیں دیتے۔ کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:- جب ایک مرتبہ کسی لڑکی اور لڑکے کا نکاح ہو جائے تو وہ لڑکی شوہر کے تابع ہے والدین کو شرعاً یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی بیٹی کو بلا وجہ روکیں، تاہم شوہر کو بھی بیوی کے حقوق کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ "فتاویٰ دارالعلوم دیوبند" میں لکھتے ہیں:-

"الجواب:- بے وجہ لڑکی کو شوہر کے گھر نہ بھیجنے کا والدین کو کچھ حق نہیں ہے والدینِ دختر بسبب روکنے اپنی دختر کے گنہگار ہیں، ان کو لازم ہے کہ اس سے توبہ کریں اور لڑکی کو اسکے شوہر کے پاس بھیجیں اور لڑکی کو لازم ہے کہ اس بارہ میں وہ والدین کی اطاعت نہ کرے اور شوہر کی فرمانبرداری کرے کیونکہ اس بارہ میں شوہر کی اطاعت زوجہ کو کرنا مقدم ہے۔" فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۸ ص۳۵۷ کتاب النکاح)ؔ[1]

رخصتی میں تاخیر کا حکم

سوال:- ایک لڑکی کا نکاح صغرسنی میں ہوا تھا، اب وہ تیرہ سال کی عمر کو پہنچ چکی ہے لیکن اس کے والدین ابھی تک رخصتی سے انکار کر رہے ہیں، کیا شرعاً اُن کو یہ حق حاصل ہے؟

الجواب:- رخصتی کیلئے عمر کی کوئی قید نہیں لیکن جب لڑکی جماع کے قابل ہو جائے تو شوہر اس کو اپنے گھر لا سکتا ہے والدین کو منع کرنے کا حق نہیں اور اگر لڑکی جماع کے قابل نہ ہو تو اس صورت میں رخصتی سے منع کیا جا سکتا ہے۔

قال ابن عابدینؒ: وقدمنا [illegible] صغيرة لا تطيق الوطئ لا تسلم الى الزوج حتى تطيقه والصحيح انه غير مقدر بالسن بل يفوض الى القاضي بالنظر اليها من سمن او هزال۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۲۹ باب القسم)[2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ: قالوا للزوج ان يسكنها حيث احب ولكن بين جيران صالحين۔ (ردالمحتار ج۲ ص۹۱۴ باب النفقة)

[2] وفي الهندية: واذا نقد الزوج المهر وطلب من القاضي ان يأمر ابا المرأة بتسليم المرأة فقال ابوها انها صغيرة لا تصلح للرجال ولا تطيق الجماع وقال الزوج بل هي تصلح وتطيق ينظر ان كانت ممن تخرج اخرجها واقعدها وينظر اليها وان صلحت للرجال امر بدفعها الى الزوج وان لم تصلح لم يأمره۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۸۷ الباب الرابع في الاولياء)

ومثله في البحر الرائق ج۳ ص۱۱۹ كتاب النكاح، باب الاولياء والاكفاء۔

بیوی کو وطن سفر میں ساتھ لے جانے کا مسئلہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میں بسلسلہ روزگار لندن میں مقیم ہوں، میں نے پاکستان میں ایک جگہ شادی کی، اب میں بیوی کو اپنے ساتھ لندن لے جانا چاہتا ہوں مگر میرے سسرال والے اس کو میرے ساتھ نہیں جانے دیتے، کیا میں شرعاً اس کو ساتھ لے جا سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر آپ کی بیوی آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہو تو اُس کے والدین یا دیگر رشتہ داروں کو منع کرنے کا کوئی حق نہیں اور اگر آپ کی بیوی ہی آپ کے ساتھ جانا نہیں چاہتی ہو تو مفتیٰ بہ رائے کی رُو سے اُسے ساتھ جانے کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: لکن فی النھر والذی علیہ العمل فی دیارنا انہ لایسافر بھا جبراً علیھا وجزم بہ البزازی وغیرہ وفی المختار وعلیہ الفتویٰ۔

(الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۲۹۵ باب المہر) لہ

مفقود الخبر کی موت کی خبر کا مسئلہ

سوال:۔ ایک شخص کئی سالوں تک غائب رہا، کافی مدت کے بعد کسی نے یہ اطلاع دی کہ فلاں شخص فوت ہو چکا ہے اور میں اس کے جنازہ میں بھی شرکت کر چکا ہوں (جبکہ حقیقت میں وہ زندہ تھا) اس اطلاع کے بعد اس کی بیوی نے عدتِ وفات گذار کر دوسری شادی کر لی، اب وہ شخص زندہ واپس آگیا ہے تو یہ عورت کس کی بیوی شمار ہوگی؟

الجواب:۔ کسی آدمی کے زیادہ مدت غائب رہنے سے نکاح متاثر نہیں ہوتا اور نہ خبرِ وفات کی شہرت سے نکاح ختم ہوتا ہے، اس صورتِ مسئولہ میں یہ عورت بدستور پہلے خاوند کی بیوی ہے تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: ولو ان امرأۃ اخبرھا ثقۃ ان زوجھا الغائب مات عنھا او طلقھا ثلاثاً او کان غیر ثقۃ واتاھا بکتاب من زوجھا بالطلاق الخ

لہ قال المرغینانیؒ: وقیل لایخرجھا الیٰ بلد غیر بلدھا لان الغریب یؤذی وفی قری المصر القریبۃ لاتتحقق الغربۃ۔ وقال ابن الھمامؒ: فی شرح ھٰذہ العبارۃ وافتی کثیر من المشائخ بقول الفقیہ لان النص مقید بعدم المضارۃ بقولہٖ تعالیٰ: وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ، بعد اسکنوھن والنقل الیٰ غیر بلدھا مضارۃ۔ الخ (فتح القدیر ج۳ ص۲۵ باب المہر)

فلا بأس بان تعتد ثم تتزوج ۔ (الهداية ج٤ ص٤٥٣ كتاب الكراهية) [1]

نکاح میں نان ونفقہ نہ دینے کی شرط لگانا

سوال:۔ اگر کوئی شخص بوقتِ نکاح یہ شرط لگائے کہ میں بیوی کے نان ونفقہ کا ذمہ دار نہ ہوں گا، کیا شرعاً یہ شرط درست ہے؟ اور اگر اس شرط پر نکاح ہو گیا تو شوہر بیوی کے نان ونفقہ سے مبرّا ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ میں ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو وہ ناقابلِ عمل اور باطل ہے، اور اس شرط پر کیا گیا نکاح فی ذاتہٖ جائز اور درست ہے، اور شرط کالعدم ہونے کی وجہ سے شوہر پر بیوی کے جملہ حقوق مثلاً نان ونفقہ وغیرہ لازم ہوں گے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: تحت قوله والنكاح) كتزوجتك على ان لا يكون لك مهر فيصح النكاح ويبطل الشرط ۔ (ردالمحتار ج٢ ص٣١٦، ٣١٧ كتاب النكاح) [2]

ٹیلیفون پر نکاح کا حکم

سوال:۔ اگر مجلسِ نکاح میں ایجاب وقبول ٹیلیفون کے ذریعے ہو جبکہ نکاح کے گواہ اور حاضرینِ مجلسِ نکاح اس ایجاب وقبول کو سُن بھی لیں تو کیا اس سے نکاح ہو جائے گا؟

الجواب:۔ آجکل ٹیلیفون سیٹ کئی قسم کے ملتے ہیں مثلاً (۱) وہ ٹیلیفون سیٹ جس سے

---

[1] وفي الهندية: امرأة غاب زوجها فاتاها مسلم غير ثقة بكتاب الطلاق من زوجها ولا تدري انه كتابه ام لا الا ان اكبر رايها انه حق فلا بأس ان تعتد ثم تتزوج ۔ كذا في محيط السرخسي: اذا غاب الرجل عن امرأته فاتاها مسلم عدل فاخبرها ان زوجها طلقها ثلاثاً او مات عنها فلها ان تعتد وتتزوج بزوج آخر ۔ (الفتاوى الهندية ج٥ ص٣١٣ الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات)

ومثله في فتاوى دار العلوم ديوبند ج٨ ص٥٠٦ كتاب النكاح ۔

[2] قال الشيخ مولانا محمد زكريا الكاندهلوي: ما يبطل الشرط ويصح العقد مثل ان يشترط ان لا مهر لها وان لا ينفق عليها وان لا يطأها او شرط على المرأة ان تنفق عليه او تعطيه شيئاً فهذه الشروط كلها باطلة والعقد صحيح ۔ (اوجز المسالك ج٢ ص٢٦٥ كتاب النكاح)

ومثله في فتاوى قاضي خان على هامش الهندية ج١ ص٣٣١ فصل في النكاح على الشرط ۔

صرف ایک آدمی آواز سن سکتا ہے۔ (۲) وہ ٹیلیفون سیٹ جن کے ذریعے بات کرنے والے ایک دوسرے کی تصویر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ (۳) وہ ٹیلیفون سیٹ جن کے ذریعے بات چیت کرنے والوں کی آواز حاضرین مجلس بھی سن سکتے ہیں۔ اوّل الذکر میں نکاح منعقد نہ ہوگا، اس لیے کہ گواہوں کے لیے ایجاب وقبول کا ایک ساتھ سننا ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے اور اخیرین میں چونکہ شہادت کے تمام تقاضے پورے ہو سکتے ہیں لہٰذا نکاح درست ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وشرط حضور شاهدین حرین او حر وحرتین مکلفین سامعین قولهما معاً علی الأصح۔ (الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۲۷۲ کتاب النکاح)[1]

بالغ اولاد کی شادی کرنا والدین کا فرض ہے

سوال:۔ ہمارے پٹھانوں میں یہ رواج ہے کہ جب بیٹا یا بیٹی بالغ ہو جائے تو کہتے ہیں کہ یہ باپ کے فرائض میں سے ہے کہ وہ ان کی شادی کا انتظام کرے کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب:۔ جب اولاد بالغ ہو جائے اور اسکے کفو کی لڑکی یا لڑکا مل جائے تو یہ باپ کے فرائضِ منصبی میں داخل ہے کہ وہ ان کی شادی کا بندوبست کرے اور اس میں دیر کرنا مناسب نہیں۔

عن ابی سعید وابن عباسؓ قالا قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من ولد له ولد فیحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فلیزوّجه فان بلغ ولم یزوجه فاصاب اثماً فانما اثمه علی ابیه۔

(مشکوٰة المصابیح ص۲۷۱ باب الولی)[2]

---

[1] وفی الهندیة: ومنها سماع الشاهدین کلامهما معاً هٰکذا فی فتح القدیر فلاینعقد بشهادة نائمین اذا لم یسمعا کلام العاقدین۔ الخ

(الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۲۶۸ کتاب النکاح، الفصل الاوّل)

[2] عن عمر بن الخطاب وانس بن مالک (رضی الله عنهما) عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: فی التورٰة مکتوبٌ من بلغت ابنته اثنتی عشرة سنة ولم یزوجها فاصابت اثماً فاثمُ ذٰلک علیه۔

(مشکوٰة المصابیح ص۲۷۱ باب الولی)

قوتِ گویائی سے محروم شخص کے نکاح کا حکم

سوال:۔ کیا قوتِ گویائی سے محروم شخص کا نکاح اشارے سے منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ بہت سارے احکامات میں اشارہ قائم مقام ملفوظ ہوتا ہے، اس لیے اگر نکاح کے معاملے میں فریقین یا ایک فریق بات کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ ایجاب وقبول اشارے سے کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اشارہ رشتۂ زوجیت کے انسلاک کو واضح کرتا ہو۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ: کما ینعقد النکاح بالعبارۃ ینعقد بالاشارۃ من الاخرس اذا کانت اشارتہ معلومۃ الخ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۳۱ فصل اما رکن النکاح)[1]

وکیل کے ذریعے تحریری ایجاب سے نکاح کا حکم

سوال:۔ کیا مجلسِ نکاح میں فریقین کا حاضر ہونا اور زبانی ایجاب وقبول کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر کسی کی طرف سے مجلسِ نکاح میں تحریری صورت میں بغیر اس کی موجودگی کے ایجاب پیش کیا جائے اور فریقِ ثانی گواہوں کے سامنے اُس ایجاب کو قبول کرے تو کیا اس سے نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ بہتر یہ ہے کہ دونوں عاقدین یا ان کے وکلاء مجلسِ نکاح میں موجود ہوں لیکن اگر کوئی فریق خود یا اس کا وکیل نہ ہو مگر اس کی طرف سے ایجاب مستند تحریری شکل میں موجود ہو اور فریقِ ثانی گواہوں کی موجودگی میں قبول کا اظہار کرے تو نکاح درست ہوگا۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ: ولو ارسل الیہا رسولاً وکتب الیہا بذٰلک کتاباً فقبلت بحضرۃ شاہدین سمعا کلام الرسول وقرأۃ الکتاب جاز ذٰلک لاتحاد المجلس من حیثُ المعنی۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۳۳ فصل اما شرائط النکاح)[2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ، فان کان الاخرس لایکتب وکان لہ اشارۃ کعرف فی طلاقہ ونکاحہ وشرائہ وبیعہ فہو جائز۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۲۱ کتاب الطلاق)

[2] وفی الہندیۃ: ولو ارسل الیہا رسولاً وکتب الیہا بذٰلک کتاباً فقبلت بحضرۃ الشاہدین سمعا کلام الرسول وقرأۃ الکتاب جاز ذٰلک لاتحاد المجلس من حیث المعنی۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۲۶۹ کتاب النکاح۔ باب الاوّل)

نکاح کے لیے قاضی کا لانا ضروری نہیں

سوال:۔ کیا نکاح پڑھانے کے لیے قاضی یا نکاح رجسٹرار وغیرہ کو مجلسِ نکاح میں لانا ضروری ہے کہ وہ نکاح پڑھائیں یا یہ کہ مرد و عورت کو باہم ایجاب وقبول سے گواہوں کے سامنے نکاح باندھنے کی اجازت ہے؟

الجواب:۔ جب عاقدین باہم گواہوں کے سامنے ایک مرتبہ ایجاب وقبول کرلیں تو نکاح منعقد ہوجاتا ہے، انعقادِ نکاح کے لیے رجسٹرار یا قاضی کو نکاح پڑھانے کے لیے بلانا ضروری نہیں اور نہ مروجہ نکاح نامے کو پُر کرنا لازم ہے تاہم فسادِ زمانہ اور قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے نکاح نامہ پُر کرنا مستحسن ہے۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: النکاح ینعقد بالایجاب والقبول بلفظین یعبر بہما عن الماضی ...... ولاینعقد نکاح المسلمین الا بحضور الشاہدین حرین عاقلین بالغین مُسلمین رجلین ورجل وامرأتین الخ۔ (الہدایۃ ج۲ ص۲۸۵، ۲۸۶ کتاب النکاح) [1]

نکاح نامہ پُر کرنے کی شرعی حیثیت

سوال:۔ آجکل پورے ملک میں یہ رواج ہے کہ نکاح کے وقت نکاح نامہ فارم لازمی پُر کرنا ہوتا ہے، کیا انعقادِ نکاح کے لیے شرعاً یہ فارم پُر کرنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ نکاح عاقدین کے ایجاب وقبول کا نام ہے جبکہ یہ دو گواہوں کے سامنے کیا جائے، انعقادِ نکاح کے لیے قاضی کے پاس نکاح نامہ فارم پُر کرنا، اسٹامپ لکھوانا شرعاً ضروری نہیں، تاہم آجکل کے حالات کے پیشِ نظر قانونی گرفت سے بچنے کے لیے نکاح نامہ فارم پُر کرنا مستحسن ضرور ہے۔

قال العلامۃ المرغینانی رحمہ اللہ: النکاح ینعقد بالایجاب والقبول یعبر بہما عن الماضی ...... ولاینعقد نکاح المسلمین الّا بحضور شاہدین حرین

---

[1] قال داماد آفندی رحمہ اللہ: وینعقد بایجاب عن الزوج اوعن الزوجۃ وقبولٍ من الآخر کلاہما بلفظ الماضی ...... وشرط سماع کل واحدٍ من العاقدین ..... وحضورُ شاہدین حرین اوحرٍ وحرتین عاقلین بالغین مسلمین سامعین معًا لفظہما۔

(دُرر المنتقی علیٰ ہامش مجمع الانہر ج۱ ص۳۱۹ و ۳۲۰ کتاب النکاح)

عاقلین بالغین مسلمین رجلین او رجل وامرأتین۔ الخ (الهدایة ج ۲ ص ۲۸۵، ۲۸۶ کتاب النکاح) [1]

ایجاب نامے پر دستخط کردینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی عورت سے دھوکہ سے اسٹامپ دستخط کرائے جس میں نکاح پر ایجاب وقبول درج ہو، تو کیا نفسِ تحریر سے نکاح منعقد ہوگا یا نہیں جبکہ عورت نے زبان سے قبول نہ کیا ہو؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامی میں نکاح دو گواہوں کے سامنے زبانی ایجاب و قبول کا نام ہے نفسِ تحریر سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: فلو کتب تزوجتک فکتبت قبلت لم ینعقد بحر۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۸ کتاب النکاح) [2]

ایجاب وقبول میں مطابقت ضروری ہے

سوال:۔ اگر ایجاب وقبول میں بظاہر مطابقت نہ ہو تو کیا اس سے نکاح منعقد ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ ہر معاملہ میں ایجاب وقبول کے اندر مطابقت ضروری ہے، اگر دونوں میں مطابقت نہ ہو تو معاملہ صحیح نہ ہوگا، اسی طرح اگر نکاح کے ایجاب وقبول میں بھی مطابقت نہ ہو تو نکاح درست نہ ہوگا۔

کما قال العلامة الحصکفیؒ: وینعقد النکاح بایجاب من احدهما وقبول من الآخر وضعا للمضی لان الماضی ادل علی التحقیق کزوجت نفسی او بنتی او موکلتی منک و یقول الآخر تزوجت الخ (الدر المختار علی هامش رد المختار ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب النکاح) [3]

---

[1] قال العلامة داماد افندیؒ: وینعقد بالایجاب من الزوج او من الزوجة وقبول من الآخر کلاهما بلفظ الماضی .... وشرط سماع کل واحد من العاقدین .... وحضور شاهدین حرین او حر وحرتین عاقلین بالغین مسلمین سامعین معاً لفظهما۔ الخ (درر المنتقی علی هامش مجمع الانهر ج ۱ ص ۳۱۶، ۳۲۰ کتاب النکاح)

[2] قال العلامة ابن نجیمؒ: افاد المصنف أن انعقاد النکاح بکتاب احدهما یشترط فیه سماع الشاهدین قرأة الکتاب مع قبول الآخر۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۸۹ کتاب النکاح)

[3] وفی الهندیة: ومنها ان لا یخالف القبول الایجاب فلو قال الآخر زوجتک ابنتی علی الف درهم فقال الزوج قبلت النکاح ولا اقبل المهر کان باطلاً۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۶۹ کتاب النکاح الباب الاول)

نکاح میں نابینا شخص کی گواہی

سوال: اگر نکاح کی مجلس میں دو گواہ تو موجود ہوں مگر نابینا (بصارت سے محروم) ہوں تو کیا ان کی گواہی سے نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاءِ احناف کے ہاں نکاح کے گواہوں میں چار شرائط کا ہونا ضروری ہے: (۱) حریت (۲) عقل (۳) بلوغ (۴) اسلام۔ چونکہ بینا ہونا ان شرائط میں داخل نہیں لہٰذا نکاح کے معاملہ میں ان کی گواہی احناف کے ہاں درست ہے۔

لما قال ابن نجیم المصری رحمه الله : وشرطه في الشاهد اربعة امور الحرية والعقل والبلوغ والاسلام۔ (البحر الرائق ج ٣ ص ٩٥ كتاب النكاح) [1]

مجلسِ نکاح میں گواہوں کی موجودگی ضروری ہے

سوال: کیا مجلس انعقادِ نکاح میں گواہوں کی موجودگی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: مجلس انعقادِ نکاح میں ماسوائے مالکیہ کے تمام ائمہ کے ہاں گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے، گواہوں کی موجودگی کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔

قال العلامة صدر الشريعة رح : وحضور حرين او حر وحرتين مكلفين مسلمين سامعين معاً لفظهما۔ (شرح الوقاية ج ٢ ص ٩ كتاب النكاح) [2]

زانی اور مزنیہ کا نکاح پڑھانے والے پر کوئی عتاب نہیں

سوال: اگر بے خبری میں نکاح خوان زانی اور مزنیہ کا نکاح پڑھا دے تو کیا نکاح خوان پر کوئی عتاب ہوگا یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة المرغيناني رح : ولا ينعقد نكاح المسلمين الا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين او رجل وامرأتين۔ (الهداية ج ٢ ص ٢٨٦ كتاب النكاح)

وَمِثْلُهٗ فی شرح الوقاية ج ٢ ص ٩ كتاب النكاح۔

[2] قال العلامة المرغيناني رح : ولا ينعقد نكاح المسلمين الا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين او رجل وامرأتين۔ (الهداية ج ٢ ص ٢٨٦ كتاب النكاح)

وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج ١ ص ٢٦٩ كتاب النكاح۔ الباب الاوّل۔

الجواب: زانی اور مزنیہ کا آپس میں نکاح کرنا صحیح ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وصح نکاح حبلیٰ من زنا الیٰ قولہ وان حرم وطؤھا ودواعیہ حتی تضع الیٰ قولہ لو نکحھا الزانی حل لہ وطؤھا اتفاقاً۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار ج ۲ ص ۳۱٦ فصل فی المحرمات مطلب فی وطء السراری)[1]

لہٰذا جب زانی اور مزنیہ کا آپس میں نکاح کرنا جائز ہے تو پھر نکاح پڑھانے والے (نکاح خواں) پر بھی کوئی عتاب نہیں ہوگا۔

نکاح میں صرف آمین کہہ کر قبول کرنا درست ہے

سوال: نکاح پڑھتے وقت مولوی صاحب کے اس قول کے جواب میں کہ میں نے فلاں کی بیٹی فلانہ کو اتنے حق مہر کے عوض آپ کے نکاح میں دیدی تو لڑکے نے جواب میں "قبول ہے" کی بجائے تین بار "آمین" کہا، تو کیا اس سے نکاح ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: آمین کا لفظ قبول کا فائدہ دیتا ہے اس لیے صورتِ مسئولہ میں لڑکے کا ایجاب کے مقابلے میں آمین کہنے سے نکاح درست ہے اور مہر لازم ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وعبارۃ الفتح لما علمنا ان الملاحظۃ من جھۃ الشرع ثبوت الانعقاد ولزوم حکمہ جانب الرضاء فعدینا حکمہ الی کل لفظ یفید ذلک الخ۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۲۸۷ کتاب النکاح، مطلب التزوج بارسال کتاب الخ)[2]

---

[1] قال العلامۃ المرغینانیؒ: وان تزوج حبلیٰ من زنا جاز النکاح ولا یطأھا حتی تضع حملھا الخ۔ (الھدایۃ ج ۲ ص ۲۹۱،۲۹۲ فصل فی بیان المحرمات)۔

وَمِثلُہٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۱۰٦ فصل فی المحرمات۔

[2] وفی الھندیۃ: امرأۃٌ قالت لرجل زوجت نفسی منک فقال الرجل بخداوندکاری پذیرفتم یصح النکاح ولو لم یقل الرجل ذلک لکنہٗ قال لھا شنا باش ان لم یقل بطریق الطنز یصح النکاح۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۷۲ الباب الثانی فیما ینعقد بہ النکاح ومالا ینعقد)

وَمِثلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۳ کتاب النکاح۔ الفصل الاول فی جواز النکاح والاجازۃ۔

نکاح پر اظہارِ مسرت کے بعد ناراضگی کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حاجی محمد اسلم نے اپنی لڑکی نور جہاں کی منگنی مسمی بشیر محمد ولد سلطان محمد سے آج سے تقریباً آٹھ سال پہلے کی، اور اس وقت مظفر اللہ ولد محمود خان، محمد قریش ولد مقدر، اسرار محمد ولد نوارے، عثمان غنی اور دیگر افراد کی موجودگی میں مسماۃ تورجہاں کے والد حاجی محمد اسلم نے یہ الفاظ کہے کہ "میں نے اپنی بیٹی نور جہاں کی شادی بشیر محمد ولد سلطان محمد سے کر دی" اور فضل محمد ولد سلطان محمد (جو کہ دولہا کا بھائی ہے) نے اسی وقت گواہوں کے سامنے بطور وکیل یہ الفاظ کہے کہ: "میں نے اپنے بھائی بشیر محمد ولد سلطان محمد کے لیے قبول کیا" اور سات تولہ سونا حق مہر مقرر کیا گیا، اس کے بعد مٹھائی وغیرہ بھی تقسیم کی گئی لیکن رواج اور عرف کی وجہ سے یہ کاروائی تحریر میں نہ لائی جاسکی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:۔

(۱) قرآن وسنت کی رُو سے مندرجہ بالا الفاظ کہنے سے یہ نکاح منعقد ہُوا ہے یا نہیں؟ حالانکہ مذکورہ لڑکی تورجہاں کو اس کاروائی کی خبر کردی گئی تھی اور وہ راضی بھی تھی، جبکہ پٹھانوں کے رواج کے مطابق سونے کی انگوٹھی بطور نشانی اُسے پہنادی گئی۔

(۲) اب اتنا عرصہ گذرنے کے بعد چند ماہ پہلے مسماۃ تورجہاں دختر حاجی محمد اسلم نے کہا کہ میں خوش نہیں ہوں حالانکہ اس سات آٹھ سال کے عرصے میں وہ برابر خوشی کا اظہار کرتی رہی اس کے بعد مسماۃ نور جہاں نے اپنے والد کی مرضی اور اسے اطلاع کیے بغیر چوری چھپے مسمی خالد سے نکاح کرلیا اور سرکاری کاغذات میں بھی نکاح رجسٹرڈ کرالیا —— اب عرض یہ ہے کہ حاجی محمد اسلم جو کہ دُلہن کا والد ہے (اور اب بھی بقائمی ہوش وحواس ہے) نے عدالت میں یہ گواہی دی ہے کہ میں نے اپنی بیٹی نور جہاں کا نکاح تقریباً آٹھ سال پہلے مسمی بشیر محمد ولد سلطان محمد سے کر دیا تھا۔ تو اس کے باوجود قرآن وسنت کی روشنی میں نور جہاں کا نکاح مسمی خالد سے منعقد ہوگیا ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ لڑکی اس طریقہ سے والد کی مرضی کے بغیر اپنا سابقہ نکاح فسخ کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ (۱) شریعتِ محمدی میں نکاح جانبین کی طرف سے باہمی ایجاب وقبول کو کہا جاتا ہے چاہے یہ ایجاب وقبول عاقدین کے وکلاء کے مابین ہوں یا خود عاقدین ایک دوسرے سے ایجاب وقبول کرلیں تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ لما فی الدرالمختار: وینعقد

ملبسًا بایجاب من احدهما وقبول من الآخر وضعًا للمضی ..... الخ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۲۶۳ کتاب النکاح)

(۲) اور گواہوں کی موجودگی اور حق مہر کا تقرر بھی نکاح کی شرائط میں سے ہے ۔

قال العلامة الحصکفیؒ : وشرط حضور شاهدین حرین او حر و حرتین مکلفین الخ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۲۷۲ کتاب النکاح)

ولقوله تعالی : وابتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین ۔ الآیۃ

(۳) اور جب ایک عورت کا نکاح اس کی خوشی اور رضامندی سے کسی مرد سے کر دیا جائے یا بغیر اس کے علم کے کر دیا جائے اور اس کی خبر ہونے کے بعد وہ اُسے رد نہ کرے بلکہ اس پر خاموش رہے یا رضامندی کا اظہار کر دے تو اس کے بعد عورت کا نکاح سے انکار ناقابلِ مسموع ہو گا ۔

قال العلامة الحصکفیؒ : فان استاذنها هو ای الولی او وکیله او رسوله او زوجها ولیها واخبرها رسوله او فضولیٌ عدل فسکتت او ضحکت غیر مستهزأة او تبسمت او بکت بلا صوت فهو اذن ۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۲۹۹ کتاب النکاح)

ان جملہ مقدمات کے بعد صورتِ مسئولہ کے مطابق حاجی محمد اسلم کی بیٹی نور جہاں کا نکاح بشیر محمد ولد سلطان محمد کے ساتھ منعقد ہو چکا ہے اور شرعاً یہ لڑکی اس کی منکوحہ ہے لہٰذا خالد کے ساتھ اس کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوا ہے اور خالد کا نکاح منکوحۃ الغیر کے ساتھ نکاح ہے جو بنصِ قرآنی ممنوع ہے ۔

لقوله تعالی : وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ۔ (سورۃ النساء آیت عـــ)

قال لعلامة الحصکفیؒ : واما النکاح منکوحة الغیر ومعتدته ..... لانه لم یقل احد بجوازه فلم ینعقد اصلاً ۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۶۵۹ باب العدۃ)

نکاح کے انعقاد کو صفحۂ قرطاس پر لانا شرعاً ضروری نہیں ہے بلکہ صرف گواہوں کی موجودگی شرط ہے لہٰذا مسماۃ نور جہاں بنت حاجی محمد اسلم شرعاً بشیر محمد ولد سلطان محمد کی منکوحہ ہے اور مسمی خالد سے اس کا نکاح کالعدم ہے اور اسی طرح مسماۃ نور جہاں کا بشیر محمد ولد سلطان محمد سے نکاح کے لیے اجازت دینے کے بعد نکاح پر عدم رضامندی کا اظہار کرنا بھی ناقابلِ تسلیم ہے ۔

حلفاً نکاح کا وعدہ کرنے کی شرعی حیثیت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میں ایک شخص کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی، ایک دفعہ مجھے اکیلا دیکھ کر قرآن مجید لے کر وہ میرے پاس آگیا اور مجھے ڈرا دھمکا کر کہنے لگا کہ اس پر ہاتھ رکھ کر کہو کہ تم مجھ سے شادی کرو گی، میں نے خوف کی وجہ سے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر ہاں کہہ دیا، کیا ایسا کرنے سے میرا اس شخص کے ساتھ نکاح ہوگیا ہے یا میں آزاد ہوں؟ میں اب بھی اس کو دیکھنا نہیں چاہتی، اگر میں نے یہ گناہ کیا ہے تو قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا کفارہ بھی بتائیں، میں دعا گو رہوں گی۔ (ایک دکھی بیٹی)

الجواب:۔ سوال میں مذکورہ الفاظ نکاح کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ وعدۂ نکاح ہے اور اگر یہ الفاظ الفاظِ نکاح ہوتے تو پھر بھی نکاح نہ ہوتا، کیونکہ مستفتیہ کے بیان کے مطابق یہ بات بغیر گواہوں کے ہوئی ہے۔ لہٰذا آپ آزاد ہیں، البتہ بظاہر یہ معاملہ حلف وقسم کا ہے اس لیے حنث کی صورت میں کفارہ دینا پڑے گا۔

خطبہ پر خطبہ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کے ساتھ ایک عورت کا رشتہ طے ہوگیا ہے اب دوسرے لوگوں کا اس عورت کے ساتھ رشتہ کی بات کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ جب کسی عورت کا ایک جگہ رشتہ طے پاجائے تو جب تک لڑکے اور لڑکی کے رشتہ دار اس رشتہ سے اعراض نہ کریں تو دوسرے لوگوں کے لیے اس عورت سے رشتہ کی بات کرنا شرعاً جائز نہیں، اس سے شرع کی مخالفت لازم آتی ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث ولا تجسسوا ولا تحسسوا ولا تباغضوا وكونوا إخوانا ولا يخطب الرجل على خطبة أخيه حتى ينكح أو يترك۔

(صحیح البخاری کتاب النکاح ج۵ ص۱۹۶) [1]

◆

---

[1] قال ابن عابدینؒ: ولا يخطب مخطوبة غيره لأنه جفاء وخيانة۔
(ردّ المحتار ج۳ ص۹ کتاب النکاح)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۳ ص۸ کتاب النکاح۔

بوقتِ نکاح چھوہارے پھینکنا سُنّت ہے

سوال:۔ نکاح کے وقت چھوہارے پھینکنا سُنّت ہے یا کہ حاضرینِ مجلسِ نکاح میں فرداً فرداً تقسیم کرنا افضل ہے۔

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک اور فقہاء کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلسِ نکاح کے شرکاء میں فرداً فرداً چھوہارے تقسیم کرنے کی بجائے پھینکنا سنت ہے۔

ذکر العلامہ ظفر احمد العثمانیؒ: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضر فی املاک (ای نکاح) فاتی بطباق علیہا جوز ولوز وتمر فنثرت فقبضنا ایدینا فقال ما بالکم لا تأخذون فقالوا لانک نہیت عن النہبیٰ فقال متما نہیتکم عن نہبی العساکر خذوا علی اسم اللہ فجاذبنا وجاذبناہ۔ (اعلاء السنن ج ١١ ص١١ کتاب النکاح، باب الولیمۃ) [1]

اغواء سے نکاح متاثر نہیں ہوتا

سوال:۔ ایک عورت کو اغواء کرکے اغوا کنندہ نے اس سے دوسرا نکاح کرلیا تو کیا دوسرے نکاح سے عورت کے پہلے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ جب ایک مرتبہ کسی عورت کا نکاح کسی مرد سے ہوجائے تو یہ عورت اس مرد کی بیوی ہے، اب اس کا کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا ناجائز ہے اور اس سے پہلا نکاح متاثر نہیں ہوگا جب تک خاوند اس کو طلاق نہ دے۔

لما فی الہندیۃ: لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ وکذلک المعتدۃ۔
(الفتاویٰ الہندیۃ ج ١ ص٢٨٠ الباب الثالث فی بیان المحرمات) [2]

---

[1] لما فی خیر الفتاویٰ: سوال:۔ شادی کے موقع پر چھوہارے پھینکنا سُنّت ہے یا تقسیم کرنا سُنّت ہے؟
الجواب: صورتِ مسئولہ میں شادی کے موقع پر چھوہارے پھینکنا سُنّت ہے۔
(خیر الفتاویٰ ج ٤ ص٥٨٥ کتاب النکاح، باب متفرقات النکاح)

[2] قال عالم بن علاء الانصاریؒ: ولا یجوز نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدۃ الغیر عند الکل (الفتاویٰ التاتارخانیہ ج ٢ ص١١ کتاب النکاح، فی بیان ما یجوز من الانکحۃ وما لا یجوز)
ومثلہ فی رد المحتار ج ٢ ص٣٠ فصل فی المحرمات۔

سول میرج کا شرعی حکم

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو مسلمان یورپین ممالک میں "سول میرج" کے ذریعے شادی کرتے ہیں، شریعتِ اسلامیہ میں ایسے مسلمانوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور کیا اس نظریہ کو شریعتِ اسلامیہ قبول کرتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں کرتی تو ان کی جو اولاد پیدا ہوتی ہے اسلامی معاشرے میں اس کی کیا حیثیت ہوتی ہے اور اس کو کس نظر سے قبول کرتا ہے اگر نہیں کرتا تو ایسے میاں بیوی کا اسلامی معاشرے میں کیا درجہ رہ جاتا ہے؟ اس کے علاوہ اگر وہ "سول میرج" کے بعد اسلامی قواعد و ضوابط کے مطابق دوبارہ تجدیدِ نکاح کرلیں تو پھر ان کی پوزیشن کیا ہوگی؟

الجواب :- صورتِ مسئولہ میں چونکہ "سول میرج" کی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ "سول میرج" کس طریقہ پر کیا جاتا ہے، تاکہ شرعی نکاح اور سول میرج کا مقابلہ کرکے اس جواز اور عدمِ جواز پر کچھ اظہارِ خیال کیا جاسکتا۔ تاہم اپنی معلومات کی حد تک شرعی طریقہ کے مطابق ازدواجی سلسلے کے چند اصول قانونی شکل میں پیش کیے جاتے ہیں، اگر سول میرج ان اصولوں کے مطابق ہو تو اس کو نکاح تسلیم کیا جائے اور اس پر تمام وہ احکام جاری ہوں گے جو کہ شرعی نکاح پر جاری ہوتے ہیں، اور اگر "سول میرج" ان اصولوں کے مخالف ہو تو شریعتِ اسلامی اس کو "نکاح" تسلیم نہیں کرے گی، اور ایسے میاں بیوی سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ ولدالزنا شمار کی جائے گی۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے تو یہ ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ مطلق نکاح قطع نظر منکوحین کے بالغ یا نابالغ ہونے سے آیا دنیا کا کام ہے یا دین کا، تاکہ اس سے یہ سمجھنا آسان ہو کہ اس میں تصرف کرنا یہ تصرف فی الدنیا ہے یا فی الدین! سو اس کا ایک معیار ہے، وہ یہ کہ جس کا شریعت میں تاکیدی یعنی وجوبی یا ترغیبی یعنی استحبابی حکم کیا گیا ہو یا اس پر ثواب کا وعدہ کیا گیا ہو، تو وہ دین کا کام ہے۔ پھر اگر اس کے ترک کرنے پر کوئی وعید یا ناراضگی بھی وارد ہوئی ہو تو وہ فرض ہے یا واجب، اور جس کے ترک پر کوئی وعید یا ناراضگی وارد نہ ہوئی ہو تو وہ مستحب ہے، اور جس میں یہ بات نہ ہو وہ دنیا کا کام ہے، اگرچہ اس کے متعلق جو احکام

وارد ہوں وہ احکام ہر حال میں دین ہی ہیں، اور جس اعتقاد یا عمل سے ان احکام میں تغیر ہوتا ہو وہ تغیر فی الدین ہے — اب نکاح کو اس معیار پر منطبق کر کے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ دین کا کام ہے، کہ بعض حالات میں اس کا تاکیدی اور بعض میں ترغیبی حکم بھی ہے، اور اس پر ثواب کا وعدہ بھی ہے اور اس کے ترک پر مذمت اور شناعت بھی فرمائی گئی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وانکحوا الایامیٰ منکم (سورۃ النور ع ۱۱) تم میں سے جو بے نکاح عورتیں ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو۔ وغیرہا من الآیات والاحادیث۔

علماء امت اور ائمہ کے اقوال سے بھی اس کے امرِ دینی ہونے کا اثبات موجود ہے، دُرِّ مختار میں ہے: لیس لنا عبادۃ شرعت من عهد آدم علیه السلام الی الآن ثم تستمر فی الجنة الا النکاح والایمان۔ اس میں نکاح کے عبادت ہونے کی تصریح ہے، اور عبادت بھی ایسی کہ تمام شرائع میں مشترک اور عبادت کے دینی کام ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے، اگرچہ اس کے استمرار فی الجنۃ پر بعض نے کلام کیا ہے لیکن باقی دوسرے اجزا سب کے نزدیک مسلّم ہیں — اور شامی میں لکھا ہے: وقدمهٗ علی الجهاد الیٰ قوله وکذا علی العتق والوقف والاضحیة وان کانت عبادات ایضاً لانهٗ اقرب الی الارکان الاربع حتیٰ قالوا ان الاشتغال به افضل من التخلی لنوافل العبادات ای الاشتغال به وما یشتمل علیه من القیام بمصالحه واعفاف النفس من الحمام وتربیة الولد ونحو ذلک اھ

دیکھئے اس عبارت میں کس شد و مد کے ساتھ نکاح کی فضیلتِ دینیہ کو بیان کیا گیا ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ نکاح ایک امرِ دینی ہے اور ہر ایک دینی کام کے لیے شریعت نے کچھ اسلوب اور طریقے بیان کیے ہیں، نکاح کے لیے بھی ضرور ارکان اور شرائط ہوں گے، جن کے مطابق اگر کیا جائے تو اس کو نکاح کہا جائے گا اور اس پر سب نتائج درست مرتب ہوں گے، اور اگر ان شرائط اور ارکان کے مطابق نہ کیا جائے تو اس کو شرعاً نکاح نہیں کہا جائے گا اور اسلامی معاشرہ میں اس کی کوئی وقعت نہ ہوگی اور بجائے بہتر نتائج کے بد نتائج اس پر مرتب ہوں گے — اس مقصد کے حصول اور اس مشکل کے حل

کے لیے جب ہم اپنی شریعتِ اسلامی کی کتابوں کی تتبع اور تلاش کرتے ہیں تو کتابوں میں اس کے متعلق ایک مستقل بحث "کتاب النکاح" کی شکل میں موجود ہے جس کا مطالعہ کرنے سے شرعی نکاح کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ شریعتِ اسلامی کے فقہاء کرام نے شرعی نکاح کی تفسیر یوں بیان کی ہے: هو عقد يفيد ملك المتعة اى حل استمتاع الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي۔ الدرالمختار ج ۲ ص ۳ کتاب النکاح۔ یعنی یہ مرد اور عورت کے درمیان ایک ایسا ربط و تعلق قائم کرتا ہے کہ جس سے آدمی کو عورت سے اور عورت کو آدمی سے نفع حاصل کرنا حلال ہو جاتا ہے۔ جن الفاظ سے یہ خاص ربط و تعلق پیدا ہو جاتا ہے وہ نکاح کے ارکان ہیں۔ کسی چیز کا رکن اس کو کہتے ہیں کہ اس چیز کی ذات کا دارومدار اسی پر ہو۔ واما ركنه فالايجاب والقبول كذا فى الكافى۔ والايجاب ما يتلفظ به اولاً من اى جانب كان والقبول جوابه۔ هكذا فى العناية۔ یعنی شرعی نکاح کا انعقاد ایجاب و قبول سے ہوتا ہے، چاہے یہ ایجاب و قبول خود مرد و عورت کر لیں، اگر خوفِ فتنہ نہ ہو یا بذریعہ اولیاء یا وکیل یا فضولی کے ہو جائے۔ اب اس ایجاب و قبول کے معتبر اور مسلّم ہونے کے لیے چند شرائط ہیں جن پر اس ایجاب و قبول کے معتبر ہونے کا توقف ہے۔ واما شروطه فمنها العقل والبلوغ والحرية فى العاقد الاول شرط الانعقاد فلا ينعقد نكاح المجنون والصبى الذى لا يعقل والاخيران شرط النفاذ فان نكاح الصبى العاقل يتوقف نفاذه على اجازة وليه هكذا فى البدائع۔ ومنها المحل القابل وهى المرأة التى احلها الشرع بالنكاح كذا فى النهاية۔ ومنها سماع كل من العاقدين كلام صاحبه هكذا فى فتاوى قاضى خان۔ ومنها الشهادة قال عامة العلماء انها شرط جواز النكاح هكذا فى البدائع ومنها سماع الشاهدين كلامهما معاً، هكذا فى فتح القدير ومنها رضا المرأة اذا كانت بالغة بكراً كانت اوثيباً ومنها ان يكون الايجاب والقبول فى مجلس واحد۔ الخ ومنها ان لا يخالف القبول الايجاب ومنها ان يضيف النكاح

الی کلہما اومایعبر من الکل ... الخ۔ ومنہا ان یکون الزوج والزوجۃ معلومین فلو زوج بنتہ ولہٗ بنتان لایصح الا اذا کانت احداہما متزوجۃ فینصرف الی الفارغۃ کذا فی انہما لفائق والکل۔

(الفتاوٰی الہندیۃ ج ١ ص ٢٨٥ تا ص ٢٨٧ کتاب النکاح)

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ ایجاب وقبول کرنے والا عاقل بالغ اور آزاد ہو۔ اس میں اوّل شرط یعنی عقل شرطِ انعقاد ہے، اس لیے کہ مجنون اور صبی غیر عاقل کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، اور آخیر دو شرط بلوغ وحریت شرائط ہیں نفاذِ نکاح کے کیونکہ اگر لڑکا عاقل ہو تو اس کا نکاح منعقد تو ہو جاتا ہے مگر اجازتِ ولی پر موقوف ہوتا ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ جس عورت کے ساتھ نکاح ہو رہا ہے وہ محل صالح ہو یعنی وہ عورت محرماتِ شرعیہ سے نہ ہو بلکہ شریعتِ مطہرہ نے نکاح میں لینا اس کا حلال کیا ہو، اور یہ کہ نکاح کرنے والے متعاقدین ایک دوسرے کی بات سُن لیں۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ یہ ایجاب وقبول روبروئے گواہان کے ہو جس کو شہادت کہتے ہیں۔

عام علماء نے یہ لکھا ہے کہ شہادت جوازِ نکاح کے لیے شرط ہے، اگر ایجاب و قبول ہو جائے مگر روبروئے گواہاں کے نہ ہو تو یہ نکاح ہی نہیں ــــ اور یہ بھی شرط ہے کہ شاہدین (گواہان) دونوں متعاقدین کی بات سُن لیں۔ اگر عورت بالغہ ہو، چاہے باکرہ ہو یا ثیبہ، تو اس کی رضامندی اور اجازت لینا بھی ضروری ہے، اور یہ کہ ایجاب و قبول ایک ہی مجلس میں ہوں، اور یہ کہ قبول ایجاب سے مخالف نہ ہو، اور یہ کہ نکاح کی اضافت اس کے کل بدن کی طرف ہو یا ایسے جزء کی طرف جس کو کل بدن سے تعبیر کیا جاتا ہو۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ زوج اور زوجہ دونوں معلوم ہوں مجہول نہ ہوں۔

ان شرائط اور ارکان کے علاوہ نکاح میں بعض امور ایسے ہیں جو سُنن اور مستحبات کے درجہ میں ہیں جن پر عمل کرنے سے اس ازدواجی سلسلہ میں خیر وبرکت پیدا ہوتی ہے۔ فقہ اسلامی کی معتبر کتاب "درمختار" میں ہے: ویندب اعلانہٗ وتقدیم

خطبة۔ وفی الشامی: لحدیث الترمذی اعلنوا هذا النکاح وجعلوه فی المساجد۔ (الحدیث) والمراد من تقدیم الخطبة ما یذکر قبل اجرا العقد من الحمد والتشهد وانها لا تتعین بالفاظ مخصوصة وان خطب بما ورد فهو احسن۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اعلانِ نکاح مستحب ہے، اور اسی طرح ایجاب و قبول کرنے سے قبل خطبہ پڑھنا جو حمد و شہادت پر مشتمل ہو مستحب ہے — آگے لکھتے ہیں: وکونه فی المسجد یوم جمعة بعاقد رشید وشهود عدل والاستدانة له والنظر الیها قبله وکونها دونه سنًا وحسبًا وغرًا ومالًا وفوقه خلقًا وادبًا وورعًا وجمالًا — مگر یہ تمام امور ایسے ہیں کہ جن سے اس ازدواجی سلسلہ میں مزید استحکام اور خیر و برکت پیدا ہوتی ہے، اور یہ امور شرائط اور ارکان نہیں ہیں کہ جن کے نہ ہونے سے نکاح صحیح نہ ہوگا بلکہ یہ مستحب امور ہیں جن کا لحاظ رکھنا نہ رکھنے سے بہتر ہے۔

اس تمام تفصیل کو مدنظر رکھ کر شرعی نکاح کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے، اور اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ "سول میرج" (جو یورپ وغیرہ میں مسلمان لوگ کرتے ہیں) اور "شرعی نکاح" میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔ اگر جواب نفی میں ہے کہ دونوں میں کچھ فرق نہیں تو فبہا ونعمت، اور اگر جواب اثبات میں ہے کہ دونوں میں کچھ فرق ہے تو سول میرج کو ہرگز شرعی نکاح نہیں کہا جا سکے گا۔ ہاں اگر بعد میں مذکورہ بالا شرائط کے مطابق تجدیدِ نکاح کر لیں تو درست ہوگا، ورنہ حرام کاری سے جو گندگی معاشرہ میں پھیلتی ہے وہ اس کا لازمی نتیجہ ہوگا۔ عقلِ سلیم، فطرتِ اسلامی اور شریعتِ اسلامیہ مرد و عورت کے ایسے بے باکانہ اور اصولِ دین کے خلاف ملنے کو ہرگز تسلیم نہیں کرے گا۔

هذا ما عندی واللہ اعلم وعلمه اتم واحکم

* *

حضرت آدم علیہ السلام کے نکاح کے گواہوں کی تحقیق

سوال: حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح کس جگہ ہوا اور کس نے یہ نکاح کیا، نیز اس کے گواہ کون تھے اور حقِ مہر کیا مقرر ہوا؟

الجواب: اس مسئلہ کے متعلق وحی (قرآن وحدیث) میں کوئی تفصیل نہیں ملتی اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو وحی کے ذریعہ سے اذنِ استمتاع ملا جیسا کہ ہمیں گواہوں کے روبرو ایجاب وقبول کرنے سے اذن ملتا ہے۔ البتہ حق مہر کے متعلق بعض روایات میں آیا ہے کہ پیغمبرِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا حق مہر قرار دیا گیا۔ کما فی الصاوی وغیرہ فلیراجع۔

لما قال العلامۃ احمد الصاوی المالکی رحمہ اللہ: وقد خلقت بعد دخوله الجنة نام فلما استيقظ وجدها فاراد ان يمد يده اليها فقالت له الملئكة مه يا آدم حتى تؤدي مهرها وما مهرها فقالوا ثلاث صلوات او عشرون صلاة على سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم۔

(الصاوی ج ۱ ص ۲۲ سورۃ البقرۃ)

باب من یجوز بہا النکاح ومن لا یجوز

(کن عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے اور کن کے ساتھ ناجائز ہے)

خنثیٰ مشکل سے نکاح کا حکم

سوال:۔ خنثیٰ مشکل سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ نکاح کے لیے محل نکاح ہونا ضروری ہے خنثیٰ مشکل چونکہ محلِ نکاح نہیں اس لیے خنثیٰ مشکل سے نکاح جائز نہیں ؟

قال الحصکفیؒ: ای حل استمتاع الرجل من إمرأۃ لم یمنع من نکاحها مانع شرعی فخرج الذکر والخنثی المشکل۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۱ کتاب النکاح)[1]

بانجھ عورت سے نکاح کرنا

سوال:۔ بانجھ عورت سے نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ بانجھ عورت سے نکاح کرنے میں چونکہ بعض منافع حاصل ہوتے ہیں اس لیے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم نکاح سے چونکہ اعلیٰ مقصود افزائش نسل ہے اس لیے بانجھ عورت کے علاوہ کسی صحیح اور قابلِ اولاد عورت سے نکاح کرنا افضل ہے۔

بوب الامام النسائی فی سننہ "کراھیۃ تزویج العظیم" وذکر تحتہ حدیثاً عن معقل بن یسارؓ قال جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اصبت إمرأۃ ذات حسب ونسب إلا أنها لا تلد أفأتزوجها فنهاہ ثم أتاہ الثانیۃ فنهاہ ثم أتاہ الثالثۃ فنهاہ وقال تزوجوا الولود الودود فإنی مکاثر بکم۔ (سنن النسائی ج۶ ص۵۴)[2]

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ:۔ وفی العنایۃ محلہ إمرأۃ لم یمنع من نکاحها مانع شرعی فخرج الذکر للذکر والخنثی مطلقاً۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۶ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی الهندیۃ ج۱ ص۲۶۷ کتاب النکاح۔ الباب الاوّل فی تفسیرہ شرعاً۔

[2] قال الشیخ خلیل احمد السهارنفوریؒ، (تحت حدیث معقل بن یسار جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ) وهذا یدل علی أن النهی ما کانت للتحریم بل کان مبنی النهی المکاثرۃ فی الأخرۃ وهی لا تقتضی التحریم۔ (بذل المجهود ج۱۰ ص۱۵)

ومثلہٗ فی نیل الاوطار ج۶ ص۱۱۰ تا ۱۱۲ وعون المعبود ج۶ ص۴۵

پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کرنا شرعاً جرم نہیں

سوال:۔ ملکی قانون کے اعتبار سے دوسری شادی کے لیے خاوند کو اپنی پہلی بیوی سے بذریعہ یونین کونسل اجازت لینا ضروری ہے اور پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کرنا عائلی قوانین کی رُو سے جرم سمجھا جاتا ہے، کیا از روئے شرع بھی یہ جرم ہے؟

الجواب:۔ پہلی بیوی کے جملہ حقوق کی رعایت کرتے ہوئے دوسری شادی کرنا خاوند کا انفرادی حق ہے اس میں پہلی بیوی سے اجازت لینا شرعاً ضروری نہیں اور نہ کسی یونین کونسل کو اس میں واسطہ بنانا ضروری ہے، ایسا کرنا قانونی تقاضا تو ہو سکتا ہے شریعتِ اسلامی کا نہیں۔

قال اللہ تبارك وتعالیٰ: "فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ" (الآیۃ)

قال العلامۃ طاہر البخاریؒ: رجل له إمرأۃ أراد يتزوج إمرأۃ أخرىٰ إن خاف أن لا يعدل لا يسعه وإن لم يخف جاز۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص۲۲۶ کتاب النکاح)[1]

زانی اور مزنیہ کے درمیان نکاح

سوال:۔ زانی اور مزنیہ کے درمیان رشتۂ نکاح قائم ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زانی اور مزنیہ کے درمیان نکاح ہو سکتا ہے، شرعاً اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔

قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: أما تزوّج الزانی فجائز اتفاقاً وتستحق النفقة عند الكل ويحل وطؤها عند الكل كما في النهاية۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۰۶ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)[2]

---

[1] عن ابن عمر رضی اللہ عنه أن غيلان بن سلمة الثقفی اسلم وله عشر نسوة في الجاهلية فأسلمن معه فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم: أمسك اربعاً وفارق سائرهن۔ رواه احمد والترمذی وابن ماجة۔ (مشکوٰۃ ج۲ ص۲۷۴ باب المحرمات)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۵ کتاب النکاح، فصل الجمع فی الوطئ۔

[2] قال الحصکفی رحمہ اللہ: لو نكحها الزانی حل وطؤها اتفاقاً۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۴۹ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۹ کتاب النکاح، فصل ان لا یکون بها حمل۔

حاملہ عورت سے نکاح کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حاملہ عورت سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی عورت نکاح سے حاملہ ہو تو وضع حمل تک اس سے نکاح کرنا جائز نہیں اور اگر زنا سے حاملہ ہو تو اگرچہ نکاح کرنا جائز ہے لیکن اگر اُسی زانی سے نکاح ہو گیا ہو تو اُس کے لیے جماع بھی جائز ہے اور اگر کسی اور سے نکاح ہو گیا ہو تو اس شخص کے لیے وضع حمل تک جماع ممنوع ہے۔

قال العلامة الکاسانیؒ: ومنها ان لا یکون بها حمل ثابت النسب فان کان لا یجوز نکاحها...... وعلیٰ هٰذا یخرج ما اذا تزوج إمرأة حاملاً من الزنا انهٗ یجوز فی قول ابی حنیفةؒ ومحمدؒ ولکن لا یطؤها۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۹ کتاب النکاح۔ فصل ومنها ان لا یکون بها حمل) [1]

سوتیلی ماں کی بیٹی سے نکاح کا مسئلہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ سوتیلی ماں کی بیٹی جو اس کے پہلے شوہر سے ہو، کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر اور کوئی ذریعۂ حُرمت موجود نہ ہو تو سوتیلی ماں کی بیٹی سے نکاح کرنا از روئے شرع جائز ہے۔ صورتِ مسئولہ میں بظاہر چونکہ کوئی ایسی صورت نہیں اس لیے سوتیلی ماں کی بیٹی جو اسکے پہلے شوہر سے ہو، سے نکاح جائز ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: وأما بنت زوجة أبیه أو ابنه فحلال۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۳۱ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات) [2]

---

[1] وقال ابن نجیمؒ: ای وحل تزوج الحبلیٰ من الزنا ولا یجوز تزوج الحبلیٰ من غیر الزنا...... أما تزوج الزانی فجائز اتفاقاً وتستحق النفقة عند الکل ویحل وطؤها عند الکل کما فی النهایة۔
(البحر الرائق ج۳ ص۱۰۶ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات)
ومِثلُهٗ فی ردّ المحتار ج۳ ص۴۸ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات۔

[2] وقال الشیخ وهبة الزحیلی: والمحرم بهٰذه الاٰیة هو زوجة الأب فقط أما بنتها أو أمها فلا تحرم علی الابن۔ (الفقه الاسلامی وأدلّتُهٗ ج۷ ص۱۳۲ حرمة القرابة الخ)
ومِثلُهٗ فی منحة الخالق علیٰ هامش البحر الرائق ج۳ ص۹۴ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات۔

مخطوبۃ الأب سے نکاح جائز ہے

سوال:- ایک شخص نے کسی عورت سے باقاعدہ نکاح نہیں کیا صرف نکاح کا پیغام دیا ہے، اب اس شخص کے فوت ہو جانے کے بعد اس شخص کا بیٹا اس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے ؟

الجواب:- اگر اس مرد اور عورت کا باقاعدہ ایجاب وقبول نہیں ہوا ہے تو اس صورت میں اس مرد کے اعراض کرنے یا فوت ہو جانے کے بعد اس کا بیٹا اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے، اس لیے کہ یہ عورت اس شخص کے باپ کی منکوحہ نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ مصاھرۃ) وتحرم موطوٴات آبائہ وأجدادہ وإن علوا ولو بزنا والمعقودات لھم علیھن بعقد صحیح (ردالمحتار ج۳ ص۲۸ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)[1]

بیوہ عورت سے نکاح کرنا جائز ہے

سوال:- جو عورت بیوہ ہو جائے اس سے نکاح کرنے میں شرعاً کوئی حرج تو نہیں ؟

الجواب:- جب کوئی دوسری وجہ حرمت موجود نہ ہو تو بیوہ عورت سے نکاح درست ہے، شریعت مقدسہ میں کہیں بھی بیوہ عورت سے نکاح ناجائز ہونے کا کوئی ذکر نہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے باقی تمام ازواجِ مطہرات بیوہ یا مطلقہ تھیں، اس لیے بیوہ عورت سے نکاح کرنے کو منحوس جاننا زیادت علی الشرع ہے۔

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: "وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ الخ" والایامی جمع الأیّم من النساء من لا زوج لھا بکرا کانت او مطلّقۃ أو أرملۃ۔ (معجم لغۃ الفقہاء ص۹۹)[2]

---

[1] قال ابن نجیمؒ: أی ینعقد النکاح أی ذلک العقد الخاص ینعقد بالایجاب والقبول حتی یتم حقیقۃ فی الوجود۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۱ کتاب النکاح)

وَمِثلُہٗ فی البدائع الصنائع ج۲ ص۲۲۹ کتاب النکاح۔ فصل رکن النکاح۔

[2] وعن انس رضی اللہ عنہ قال من السنۃ إذا تزوج الرجل البکر علی امرأتہ أقام عندھا سبعًا وقسم واذا تزوج الثیب علی إمرأتہ قام عندھا ثلاثا۔

(نصب الرایۃ ج۳ ص۲۱۵ کتاب النکاح۔ باب القسمۃ)

وَمِثلُہٗ فی ردّالمحتار ج۲ ص۳۳۴ کتاب النکاح۔

سوتیلی ساس سے نکاح کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ سوتیلی ساس سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: دو رشتہ دار عورتوں کا ایک شخص کے نکاح میں جمع ہونا تب حرام ہے جب دونوں میں سے ہر ایک مرد فرض کر کے دوسری اس کے لیے حرام ہے، چونکہ صورت مسئولہ میں صرف ایک جانب سے حُرمت ہے دوسری جانب سے نہیں، اس لیے سوتیلی ساس سے نکاح جائز ہے اگرچہ اس کی سوتیلی بیٹی اس کے نکاح میں پہلے سے موجود ہو۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: فجاز الجمع بین إمرأۃ وبنت زوجها..... لأنه لو فرضت المرأۃ ذکراً لم یحرم بخلاف عکسه۔ (الدر المختار علی صدر ردالمحتار ج۳ ص۳۹ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)[1]

سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: سوتیلی ماں کی بہن اور اس مرد کے درمیان کوئی ایسا رشتہ نہیں جس کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان نکاح جائز نہ ہو، اور یہ عورت نہ محرمات علی التابید اور نہ محرمات غیر مؤبد میں شامل ہے، اس لیے سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح درست ہے۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ: والمحرمات علی التابید ثلاثۃ انواع محرمات بالقرابۃ والمحرمات بالمصاھرۃ ومحرمات بالرضاع۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۲۵۶ کتاب النکاح فصل ان تکون المرأۃ محللۃ)[2]

---

[1] قال فی الھندیۃ: ویجوز (الجمع) بین المرأۃ وبنت زوجها فان المرأۃ لو فرضت ذکراً حلت له تلك البنت بخلاف العکس۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۷ فصل فی المحرمات)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۹۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات۔

[2] قال العلامۃ الحصکفی رحمه اللّٰه: أسباب التحریم انواع قرابۃ مصاھرۃ رضاع جمع ملك شرك إدخال أمۃ علی حرۃ فهی سبعۃ ذکرها المصنف بهذا الترتیب وبقی التطلیق ثلاثا وتعلق حق الغیر بنکاح أو عدۃ ذکرهما فی الرجعۃ۔
{الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۲۸
کتاب النکاح، فصل فی المحرمات}
وَمِثْلُهٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۳ الباب الثالث فی المحرمات۔

بیوی کی وفات کے چند دن بعد اس کی بہن سے نکاح کرنا

سوال:۔ جب کسی شخص کی بیوی فوت ہو جائے تو اس کی وفات کے ایک یا دو دن بعد وہ اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خاوند کے لیے بیوی کا سوگ منانے کی ضرورت نہیں اور نہ اس پر عدت ہے، اس لیے بیوی کے فوت ہونے کے فوراً بعد اس کی بہن سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ:۔ (تحت قوله ولو من طلاق بائن) ۔۔۔۔ (فرع) ماتت امرأة له التزوج بأختها بعد یوم من موتها. كما في الخلاصة عن الاصل. وكذا في المبسوط لصدر الاسلام والمحيط السرخسي۔ (رد المحتار ج۳ ص۳۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) [1]

عدّتِ وفات میں کیے گئے نکاح کا حکم

سوال:۔ اگر ایک عورت خاوند کی وفات کے بعد چار ماہ کے اندر اندر دوسرے آدمی سے نکاح کرے تو یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق یا وفات کی عدت میں کیا گیا نکاح کالعدم رہے گا عدت گذرنے کے بعد جو نکاح پڑھایا جائے اس کا اعتبار ہو گا۔

قال العلامة الكاسانی رحمه الله:۔ ومنها ان لا تكون معتدة الغیر لقوله تعالیٰ: "وَلَا تعزموا عقدة النكاح حتّٰی یبلغ الكتاب اجله" أی ما كتب علیها من التربص ثم قال وسواء كانت العدة عن طلاق او عن وفاة الخ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۸، ۲۶۹ کتاب النکاح فصل ان لا یکون بها حمل) [2]

---

[1] وقال فی الهندیة: ویجوز لزوج المرتدة اذا لحقت بدار الحرب تزوج أُختها قبل إنقضاء عدتها كما اذا ماتت۔ (الفتاوى الهندیة ج۱ ص۲۷۹ القسم الرابع المحرمات بالجمع)
وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج۲ ص۶ الفصل الثانی فیمن یکون محلا للنکاح وفیما لا یکون۔

[2] قال فی الهندیة: لا یجوز للرجل ان یتزوّج زوجة غیره وكذلك المعتدة كذا فی السراج الوهاج سواء كانت العدّة عن طلاق او وفات الخ (الفتاوى الهندیة ج۱ ص۲۸۰ کتاب النکاح الباب الاوّل القسم السادس المحرمات التی یتعلق الخ)
وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج۳ ص۳۴ کتاب النکاح فصل فی المحرمات۔

سوتیلی ماں غیر مدخولہ سے نکاح حرام ہے

سوال:۔ کیا سوتیلی ماں سے نکاح درست ہے جبکہ والد نے دخول نہ کیا ہو؟

الجواب:۔ جس عورت کے ساتھ باپ کا عقدِ نکاح ہو جائے چاہے باپ نے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو بیٹے کا اس عورت سے نکاح کرنا بنصِ قرآنی حرام ہے۔

قال ابن عابدين رحمه الله: (تحت قوله مصاهرة) وتحرم موطوّات آبائه واجداده وإن علو ولو بزنا والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح۔

(ردّ المحتار ج۳ ص۲۸ كتاب النكاح، فصل في المحرمات)[1]

ساس اور بہو دونوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا

سوال:۔ کیا کسی عورت اور اس کے بیٹے کی بیوی (بہو) کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق ان عورتوں میں ایسا کوئی رشتہ نہیں جو حُرمتِ اجتماع کا باعث بنے اس لیے اس عورت اور اس کے بیٹے کی بیوی (بہو) کے درمیان جمع کرنا جائز ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: فجاز الجمع بين امرأة وبنت زوجها أو امرأة ابنها۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۳ ص۳۶ كتاب النكاح، فصل في المحرمات)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: أما حليلة الأب فبقوله تعالى: "وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ" فتحرم بمجرد العقد عليها۔
(البحر الرائق ج۳ ص۹۴ كتاب النكاح فصل في المحرمات)
وَمِثْلُهُ في بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۰ كتاب النكاح، فصل الفرقة الرابعة۔

[2] قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: في بحث: "لأنه لو جاز نكاح إحداهما على تقدير مثل المرأة وبنت زوجها أو امرأة ابنها فإنه يجوز الجمع بينهما عند الأئمة الاربعة۔ (البحر الرائق ج۳ ص۹۸ كتاب النكاح، فصل في المحرمات)
وَمِثْلُهُ في الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۷۷ القسم الرابع المحرمات بالجمع۔

نانی اور نواسی کو ایک نکاح میں جمع کرنا

سوال:۔ کیا کوئی شخص ایک عورت اور اس کی نواسی کو ایک نکاح میں جمع کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نواسی اور نانی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں، اس کے لیے فقہاء نے ایک قاعدہ تحریر فرمایا ہے کہ دو عورتوں میں سے کسی ایک کو مذکر (مرد) فرض کر کے اگر ان کا نکاح آپس میں جائز نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: حرم الجمع وطأً بملك یمین بین امرأتین أیتهما فرضت ذکراً لم تحل للاخریٰ أبداً۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۳ ص ۳۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)[1]

پھوپھی اور بھتیجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا

سوال:۔ کیا سگی پھوپھی اور بھتیجی کو ایک نکاح میں شرعاً جمع کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ پھوپھی اور بھتیجی کے درمیان ایسا رشتہ ہے کہ اگر دونوں میں سے کسی ایک کو بھی مرد فرض کر لیا جائے تو دوسری کا نکاح اس سے جائز نہیں اس لیے ان دونوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا شرعاً جائز نہیں۔

قال ابن نجیم المصریؒ: حرم الجمع بین امرأتین إذا کانتا بحیث لو قدرت إحداهما ذکراً حرم النکاح بینهما أیتهما کانت المقدرة ذکراً کالجمع بین المرأة وعمتها۔۔۔۔ لحدیث مسلم لا تنکح المرأة علیٰ عمتها۔ الخ (البحر الرائق ج ۳ ص ۹۷ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)[2]

دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی نے ایک عورت سے نکاح کیا ہوا ہے، اب وہ اس عورت کو طلاق

---

[1] قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ:۔ للاصل الذی بینا ان کل امرأتین لو کانت إحداهما ذکراً والاخریٰ أنثیٰ لم یجز للذکر ان یتزوج الانثیٰ فانه یحرم الجمع بینهما۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۹۵ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۶۲ کتاب النکاح، فصل ان لا یقع نکاح المرأة۔

[2] قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله وأیتهما فرضت) أی أیة واحدة منهما فرضت ذکراً لم یحل للاخریٰ کالجمع بین المرأة وعمتها الخ۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۶۲ کتاب النکاح، فصل ان لا یقع نکاح المرأة۔

دیئے بغیر اس کی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو کیا اس آدمی کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ ایک عورت کا کسی شخص کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی سگی بہن سے یہ شخص نکاح نہیں کر سکتا ہے جو کہ بنص قرآنی حرام ہے، ایسا کیا ہوا نکاح کالعدم ہے گا۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ: لا خلاف فی أن الجمع بین الأختین فی النکاح حرام لقولہٖ تعالیٰ: "و أن تجمعوا بین الاختین معطوفاً" علی قولہ عزوجل . حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ أُمَّھَاتُکُمْ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۲ کتاب النکاح، فصل ان لا یقع النکاح المرأۃ)[1]

والدہ کو بیوی سمجھ کر ہاتھ لگانے کے اثرات

سوال:۔ رات کے وقت بے خبری کی حالت میں زید نے اپنی والدہ کو بیوی سمجھ کر شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تو کیا زید کی والدہ اس کے والد پر حرام ہو گئی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر زید نے اپنی والدہ کو شہوت کی حالت میں بلا حجاب ہاتھ لگایا ہو اور زید کے والد کو یہ معاملہ معلوم ہوا اور اس کی تصدیق کرتا ہو تو اب یہ عورت اپنے خاوند پر حرام ہے ورنہ حرام نہیں۔

قال ابن نجیم المصریؒ: واراد بحرمۃ المصاھرۃ المحرمات الاربع، حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسباً ورضاعاً وحرمۃ اصولھا وفروعھا علی الزانی نسباً ورضاعاً کما فی الوطأ الحلال۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)[2]

ساس کے ساتھ نکاح کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ساس کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟

---

[1] قال فی الھندیۃ: فإنہٗ لا یجمع بین الاختین ولا بوطیٔ ملک یمین۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۷ القسم الرابع المحرمات بالجمع)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۹۵ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات۔

[2] قال فی الھندیۃ: فلو أیقظ زوجتہ لیجامعھا فوصلت یدہ إلی بنت منھا فقرصھا بشھوۃ وھی ممن تشتھی یظن أنھا أمھا حرمت علیہ الأم حرمۃ مؤبدۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۴ فصل فی المحرمات)

وقال ایضاً: ثم المس انما یوجب حرمۃ المصاھرۃ إذا لم یکن بینھما ثوب۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۵ فصل فی المحرمات)

الجواب:۔ ساس کے ساتھ نکاح کرنا قطعی حرام ہے اگرچہ بیوی کو طلاق دے دی ہو یا وہ وفات پاگئی ہو، اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں محرمات کی فہرست میں بیوی کی ماں کو بھی ذکر کیا ہے، ارشادِ ربانی ہے: وَاُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ..... الخ۔ (سورۃ النساء آیت ۔۔)

قال علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: اسباب التحریم انواع قرابۃ مصاهرۃ۔ قال ابن عابدینؒ: مصاهرۃ کفروع نسائہ المدخول بهنّ وان نزلن وامهات الزوجات وجداتهنّ بعقد صحیح وان علون۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۳۰ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)[1]

سوتیلی ماں کی بیٹیوں سے نکاح کرنا

سوال:۔ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر فارغ کردیا ہو تو کیا اس مطلقہ کے پہلے خاوند سے جو بیٹیاں ہیں اُن کے ساتھ دوسرے شوہر کی پہلی بیوی کے بیٹوں سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ نکاح کے لیے مابین جزئیت کا رشتہ ہونا ضروری ہے، صورتِ مسئولہ میں بظاہر حرمت کی ایسی کوئی خاص وجہ نہیں پائی جاتی جس سے حرمتِ نکاح ثابت ہوسکے بلکہ فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں بھی نسبی بھائی کی نسبی بہن سے نکاح کا جواز ثابت ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں کیا گیا نکاح درست ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وتحل اُخت اُخیہ رضاعًا..... وکذا نسبًا بأن یکون لأخیہ لأبیہ اخت لأم۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۱ کتاب النکاح، فصل فی الرضاع)[2]

---

[1] قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: تحت قول الماتن وأم إمرأتہ بیان لما ثبت بالمصاهرۃ۔ لقولہ تعالیٰ: ”وَاُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ“ أطلقہ فلا بین کونہ إمرأتہ مدخولا بها أو لا وهو المجمع علیہ عند الأئمۃ الأربعۃ۔

(البحر الرائق ج۳ ص۹۳ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۲۵۹ کتاب النکاح، فصل النوع الثانی فالمحرمات۔

[2] قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: أی تحل اخت اخیہ نسبًا بان یکون لہ أخ من أب لہ اُخت من أمّہ فانہ یجوز لہ التزوج بها۔

(البحر الرائق ج۳ ص۲۲۷ کتاب الرضاع)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیۃ ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

فیملی کورٹ سے تنسیخ نکاح کے بعد نکاحِ ثانی کا حکم

سوال:۔ آجکل حکومت کے قائم کردہ فیملی کورٹس سے اگر کوئی عورت تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرے جبکہ شوہر اسے طلاق نہیں دینا چاہتا بلکہ وہ اس کو رکھنے کا خواہشمند ہو تو کیا اس طرح تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد عورت کا دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ نے طلاق کا حق صرف شوہر کو دیا ہے اس کے علاوہ کسی اور کو یہ حق نہیں، اسلئے فیملی کورٹس شرعاً اسکی مجاز نہیں کہ کسی عورت کو بلا عذرِ شرعی خاوند سے جدا کرے، لہٰذا اگر کوئی عورت بلا عذرِ شرعی فیملی کورٹ سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کر لیتی ہے تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی اس لیے دوسری جگہ نکاح کرنا باطل ہے کیونکہ یہ عورت شرعاً پہلے شوہر کی منکوحہ ہے۔

قال الله تبارك وتعالى: إِلَّآ أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا الَّذِي بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ۔ (البقرة آیت۔)
قال العلامة شوکانیؒ: (تحت هذه الآية) فيكون الذي بيده عقدة النكاح حقيقةً هو الزوج لانهٗ هو الذي اليه رفعه بالطلاق۔ (تفسیر فتح القدیر ج۱ ص۲۲۷) [1]

طلاقِ مغلظہ میں بغیر حلالہ کے تجدیدِ نکاح کرنے کا حکم

سوال:۔ ہمارے محلے کے ایک آدمی نے تین گواہوں کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاق مغلظہ دیں، اب چند دنوں کے بعد بغیر حلالہ شرعی کے بذریعہ جرگہ اس نے تجدیدِ نکاح کر لی ہے، کیا اس طرح میاں بیوی کا تجدید نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں بغیر حلالہ شرعی کے اس عورت کا سابقہ شوہر سے نکاح کرنا باطل ہے اور یہ دونوں بحیثیت میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں، ان کا بذریعہ جرگہ تجدیدِ نکاح کرنا باطل ہے، جب تک عورت حلالہ شرعی نہ کرے

---

[1] قال العلامة ابنِ رُشد المالکیؒ: الاصل ان الطلاق ليس بيد احد سوى الزوج او من يوكله الزوج۔ (بداية المجتهد ج۲ ص۸۱ کتاب الطلاق۔
وَمِثْلُهٗ فی مقدمات ابن رشدؒ ج۲ ص۳۸۲ کتاب طلاق السنة۔

پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (سورۃ البقرہ آیت ۲۳۰) [1]

مطلقہ عورت کا وضع حمل سے قبل نکاح ثانی کرنا

سوال:۔ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو اس حالت میں طلاق دے کر وہ اس سے دو تین ماہ کی حاملہ ہو اور پھر یہ عورت وضع حمل سے پہلے دوسری جگہ نکاح کرے تو کیا اس عورت کا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسی مطلقہ عورت جو کہ حاملہ ہو اور حمل بھی ثابت النسب ہو کا نکاح ثانی کرنا باطل ہے، اس لیے صورت مسئولہ میں اس مطلقہ کا نکاح وضع حمل سے قبل باطل ہے لہٰذا اس عورت کو وضع حمل کے بعد دوبارہ نکاح باندھنا چاہیئے۔

وفی الهندیۃ: وحبلی ثابت النسب لایجوز نکاحها اجماعاً۔ (الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۲۸۰، کتاب النکاح، القسم السادس المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر) [2]

متعہ کی شرعی حیثیت

سوال: متعہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا واقعی امام مالکؒ متعہ کے جواز کے قائل تھے؟

الجواب:۔ ابتداء اسلام میں متعہ جائز تھا لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا اسلئے اہل السنۃ والجماعت کے ہاں متعہ بالاتفاق حرام ہے۔ اگرچہ ھدایہ میں امام مالک رحمہ اللہ کی طرف جواز کا قول

---

[1] وفی الهندیۃ: وان کان الطلاق ثلاثاً فی الحرۃ وثنتین فی الامۃ لم تحل حتی تنکح زوجاً غیرہ نکاحاً صحیحاً ویدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها۔ (الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۴۷۳۔ الباب السادس فی الرجعۃ۔ فصل فیما تحل به المطلقۃ ومایتصل به)
ومثلہ فی الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۵۸۳ باب الرجعۃ، مطلب فی العقد علی المبانۃ۔

[2] قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: ومنها ان لایکون بها حمل ثابت النسب من الغیر فان کان لایجوز نکاحها وان لم تکن معتدۃ ...... لوجود حمل ثابت النسب..... الخ۔
(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۹ کتاب النکاح۔ فصل ومنها ان لایکون بها حمل)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۰۶ اوائل کتاب النکاح۔

ہے لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے، یہاں کاتب یا ناسخ ھدایہ سے غلطی ہوئی ہے۔

قال العلامة شیخ زادہؒ: واعلم ان نکاح المتعة قد کان مباحًا بین ایام خیبر وایام فتح مکة الا انهٗ صار منسوخًا باجماع الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم حتٰی لو قضٰی بجوازہ لم یجز ولو اباحه صار کافرًا...... فعلٰی هٰذا یلزم عدم ثبوت ما نقل من اباحته عند مالکؒ۔ الخ

(مجمع الانهر ج ۱ ص ۳۳۱ کتاب النکاح ـ باب المحرمات) [1]

نکاح مؤقت کی تعریف

سوال:۔ نکاح مؤقت کسے کہتے ہیں؟ اور شریعت مقدسہ میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نکاح مؤقت کی تعریف یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی دو گواہوں کے سامنے ایک معین مدت مثلاً ایک یا دو ماہ وغیرہ کے لیے نکاح کریں، اس قسم کا نکاح شرعاً باطل ہے، تاہم اگر نکاح ایسی مدت مقرر کر دی جائے کہ جہاں تک دونوں یا ایک کا جینا محال ہو تو ایسا نکاح جائز اور صحیح ہوگا۔

قال العلامة شیخ زادہؒ: ولا یصح نکاح المتعة والموقت والفرق بینهما ان یذکر فی الموقت لفظ النکاح او التزویج مع التوقیت...... وعن الامام اذا وقتا وقتًا لا یعیشان الیه کمائة سنة او اکثر یکون صحیحًا۔ (مجمع الانهر ج ۱ ص ۳۳۱ کتاب النکاح، باب المحرمات) [2]

عیسائی اور یہودی عورت سے نکاح

سوال:۔ کیا موجودہ دور کی عیسائی یا یہودی عورت سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اہلِ کتاب (یہود و نصارٰی) کی عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح کرنا اگرچہ

---

[1] قال العلامة المرغینانیؒ: ونکاح المتعة باطلٌ وهو ان یقول لامرأة اتمتع بك کذا مدة بکذا من المال وقال مالکؒ هو جائز لانه کان مُباحًا فیبقی الا ان یظهر ناسخه قلنا ثبت النسخ باجماع الصحابةؓ۔ الخ (الهداية ج ۲ ص ۲۹۲ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج ۳ ص ۱۵۰ کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات۔

[2] قال العلامة المرغینانیؒ: والنکاح الموقت باطل مثل ان یتزوج امرأة بشهادة شاهدین عشرة ایامٍ۔ الخ (الهداية ج ۲ ص ۲۹۲ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهٗ فی شرح الوقاية ج ۲ ص ۲۰ کتاب النکاح۔

مرخص ہے لیکن ان کے ساتھ نکاح کرنے سے اگر کسی مسلمان کا عقیدہ اور مذہب متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے یہود ونصاریٰ کی عورتوں سے نکاح کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔

کما قال العلامة الحصکفیؒ: وصح نکاح کتابیة وان کرہ تنزیھاً مومنة بنبی مرسل مقرة بکتاب منزل وان اعتقد والمسیح الٰھا۔ وقال ابن عابدینؒ: ففی الفتح ویجوز تزوج الکتابیات والاولیٰ ان لا یفعل ولا یأکل ذبیحتھم الا لضرورة وتکرہ الکتابیة الحربیة اجماعاً لافتتاح باب الفتنة من امکان التعلق المستدعی للمقام معھا فی دار الحرب۔ (رد المحتار ج۳ ص۴۵ کتاب النکاح۔ مطلب مھم فی وطء السراری الخ)[1]

مسلمان عورت کا غیر مسلم سے نکاح

سوال:۔ ایک مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلم مرد کے ساتھ جائز نہیں، خواہ یہ نکاح طوعاً ہو یا کرہاً، خواہ یہ غیر مسلم اہل کتاب سے یا غیر اہل کتاب سے ہو۔

لقولہ تعالیٰ: ولا تنکحوا المشرکین حتیٰ یؤمنوا ولعبد مؤمن خیر من مشرک ولو اعجبکم۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۱)[2]

قادیانی عورت سے نکاح جائز نہیں

سوال:۔ اہل کتاب عورت سے تو مسلمان مرد نکاح کر سکتا ہے تو کیا ایک قادیانی عورت

---

[1] قال ابن نجیمؒ: وحل تزوج الکتابیة۔ لقولہ تعالیٰ: والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب ...... والاولیٰ ان لا یتزوج کتابیة ولا یأکل ذبائحھم الا لضرورة وفی المحیط یکرہ تزوج الکتابیة الحربیة لان الانسان لا یأمن ان یکون بینھما فینشاء علی طبائع اھل الحرب۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۰۳ فصل فی المحرمات)۔

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۱۳۵ فصل فی المحرمات۔

[2] قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ: ومنھا اسلام الرجل اذا کانت المرأة مسلمة۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۷۱ فصل کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیة ج۱ ص۲۸۲ کتاب النکاح۔

سے بھی مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ۔ قادیانی چونکہ باجماعِ امت مُرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں اس لیے ان سے کسی قسم کا رشتہ ناطہ کرنا شرعاً جائز نہیں۔ جس طرح کسی قادیانی سے مسلمان عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا ایسے ہی کوئی مسلمان شخص کسی قادیانی عورت سے نکاح نہیں کر سکتا، اس لیے کہ قادیانی اہلِ کتاب کے حکم میں نہیں بلکہ مُرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

کما قال شیخ الاسلام برهان الدین المرغیناني رحمہ اللہ: ان تصرفات المرتد علی اقسام نافذ بالاتفاق کالاستیلاد والطلاق لانه لایفتقر الی حقیقة الملك وتمام الولایة وباطل بالاتفاق کالنکاح والذبیحة لانه یعتمد الملة۔ (الهدایة ج۲ ص۶۰۳ باب المرتد)[1]

خاوند کے مُرتد ہو جانے سے نکاح کا حکم

سوال: ۔ میاں بیوی دونوں مسلمان تھے اور خوشگوار زندگی گذار رہے تھے کہ اچانک خاوند قادیانیوں کا شکار ہو کر مُرتد ہو گیا جبکہ عورت دینِ حق یعنی اسلام پر قائم ہے، ایسی حالت میں اس عورت کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب: ۔ قادیانی چونکہ مُرتد کے حکم میں ہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں خاوند کے مُرتد ہو جانے سے مسلمان بیوی سے اس کا رشتۂ نکاح ختم ہو گیا ہے۔ ایسی حالت میں یہ عورت عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

قال الحصکفي رحمہ اللہ: وارتد احدهما ای الزوجین فسخ عاجل۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۵ باب نکاح الکافر)[2]

لاعلمی میں قادیانی سے نکاح کا حکم

سوال: ۔ ایک مسلمان عورت کا نکاح لاعلمی میں کسی قادیانی سے ہو گیا، یعنی نکاح کے وقت مرد نے

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاري رحمہ اللہ: والمرتدة لایجوز نکاحها مع احد وکذلك المرتد لایجوز نکاحه مع احد۔ (فتاوی تاتارخانیة ج۳ ص۸ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۳ ص۲۳۰ باب المرتد۔

[2] وقال فی الهندیة: ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقة بینهما کذا فی الکافی۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۳۹ الباب العاشر فی النکاح الکفار)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۲ ص۳۲۸ فصل فی النکاح الکافر۔

اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا لیکن نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ یہ شخص قادیانی ہے، اندریں صورت یہ نکاح منعقد ہوا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قادیانی چونکہ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، اس لیے جس شخص کا قادیانی ہونا قطعی اور یقینی ہو تو اس کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح شرعاً جائز نہیں اور لاعلمی میں کیا ہوا نکاح کالعدم رہے گا۔

کما فی الهندیة: ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقة بغیر طلاق فی الحال۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۳۹ الباب العاشر فی نکاح الکفار)[1]

شیعہ عورت سے سُنّی مرد کے نکاح کا حکم

سوال:۔ جو شیعہ حضرت علیؓ کی الوہیت کا قائل ہو اور حضرت جبریل سے غلطی صادر ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو اور صحبتِ ابوبکر صدیقؓ کا منکر ہونے کے ساتھ ساتھ قذفِ عائشہؓ کا قائل ہو اور قرآنِ مجید کو محرف سمجھتا ہو تو ایسے شیعہ مرد کے ساتھ سُنّی عورت یا سُنّی مرد کے ساتھ شیعہ عورت کا نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو روافض قطعیاتِ اسلام کے خلاف کوئی عقیدہ رکھتے ہوں وہ کافر ہیں مثلاً حضرت علیؓ کی الوہیت اور حضرت عائشہؓ پر قذف کا قائل ہونا جو قرآنِ کریم کی نصِ قطعی کے خلاف ہے، اور حضرت جبریلؑ سے غلطی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوں اور صحبتِ ابوبکر صدیقؓ کے منکر ہوں تو اس قسم کے گمراہ فرقہ کے لوگوں سے رشتہ مناکحت سے احتراز و اجتناب لازم ہے اور ایسے لوگوں کا حکم مرتد کی طرح ہے اور مرتد کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔

کما فی الهندیة: ویجب اکفار الروافض فی قولهم برجعة الاموات الی الدنیا..... واحکامهم احکام المرتدین۔ (الفتاوی الهندیة ج۲ ص۲۶۴)[2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ عاجل۔ (الدر المختار ج۲ ص۲۲۵ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۲ ص۳۲۸ کتاب النکاح۔

[2] قال العلامة عالم بن العلاء انصاریؒ: یجب اکفار الروافض فی قولهم برجع الاموات الی الدنیا..... وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامهم احکام المرتدین۔ (فتاوی تاتارخانیہ ج۵ ص۵۳۸ کتاب احکام المرتدین)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة ج۴ ص۳۱۸ باب المرتد۔

لاعلمی میں رضاعی بہن سے نکاح کا حکم

سوال:۔ اگر کہیں لاعلمی اور غلطی سے رضاعی بہن بھائی کا نکاح غلطی سے ہوجائے اور سال دو سال کے بعد رضاعت کا علم ہوجائے تو دونوں میں جدائی ہوجائے گی یا دونوں کا نکاح برقرار رہے گا؟

الجواب:۔ صورتِ مرقومہ کے مطابق اگرچہ رضاعی بہن سے نکاح شرعاً حرام ہے مگر جب نکاحِ فاسد سے دونوں کا ملاپ ہوجائے تو مہر واجب ہوجاتا ہے، لہٰذا یہ عورت شوہر سے مہر لینے کی حقدار ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد بالوطء لا بغیرہ۔
(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۲۸۱، ۲۸۲ باب المہر)[1]

غیر مسلم عورت کو جبراً مسلمان کرکے اس سے نکاح کرنا

سوال:۔ افغانستان میں روس کی آمد کے بعد جب جہاد شروع ہوا تو بعض مجاہدین نے روسی عورتوں کو جبراً مسلمان کرکے اُن کے ساتھ نکاح کیا، کیا ان عورتوں کا اسلام معتبر ہے؟ اور ان کے ساتھ نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جب کسی کافر کو اسلام پر مجبور کیا جائے اور وہ کلمۂ شہادت پڑھ لے تو وہ مسلمان متصور ہوگا۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں روسی عورتوں کا اسلام لانا اور بعض مجاہدین کا ان کے ساتھ نکاح کرنا دونوں صحیح ہے۔

لما قال العلامۃ فخر الدین الشہیر بقاضی خانؒ: واذا اجبر الکافر علی الاسلام فاسلم صح اسلامہ فان ارتد بعد ذٰلک یجبر علی الاسلام ولا یقتل۔
(فتاوٰی قاضی خان ج۴ ص۲۱۶ باب الاکراہ)

کسی عورت کا جنّ مرد سے نکاح کرنا

سوال:۔ اگر کوئی عورت کسی جنّ مرد سے اپنا نکاح کرالے تو کیا یہ نکاح شرعاً جائز

---

[1] وفی الہندیۃ: ولو تزوّج امرأۃ فقالت امرأۃ ارضعتکما۔۔۔۔ واذا فارقها۔۔۔۔ وان کان بعد الدخول بها فالافضل للزوج ان یعطیها کمال المهر والنفقۃ والسکنٰی۔
(الفتاوٰی الہندیۃ ج۱ ص۳۴۷ کتاب الرضاع)

ہے یا نہیں؟

الجواب:- شریعتِ مقدسہ میں نکاح کرنے کے لیے دونوں کا ایک جنس ہونا ضروری ہے، مختلف الاجناس میں نکاح جائز نہیں، اس لیے جن مرد سے اس عورت کا نکاح شرعاً جائز نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وفی الاشباہ عن السراجیۃ لاتجوز المناکحۃ بین بنی آدم والجن وانسان ای لاختلاف الجنس ومفاد المفاعلۃ انہ لایجوز للجنی ان یتزوج انسیۃ ایضًا...... عن شرح الملتقی عن زواھر الجواھر الاصح انہ لایصح نکاح آدمی جنیۃ کعکسہ لاختلاف الجنس فکانوا کبقیۃ الحیوانات۔
(ردالمحتار ج۲ ص۲۸۱ اوائل کتاب النکاح)[1]

بھائی کی بیوی سے ناجائز تعلقات کے نکاح پر اثرات

سوال:- اگر کوئی شخص اپنے بھائی کی بیوی سے ناجائز تعلقات رکھتا ہو اور وہ اس ناجائز عمل پر رنگے ہاتھوں پکڑا بھی گیا ہو تو کیا اس سے اس کے بھائی کی بیوی کا نکاح متاثر ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- دیور سے ناجائز تعلقات قائم کرنے سے شوہر کا نکاح متاثر نہیں ہوگا بلکہ وہ تاحال اس کی منکوحہ ہے، تاہم اگر شوہر اس کو طلاق دے کر الگ کرنا چاہتا ہو تو کر سکتا ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ولو زنت امرأۃ رجل لم تحرم علیہ وجاز لہ وطؤھا عقب الزنا۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۸۶ فصل فی المحرمات)[2]

---

[1] قال العلامۃ علی بن عثمان سراج الدین رحمہ اللہ: لایجوز المناکحۃ بین بنی آدم والجن الانسان المائی لاختلاف الجنس اذا مس بشھوۃ تثبت حرمۃ المصاھرۃ۔ (الفتاویٰ السراجیۃ ص۳۴ کتاب النکاح باب نکاح المحارم)

[2] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: یحل بالاتفاق للزانی ان یتزوج بالزانیۃ التی زنی بھا فان جاءت بولد۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۱۴۸، کتاب النکاح، المرأۃ الحامل من الزنا... الخ)

جنسی کمزوری کی صورت میں نکاح کرنے کا حکم

سوال:- بعض لوگ جنسی طور پر کمزور ہوتے ہیں اور بیوی کے حقوق ادا کرنے کے قابل نہیں ہوتے لیکن اس کے باوجود وہ شادی کر لیتے ہیں، تو ایسے شخص کے لیے نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- شادی کرنا ہر اُس مسلمان مرد کے لیے سُنّت جو نان ونفقہ اور حقوقِ زوجیت پورا کر سکتا ہو، لہٰذا جو شخص یہ حقوق ادا نہیں کر سکتا اُس کے لیے نکاح کرنا جائز نہیں، کرنے کی صورت میں مرد گنہگار ہوگا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویکون سنة مؤکدة فی الاصح فیأثم بترکه ویثاب ان نوی تحصیناً وولداً حال الاعتدال ای القدرة علیٰ وطء ومهر ونفقة۔ الخ

قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله ای القدرة علیٰ وطء) ای الاعتدال فی التوقان ان لا یکون بالمعنیٰ المار فی الواجب والفرض وهو شدة الاشتیاق وان لا یکون فی غایة الفتور کالعنین ...... بان یکون بین الفتور والتوق وزاد المهر والنفقة لان العجز عنهما یسقط الفرض فیسقط السنة بالاولیٰ الخ (الدر المختار مع الرد المحتار ج۳ ص۷ کتاب النکاح مطلب کثیراً ما یتساهل فی اطلاق المستحب علی السنة)[1]

کسی اسلامی ملک میں مسلمان ہونے والی شادی شدہ عورت سے نکاح کرنے کا طریقہ

سوال:- اگر کسی اسلامی ملک میں کوئی شادی شدہ غیر مسلم عورت اسلام قبول کرے تو کیا اس عورت کے ساتھ بغیر عدت گذارے ہوئے کسی مسلمان مرد کے لیے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- جب کوئی غیر مسلم شادی شدہ عورت اسلام قبول کرے تو یہ عورت اوّلاً عدالت میں اپنے اسلام لانے کا قصہ پیش کرے، اور عدالت اس کے غیر مسلم شوہر پر اسلام پیش کرے گی، اب اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو عدالت عورت کو تنسیخِ نکاح

---

[1] ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۶۷ کتاب النکاح۔ الباب الاوّل۔

کی ڈگری جاری کرے گی اور یہ عورت عدتِ طلاق گذار کر کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے، اس کے علاوہ بغیر عدالتی فیصلہ اور مرورِ عدت کے نکاح نہیں کر سکتی ۔

قال العلامة برہان الدین المرغینانیؒ: واذا اسلمت المرأة وزوجہا کافر عرض القاضی علیہ الاسلام فان اسلم فہی امرأتہ وان ابی فرّق بینہما وکان ذلک طلاقاً عند ابی حنیفة ومحمد رحمہم اللہ)

(الہدایة ج ۲ ص ۳۲۵ باب نکاح اہل الشرک) ؎۱

ماموں کی بیوہ سے نکاح کا حکم

سوال: سگے ماموں کی بیوہ سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حقیقی ماموں کی بیوہ کے ساتھ بعد از اختتامِ عدت نکاح کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ اب ان کے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں جو حرمت کا سبب ہو۔

لما قال اللہ تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ۔ (سورۃ النساء آیت ۲۴) ؎۲

؎۱ قال ابن الہمامؒ: اذا احد الزوجین اللذین ہما مجوسیان او الزوجة عنہا مجوسیة والزوج کتابی او الزوجة من الکتابیین او الزوجة الکتابیة والزوج قائم فان ابی فرق بینہما ۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۲۸۸ باب نکاح اہل الشرک)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیة ج ۱ ص ۳۳۷ الباب العاشر فی نکاح الکفار ۔

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی التاتارخانیة ج ۳ ص ۱۸۱ کتاب النکاح. باب نکاح الکفار ۔

؎۲ قال العلامة علاؤالدین الکاسانیؒ: والمحرمات علی التابید ثلاثة انواع محرمات بالقرابة ومحرمات بالمصاہرة ومحرمات بالرضاع، امّا النوع الاول فالمحرمات بالقرابة سبع فرقٍ الأمّہات والبنات والعمّات..... قال اللہ تعالیٰ: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ الآیة ۔ وفی الصفحة الثانیة وتحل لہٗ بنت العمّة والخالة وبنت العمّ والخال لان اللہ تعالیٰ ذکر المحرمات فی آیة التحریم ثم اخبر سبحانہٗ وتعالیٰ انہٗ احلّ ما وراء ذلک بقولہ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ (الآیة) الخ

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۵۶، ۲۵۷ فصل ومنہا ان تکون المرأة محللة)

وَمِثْلُہٗ فی الہدایة ج ۲ ص ۲۸۷ فصل فی بیان المحرمات ۔

بھانجی کی بیٹی سے نکاح کا حکم

سوال:۔ زید زینب کا علاتی بھائی ہے، زینب کی بیٹی رقیہ ہے، رقیہ کی بیٹی کلثوم ہے، تو کیا زید کا نکاح کلثوم کے ساتھ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اپنے والدین کے کسی بھی فروع (یعنی اولاد جس درجے میں بھی ہو) سے نکاح کرنا درست نہیں، لہٰذا زید کا نکاح کلثوم کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وفروع ابویه وان نزلن فتحرم بنات الاخوة والاخوات وبنات اولاد الاخوة والاخوات وان نزلن۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۳۰ فصل فی المحرمات) [1]

بہنوئی کی دوسری بیوی کی لڑکی سے نکاح کا حکم

سوال:۔ بہن کے شوہر کی دوسری بیوی کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بھائی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ بہن کے شوہر کی دوسری بیوی کی لڑکی سے نکاح کرے کیونکہ اس لڑکی میں اس بھائی کی نسبت حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ بعد ذکر المحرمات: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ۔ سورۃ النساء آیت ۲۴ [2]

---

[1] وفی الهندیة: القسم الاول المحرمات بالنسب وهن الاُمّهات والبنات والاخوات ..... الیٰ قوله واما الاخوات فالاُخت لابٍ والاُمّ والاُخت لابٍ والاُخت لاُمٍّ وکذا بنات الاخ والاخت وان سفلن۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۳ الباب الثالث فی بیان المحرمات)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۲ ص۲۸۸ فصل فی بیان المحرمات۔

[2] قال العلامة الکاسانیؒ: والمحرمات علی التابید ثلاثة انواع محرمات بالقرابة ومحرمات بالمصاهرة ومحرمات بالرضاع اما النوع الاول فالمحرمات بالقرابة سبع فرق الامّهات والبنات والعمّات والخالات وبنات الاخ وبنات الاخت ..... وفی الصفحة الثانیة۔ وتحل له بنت العمة والخالة وبنت العم والخال لان اللّٰہ تعالیٰ ذکر المحرمات فی اٰیة التحریم ثم اخبر سبحانهٗ وتعالیٰ اَنَّهٗ احل ما وراء ذٰلك بقوله واحل لکم ما وراء ذٰلکم الاٰیة الخ

(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۵۶، ۲۵۷ فصل ومنها ان تکون المرءة محللة)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۲ ص۲۸۹ فصل فی بیان المحرمات۔

ایک جگہ منگنی کر دینے کے بعد لڑکی کا نکاح کسی دوسری جگہ کرنا

سوال:- اگر ایک لڑکی کی کسی جگہ منگنی ہو جانے کے بعد اس کے والدین اس کا نکاح کسی دوسری جگہ کر دیں، تو کیا اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر منگنی کے موقع پر صحیح اور شرعی طریقے سے ایجاب وقبول ہو چکا ہو تو اس کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنا درست نہیں، اور اگر ایجاب وقبول نہ ہوا ہو تو یہ منگنی صرف وعدۂ نکاح ہے نکاح نہیں اِس صورت میں دوسری جگہ نکاح درست ہے لیکن وعدہ خلافی کی وجہ سے گنہگار ضرور ہوں گے۔

قال ابن عابدینؒ: لو قال هل اعطیتنیها فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔ اھ (رد المحتار ج۲ ص۲۸۷ کتاب النکاح) [1]

کسی لڑکی اور اس کی سوتیلی ماں کا ایک مرد کے نکاح میں آنا

سوال:- ایک شخص نے کسی لڑکی اور اس کی سوتیلی ماں کو اپنے نکاح میں جمع کیا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ کیا یہ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب:- جَمْعَ بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ کی پہچان کے لیے فقہاء کرام نے جو قاعدہ مقرر کیا ہے کہ دونوں میں سے جس کو بھی مرد تصور کر کے دوسرے کے ساتھ اس کا نکاح صحیح نہ ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر لڑکی کو مرد تصور کر کے سوتیلی ماں کا تو منکوحۃ الاب کی وجہ سے نکاح صحیح نہیں مگر سوتیلی ماں کو مرد تصور کرنے کے بعد لڑکی سے نکاح کے عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں، اس لیے یہ صورت اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ میں داخل نہیں، دونوں ایک شخص کے نکاح میں جمع کی جا سکتی ہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: حرم الجمع وطأ بملك یمین بین

---

[1] وفی الهندیة: ولو قال تزوجنی نفسك فقبلت العقد، ان لم یقصد به الاستقبال، هكذا فی النهر الفائق۔ (الفتاوى الهندیة ج۱ ص۲۷ الباب الثانی فیما ینعقد به النکاح)
ومثله فی تبیین الحقائق ج۲ ص۹۶ کتاب النکاح۔

امرأتین ایتهما فرضت ذکرًا لوتحل للاُخریٰ ابدًا ...... فجاز الجمع بین امرأة وبنت زوجها او امرأة ابنها الخ۔ (الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۳۰۹ فصل فی المحرمات) [1]

مذاق میں کیا گیا نکاح منعقد ہوجاتا ہے

سوال:۔ اگر کوئی لڑکی اور لڑکا دونوں آپس میں مذاق ہی مذاق میں گواہوں کے رُوبرو نکاح کے ایجاب وقبول کر لیں، اب لڑکا کہتا ہے کہ تم نے میرے ساتھ نکاح کیا ہے اس لیے تم میری بیوی ہو، جبکہ لڑکی کا دعویٰ ہے کہ وہ تو مذاق کر رہی تھی میرا ارادہ نکاح نہ تھا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مذاق ہی مذاق میں کیا گیا نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامی میں چند امور ایسے ہیں کہ جن میں مذاق اور حقیقت دونوں مساوی ہیں جن میں سے ایک نکاح بھی ہے، اس لیے نکاح خواہ مذاق ہی مذاق میں کیوں نہ کیا جائے منعقد ہو جاتا ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں یہ لڑکی اب اس لڑکے کی منکوحہ ہے لڑکی کا دعویٰ باطل ہے۔

لقوله علیه الصلوٰة والسلام: ثلاث جدهن جد وهزلهن جد الطلاق والعتاق والنکاح۔ (مشکوٰة ص۲۸۴ باب الخلع والطلاق) [2]

چھوٹی بچی اور بچے کے نکاح کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! یہاں دِیر کے علاقہ میں والدین چھوٹے چھوٹے بچوں کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ وہ ابھی تک کچھ بھی نہیں سمجھتے ہیں، کیا ان بچوں کا نکاح جائز ہے؟ کیا یہ چھوٹے بچوں پر ظلم تو نہیں؟

---

[1] وفی الهندیة: ویجوز بین امرأة وبنت زوجها۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۷۷ الباب الثانی فی بیان المحرمات، القسم الرابع المحرمات بالجمع)

[2] عن ابی هریرةؓ: قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ثلاث جدهن جد وهزلهن جد۔ (ابوداؤد ج۱ ص۱۴۲ باب ما جاء فی الجد والهزل فی الطلاق)

ومثلُهٗ فی الترمذی، باب ما جاء فی الجد والهزل فی الطلاق۔

الجواب: شریعتِ اسلامی میں جب بچے کا ولی اس کا نکاح کر دے تو نکاح صحیح ہے نابالغ کے سمجھنے کی ضرورت نہیں صرف ولی کا سمجھنا ہی کافی ہے اور نہ یہ بچوں پر ظلم ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: يجوز نكاح الصغير والصغيرة اذا زوجهما الولي بكرًا كانت الصغيرة او ثيبًا۔

(الهداية ج۲ ص۲۹۵ باب الاولياء)[1]

ربیب کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کرنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! اگر کوئی شخص ایک عورت سے شادی کرے اور اس عورت کے ساتھ پہلے شوہر سے ایک لڑکا بھی ہے جس کی پرورش اس زوجِ ثانی نے کی، اب اگر یہ لڑکا اپنی بیوی کو طلاق دیدے یا وہ فوت ہو جائے تو کیا یہ شخص اپنے ربیب کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ربیب یا متبنّی حقیقی یا رضاعی بیٹوں کی طرح نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں ربیب کی بیوہ یا مطلقہ سے یہ مربی (منہ بولا باپ) شادی کرسکتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: (تحت قوله، واما بنت زوجة ابيه وابنه فحلال) ولا تحرم زوجة الربيب ولا زوجة الرّاب۔

(ردّ المحتار ج۲ ص۳۱ فصل فی المحرمات)[2]

عدت کے دوران سالی سے نکاح کرنا صحیح نہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے کر عدت

---

[1] وفی الهندية: لولی الصغير والصغيرة ان ينكحهما وان لم يرضيا بذلك سواءٌ كانت بكرًا أو ثيبًا۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۲۸۵ کتاب النکاح۔ الباب الرابع فی الاولياء)

وَمِثلُهٗ فی الدر المختار ج۳ ص۵۵ کتاب الولی۔

[2] وفی الهندية: ولا تحرم حليلة الابن المتبنّٰی علی الاب المتبنّی۔

(الفتاوی الهندية ج۱ ص۲۷۴ الباب الثالث فی بيان المحرمات۔ القسم الثانی المحرمات بالصهرية)

وَمِثلُهٗ فی الهداية ج۲ ص۲۸۸ کتاب النکاح۔ فصل فی بيان المحرمات۔

کے دوران ہی اس کی بہن سے نکاح کرے، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب: چونکہ عدّت کے اندر عورت شوہر کے نکاح میں من وجہ داخل ہے اس لیے اس دوران بیوی کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ تاہم اگر عدّت کے بعد نکاح کرنا چاہتا ہو تو کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وا لجمع نكاحاً وعدّة ولو من طلاق بائن۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۳۰۸ فصل في المحرمات) [1]

منکوحہ کی بیٹی سے نکاح کرنا

سوال: ایک شخص نے کسی مطلقہ یا بیوہ سے نکاح کیا، اس عورت کی سابقہ خاوند سے ایک جوان بیٹی بھی ہے، جبکہ اس شخص نے دخول سے قبل ہی اس کو طلاق دیدی، اور اب وہ اس کی بیٹی سے نکاح کرنے کا خواہشمند ہے، تو کیا اس شخص کا اپنی مطلقہ کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: منکوحہ کی بیٹی سے نکاح شرعاً حرام ہے مگر یہ حرمت دخول یا خلوتِ صحیحہ کے ساتھ مشروط ہے، اگر یہ شرط پائے جانے سے قبل طلاق واقع ہو جائے تو منکوحہ مطلقہ کی بیٹی سے نکاح کرنا مرخص ہے ورنہ خلوتِ صحیحہ یا دخول کی صورت میں نکاح ناجائز وحرام ہے۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ خلوتِ صحیحہ یا دخول کی شرط مفقود ہے اس لیے اس شخص کا اس لڑکی سے نکاح درست ہے۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله: ولا بام امرأته دخل بها او لم يدخل، لقوله تعالىٰ: وامّهات نسائكم من غير قيد الدخول ولا ببنت امرأته التي دخل بها لثبوت قيد الدخول بالنص سواءٌ كانت في حجره او في حجر غيره۔

(الهداية ج۲ ص۲۸۷ كتاب النكاح۔ فصل في المحرمات) [2]

---

[1] قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: واذا طلق امرأته طلاقاً بائناً او رجعياً لم يجز له ان يتزوج باختها حتى تنقضي عدّتها۔

(الهداية ج۲ ص۲۸۹ كتاب النكاح۔ فصل في بيان المحرمات)

وَمِثْلُهٗ في الهندية: الباب الثالث في بيان المحرمات۔ القسم الرابع المحرمات بالجمع۔

[2] قال الله تعالىٰ: وربائبكم التي في حجوركم من نسائكم اللّتي دخلتم بهن۔ (سورة البقرة ــــ)

باپ کی سوتیلی بیٹی سے نکاح جائز ہے

سوال :۔ باپ کی دوسری بیوی کی بیٹی سے جبکہ وہ بیٹی اس بیوی کے پہلے خاوند سے ہو نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ باپ کی دوسری بیوی کی بیٹی جو کہ اس کے پہلے خاوند سے ہو اُس سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ (واما بنت زوجۃ ابیہ او ابنہ فحلال) قال ابن عابدینؒ وکذا بنت ابنھما الخ. (الدرالمختار مع ردالمحتار ج ٢ ص ٣٠٢، ٣٠٣ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)[1]

بیٹے کی مزنیہ سے نکاح کا حکم

سوال :۔ ایک لڑکے کے کسی لڑکی کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں، اب چند دن قبل دونوں رنگے ہاتھوں پکڑے گئے، علاقائی جرگہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس لڑکی کا اسی لڑکے سے نکاح کردیا جائے لیکن لڑکا کسی صورت میں بھی اس سے نکاح کے لئے تیار نہیں، جبکہ لڑکے کا باپ کہتا ہے کہ میں اس لڑکی سے شادی کے لیے تیار ہوں۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا لڑکے (زانی) کے باپ کا نکاح اس لڑکی (مزنیہ) سے جائز ہے یا نہیں؟ فقہ حنفی کی رُو سے جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب :۔ فقہ حنفی کی رُو سے زنا بھی سببِ مصاہرت ہے۔ لہٰذا اگر واقعی لڑکے نے اس لڑکی کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا ہو تو یہ لڑکی لڑکے کے باپ کی بمنزلہ بہو (منکوحۃ الابن) کے ہے جبکہ بہو سے نکاح کرنا شرعاً جائز نہیں، اسی وجہ سے بیٹے کی مزنیہ سے اس کا باپ نکاح نہیں کرسکتا۔

لما فی الھندیۃ: وکذا تحرم المزنی بھا علی اباء الزانی واجدادہ وان علوا وابنائہ وان سفلوا کذا فی فتح القدیر۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ١ ص کتاب النکاح الباب الثالث)[2]

---

[1] قال العلامۃ صدر الشہید رحمہ اللہ: وتحل اخت اخیہ رضاعاً کما تحل نسبا کاخ من الاب لہ اخت من امہ تحل لاخیہ من ابیہ۔
(شرح الوقایۃ ج ٢ ص ٦٨، ٦٩ کتاب النکاح)

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: وحرم ایضاً بالصھریۃ اصل مزنیۃ۔ قال ابن عابدینؒ: تحتہ حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسباً ورضاعاً۔
(الدرالمختار علی ھامش ردالمحتار ج ٢ ص ٣٨٤ کتاب النکاح)

بیٹے کی ساس سے نکاح کرنا

سوال :- جناب مفتی صاحب ! میرا سسر فوت ہو چکا ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اب میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیوہ ساس کا نکاح اپنے باپ سے کر دوں تاکہ ہم مشترکہ طور پر ان کی دیکھ بھال کر سکیں، تو کیا شرعاً ان دونوں کا نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- صورتِ مسئولہ کے مطابق دونوں کے مابین کوئی ایسا رشتہ نہیں جو کہ موجبِ حرمت ہو، اس لیے ان دونوں کا نکاح شرعاً جائز ہے، اور امید ہے کہ اس کارِ خیر پر آپ کو منجانب اللہ اجر بھی ملے گا۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ : ولا تحرم ام زوجة الابن ۔ (ردالمحتار جلد۲ ص۲۸۳ کتاب النکاح)[1]

نومسلمہ عورت سے عدت ختم ہونے سے قبل نکاح کرنا

سوال :- اگر کوئی غیر مسلم شادی شدہ عورت اسلام قبول کر لے تو کیا عدت گذارنے سے قبل اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- جب کوئی غیر مسلمہ شادی شدہ عورت اسلام قبول کر لے اور اس کا خاوند غیر مسلم ہو تو اس کا نکاح از خود ختم ہو جاتا ہے، اب اگر وہ عورت دارالحرب میں ہو تو صرف تین حیض گذار کر کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے، اور اگر دارالاسلام میں ہو تو تفریقِ قاضی کے بعد دوبارہ نکاح کیلئے تین حیض گذارنا لازمی ہے، بدون اس کے نکاح جائز نہیں ۔

لما قال العلامة الحصکفی رحمه الله : ولو اسلم احدهما أن احد المجوسین او امرأة الکتابی ثمة ای فی دار الحرب و ملحق بها کالبحر الملح لم تبن حتی تحیض ثلاثاً وتمضی ثلاثة اشهر قبل اسلام الاخر اقامة لشرط الفرقة مقام السبب ۔ (الدر المختار علی هامش ردالمحتار ج۲ ص۲۹ کتاب النکاح)

---

[1] قال العلامة مفتی عبدالرحیم رحمه الله : الجواب : حامداً ومصلیاً ومسلماً ! زید کا باپ زید کی زوجہ کی ماں یعنی باپ اپنے بیٹے کی خوشدامن سے نکاح کر سکتا ہے یہ رشتہ حرام نہیں ہے ۔ {فتاوی رحیمیة ج۱۰ ص۱۹۴ کتاب النکاح}

باب المہر

(حق مہر کے احکام ومسائل)

رخصتی سے قبل طلاق دے کر لڑکی والوں کو کچھ رقم دینا

سوال:۔ یہاں ایک لڑکے کا نکاح ہوا لیکن کسی وجہ سے رخصتی نہ ہو سکی بلکہ لڑکے نے بیوی کو طلاق دے دی، اب اگر یہ لڑکا لڑکی والوں کو کچھ رقم دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر نکاح کے وقت مہر مقرر ہوا ہو تو طلاق قبل الدخول کی صورت میں نصف مہر مسمیٰ لازم ہے اور اگر مہر مقرر نہ ہوا ہو تو متعہ دینا لازمی ہے، تاہم اگر لڑکے والے اپنی طرف سے مہر مسمیٰ کے علاوہ کچھ رقم لڑکی یا اس کے رشتہ داروں کو بطور ہدیہ دیدیں تو بہتر ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ومن سمى مهرًا عشرة فما زاد فعليه المسمى ان دخل بها او مات عنها ...... وان طلقها قبل الدخول والخلوة فلها نصف المسمى ...... قال وان تزوجها ولم يسم لها مهرًا او تزوجها على ان لا مهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها او مات عنها ...... ولو طلقها قبل الدخول بها فلها المتعة۔

(الهداية ج ۲ ص۳۰۴ باب المهر) [1]

---

[1] قال الله تبارك وتعالىٰ: (لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً) (وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ) وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ)۔ (سورة البقره پ۲ آیت ۲۳۶)

وَمِثْلُهٗ فِي الهندية ج ۱ ص۳۰۳ كتاب النكاح، باب المهر۔

مہر کی کم از کم مقدار

سوال:۔ شریعت اسلامی میں مہر کی کم از کم مقدار کتنی ہے اور اس کی قیمت کیا ہوگی؟

الجواب:۔ مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے جس کی وزنی مقدار تقریباً ۳۵ گرام چاندی ہے یا اس کی قیمت رائج الوقت قیمت کے اعتبار سے ہے۔

قال فی الهندیة: اقل المهر عشرة دراهم مضروبة او غیر مضروبة حتی یجوز وزن عشرة تبرًا وان کانت قیمته اقل۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۰۲ الفصل الاول فی بیان ادنی مقدار المهر)[1]

مہر فاطمی کی مقدار

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مہر فاطمی (حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے حق مہر) کی مقدار کیا ہے؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر صاحبزادیؓ کا حق مہر ۴۸۰ درہم ہے جو کہ موجودہ نظام اوزان کے مطابق ۱.۶۳۲۹۶ کلو چاندی کا وزن بنتا ہے یا رائج الوقت کرنسی کے حساب سے اس کی قیمت کا اعتبار ہے۔

قال عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه ما علمت رسول الله صلی الله علیه وسلم نکح شیئًا من نسائه ولا انکح شیئًا من بناته علی اکثر من ثنتی عشرة اوقیةً هذا حدیث حسن صحیح۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۶۵ باب ما جاء فی مهور النساء)[2]

حلالہ کے بعد نکاح میں مہر مقرر کرنا لازمی ہے

سوال:۔ جو شخص طلاقِ مغلظہ کے بعد حلالہ شرعی کرکے دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہو تو اس کو دوبارہ مہر مقرر کرنا ضروری ہے یا کہ سابقہ مہر ہی کفایت کر جائے گا؟

---

[1] قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: واما بیان ادنی المقدار الذی یصلح مهرًا فادناه عشرة دراهم او ما قیمته عشرة دراهم۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۷۵ فصل واما بیان ادنی المقدار)

[2] وذکر الامام ابوداؤد السجستانیؒ: عن ابی العجفاء قال خطبنا عمرؓ فقال الا لا تغالوا بصدق النساء فانها لو کانت مکرمةً فی الدنیا او تقوًی عند الله کان اولاکم بها النبی صلی الله علیه وسلم ما اَصدق رسول الله ﷺ امرأةً من نسائه ولا اُصدقت امرأة من بناته اکثر من ثنتی عشرة اوقیةً۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۳ باب الصداق)

الجواب:۔ مہر کے تقرر کا تعلق نکاح باندھنے کے ساتھ ہے، جب بھی نکاح باندھا جائے گا تو مہر مقرر کیا جائے گا چاہے اپنی مطلقہ سے حلالہ شرعی کے بعد نکاح کرنا ہو یا کسی اور عورت سے نکاح کرنا ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں دوبارہ مہر مقرر کرنا ہوگا ورنہ مہرِ مثل لازم ہوگا۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وكذا يجب مهر المثل فيما اذا لم يسم مهرًا او نفى ان وطئ الزوج او مات عنها اذا لم يتراضيا على شئ يصلح مهرًا والا فذلك الشئ هو الواجب۔
(الدر المختار على هامش ردّ المحتار ج۲ ص۳۶۳ باب المهر)[1]

متعدد ازواج کی صورت میں مہر میں مساوات کا مسئلہ

سوال: جناب مفتی صاحب! ہم نے سنا ہے کہ جس شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان برابری شرعاً ضروری ہے، تو کیا مہر میں بھی برابری ضروری ہے؟

الجواب:۔ اسلام نے حقوقِ نسواں کا خیال رکھ کر مرد کو ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان مساوات کا حکم دیا ہے لیکن یہ مساوات کھانے پینے، لباس، رہائش اور رات گذارنے میں ہے، مہر میں یہ تساوی جاری نہ ہوگا، اس لیے مہر مقرر کرنا صرف مرد کا کام نہیں بلکہ باہمی رضامندگی کا مسئلہ ہے، اس لیے متعدد بیویوں کے درمیان مہر میں تفاوت موجبِ گناہ نہیں ہے۔

قال العلامة ابن نجيم المصريؒ: يجب عليه التسوية بين الحرتين او الامتين فی المأكول والمشروب والملبوس والسكنى والبيتوتة۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۳۳ باب القسم)[2]

---

[1] قال العلامة قاضی خانؒ: المهر يتكرر بالعقد مرة وبالوطئ اخرٰى يتكرر بهما۔
(فتاوىٰ قاضيخان على هامش الهندية ج۱ ص۳۹۲ فصل فی تكرار المهر)

[2] قال العلامة قاضيخانؒ: وما يجب على الازواج للنساء العدل والتسوية بينهنّ فيما يملك وهو البيتوتة عندها للصحبة والمؤانسة لا فيما لا يملك۔
(الفتاوىٰ قاضيخان على هامش الهندية ج۱ ص۴۳۹ فصل فی القسم)
ومثلهٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۳۳۲ فصل ومنها وجوب العدل بين النساء۔

حق مہر میں نقدی کے بجائے زمین وغیرہ دینا

سوال: ۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقہ میں یہ دستور ہے کہ لوگ حق مہر میں نقدی کے بجائے مکان، زمین یا سونے کے زیورات دیتے ہیں، کیا نقد رقم کی جگہ مذکورہ اشیاء دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ۔ حق مہر میں ہر وہ چیز دینا جائز ہے جو بذاتِ خود مال ہو۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ مذکورہ اشیاء بھی مالِ متقوم ہیں اس لیے ان اشیاء کو مہر میں دینا جائز ہے۔

وفی الھندیۃ: المھر انما یصح بکل ماھو مال متقوم۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۳۰۲ الفصل الاوّل فی بیان ادنیٰ مقدار المھر وبیان ما یصلح مھرًا.....) [1]

انعقادِ نکاح کے بعد حق مہر میں زیادتی کرنا

سوال: ۔ کیا انعقادِ نکاح کے بعد شوہر مہر میں زیادتی کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کرے تو کیا بیوی اس زیادتی کا مطالبہ کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: ۔ جس طرح نکاح سے قبل حق مہر میں کمی بیشی کی جاسکتی ہے اسی طرح نکاح کے انعقاد کے بعد بھی شوہر مہر میں زیادتی کرسکتا ہے اور اس زیادتی کا مطالبہ عورت کا حق بن جائے گا۔

وفی الھندیۃ: الزیادۃ فی المھر صحیحۃ حال قیام النکاح......فاذا زادھا فی المھر بعد العقد لزمتہ الزیادۃ کذا فی السراج الوھاج۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۳۱۲ الفصل السابع فی الزیادۃ فی المھر والحطعنہ وفیما یزید وینقص) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: منھا ان یکون المسمّی مالاً متقومًا۔
(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۷۷ فصل واما بیان ما یصح تسمیۃ مھر)

[2] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللّٰہ: (تحت قولہ وما فرض بعد العقد اوزید لا یتنصف)..... دل وضع المسئلۃ علیٰ جواز الزیادۃ فی المھر بعد العقد وھی لازمۃ لہٗ بشرط قبولھا فی المجلس علی الأصح۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۲۸ باب المھر)

اپنی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا

سوال:- جو شخص نکاح کے وقت اپنی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرے تو اُس کے اس عمل کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- مہر کی تقرری میں اپنی حیثیت کو مدِ نظر رکھنا چاہیئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر میں زیادتی کو ناپسند فرمایا ہے اس لیے حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا اچھا نہیں لیکن تقرر کے بعد شوہر کے ذمے ادا کرنا لازم ہو جائے گا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لاتغالوا صدقة النساء۔ (مشکوٰة ص۲۷۷ باب الصداق)[1]

عورت مہر کا مطالبہ کس سے کرے گی

سوال:- یہاں صوبہ سرحد میں اکثر والدین بیٹوں اور بیٹیوں کی شادیاں کراتے ہیں، تو کیا عورت مہر کا مطالبہ شوہر سے کرے گی یا سسر سے؟ (جس نے اس کا نکاح کرایا ہے)

الجواب:- مہر منفعتِ زوجیت کا عوض ہے جو شرعاً شوہر کے ذمے واجب ہوتا ہے، صورتِ مسئولہ میں اگر لڑکے کے باپ نے مہر کا ضمان اپنے ذمے لے لیا ہو تو عورت سسر اور شوہر دونوں سے اس کا مطالبہ کر سکتی ہے بصورتِ دیگر مہر کا مطالبہ صرف شوہر سے ہوگا۔

وفی الهندیة: زوج ابنة الصغیرة او الكبیرة وهی بكر او مجنونة رَجُلاً او ضمن عنه مهرها صح ضمانه ثم هی بالخیار ان شاءت طالبت زوجها او ولیها ان كانت اهلاً لذلك ویرجع الولی بعد الاداء علی الزوج ان ضمن بامره۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۲۶ الفصل الرابع عشر فی ضمان المهر)[2]

---

[1] قال المفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ: زیادہ مہر مقرر کرنا اچھا نہیں سمجھا گیا۔
(فتاوی دار العلوم دیوبند ج۸ ص۲۴۱ مسائل و احکام مہر)

[2] وقال العلامة الحصكفیؒ: (وتطالب أیا شاءت) من زوجها البالغ او الولی الضامن۔
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۳۸۷
مطلب فی ضمان المهر)
ومثله فی فتاوی دار العلوم دیوبند ج۲ ص۲۴۴ مسائل و احکام مهر۔

عورت کے ورثاء شوہر سے مہر کا مطالبہ کرسکتے ہیں

سوال:۔ ایک عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دیدی، طلاق کے بعد اس عورت کا نکاح دیور سے ہوگیا، اب وہ عورت وفات پاگئی ہے تو کیا عورت کے ورثاء دونوں شوہروں سے مہر کا مطالبہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح کرنے کے بعد مہر عورت کا حق بن جاتا ہے جو کسی وقت بھی مطالبہ کرسکتی ہے چونکہ اس عورت نے دو مردوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کیا ہے لہٰذا اگر دونوں نے اس کی وفات تک حقِ مہر ادا نہ کیا ہو تو ان کے ذمے عورت کا مہر لازمی ہے، اس لیے وفات کے بعد عورت کے ورثاء دونوں سے مطالبہ کرسکتے ہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: افاد انّ المهر وجب بنفس العقد۔

(ردّ المحتار ج۲ ص۳۵۸ باب المهر)[1]

مہر عورت کے ورثاء کو دیا جاسکتا ہے

سوال:۔ اگر کوئی عورت شوہر کے گھر فوت ہوجائے اور اس کے والدین و دیگر رشتہ دار شوہر سے مہر کا مطالبہ کریں تو کیا مہر ورثاء کو دیا جاسکتا ہے یا شوہر ہی اس کا حقدار ہے؟

الجواب:۔ اگر مہر شوہر کے ذمے قرض ہو تو بیوی کی وفات کے بعد مہر بطریقہ میراث تقسیم ہوگا جس میں شوہر عورت کی اولاد اور والدین شریک ہیں، اس لیے کل مہر نہ تو شوہر کے پاس رہے گا اور نہ کل مہر عورت کے رشتہ داروں کو دیا جائے گا۔

قال العلامة الکاسانیؒ: ومنها الارث من الجانبین جمیعاً لقوله عزّوجلّ: "ولکم نصف ما ترک ازواجکم" الی قوله عزّوجلّ: "ولهنّ الثمن مما ترکتم من بعد وصیة توصون بها او دین" (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۳۲ فصل ومنها الارث)[2]

---

[1] قال العلامة الکاسانیؒ: المهر فی النکاح الصحیح یجب بالعقد لانه احداث الملک والمهر یجب بمقابلة احداث الملک۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۸۷ فصل واما بیان ما یجب المهر)

ومثله فی فتاویٰ قاضیخان علیٰ هامش الهندیة ج۱ ص۳۹۲ فصل فی تکرار المهر۔

[2] قال العلامة المفتی عزیز الرحمنؒ: جو مہر ہندہ کا بذمہ شوہر ہے اس میں نصف شوہر کو پہنچے گا اور نصف ہندہ کے والدین کو ملے گا، زید کو اپنے حصہ کا اختیار ہے کہ خیرات کردے، والدین کا حصہ ان کو دینا چاہیئے۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۸ ص۲۱۴ فصل اول مسائل و احکام مہر)

نابالغ لڑکے کی شادی کے مہر کا حکم

سوال: ایک آدمی نے بچپن میں اپنے لڑکے کی شادی کر دی تو اب بیوی کا حق مہر نابالغ شوہر پر واجب ہوگا یا سسر پر؟

الجواب: مہر کے وجوب کے لیے بلوغ شرط نہیں اس کا تعلق نکاح سے ہے یعنی جس سے نکاح ہوا ہو اُس کے ذمّے مہر دینا واجب ہے چاہے بالغ ہو یا نابالغ، اگرچہ باپ ضامن بن سکتا ہے۔

وفی الهندیة: واذا زوّج ابنه الصغیر امرأة وضمن عنه المهر وکان ذٰلك فی صحته جاز اذا قبلت المرأة الضمان واذا ادّی الاب ذٰلك ان کان الاداء فی حالة الصحة لا یرجع علی الابن بما ادّی استحسانًا الّا اذا کان بشرط الرجوع فی اصل الضمان۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۳۲۶ الفصل الرابع عشر فی ضمان المهر)[1]

بذریعہ جرگہ طلاق لینے کی صورت میں مہر کا مطالبہ کرنا

سوال: بعض عورتیں گھریلو ناچاقی کی وجہ سے شوہر سے بذریعہ جرگہ وغیرہ طلاق لے لیتی ہیں، تو کیا طلاق لینے کے بعد مہر کا مطالبہ کر سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب: اگر طلاق دیتے وقت شوہر نے مہر معاف کرنے کی شرط لگائی ہو اور عورت نے قبول کر کے شوہر سے طلاق لی ہو تو اُسے مہر کے مطالبہ کا حق نہیں رہتا اور اگر طلاق دیتے وقت ایسی کوئی شرط نہ لگائی گئی ہو اور نہ عورت نے مہر معاف کیا ہو تو مہر اس کا حق ہے اور وہ مطالبہ کر سکتی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: افاد انّ المهر وجب بنفس العقد ... انما یتاکد لزوم تمامه بالوطء ونحوه (رد المحتار ج ۲ ص۳۵۸ باب المهر)[2]

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: (و تطالب ایّا شاءت) من زوجها البالغ او الولی الضامن۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص۳۸۷ مطلب فی ضمان الولی المهر)

[2] وفی الهندیة: امرأة قالت لزوجها اخلعنی فقالت تو خویشتن خریدم فقال الزوج مجیبًا لها انت طالق صار بمنزلة قوله خلعت هکذا ذکر فی النوازل والفتوی علی انه اراد به الجواب یکون جوابًا ولو قال فروختم بیک طلاق ویکون جوابًا بدون النیّة وبعد اسطر ... وهل یبرأ الزوج عن المهر اختلفوا فیما بینهم قال بعضهم لا یبرأ وهو الاصح۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۴۹۱ الفصل الاول فی شرائط الخلع وحکمه وما یتعلق به)

وَمِثْلُهٗ فی فتاوی دیوبند ج ۸ ص۲۱۵ مسائل واحکام مهر۔

جبراً مہر معاف کرانا

سوال:۔ اگر کوئی عورت جبر و اکراہ سے یا کسی دباؤ میں آکر حق مہر معاف کر دے تو کیا مہر معاف ہو جائے گا؟

الجواب:۔ بتقاضائے نص قرآنی مہر کی معافی کے لیے طیب نفس کا ہونا ضروری ہے جبر و اکراہ کے ساتھ معاف کرانے سے مہر معاف نہیں ہوتا۔

لقولہ تعالیٰ: فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــًٔا مَّرِيْٓــًٔا۔

(سورۃ النساء آیت ۴) [1]

مقدارِ مہر میں اختلاف کا پیدا ہونا

سوال:۔ اگر کبھی میاں بیوی کے درمیان مہر کی مقدار میں اختلاف ہو جائے اور شرعی دلیل کسی کے پاس نہ ہو تو دونوں میں سے کس کا قول معتبر ہوگا؟

الجواب:۔ نکاح کے معاملے میں اصل مہر مثل ہے، جب میاں بیوی کا مقدارِ مہر میں اختلاف پیدا ہو جائے اور دلیل کسی کے پاس نہ ہو تو اس متنازع صورت میں فیصلہ مہر مثل پر ہوگا۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: وقالا یقضی بمہر المثل کحال حیاۃ وبہ یفتی۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۹۳ باب المہر) [2]

عدالت کے ذریعے مہر کم کروانا

سوال:۔ اگر کوئی شخص مفلس ہو اور بوقتِ نکاح لڑکی والوں نے مہر زیادہ مقرر کر دیا ہو، تو اب اگر وہ عدالت کے ذریعے مہر کو کم کروانا چاہے تو کروا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مہر کا تقرر میاں بیوی کی باہمی رضامندی سے ہوتا ہے، تقرری کے بعد

---

[1] قال الشیخ المفتی محمد شفیع رحمہ اللہ: دورِ حاضر میں چونکہ عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ مہر ملنے والا نہیں ہے، اگر سوال کروں یا معاف نہ کروں تو بددلی یا بدمزگی پیدا ہوگی، اس لیے بادلِ نخواستہ معاف کر دیتی ہیں، اس معافی کا کوئی اعتبار نہیں۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۲۹۸ سورۃ النساء)

[2] وفی الہندیۃ: اذا اختلف الزوجان فی قدر المہر حال قیام النکاح عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ یحکم مہر المثل۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۳۱۹ الفصل الثانی عشر فی اختلاف الزوجین فی المہر)

ومثلہ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۰۵ فصل واما حکم اختلاف الزوجین فی المہر۔

جب مہر ایک مرتبہ متاکد ہو جائے تو بیوی کی رضامندی کے بغیر عدالت یا کوئی جرگہ وغیرہ نہ تو مہر کم کرا سکتے ہیں اور نہ ختم کر سکتے ہیں، شوہر پر اس کی ادائیگی لازم ہے۔

قال العلامة ابوبكر الكاسانيؒ: فالمهر يتاكد باحد معانٍ ثلاثة ..... لا يسقط بعد ذلك إلا بالابراء۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۹۱ فصل بيان ما يتاكد به المهر) [1]

تاجیل و تعجیلِ مہر میں عرف کا اعتبار ہے

سوال:- اگر بوقتِ نکاح مہر کی تاجیل و تعجیل کا کوئی ذکر نہ ہوا ہو تو کیا عورت مہر فوراً لینے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟

الجواب: جس مہر کی تاجیل و تعجیل کا ذکر بوقتِ انعقادِ نکاح نہ ہو تو اس صورت میں مہر عرف کا تابع ہو کر جتنا مال موجل دیا جاتا ہے تو اتنی مقدار میں عورت حقِ مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: ولها منعه عن الوطء والسفر بها ولو بعد وطءٍ وخلوة رضيتهما لاخذ ما بين تعجيله او قدر ما يعجل لمثلها عرفاً وان لم يؤجل قال الحصكفيؒ: به يفتى لان المعروف كالمشروط۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۸۹ باب المهر) [2]

رخصتی سے قبل شوہر کی وفات پر عورت پورے مہر کی حقدار ہے

سوال:- اگر کسی عورت کا شوہر رخصتی سے قبل وفات پا جائے تو کیا عورت پورے مہر کی حقدار ہوگی یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة ابن عابدينؒ: واما المسمى فانما قام مقامه للتراضي به ثم عرف المهر في العناية بانه اسم للمال الذي يجب في عقد النكاح على الزوج في مقابلة البضع اما بالتسمية او بالعقد۔
(ردالمحتار ج۲ ص۳۵۷ باب المهر)

ومثله في الهندية ج۱ ص۳۰۳ الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة۔

[2] قال العلامة ابوبكر الكاسانيؒ: اذا كان المهر معجلاً بان تزوجها على صداق عاجل او كان مسكوتاً عن التعجيل والتاجيل لاحكم المسكوت حكم المعجل لان هذا عقد معاوضة فيقتضي المساواة من الجانبين والمرأة لميت حق الزوج فيجب ان يعين الزوج حقها وانما يتعين بالتسليم۔
(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۸۸ فصل واما بيان ما يجب به المهر وبيان وقت وجوبه)

الجواب:۔ موت ایک ایسا حادثہ ہے کہ جس کی وجہ سے مہر متأکد ہوجاتا ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر رخصتی سے قبل کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہوجائے تو عورت بوقتِ نکاح مقرر کردہ پورے مہر کی حقدار ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویتأکد عند وطء او خلوة صحت من الزوج او موت احدهما۔ الخ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۳۵۸ باب المهر) [1]

بیٹی کے حق مہر کی رقم سے جہیز کا سامان خریدنا

سوال: بعض علاقوں میں رواج ہے کہ باپ بیٹی کا مہر لے کر اس سے بیٹی کے لیے جہیز کا سامان خریدتا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ مہر کی رقم سے بیٹی کے لیے جہیز کا سامان خریدنا جائز ہے اور یہ سامان لڑکی کی ذاتی ملکیت تصور ہوگا، باپ کے اس قبضے سے شوہر کا ذمہ فارغ ہوجائے گا۔

قال ابن عابدینؒ: وفیها قبض الاب المهر وهی بالغة اولا وجهزها او قبض مکان المهر عینا لیس لها ان لا تجیز لان ولایة قبض المهر الی الاباء وکذا التصرف فیها۔ (رد المحتار ج۲ ص۵۰۸ باب المهر قبیل باب النکاح الرقیق) [2]

جہیز کی شرعی حیثیت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آجکل ہم اکثر لوگوں سے یہ الفاظ سنتے رہتے ہیں کہ جہیز کی لعنت ہمارے سروں پر سوار ہے۔ تو کیا واقعی ایک لعنت ہے؟ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایک باپ جب اپنی بیٹی کے لیے کہیں شادی کا ارادہ رکھتا ہو تو سنت یہ ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق کچھ نہ کچھ سامان بیٹی کو جہیز میں دینا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو شادی کے موقع پر جہیز دیا تھا۔ تاہم اپنی وسعت سے زیادہ کام کرنا مناسب نہیں۔

---

[1] قال فی الهندیة: والمهر یتأکد باحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحیحة وموت احد الزوجین۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۰۳ الفصل الثانی فیما یتأکد به المهر والمتعة)

[2] قال العلامة المفتی عزیز الرحمٰنؒ: لڑکی کے سامان کے لیے باپ کو مہر کا کچھ حصہ لے کر اس میں صرف کرنا جائز ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند ج۸ ص۲۴۳ مسائل و احکام مہر)

عن عليؓ: انّ رسول الله صلى الله عليه وسلم لما زوّجه فاطمةؓ بعث معها بخميلة ووسادة أُدمٍ حشوها ليف ورحائين وسقائين ...... الحديث (الاصابة ج٤ ص٣٧٩)

حضرت علیؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کی شادی میرے ساتھ کی تو جہیز میں ساتھ ایک چادر اور ایک گدا جس کے اندر کھجور کے پتے بھرے تھے اور ۲ دو چکیاں اور ۲ دو مشکیں بھیجی تھیں۔ (امداد الاحکام جلد ۲ ص۲۷۱ باب المھر) [1]

جہیز کے سامان کی ملکیّت کا حکم

سوال:۔ لڑکی کے والدین جو جہیز کا سامان اپنی بیٹی کو شادی کے موقع پر دیتے ہیں، یہ سامان کس کی ملکیت ہے؟ لڑکی کی یا شوہر کی؟

الجواب: یہ تو جہیز کا سامان دینے والے کی نیّت پر موقوف ہے، اگر اُس نے لڑکے کو دیا ہو تو اُس کی ملکیت ہے اور اگر لڑکی کو دیا ہو تو اُس کی ملکیت ہے۔ چونکہ یہ سامان لوگ عموماً اپنی بیٹی کو دیتے ہیں اسلئے عدمِ نیّت کی صورت میں یہ سامان لڑکی کا متصوّر ہوگا۔

قال في الهندية: لو جهّز ابنته وسلمه اليها ليس له في الاستحسان استرداده وعليه الفتوى ..... واذا بعث الزوج الى اهل زوجته اشياء عند زفافها منها ديباج فلمّا زفت اليه أراد ان يسترد من المرأة الديباج ليس له ذلك اذا بعث اليها على جهة التمليك كذا في الفصول العمادية۔ (الفتاوى الهندية ج١ ص٣٢٧ الفصل السادس عشر في جهاز البنت) [2]

---

[1] عن عليٍّ رضي الله عنه قال: جهّز رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمةؓ في خميلٍ وقربةٍ ووسادةٍ حشوها اذخر۔ (سنن النسائي ج٢ ص٩٢ جهاز الرجل ابنته)

[2] وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله: "سئل" فيما اذا زوّجا بنتهما البالغة وجهّزاها بجهاز سلّماه منها في صحتهما ثمّ ماتا عنها وعن ورثة غيرها يريدون قسمة الجهاز بينهم مع البنت فهل ليس لهٗ ذلك۔ الجواب "نعم"
(تنقيح الحامدية ج١ ص٢٦ مسائل الجهاز)

ومثلهٗ في جامع الفصولين جلد ١ ص١٩٢ في الفصل العشرون في دعوى النكاح۔

مہر معاف کرنے کے بعد دوبارہ مطالبہ کرنا

سوال:۔ یہاں ہمارے گاؤں میں ایک عورت نے شوہر کو اپنا حق مہر معاف کردیا تھا، اب کسی گھریلو ناچاقی کی وجہ سے نوبت طلاق تک پہنچ گئی ہے، تو کیا یہ عورت دوبارہ اپنے مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ جب کوئی عورت برضا و رغبت ایک مرتبہ اپنا حق مہر معاف کردے تو اس کو دوبارہ مطالبہ کا حق حاصل نہیں رہتا، اس لیے صورتِ مسئولہ میں عورت کا دوبارہ مطالبہ کرنا صحیح نہیں۔

وفی الھندیۃ:۔ للمرأۃ ان تھب مالھا لزوجھا من صداق دخل بھا زوجھا أولم یدخل ولیس لاحد من اولیائھا اب ولا غیرہ الاعتراض علیھا۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۸ ص۳۱۶ الباب السابع فی المھر الفصل العاشر فی ھبۃ المھر)[1]

مہر معاف کرنے پر اولیاء کا اعتراض کرنا

سوال:۔ کیا عورت اپنے شوہر کو حق مہر معاف کر سکتی ہے یا نہیں؟ اگر کرسکتی ہے تو کیا معاف کرنے کے بعد عورت کے باپ یا دیگر رشتہ داروں کا اعتراض معتبر ہوگا یا نہیں ؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامی میں عورت اپنے مہر کی خود مالکہ ہے وہ اسکو جس طرح استعمال کرسکتی ہے چاہے شوہر کو معاف کرے یا کسی اور کو ہبہ دیدے، باپ یا کسی اور رشتہ دار کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے۔

وفی الھندیۃ: للمرأۃ ان تھب مالھا لزوجھا من صداق دخل بھا زوجھا اولم یدخل ولیس لاحد من اولیائھا اب ولا غیرہ الاعتراض علیھا۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۸ ص۳۱۶۔ الباب السابع فی المھر الفصل العاشر فی ھبۃ المھر)[2]

خلوتِ صحیحہ کے بعد نامرد شوہر کامل مہر دے گا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں چند سال قبل ایک لڑکے کی شادی ہوئی، شادی کے بعد وہ نامرد ثابت ہوا جبکہ عورت نے رات کے وقت اپنے آپ کو

---

[1] و [2] قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: (وصح حطھا) لکلہ او بعضہ (عنہ) قبل ولا الخ

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ:۔ تحت ھذہ العبارۃ (وصح حطھا) وقید بحطھا لأن حط ابیھا غیر صحیح لو صغیرۃ ولو کبیرۃ توقف علی اجازتھا ولا بد من رضاھا۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج۳ ص۱۱۳ باب المھر مطلب فی حط المھر والابراء منہ)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۲ ص۳۰۵ باب المھر۔

شوہر کے حوالے کردیا تھا، تو کیا اب طلاق کے بعد عورت کو نصف مہر ملے گا یا کامل؟

الجواب:۔ مہر کی تاکید صرف دخول پر موقوف نہیں بلکہ عورت کا اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کرنے پر بھی مہر مؤکد ہوجاتا ہے، صورتِ مسئولہ میں چونکہ عورت نے اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کیا ہے اس لیے وہ کامل مہر کی حقدار ہے۔

وفی الهندية: وخلوة المجبوب خلوة صحيحة عند ابی حنيفة رح وخلوة العنين والخصی خلوة صحيحة۔ (الفتاویٰ الهندية ج ۱ ص ۳۰۵ الباب السابع فی المهر، الفصل الثانی فيما يتأكد به المهر والمتعة)[1]

"تجھے خلع دیا ہے" سے سقوطِ مہر کا حکم

سوال:۔ اگر شوہر اپنی بیوی سے یہ الفاظ کہے کہ "میں نے تجھے خلع دیا ہے" مگر عوضِ خلع ذکر نہیں کیا اور عورت اس کو قبول کرلے تو کیا اس سے مہر ساقط ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ خلع سے چونکہ میاں بیوی کے حقوق ساقط ہوجاتے ہیں، اب اگر عورت نے اپنا مہر وصول نہ کیا ہو تو خلع قبول کرلینے سے اس کا حقِ مہر شوہر کے ذمے سے ساقط ہوجائے گا اور اگر وصول کیا ہو تو اس خلع کے عوض کچھ لازم نہ ہوا اور نہ عورت پر مہر واپس کرنا لازم ہے اسلئے کہ سوال میں بدلِ خلع مذکور نہیں۔

وفی الهندية: واذا خالعها علی مال مسمی معروف سوی الصداق فان كانت المرأة مدخولاً بها والمهر مقبوضاً فانها تسلم الی الزوج بدل الخلع ولا يتبع احدهما صاحبه بعد الطلاق بشئ وان كان المهر غير مقبوض فالمرأة تسلم الی الزوج بدل الخلع ولا ترجع علی الزوج بشئ من المهر الخ۔ (الفتاویٰ الهنديه ج ۱ ص ۴۸۹ الباب الثامن فی الخلع ...الخ)[2]

---

[1] قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله، واذا خلا المجبوب بامرأته ثم طلقها فلها كمال المهر عند ابي حنيفة رح وقال عليه نصف المهر لانه اعجز من المريض بخلاف العنين ...لان الحكم ادبر علی سلامة الآلة۔ الخ (الهداية ج ۲ ص ۳۰۶ باب المهر)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار مع رد المحتار ج ۳ ص ۱۱۷، ۱۱۸ باب المهر مطلب فی احكام الخلوة۔

[2] قال العلامة قاضيخان رح: واما حكم المهر فان كانت المرأة مدخولة فقد قبضت المهر يلزمها البدل ولا يرجع احدهما علی صاحبه بشئ فی قولهم۔ (فتاویٰ قاضيخان ج ۲ ص ۲۵۶ باب الخلع)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج ۲ ص ۱۰۱ الفصل الثالث فی الخلع۔

لڑکے والوں سے شادی کا خرچہ لینا

سوال:۔ بعض لوگ لڑکی کا رشتہ دینے کے بعد لڑکے والوں سے مختلف رسومات کے نام پر شادی کا خرچہ وغیرہ لیتے ہیں، تو کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ عقدِ نکاح میں لڑکی دینے کی وجہ سے لڑکے یا اس کے رشتہ داروں سے رسومات کے بہانے شادی بیاہ کا خرچہ لینا ناجائز اور حرام ہے، اگر پیسے لیے ہوں تو واپس کرنا لازمی ہے، تاہم اس سے نکاح متاثر نہیں ہوتا۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: ومن السحت ما یأخذه الصهر من الختن بسبب بنته بطيب نفسه حتّٰى لو كان بطلبه يرجع الختن۔

(ردّ المحتار ج ۵ ص۳۰۱ كتاب الحظر والاباحة، فصل فى البيع)[له]

حقِ مہر کی قسمیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مہر کی کتنی قسمیں ہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ میں حقِ مہر کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں:۔

(۱) **مہرِ مسمّیٰ:** یہ وہ مہر ہے جو زوجین یا ان کے وکلاء نکاح کرتے وقت باہمی رضامندی سے مقرر کرتے ہیں۔

(۲) **مہرِ مثل:** یہ وہ مہر ہے جو عورت کے خاندان کی دیگر عورتوں مثلاً سگی بہنوں، پھوپھیوں اور چچازاد بہنوں کے مہر کے برابر مقرر کیا جائے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اصل مہر مہرِ مثل ہے۔

قال الشيخ وهبة الزحيلي: المهر عند الفقهاء نوعان مهر مسمّٰى ومهر مثل۔ اما المهر المسمّٰى فهو ما سمى فى العقد او بعد بالتراضى..... اما مهر المثل فقد حدّد الحنفية بانه مهر امرأة تماثل الزوجة وقت العقد من جهة ابيها لا امها ان لم تكن من قوم ابيها كاختها وعمتها وبنت عمها فى بلدها وعصرها۔

(الفقه الاسلامى وادلّته ج۷ ص۲۶۶ رابعاً انواع المهر)

[له] قال العلامة الحصكفيؒ: اخذ اهل المرأة شيئاً عند التسليم فللزوج ان يسترده لانه رشوة۔ (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۳۹۷ مطلب انفق علىٰ معتدة الغير)

ومِثْلُهٗ فى الهندية ج ۱ ص۳۲۷ الفصل السادس عشر فى جهاز البنت۔

حقِ مہر خاوند کے ذمہ واجب ہے

سوال: نکاح باندھتے وقت اگر بالغ لڑکے کا باپ حقِ مہر میں مقرر شدہ مال کی ادائیگی کا وعدہ کرے مگر ناداری اور غربت کی وجہ سے ادا نہ کر سکے تو کیا خاوند کے ذمے مہر دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صراحتاً یا عرفاً لڑکے کی طرف سے اجازت کی صورت میں مذکورہ حقِ مہر اس کے ذمہ واجب الاداء ہے، حقِ مہر کی ادائیگی کا اصل ذمہ دار خاوند ہے، تاہم اگر باپ نے بیٹے کی جگہ حقِ مہر میں کوئی چیز دے دی تو وہ حقِ مہر شمار ہوگا خاوند پر دوبارہ ادائیگی ضروری نہیں، اور اگر باپ وعدہ کر کے نہ دے سکے تو خاوند پر لازمی ہے کہ مقرر شدہ حقِ مہر ادا کرے۔

قال ابن نجیمؒ: أما ولی الزوج الکبیر فھو وکیل عنه کالاجنبی فکایته علیه ولایة استحباب وحکم ضمان مھره کحکم ضمان الاجنبی فان ضمن عنه باذنه رجع والا فلا۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۶۵ باب المھر)[1]

حقِ مہر کے بغیر نکاح کا حکم

سوال: نکاح کے انعقاد کے وقت اگر ایجاب و قبول کے دوران حقِ مہر مقرر نہ کیا جائے تو کیا اس صورت میں نکاح شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حقِ مہر کا تقرر ضروریاتِ نکاح میں سے ہے رکن نہیں، لہٰذا اگر مجلسِ نکاح میں گواہوں کے سامنے شرعی طریقہ پر نکاح پڑھا گیا ہو تو اگرچہ اس میں مہر کا ذکر نہ کیا جائے تب بھی نکاح درست ہے لیکن خاوند کے ذمہ دخول کے بعد مہرِ مثل کی ادائیگی لازم ہے۔

قال ابن نجیمؒ: (تحت قول الماتن) صح النکاح بلا ذکره لأن النکاح عقد انضمام وازدواج لغة فیتم بالزوجین ثم المھر واجب شرعاً إبانة لشرف المحل فلا یحتاج إلی ذکره لصحة النکاح ..... وذکر الأکمل والکمال أنه لا خلاف لاحد فی صحته بلا ذکر المھر۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۴۲ باب المھر)[2]

---

[1] قال فی الھندیة: ویرجع الولی بعد الأداء علی الزوج إن ضمن بأمره ھکذا فی التبیین۔
(الفتاویٰ الھندیہ ج۱ ص۳۲۶ الفصل الرابع عشر فی ضمان المھر)

ومثله فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۱۱ باب المھر مطلب فی ضمان الولی المھر۔

[2] قال العلامة العثمانیؒ: عن علقمة قال أتی عبد اللہ فی إمرأة تزوجھا رجل ثم مات عنھا ولم یفرض لھا صداقاً ولم یکن دخل قال فاختلفوا إلیه فقال أری لھا مثل مھر نسائھا ثم ذکر أن معقل بن سنان الأشجعی شھد أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قضی فی واقعة مثل ما قضیت۔ رواہ الخمسة وصححه الترمذی۔ (اعلاء السنن ج۱۱ ص۸۲) وقال فی الھندیة: وإن تزوجھا ولم یسم لھا مھراً أو تزوجھا علی أن لا مھر لھا فلھا مھر مثلھا إن دخل بھا أو مات عنھا۔
(الفتاویٰ الھندیة ج۱ ص۳۰۴ الفصل الثانی فیما یتأکد به المھر والمتعة)

ومثله فی بدائع الصنائع ج۲ ص۲۷۴ فصل ان لا یکون مجھولا جھالة۔

مقررشدہ حق مہر میں اضافہ کرنا جائز ہے

سوال:۔ اگر خاوند کی طرف سے مقررشدہ حق مہر میں کوئی اضافہ ہوجائے تو کیا عورت اس اضافے کی حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حق مہر میں اضافہ اور کمی دونوں شرعاً جائز ہیں اس لیے بیوی کے قبول کرنے کی صورت میں خاوند کی طرف سے مقررشدہ مہر میں اضافہ درست اور نافذ ہے اور عورت اس کی مالکہ متصور ہوگی۔

قال فی الهندیة: الزیادة فی المهر صحیحة حال قیام النکاح عند علمائنا الثلاثة. کذا فی المحیط: فاذا زادها فی المهر بعد العقد لزمته الزیادة. کذا فی السراج الوهاج: هذا اذا قبلت المرأة الزیادة سواء کانت من جنس المهر أو لا، من زوج أو من ولی کذا فی النهر الفائق۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۱۲ الفصل السابع فی الزیادة فی المهر الخ)[1]

خاوند سے حق مہر کے علاوہ لیے گئے مال کا حکم

سوال:۔ شادی سے پہلے لڑکی والوں کا لڑکے سے حق مہر کے علاوہ کچھ روپیہ وغیرہ لینا شرعاً کیسا ہے؟ کیا لڑکا شادی کے بعد یا پہلے اس کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شادی سے پہلے لڑکی کے والدین یا دوسرے اولیاء کے لیے حق مہر کے علاوہ لڑکے سے نقدی یا جنس کی شکل میں کچھ لینا حرام اور ناجائز ہے ایسا مال لڑکے کی ملکیت ہے اور وہ کسی وقت بھی اس کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

قال الحصکفیؒ: اخذ اهل المرأة شیئا عند التسلیم فللزوج أن یسترده لانه رشوة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۶ آخر باب المهر)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: ودل وضع المسئلة علی جواز الزیادة فی المهر بعد العقد وهی لازمة له بشرط قبولها فی المجلس علی الأصح۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۴۸ باب المهر)

[2] قال فی الهندیة: ولو أخذ أهل المرأة شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یسترده لأنه رشوة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۲۷ الفصل السادس عشر فی جهاز البنت)

ومثله فی البحر الرائق ج ۳ ص ۱۸۶، ۱۸۷ باب المهر۔

حصولِ مہر کیلئے عورت اپنے آپ کو خاوند سے روک سکتی ہے

سوال:۔ حقِ مہر حاصل کرنے کے لیے عورت اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کرنے سے روک سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر خاوند بیوی کو مہرِ معجل ادا نہ کرے تو مہر کے حصول کے لیے عورت اپنے آپ کو اُس وقت تک خاوند سے روک سکتی ہے جب تک وہ اُسے مہر ادا نہ کر دے۔

قال فی الهندیة: فی کل موضع دخل بها أو صحت الخلوة وتأکد کل المهر لو أرادت أن تمنع نفسها لاستیفاء المعجل لها ذلک عنده خلافاً لهما...... وقبل تسلیم النفس لها ذلک بالاجماع۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۱۷ الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها بمهرها)[1]

حقِ مہر قسط وار ادا کرنا جائز ہے

سوال:۔ اگر مہر کی مقدار زیادہ ہو کہ خاوند کیلئے یکمشت ادا کرنا مشکل ہو تو کیا اس کیلئے قسط وار ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عقدِ نکاح کے وقت تمام مہر یا بعض کا مؤجل یا معجل (یکمشت یا قسط وار) دینے کا فیصلہ ہوا ہو تو اس کے موافق عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال الحصکفیؒ:۔ ان لم تؤجل أو یعجل کله فکما شرط لأن الصریح یفوق الدلالة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص ۱۴۴ مطلب زمان الولی)[2]

---

[1] قال ابن عابدین رحمه الله: تحت قول الماتن ولها منعه من الوطء وکذ الولی الصغیرة المنع المذکور حتی یقبض مهرها۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۱۴۳ مطلب فی منع الزوجة نفسها لقبض المهر)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۸۸ فصل یجب به المهر۔

[2] قال فی الهندیة: وإن بینوا قدر المعجل یعجل ذلک وإن لم یبینوا شیئاً ینظر إلی المرأة وإلی المهر المذکور فی العقد أنه کم یکون المعجل لمثل هذه المرأة من مثل هذا المهر فیجعل ذلک معجلاً ولا یقدر بالربع ولا بالخمس وإنما ینظر إلی المتعارف وإن شرطوا فی العقد تعجیل کل المهر یجعل الکل معجلاً ویترک العرف۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۱۸ الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۱۷۸ باب المهر۔

تقلیلِ مہر مندوب ہے

سوال:۔ مہر میں کیا معیار ہونا چاہیئے، بعض علاقوں میں زیادہ مہر مقرر کرنا بڑائی اور عظمت و شرافت کی علامت سمجھا جاتا ہے جبکہ کئی علاقوں میں تقلیلِ مہر ثواب سمجھا جاتا ہے؟

الجواب:۔ لڑکے کی مالی حالت کو مدِنظر رکھ کر مہر مقرر کرنا چاہیئے، اگر لڑکے کی غربت معلوم ہونے کے باوجود زیادہ مہر مقرر کر دیا جائے تو یہ لڑکے پر بے جا بوجھ لادنے کے مترادف ہے تاہم زیادہ سے زیادہ کے لیے کوئی خاص حد مقرر نہیں پھر بھی مہر ایسا ہونا چاہیئے جس کی ادائیگی لڑکے کے دائرہ اختیار میں ہو۔

عن عائشة رضی الله عنها أن رسول الله صلی الله علیه وسلم إن أعظم النكاح بركة أیسره مؤنة۔ رواه احمد (اعلاء السنن ج ١١ ص ٨٩ كتاب النكاح)[١]

تحدیدِ مہر جائز نہیں

سوال:۔ کیا حاکمِ وقت یا علاقے کے بڑوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مہر کثیر کی حد مقرر کریں کہ مثلاً کوئی بھی دس ہزار روپے سے زیادہ مہر نہیں باندھ سکتا، اور یہ اسلئے کیا جائے کہ لوگ مغالاة فی المہور (مہروں میں زیادتی) سے باز آجائیں؟

الجواب:۔ مہر کی حدِ اکثر اور تحدید قرآن و حدیث کی کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ بعض آیاتِ کریمہ سے تکثیر اور بعض دلائل سے اس کا اطلاق معلوم و مفہوم ہوتا ہے، لہٰذا حاکمِ وقت یا اہلِ حل و عقد کیلئے جائز نہیں کہ وہ مہر کی تحدید کریں، تاہم ذرائع ابلاغ بطورِ علم و وعظ عوام کے اندر اسکی تقلیل کی مسنونیت پر ترغیب دیں اور صاحبِ اقتدار طبقہ، علماء و حکام اس کا عملی نمونہ پیش کریں۔

قال الله سبحانه وتعالی: وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۝ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ (سورة النساء)[٢]

---

[١] وعن عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال إن من يمن المرأة تيسير خطبتها وتيسير صداقها وتيسير رحمها۔ اخرجه الحاكم وغيره بسند حسن قاله الالبانی (سلسلة الاحاديث الضعيفة ج ٣ ص ٢٢٤)

ومثله رواه احمد واصحاب السنن الاربعة والدارمي عن عمر رضي الله عنه۔ (مشكوٰة المصابيح ج ٢ ص ٢٧٧)

[٢] قال الشيخ وهبة الزحيلي: وقد نبهت امرأة إلى هذه الآية حينما اراد عمر بن الخطاب تحديد المهور فنهى ان يزاد في الصداق على اربعمائة درهم وخطب الناس فيه..... فقالت له امرأة من قريش بعد نزوله من على المنبر: ليس ذلك اليك يا عمر، فقال: ولم؟ قالت: لأن الله تعالى يقول: وآتيتم إحداهن قنطارا فلا تأخذوا منه شيئا أتأخذونه بهتانا وإثما مبينا، فقال عمر: امرأة اصابت ورجل اخطاء۔ ورواه ابو يعلى في الكبير فقال: اللهم غفرا كل الناس افقه من عمر، ثم رجع فركب المنبر فقال: ايها الناس اني كنت نهيتكم ان تزيدوا النساء في صداقهن على اربعمائة درهم فمن شاء ان يعطي من ماله ما احب۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ٧ ص ٢٥٦)

ومثله في الفتاوى الاسلامية ج ٢ ص ٣٣٣ وابحاث هيئة كبار العلماء ج ٢ ص ٣٠٩

جہیز کس کا حق ہے؟

سوال:۔ شادی کے وقت جو مال، سامان وغیرہ والدین لڑکی کے ساتھ اس کے شوہر کے گھر بھیجتے ہیں یہ کس کا حق ہے؟ شوہر کا یا بیوی کا؟

الجواب:۔ والدین کی طرف سے شادی کے وقت جو سامان وغیرہ لڑکی کو دیا جاتا ہے اس کی اصل حقدار لڑکی ہی ہے خاوند کا اس سامان کے ساتھ کچھ تعلق واسطہ نہیں۔

قال فی الهندیة: لو جهز ابنته وسلمه الیها لیس له فی الاستحسان استرداده منها و علیه الفتوٰی۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۳۲۷ الفصل السادس عشر فی جهاز البنت)[1]

مُطلقہ مہر کی حقدار ہے

سوال:۔ ایک آدمی نے اپنی مدخولہ بیوی کو فاحشہ ہونے کی وجہ سے طلاق دے دی، تو کیا یہ عورت اب مہر کی حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دخول سے مہر مؤکد ہو جاتا ہے اس لیے بعد ازاں طلاق دینے سے حق مہر پر کوئی اثر نہیں پڑتا، مطلقہ عورت شرعاً مہر کی حقدار ہے طلاق خواہ کسی بھی وجہ سے دی گئی ہو۔

قال فی الهندیة: والمهر یتأکد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحیحة وموت احد الزوجین سواء کان مسمی أو مهر المثل حتی لا یسقط منه شیٔ بعد ذلك الّا بالإبراء من صاحب الحق۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۳۰۴ الباب السابع فی المهر)[2]

خاوند کے مرنے کے بعد بھی بیوہ مہر کی حقدار ہے

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ رسم ہے کہ اگر خاوند مر جائے اور اس کی بیوہ کسی دوسری جگہ شادی کرے تو اس کو پہلے خاوند سے مہر نہیں دیا جاتا کیا یہ شرعاً درست ہے؟

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلك لیس له الاسترداد ولا لورثته بعده ان سلمها ذلك فی صحته بل تختص به۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۱۶۵ مطلب انفق علی معتدة الغیر)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۸۵ باب المهر۔

[2] قال الحصکفیؒ: ویتأکد عند وطأ أو خلوة صحت من الزوج أو موت أحدهما۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۱۰۲ باب المهر)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۴۳ باب المهر۔

الجواب: نکاح کے انعقاد کے بعد خاوند کے فوت ہوجانے سے بیوی کا حق مہر مؤکد ہوجاتا ہے اسلیے بیوہ مہر کی حقدار ہے خواہ وہ دوسری جگہ شادی کرے یا نہ کرے۔

قال فی الھندیۃ: والمھر یتأکد باحد معان ثلاثۃ الدخول والخلوۃ الصحیحۃ وموت أحد الزوجین سواء کان مسمّی أو مھر المثل حتی لا یسقط منہ شیٔ بعد ذلک الا بالإبراء من صاحب الحق۔ (الباب السابع فی المھر) الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۳۰۴ [1]

طلاق قبل الدخول میں مہر کی مقدار

سوال: ایک منکوحہ عورت کو رخصتی سے پہلے طلاق دی گئی تو یہ عورت کتنے مہر کی حقدار ہے؟

الجواب: اگر کسی منکوحہ عورت کو خلوتِ صحیحہ اور جماع سے پہلے طلاق دی جائے تو وہ عورت مقررشدہ مہر کے نصف کی حقدار ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویجب نصفہ بطلاق قبل وطأ أو خلوۃ فلو کان علی ما قیمتہ خمسۃ کان لھا نصفہ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۳ ص ۱۰۴ باب المہر) [2]

مہر دینے کے لیے باپ کا بیٹے کی طرف سے ضامن ہونا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کا باپ گواہوں کے سامنے بیٹے کے حق مہر کی ادائیگی کا وعدہ کرے، اور گواہوں کے سامنے دستخط بھی کردے تو بیٹے کی وفات کی صورت میں لڑکی یا اُسکے والدین لڑکے کے باپ سے مہر کا مطالبہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مذکورہ میں باپ بیٹے کی طرف سے مہر کا ضامن ہے، اگر عورت مہر معاف نہیں کرتی تو اس کے شوہر کے انتقال کے بعد عورت یا اس کے والدین لڑکے کے باپ سے مہر کا مطالبہ کرسکتے ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وتطالب أیّاً شاءت من زوجھا البالغ او الولی الضامن۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۷ باب المھر) [3]

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویتأکد عند وطء او خلوۃ صحت من الزوج او موت أحدھما۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۳ ص ۱۰۲ باب المہر) ـــ ومثلہٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۱۴۳ باب المھر۔

[2] قال النسفیؒ: وبالطلاق قبل الدخول یتنصف۔ (کنز الدقائق علیٰ ہامش البحر الرائق ج ۳ ص ۱۴۲ باب المہر)

[3] قال العلامۃ المرغینانیؒ: واذا ضمن الولی المھر صح ضمانہ ثم المرأۃ بالخیار فی مطالبتھا زوجھا او ولیّھا الخ۔ (الھدایۃ ج ۲ ص ۳۱۳ باب المھر)

باب الاولیاء والاکفاء

(ولایت اور کفو کے مسائل واحکام)

قریشی سادات کے کفو ہیں

سوال:- کیا غیر سید قریشی سادات کے کفو ہیں یا نہیں؟

الجواب:- قریش کے جملہ خاندان یعنی شعوب آپس میں برابر ہیں کسی کو دوسرے پر نکاح کے معاملے میں کوئی فوقیت حاصل نہیں، اس لیے قریشی سادات کا نکاح غیر سید قریشی سے جائز ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قول الحصکفیؒ) فقریش بعضھم اکفاء بعض اشار بہ الی انہ لاتفاضل فیما بینھم من الھاشمی والنوفلی والتیمی والعدوی وغیرھم ولھذا زوج علی وھو ھاشمی ام کلثوم بنت فاطمۃ لعمر وھو عدوی۔ (رد المحتار ج۳ ص۸۶ باب الاکفاء)[1]

غیر عالم کا عالم دین کی لڑکی سے نکاح کرنا

سوال:- کسی عالم دین یا پیش امام کی لڑکی سے غیر عالم کا نکاح کرنا کیسا ہے؟ کیا جاہل آدمی عالم دین کی بیٹی کا کفو ہے یا نہیں؟

الجواب:- علم یا جہالت کفو بننے کی صفات نہیں، اس لیے اگر کفایت کے دیگر اقسام موجود ہوں تو ولی کی رضامندی سے غیر عالم عالم دین کی بیٹی سے نکاح کرسکتا ہے۔

قال العلامہ الکاسانیؒ:- لأن فی الکفاءۃ حقًا للاولیاء لانھم ینتفعون بذلک ... ولو کان التزویج برضاھم یلزم حتی لایکون لھم حق الاعتراض۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۸ فصل فی النکاح الذی الکفاءۃ)[2]

---

[1] قال فی الھندیۃ: فقریش بعضھم اکفاء لبعض کیف کانوا حتی ان القریشی الذی لیس بھاشمی کفاء للھاشمی۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۹۰ الباب الخامس فی الاکفاء)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۱۳۰ ج ۳ ص۱۳۰ فصل فی الاکفاء۔ وبدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۹۔

[2] قال ابن نجیمؒ: تحت قول النسفیؒ ورضاء البعض کالکل أی ورضاء بعض الاولیاء المستوین فی الدرجۃ کرضاء کلھم حتی لایتعرض أحد منھم بعد ذلک۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۲۹ باب الاولیاء والاکفاء)

وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج۲ ص۳۲۲ باب الاولیاء۔

فاسق لڑکے کو صالح سمجھ کر رشتہ دینا

سوال:- ایک شخص نے بے دین لڑکے کو صالح سمجھ کر اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کردیا، نکاح کے بعد لڑکے کا فسق معلوم ہوا، تو اب نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- اگر لڑکی نے بالغ ہونے کے بعد اس نکاح پر ناراضگی کا اظہار کیا ہو اور لڑکی کے خاندان کے اکثر افراد صالح ہوں تو یہ نکاح باطل ہے، دونوں کے درمیان تفریق کی جائے گی۔

قال ابن عابدینؒ: تحت قوله (ان عرف لا یصح النکاح) زوج بنته الصغیرة ممن ینکر أنه یشرب مسکرًا فاذا هو مدمن له فقالت لا أرضی بالنکاح ای بعد ما کبرت ان لم یکن یعرفه الأب بشربه وکان غلبة أهل بیته صالحین فالنکاح باطل لانه انما زوج علیٰ ظن أنه کفء اھ۔ (ردّ المحتار ج۳ ص۶۷ باب الاولیاء)[1]

غیر سیّد کا سیّد زادی سے نکاح کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ کسی غیر سیّد کا نکاح سیّد زادی سے ہوسکتا ہے؟

الجواب:- اگر سیّدہ لڑکی کا باپ کسی غیر سیّد لڑکے کو رشتہ دینے میں عار محسوس نہیں کرتا ہو اور لڑکی بھی راضی ہو تو سیّد زادی کا نکاح غیر سیّد لڑکے سے کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

قال ابن نجیمؒ: تحت قول النسفیؒ (ورضاء البعض کالکل) أی ورضاء بعض الاولیاء المستوین فی الدرجة کرضاء کلهم حتیٰ لا یتعرض احد منهم بعد ذٰلك۔

(البحر الرائق ج۳ ص۱۲۹ فصل فی الاکفاء)[2]

---

[1] قال فی الهندیة: رجل زوج إبنته الصغیرة من رجل علیٰ ظن أنه صالح لا یشرب الخمر فوجده الأب شریبًا مدمنًا وکبرت الابنة فقالت لا أرضیٰ بالنکاح إن لم یعرف أبوها بشرب الخمر وغلبة اهل بیته الصالحون فالنکاح باطل وهٰذه المسئلة بالاتفاق کذا فی الذخیرة۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۹۱ الباب الخامس فی الاکفاء)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۳۵ فصل فی الاکفاء۔

[2] قال العلامة الکاسانیؒ: لأن فی الکفاءة حقا للاولیاء لأنهم ینتفعون بذٰلك..... ولو کان التزوج برضاهم یلزم حتیٰ لا یکون لهم حق الاعتراض۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۸ فصل فی النکاح الذی الکفاءة فیه شرط)

وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج۳ ص۸۴ فصل فی الاکفاء۔

مجنون اور دیوانہ عاقلہ عورت کا کفو نہیں ہو سکتا

سوال: کیا مجنون اور دیوانہ شخص کسی عاقلہ عورت کا کفو ہو سکتا ہے اور ان دونوں کے درمیان نکاح درست ہے؟

الجواب: مجنون ایسی چیز ہے جو عار بننے کا سبب بنتا ہے اس لیے مجنون اور پاگل مرد راجح قول کے مطابق عاقلہ عورت کا کفو نہیں ہو سکتا ہے، لہٰذا ان دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: قال فی النهر وقیل یعتبر لأنه یفوت مقاصد النكاح فكان أشد من الفقر ودناءة الحرفة وینبغی اعتماده لأن الناس یعیرون بتزویج المجنون أكثر من دنیٔ الحرفة الدنیئة وفی البنایة عن المرغینانیؒ لا یكون المجنون كفوًا للعاقلة وعند بقیة الأئمة هو من العیوب التی ینفسخ لها النكاح۔

(منحة الخالق علی هامش البحر الرائق ج ۳ ص۱۳۲ فصل فی الأكفاء)[1]

نکاح میں ولایت کی ترتیب

سوال: نکاح میں ولایت کی ترتیب کیا ہے اور کون کس پر مقدم ہے؟

الجواب: ولایتِ نکاح میں سب سے مقدم ولی وارث و حجب کی ترتیب سے عصبہ ہوتا ہے پھر اگر عصبہ نہ ہوں تو ماں ولی ہے۔

قال العلامة الكاسانیؒ: واما شرط التقدم فشیئان احدهما العصوبة عند ابی حنیفةؒ فتقدم العصبة علی ذوی الرحم سواء كانت العصبة أقرب أو أبعد ..... وعند عدم العصبات تثبت الولایة لذوی الرحم الأقرب منهم یتقدم علی الأبعد۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۵۰ فصل شرط التقدم فشیئان)[2]

---

[1] قال العلامة الحصكفیؒ، فی النهر عن المرغینانیؒ، المجنون لیس بكفء للعاقلة۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص۹۳ فصل الاكفاء)

[2] قال فی الهندیة: وعند عدم العصبة كل قریب یرث الصغیر والصغیرة من ذوی الارحام یملك تزویجهما فی ظاهر الروایة..... والاقرب عند ابی حنیفةؒ الام ثم البنت ثم بنت الابن (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۸۴ الباب الرابع فی الاولیاء)
ومثله فی البحر الرائق ج ۳ ص۱۲۴ باب الاولیاء والاكفاء۔

قریب کے ولی کی موجودگی میں بعید کا ولی نکاح کرے تو اس کا حکم

سوال: باپ کی موجودگی میں ایک نابالغ لڑکی کا نکاح اس کا چچا کر دے اور باپ اس پر ناراضگی کا اظہار کرے تو کیا یہ نکاح شرعاً صحیح ہے؟

الجواب:۔ قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں دور کا رشتہ دار نکاح کر دے تو یہ نکاح قریبی رشتہ دار کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، اگر وہ اجازت دے تو نکاح درست ہے ورنہ اس نکاح کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں چچا کا کیا ہوا نکاح باپ کی ناراضگی کی وجہ سے درست نہیں۔

قال ابن نجیمؒ: واما اذا کان احدهما اقرب من الآخر فلا ولایة للابعد مع الاقرب الا اذا غاب غیبة منقطعة۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۱۹ باب الاولیاء والاکفاء)[۱]

باپ دادا کے علاوہ کسی ولی کا نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں کر دینے کا حکم

سوال:۔ چچا نے اپنی نابالغہ بھتیجی کا نکاح ایک فاسق لڑکے سے کر دیا جبکہ لڑکی صالحہ، نیک سیرت ہے، تو کیا شرعاً یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فسق چونکہ عار بننے کا سبب ہے اسلئے صالح عورت کا فاسق مرد کفو نہیں اور باپ دادا کے علاوہ ولیوں کا نابالغ صالحہ عورت کا فاسق اور غیر کفو کے نکاح میں دینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا بلکہ بالغ ہونے پر لڑکی کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے چاہے تو نکاح ختم کر سکتی ہے

قال العلامة الکاسانیؒ: واما انکاح الاب والجد الصغیر والصغیرة فالکفاءة فیه لیست بشرط للزومه عند ابی حنیفةؒ...... بخلاف انکاح الاخ والعم من غیر الکفء انه لا یجوز بالاجماع لانه ضرر محض۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۱۸ فصل فالنکاح الذی الکفاءة فیه شرط)[۲]

---

[۱] قال فی الهندیة: وان زوج الصغیر او الصغیرة ابعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضراً وهو من اهل الولایة توقف نکاح الابعد علی اجازته۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۸۵ الباب الرابع فی الاولیاء)

ومثله فی رد المحتار ج ۳ ص ۸۱ باب الاولیاء۔

[۲] قال النسفیؒ: ولو زوج طفله من غیر کفء او بغبن فاحش صح ولم یجز ذلک لغیر الاب والجد۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۳۲ فصل فی الاکفاء) ومثله فی رد المحتار ج ۳ ص ۶۷ باب الاولیاء۔

کسی ایک ولی کا اپنا حقِ ولایت استعمال کرنے سے دوسرے اولیاء کا حق ساقط ہو جاتا ہے

سوال: اگر کسی عورت کے متعدد اولیاء ہوں اور ان میں سے کسی ایک ولی کا اپنا حق استعمال کرنے سے نکاح کے بعد دوسرے اولیاء کو نکاح کے ردّ کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی عورت کے متعدد اولیاء جب مرتبہ میں برابر ہوں تو جس ولی نے پہلا نکاح کرایا تو وہ درست ہے، دوسرے اولیاء کے ردّ کرنے سے نکاح باطل نہیں ہوگا۔

قال ابن نجیمؒ: ثم اذا اجتمع فی الصغیر او الصغیرۃ ولیان فی الدرجۃ علی السواء فزوج احدھما جاز اجاز الاوّل او فسخ۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۱۹ باب الاولیاء والاکفاء) [1]

نابالغہ کا نکاح دادی کے کردینے سے لڑکی کو خیارِ بلوغ کا حق ہے

سوال: دادی نے اپنی نابالغہ پوتی کا نکاح کردیا تو بالغ ہونے پر لڑکی کو خیارِ بلوغ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہ کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ باپ یا دادا جب نابالغ کا نکاح کرائیں تو بعد البلوغ اس کو نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں، صورتِ مسئولہ میں چونکہ نکاح دادی نے کرایا ہے جس کو حقِ ولایت بھی حاصل نہیں اس لیے لڑکی بلوغ کے بعد خیارِ بلوغ کی وجہ سے فسخِ نکاح کا حق رکھتی ہے تاہم نکاح فسخ کرنے کا حق قاضی/حاکم کے ذریعے ہوگا جس کے بعد لڑکی دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

قال النسفیؒ: ولہما خیار الفسخ بالبلوغ فی غیر الآب والجد بشرط القضاء۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۳۰ باب الاولیاء والاکفاء) [2]

---

[1] قال فی الہندیۃ: واذا اجتمع للصغیر والصغیرۃ ولیان مستویان کالاخوین والعمین فأیہما جاز عندنا۔ کذا فی فتاوی قاضیخان۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۲۸۴ الباب الرابع فی الاولیاء)

وَمِثلُہٗ فی الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج ۳ ص ۸۱ باب الاولیاء۔

[2] قال ابن عابدینؒ: وحاصلہ أنہ اذا کان المزوج للصغیر أو الصغیرۃ غیر الأب والجد فلہما الخیار بالبلوغ او العلم بہ فان اختار الفسخ لا یثبت الفسخ الا بشرط القضاء۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۷۰ باب الاولیاء)

ومثلہٗ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۲۸۵ الباب الرابع فی الاولیاء۔

کفائت میں مالداری کے اعتبار کا حکم

سوال:۔ چچا نے اپنی نابالغہ یتیم بھتیجی کا نکاح اپنے عدیم المال بیٹے سے کر دیا، تو کیا یہ نکاح شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بناء بر روایت مختار کفائت صحتِ نکاح کے لیے شرط ہے اور جن چیزوں میں کفایت شرط ہے ان میں سے ایک مال بھی ہے، پس صورتِ مسئولہ میں اگر لڑکا مہر معجل اور محترف نہ ہونے کی صورت میں ایک ماہ کے نفقے پر قادر ہو اور لڑکی بھی بلوغ کے بعد راضی ہو تو نکاح درست ہے ورنہ نہیں۔

قال ابن عابدینؒ:۔ تحت قول الحصکفیؒ (الکفاءة معتبرة فی ابتداء النکاح للزومه[1] ولصحته) وهذا بناء علی ظاهر الروایة من ان العقد صحیح وللولی الاعتراض اما علی روایة الحسن المختارة للفتویٰ من انه لا یصح فالمعنی معتبرة فی الصحة۔ انتهیٰ۔ وقال الحصکفیؒ: ومالاً بأن یقدر علی المعجل ونفقة شهر لو غیر محترف۔ (رد المحتار ج۳ ص۸۴ باب الکفاءة)

شریعت میں بلوغ کی حد

سوال:۔ شریعت میں لڑکے اور لڑکی کی حدِ بلوغ کیا ہے؟

الجواب:۔ لڑکے میں بلوغ کی نشانی احتلام کا ہونا ہے اور لڑکی کے بلوغ کی علامت حیض کا آنا ہے، اگر یہ دونوں نشانیاں نہ ہوں تو مفتیٰ بہ قول کی رو سے پندرہ سال پورے ہو جانے پر بلوغ کا حکم جاری کیا جائے گا۔

قال فی الهندیة: بلوغ الغلام بالاحتلام أو الإحبال أو الانزال والجاریة بالاحتلام والحیض أو الحبل کذا فی المختار: والسن الذی یحکم ببلوغ الغلام والجاریة اذا انتهیا الیه خمس عشرة سنة عند ابی یوسف ومحمد رحمهما الله تعالیٰ وهو روایة عن ابی حنیفةؒ وعلیه الفتویٰ۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۵ ص۶۱ الباب الثانی فی الحجر الفصل الثانی فی معرفة البلوغ)[2]

---

[1] وقال ابن نجیم المصریؒ: الفقیر لا یکون کفؤاً للغنیة کبیرة کانت او صغیرة إلا ان یکون عالماً او شریفاً۔ (الأشباه والنظائر ج۲ ص۱۶ کتاب النکاح)

وَمِثلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۹ فصل ما تعتبر فیه الکفاءة۔

[2] قال النسفیؒ: بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال..... والجاریة بالحیض والاحتلام والحبل..... ویفتی البلوغ فیهما بخمسة عشرة سنة۔ (البحر الرائق ج۸ ص۸۵ باب الحجر)

وَمِثلُهٗ فی البدائع الصنائع ج۷ ص۱۷۱ کتاب الحجر فصل حکم الحجر اما معرفة البلوغ۔

وکیل کے ذریعے نکاح کا حکم

سوال: اگر لڑکا یا لڑکی اپنے نکاح کے لیے کسی کو وکیل بنائیں اور وہ ان کی طرف سے ایجاب قبول کرے تو اس سے نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب: نکاح و انکاح ان امور میں سے ہے جن میں وکالت جائز ہے پس لڑکا یا لڑکی اپنے نکاح میں ایجاب و قبول کے لیے کسی کو وکیل بنا سکتے ہیں اور اس پر اکتفاء کرکے ان کا نکاح منعقد ہوگا۔

قال العلامة الكاسانیؒ: ثم النكاح كما ينعقد بهذه الالفاظ بطريق الإصالة ينعقد بها بطريق النيابة بالوكالة والرسالة لأن تصرف الوكيل كتصرف الموكل۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۳۱ فصل رکن النکاح) [1]

نکاح میں نابالغ کی وکالت کا حکم

سوال: کیا نکاح میں کسی نابالغ لڑکے کو وکیل بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نابالغ لڑکا جب عاقل اور ممیز ہو تو نکاح میں اس کی وکالت درست ہے۔

قال العلامة الكاسانیؒ: واما البلوغ والحرية فليسا بشرط لصحة الوكالة فتصح وكالة الصبي العاقل الخ۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۰ فصل الشرائط الوكالة) [2]

نکاح میں کسی اجنبی کی توکیل کے لیے تصریح ضروری ہے

سوال: بالغہ عورت سے اگر کوئی اجنبی شخص نکاح کی اجازت مانگے تو ایسی حالت میں عورت کا رونا یا خاموش رہنا اجازت کے مترادف ہے یا صراحتاً اجازت ضروری ہے؟

الجواب: اجنبی شخص کا اجازت طلب کرتے وقت عورت کا رونا یا خاموش رہنا اجازت

---

[1] قال فی الهندية: يصح التوكيل بالنكاح وان لم يحضره الشهود۔ كذا فی التاتارخانية۔
(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۹۴ الباب السادس فی الوكالة بالنكاح)
ومثله فی رد المحتار ج ۳ ص ۹۵ مطلب فی الوكيل والفضولی فی النكاح۔

[2] قال الشيخ النسفیؒ: صح التوكيل وهو اقامة الغير مقام نفسه فی التصرف ممن يملكه اذا كان الوكيل يعقل العقد ولو صبيا الخ۔ (البحر الرائق ج ۷ ص ۱۴۲ كتاب الوكالة)
ومثله فی الهندية ج ۳ ص ۵۶۳ كتاب الوكالة۔ الباب الاول

شمار نہیں ہوگی بلکہ اس میں تصریح بالقول (واضح الفاظ میں اجازت دینا) ضروری ہے۔

قال الحصکفیؒ: فإن استأذنها غیر الأقرب کأجنبی أو ولی بعید فلا عبرة لسکوتها بل لا بد من القول کالثیب البالغة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۶۲ کتاب النکاح۔ باب الولی)[1]

نکاح میں عاقد کا خود وکیل بننا

سوال:- ایک عورت نے ایک مرد کو اختیار دیا کہ تم میری طرف سے وکیل ہو تم میرا نکاح اپنے نفس کے ساتھ باندھ لو، اس شخص نے دو گواہوں کے روبرو ایسا ہی کیا تو کیا اس طریقہ سے نکاح کا شرعاً انعقاد ہو جاتا ہے؟

الجواب:- عقدِ نکاح میں جیسا کہ ایک آدمی مرد عورت دونوں کی طرف سے وکیل بن سکتا ہے، ایسا ہی کوئی مرد ایک طرف سے اصیل اور دوسری طرف سے وکیل ہو کر نکاح کر سکتا ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں عورت نے جب اس مرد کو وکیل بنایا کہ اپنے نفس کے ساتھ میرا نکاح باندھ لو تو جب اس شخص نے روبرو گواہان نکاح باندھ لیا تو یہ نکاح درست اور صحیح ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: کما للوکیل الذی وکلته أن یزوجها من نفسه فإن له ذلک فیکون أصیلاً من جانب وکیلاً من آخر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۹۸ کتاب النکاح۔ باب الکفاءة)[2]

خیارِ بلوغ میں عدالت سے نکاح فسخ کرائے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا

سوال:- ایک لڑکی جس کا نکاح بچپن میں اس کی ماں نے کسی سے کر دیا تھا بلوغ کے بعد عدالت سے فسخ کرائے بغیر دوسری جگہ

---

[1] قال ابن نجیم المصری رحمه الله: تحت قول المتن: وإن استأذنها غیر الولی فلا بد من القول کالثیب أی فلا یکفی لقلة الالتفات أی کلامه فلم یقع دلالة علی الرضا۔

(البحر الرائق ج۳ ص۱۱۵ کتاب النکاح۔ باب الاولیاء والاکفاء)

ومثله فی البزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۱۲۷ باب الاولیاء والاکفاء۔

[2] قال ابن نجیم المصری رحمه الله: تحت قول الماتن: وللوکیل أن یزوج موکلته من نفسه والمراد بالوکیل الوکیل فی أن یزوجها من نفسه لما فی المحیط لو وکلته بتزویجها من رجل فزوجها من نفسه لم یجز۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۳۶ کتاب النکاح۔ فصل لابن العم ان یزوج الخ)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۹۵ الباب السادس فی الوکالة بالنکاح وغیرها۔

نکاح کیا تو کیا یہ نکاح درست ہے؟

الجواب:۔ جس لڑکی کو خیارِ بلوغ کا حق حاصل ہو بالغ ہونے کے بعد باقاعدہ عدالت سے فسخِ نکاح کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، عدالت سے فسخِ نکاح کی ڈگری حاصل کیے بغیر دوسری جگہ نکاح کا اعتبار درست نہیں، تنسیخِ نکاح کے لیے عدالت کا سہارا لینا ضروری ہے۔

قال ابن عابدين رحمه الله: (تحت بشرط القضاء للفسخ) وحاصله أنه اذا كانت المزوج للصغير او لصغيرة غير الاب والجد فلهما الخيار بالبلوغ او العلم به فان اختار الفسخ لا يثبت الفسخ الا بشرط القضاء۔ (رد المحتار ج۳ ص۷۶ كتاب النكاح، باب الولى، مطلب مهم هل للعصبة تزويج الصغير الخ)[1]

وکیلِ نکاح کی شرائط

سوال:۔ جو نکاح وکیل کے ذریعے باندھا جائے تو اس کے انعقاد کے لیے وکیل میں کون کون سی شرائط ہونی چاہئیں؟

الجواب:۔ نکاح کا انعقاد وکلاء کے ذریعے ہو سکتا ہے بشرطیکہ وکلاء عاقل و بالغ ہوں ورنہ نکاح صحیح نہیں ہوگا، تاہم اگر وکیل نابالغ ہو مگر اچھے برے اور نفع نقصان میں تمیز کر سکتا ہو تو ایسی صورت حنفیہ کے نزدیک نکاح صحیح ہوگا۔

قال العلامة داماد افندیؒ: فيصح توكيل الحر البالغ العاقل بقرينة الاتى او المأذون الصبى او البالغ من جهة الولى او المولى حرًا بالغًا او مأذونًا۔ (در المنتقى على هامش مجمع الانهر ج۲ ص۲۲۲ كتاب الوكالة)

وفى مجمع الانهر: الصبى العاقل الذى اذن له الولى والعبد الذى اذن له المولى اى يصح توكيل كل منهما۔ (مجمع الانهر ج۲ ص۲۲۲ كتاب الوكالة)[2]

---

[1] قال النسفیؒ: ولهما خيار الفسخ بالبلوغ فى غير الاب والجد بشرط القضاء۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۲۰ كتاب النكاح، باب الاولياء والاكفاء)
وَمِثْلُهٗ فى الهندية ج۱ ص۲۸۵ الباب الرابع فى الاولياء۔

[2] قال العلامة الحصكفیؒ: ثم ذكر شرط التوكيل فقال اذا كان الوكيل يعقل ولو صبيًا او عبدًا محجورًا لا يخفى ان الكلام الآن فى صحة الوكالة۔
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۵ ص۵۱۱ كتاب الوكالة)
وَمِثْلُهٗ فى رد المحتار ج۵ ص۵۱۱ كتاب الوكالة۔

ولایت میں قریب وبعید کے ورثاء کا اعتبار

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں ایک یتیم بچی ہے جس کے اولیاء میں دادا اور دو چچا ہیں، بچی کے بالغ ہونے پر چھوٹے چچا نے باپ اور بڑے بھائی کی اجازت کے بغیر بچی کا ایک جگہ نکاح کر دیا، جب بچی کے دادا کو پتہ چلا تو اس نے یہ نکاح نامنظور کر دیا، تو کیا اس بچی کا نکاح صحیح ہے یا کہ دادا کے انکار کی وجہ سے اس کی حیثیت ختم ہو جائے گی؟

الجواب:۔ واضح ہو کہ اولیاء دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) قریب (۲) بعید۔ اگر کسی بچی کا نکاح اس کا ولیٔ بعید بغیر اجازت ولیٔ قریب کے کسی جگہ کر دے تو وہ نکاح ولی قریب کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر وہ نافذ کر دے تو فبہا ونعما ورنہ ناجائز ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر دادا اجازت دیدے تو نکاح صحیح ہے ورنہ نہیں۔

قال العلامۃ السرخسیؒ: فان زوجها الابعد والاقرب حاضرٌ توقف علی اجازۃ الاقرب لان الابعد کالاجنبی عند حضرۃ الاقرب فیتوقف عقدہ علی اجازۃ الولی۔ الخ

(المبسوط ج۴ ص۲۲۰ کتاب النکاح۔ باب نکاح الصغیر والصغیرۃ)[1]

مساوی ورثاء میں سے کسی ایک کا نابالغ لڑکی کا نکاح کرا دینے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی نابالغ لڑکی کا باپ فوت ہو جائے اور اس کے اولیاء میں تین چچا ہوں اور ان میں سے ایک چچا اس بچی کا نکاح کرا دے تو کیا یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ لڑکی کے تینوں چچا رشتے میں مساوی ہیں اور قرابت میں تجزیہ بھی نہیں ہو سکتا ہے اس لیے راجح مذہب یہ ہے کہ تینوں چچاؤں میں سے کوئی ایک چچا بھی لڑکی کا نکاح کرا دے تو جائز ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامۃ السرخسیؒ: واذا اجتمع فی الصغیرۃ اخوان لاب وامٍّ فایهما زوجها جاز عندنا......علی ان کل واحد منهما ینفرد بالعقد والمعنی فیہ ان سبب الولایۃ

---

[1] قال ابن عابدینؒ: (قولہ والّا) ای وان لم یستووا فی الدرجۃ وقد رضی الابعد فللاقرب الاعتراض۔ (رد المحتار ج۳ ص۳۲۳ کتاب النکاح۔ باب الولی)
وَمِثْلُہٗ فی درر المنتقی شرح الملتقی ج۱ ص۳۳۹ کتاب النکاح باب الاولیاء والاکفاء۔

هو القرابة وهو غير محتمل للوصف بالتجزي۔ الخ (المبسوط ج ۴ ص۲۱۸ کتاب النکاح، باب نکاح الصغیر والصغیرۃ) [1]

عدالت کے ذریعے نکاح فسخ کرانے سے حق مہر کا حکم

سوال:۔ ایک لڑکی نے ازخود غیر کفو میں نکاح کر لیا اور ورثاء نے بذریعہ عدالت نکاح ختم کرایا، تو کیا لڑکی اب مہر کی مالکہ ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں غیر کفو میں نکاح کے بعد اگر دخول ہؤا ہو تو حقِ مہر شوہر کے ذمے لازم ہے اور عدمِ دخول کی صورت میں تفریق ہو جانے سے بیوی حق مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

وفی الهندیة: ولو تزوجت المرأة ونقصت من مهر مثلها فللولی الاعتراض علیها حتی یتم لها مهرها او یفارقها واذا فارقها قبل الدخول فلا مهر لها وان فارقها بعده فلها المسمیٰ الخ (الفتاوی الهندیہ ج ۱ ص۲۹۳، ۲۹۴ الباب الخامس فی الاکفاء) [2]

عدالت سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کیے بغیر عورت کا دوسری جگہ نکاح کر دینے کا حکم

سوال:۔ ایک لڑکی نے ورثاء کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کر لیا، بعدازاں ورثاء اُسے اپنے گھر لے آئے اور اس کا نکاح کسی دوسرے مرد سے کر دیا جبکہ انہوں نے عدالت سے تنسیخ نکاح کی ڈگری نہیں لی ہے، تو کیا یہ دوسرا نکاح صحیح ہے یا عدالت سے تفریق کرانا لازمی ہے؟

الجواب: بعض تفاریق ایسے ہیں کہ جن میں قضاء قاضی (یعنی بذریعہ عدالت تفریق کرانا) لازمی

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: (قوله لثبوته لکل کملا) لانه حق واحدٌ لا یتجزأ لانهٗ ثبت بسبب لا یتجزأ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۳۲۳ کتاب النکاح، باب الولی)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۲۸۴ کتاب النکاح، الباب الرابع فی الاولیاء۔

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا فسخ القاضی بینهما تکون هٰذه فرقة بغیر طلاق حتی لو لم یکن الزوج دخل بها فلا شیء لها من المهر وان کان قد دخل بها فلها المسمی من المهر وعلیها العدّة۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج ۳ ص۶۴ کتاب النکاح الفصل الخامس عشر فی الکفاءة)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص۳۵۲ باب الکفاءة۔

ہے ان میں سے ایک صورت مسئولہ بھی ہے لہٰذا مذکورہ عورت کا دوسرا نکاح اُس وقت تک صحیح نہیں جب تک عدالت سے تنسیخِ نکاح کی ڈگری نہ لی جائے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ثم الفرقة التی تختص بقضاء القاضی، هی الفرقة بالجب والعنة واللعان واباء الزوج الاسلام۔ هو طلاقٌ وبخیار البلوغ وعدم الکفاءة ونقصانٌ فی المهر فسخٌ۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۳ ص۲۸ کتاب النکاح، الفصل الحادی عشر فی معرفة الاولیاء) [1]

کفارت ایک جانب سے ہونی ضروری ہے

سوال:- کیا کفوت جانبین سے ہونی چاہیئے یا کہ صرف مرد کے لیے عورت کا کفو ہونا ضروری ہے؟

الجواب:- ائمہ کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نکاح میں صرف مرد کا عورت کا کفو ہونا ضروری ہے، باقی عورت کے لیے یہ شرط لازمی نہیں اس لیے کہ نکاح کے بعد بیوی شوہر کا کفو بن جاتی ہے۔

قال العلامة الجزریؒ: انّ الکفاءة معتبرةٌ فی جانب الرجل لا فی جانب المرأة فللرجل ان یتزوج من یشاء ولو امةً او خادمةً الخ۔ (الفقه علی المذاهب الاربعة ج۴ ص۵۷، کتاب النکاح، مبحث الکفاءة فی الزواج) [2]

کفوت کی شرائط

سوال:- جناب مفتی صاحب! کفارت کے اندر کون سے امور داخل ہیں جن کی عدم موجودگی کی وجہ سے مرد عورت کے

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: (وله) ای للولی (اذا کان عصبة)... (الاعتراض فی غیر الکفء) فیفسخه القاضی ویتجدد بتجدد النکاح الخ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۳۲۲ کتاب النکاح باب الولی)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۹۲ کتاب النکاح - الباب الخامس فی الاکفاء۔

[2] قال العلامة وهبة الزحیلی: یری جمهور الفقهاء ان الکفاءة تطلب للنساء لا للرجال بمعنیٰ أن الکفاءة تعتبر فی جانب الرجال للنساء، فهو حق فی صالح المرأة لا فی صالح الرجل - الخ

(الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۲۳۹ الفصل الخامس الکفاءة فی الزواج المبحث الرابع من تطلب الکفاءة فی جانبه)

وَمِثْلُهٗ فی الاحوال الشخصیة ص۱۴۱ ۱۱۷- الجانب الذی تشترط فیه الکفاءة۔

کفو بننے سے نکل جاتا ہے؟

الجواب:۔ کفاءت کے بارے میں ائمہ اربعہؒ نے مختلف امور ذکر کئے ہیں مگر حنفیہ کے نزدیک اسلام، نسب، آزادی، پیشہ، دیانت اور مال جیسے امور کفوت میں داخل ہیں۔

قال العلامۃ الجزریؒ: انّ الکفاءۃ ھی مساواۃ الرجل للمرأۃ فی امورٍ مخصوصۃ وھی ستۃ: النسب، والاسلام، والحرفۃ، والحریۃ، والدیانۃ، والمال۔ الخ

(الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ٤ ص٥٤ کتاب النکاح، مبحث الکفاءۃ فی الزواج) لہ

تفریق قاضی طلاق ہے یا فسخ؟

سوال: جناب مفتی صاحب! ہم نے استاذ سے سبق میں پڑھا ہے کہ عدم کفو کی بناء پر قاضی تفریق کرسکتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ یہ تفریق بمنزلۂ طلاق ہوگی یا فسخ؟ فقہاء احناف کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

الجواب:۔ عدم کفاءت کی وجہ سے عدالت جو تفریق بین الزوجین کراتی ہے وہ بمنزلہ فسخ نکاح ہوگی بمنزلہ طلاق نہیں۔

وفی الھندیۃ: ولا یکون التفریق بذلک الّا عند القاضی، امّا بدون فسخ القاضی فلا ینفسخ النکاح بینھما وتکون ھذہ فرقۃً بغیر طلاق حتّٰی لو لم یکن الزوج دخل بھا فلا شیٔ لھا من المھر۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ١ ص٢٩٢ الباب الخامس فی الاکفاء) ٢ہ

لہ قال الدکتور وھبۃ الزحیلیؒ: وفی اصطلاح الفقھاء: المماثلۃ بین الزوجین دفعاً للعار فی امورٍ مخصوصۃ ھی عند المالکیۃ: الدین والحال (ای السلامۃ من العیوب التی توجب لھا الخیار) وعند الجمھور: الدین والنسب والحریۃ والحرفۃ (او الصناعۃ) وزاد الحنفیۃ والحنابلۃ الیسار (او المال)

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ٧ ص٢٣٩ الفصل الخامس الکفاءۃ فی الزواج)

وَمِثْلُہٗ فی الاحوال الشخصیۃ ص١٣٥ کتاب النکاح۔ الجانب الذی تشترط فیہ الکفاءۃ۔

٢ہ قال ابن عابدین رحمہ اللّٰہ: تحت ھذہ العبارۃ (قولہ ویفرق القاضی) ولا تکون ھذہ الفرقۃ الّا عند القاضی وما لم یقض القاضی بالفرقۃ بینھما فحکم الطلاق والظھار والایلاء والمیراث باق..... وبعد اسطر قال تحت قولہ فلا مھر لھا) لان الفرقۃ جاءت من قبل من لہ الحق وھی فسخٌ۔ الخ (الدر المختار مع رد المحتار ج ٢ ص٣٥٣ کتاب النکاح، باب الکفاءۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی قاضیخان ج ٢ ص١٦٤ کتاب النکاح، فصل فی الکفاءۃ۔

کسی لڑکی کا غیر کفو میں اپنی مرضی سے نکاح کرنا

سوال:۔ اگر کوئی لڑکی کسی لڑکے کے ساتھ بھاگ جائے اور لڑکا پیشے کے اعتبار سے لڑکی کا کفو نہ ہو یعنی اس کا پیشہ قابلِ عار ہو، جبکہ لڑکی کے رشتہ داروں کو اس نکاح کا علم اس وقت ہوا جب لڑکی کے ہاں اس لڑکے سے ایک بچہ پیدا ہوا، تو کیا لڑکی کے ورثاء اب اس نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ عدم کفوئت کی وجہ سے مرورِ زمانہ سے اولیاء کا حق ساقط نہیں ہوتا، اِلّا یہ کہ اولیاء رضامندی ظاہر کر دیں، یا اُس مرد کا عورت سے بچہ پیدا ہو جائے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں بچے کی پیدائش کے بعد اولیاء کو کسی قسم کے اعتراض کا حق نہیں رہتا۔

قال العلامة الدکتور وھبة الزحیلی: ویثبت ھذا الحق عند الحنفیة للاقرب من الاولیاء العصبة فالاقرب، فاذا لم یرضوا فلھم ان یفرقوا بین المرأة وزوجھا مالم تلد او تحمل حملاً ظاھراً فی ظاھر الروایة الخ۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج ۷، ص ۲۳۷ الفصل الخامس الکفاءة فی الزواج۔ المبحث الثالث صاحب الحق فی الکفاءة) [1]

کفوۃ میں وقت کا اعتبار ہے

سوال:۔ ایک شخص جو کہ نیک، پرہیزگار اور صاحبِ ثروت تھا، اُس نے ایک مالدار گھرانے میں شادی کی، چند سال بعد وہ آدمی دیوالیہ ہو گیا اور اب وہ ایک ایک پائی کا محتاج ہے، اور اس کے سسرال والے اپنی بیٹی کو اُس سے چھڑانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم ہمارے کفو نہیں رہے، یہ ہمارے لیے عار کا سبب ہے۔ کیا اتنی مدت گذرنے کے بعد اس بہانے وہ لوگ بذریعہ عدالت اپنی بیٹی کو آزاد کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامیہ نے نکاح کے لیے اگرچہ کفو کا اعتبار کیا ہے مگر

---

[1] قال العلامة عبد الرحمٰن الجزریؒ: انّ الکفاءة فی الامور المذکورة من حق الولی بشرط ان یکون عصبة ولوکان غیر محرم کأنّ ابن عمّ یحل له زواجھا ....ثمّ اذا سکت الولی عن الاعتراض حتّٰی ولدت المرأة فانّ حقه یسقط فی الکفاءة الخ۔

(الفقه علی المذاھب الاربعة ج ۴ ص ۵۶ کتاب النکاح مبحث الکفاءة فی الزوج)

وَمِثْلُہٗ فی الاحوال الشّخصیّة للامام محمد ابوزھرة ص ۱۴۲ والمَن له حق الکفاءة۔

یہ یاد رہے کہ اس کا اعتبار ایک خاص وقت میں کیا جائے گا اور جب وہ مدت ختم ہو جائے تو پھر اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں لڑکی کے والدین کو اتنی مدت کے بعد یہ حق حاصل نہیں اور نہ ہی عدالت میاں بیوی میں تفریق کرنے کی مجاز ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ـ والکفاءة اعتبارها عند ابتداء العقد فلا یضر زوالها بعده فلو کان وقته کفوا ثم فجر لم یفسخ۔ الخ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۵ کتاب النکاح۔ باب الکفاءة)[1]

گونگے شخص کا اشارے سے نکاح کرانا

سوال: ـ اگر کوئی گونگا آدمی اپنی بیٹی کا نکاح مجلسِ نکاح میں مخصوص اشارے سے کرائے تو کیا یہ نکاح منعقد ہو گا یا نہیں؟

الجواب: ـ گونگے شخص کا اپنے مخصوص اشاروں سے (جو صرف نکاح کیلئے مخصوص ہوں اور حاضرینِ مجلسِ نکاح بھی ان اشاروں سے نکاح مراد لیتے ہوں) بیٹی کا نکاح کرانا صحیح اور درست ہے۔

قال ابن نجیمؒ: الاشارة من الاخرس معتبرة قائمة مقام العبارة فی کل شیٔ الی ان قال الا فی الحدود ..... ولا بد فی اشارة الاخرس ان تکون معهودة والا لا تعتبر۔
(الاشباه والنظائر ج ۲ ص ۲۵۴ فی بیان احکام الاشارة)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: ولا یخفی ان اعتبار هذه الکفاءة بین الزوج وابیها وان الظاهر اعتبارها وقت التزوج۔ الخ
(البحر الرائق ج ۳ ص ۱۳۳ کتاب النکاح۔ فصل فی الاکفاء)
ومثله فی الفتاوی قاضی خان ج ۲ ص ۱۶۳ فصل فی الکفاءة۔

[2] قال العلامة ابن الهمامؒ: (تحت قول صاحب الهدایة) وطلاق الاخرس واقع بالاشارة لانها صارت مفهومة فکانت کالعبارة فی الدلالة استحسانا فیصح بها نکاحه وطلاقه وعتاقه وبیعه وشراؤه سواء قدر علی الکتابة او لا وهذا استحسان بالضرورة۔ الخ
(فتح القدیر ج ۳ ص ۳۴۸ کتاب الطلاق)
ومثله فی البحر الرائق ج ۳ ص ۲۴۸ کتاب الطلاق۔

بالغہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کرنا

سوال: بعض علاقوں میں لڑکیوں کو پتہ تک نہیں ہوتا اور والدین اُن کا نکاح کرا چکے ہوتے ہیں، کیا بالغہ لڑکی کا نکاح اس کا باپ بغیر اس کی اجازت کے کرا سکتا ہے؟

الجواب: شریعتِ اسلامیہ نے بالغہ حرہ لڑکی کو اپنے نفس کا فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے، اس لیے اگر کسی نے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کرا دیا تو وہ نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر وہ اجازت دے اور رضامندی کا اظہار کرے تو درست ہے ورنہ نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (سئل) فی بکر بالغة عاقلة رشیدة زوجها ابوها رجلاً بلا اذنها ولا وکالة عنها فردّت النکاح حین بلغها فوراً فهل یرتد بردّها والحالة هذه (الجواب) نعم۔ (تنقیح الحامدیة ج۱ ص۳۰ کتاب النکاح، فی مسائل منثورة من ابواب النکاح)[1]

بیوی کو کتنے دنوں کے بعد والدین کے گھر جانے کی اجازت ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! شرعاً بیوی کو کتنے دنوں کے بعد والدین کے گھر جانے دینا چاہیئے؟ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو سالہا سال والدین کے گھر نہ جانے دے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ اگر ممکن ہو تو ہفتے میں ایک مرتبہ والدین کی زیارت کے لیے جا سکتی ہے یہ اس کا شرعی حق ہے، جو شخص ظلم و تعدی کے ساتھ اپنی بیوی کو والدین کی زیارت کے لیے جانے سے روکتا ہو تو وہ گنہگار ہے، تاہم اگر والدین کے گھر جانے سے فتنے کا اندیشہ ہو تو والدین کو چاہیئے کہ وہ خود بیٹی کو دیکھنے کے لیے آیا کریں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: ولا یمنعها من الخروج الی الوالدین فی کل جمعة ان لم یقدرا علی اتیانها علی ما اختیاره فی الاختیار فی هامشه

---

[1] قال العلامة فخر الدین المعروف بقاضی خانؒ: ولا یزوج البکر البالغة أبوها علی کره منها خلافاً للشافعیؒ۔ (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة ج۱ ص۳۵۸ فی الفصل الاولیاء) ومثله فی الفتاوی التاتارخانیة ج۳ ص۲۲ کتاب النکاح، معرفة الاولیاء۔

ھٰکذا نعم ماذکرہ الشارح ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۶۴ کتاب النکاح) [1]

سورہ کی رسم کا شرعی حکم

سوال:۔ پٹھانوں میں ایک رسم زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہے کہ جب وہ کسی جھگڑے کے سلسلہ میں راضی نامہ کرتے ہیں تو اُس میں فریقِ مخالف کو لڑکی نکاح میں دی جاتی ہے جس کو عرف میں سورہ کہا جاتا ہے ۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کے معاملے میں اگر باپ اپنی نابالغ بیٹی دے دے تو کیا اس لڑکی کو بعد البلوغ خیار حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ ایک جاہلانہ رسم ہے، اس میں لوگ انتقام اس مظلوم لڑکی سے لیتے ہیں، گھر میں اس کو زرخرید باندی کی طرح رکھا جاتا ہے بلکہ معاشرہ میں بھی یہ معیوب سمجھا جاتا ہے لہٰذا ایسی مظلوم لڑکی کو باپ کے سوءِ اختیار کی وجہ سے خیارِ بلوغ حاصل ہے اگر وہ چاہے تو خیار استعمال کرکے الگ ہوسکتی ہے ۔

عن خنساء بنت خذام الانصاریۃؓ ان اباھا زوجھا وھی ثیبٌ فکرھت ذٰلک فاتت رسول اللّٰہ فَرَدَّ نکاحہ ۔ (مختصر صحیح البخاری ج۲ ص۴۳۱ باب اذا زوج الرجل ابنتہ وھی کارھۃ فنکاحہ مردودٌ) [2]

---

[1] قال قاضی خان: ویجوز للزوج ان یأذن لھا بالخروج ولا یصیر عاصیًا بالاذن ومنھا الخروج الی زیارۃ الوالدین وتعزیتھما وعیادتھما وزیارۃ المحارم۔ (الفتاوی الخانیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۱ ص۴۴۲ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی الاشباہ والنظائر ج۲ ص۱۰۹ کتاب النکاح ۔

[2] قال العلامۃ المرغینانیؒ: ولا یجوز للولی اجبار البکر البالغۃ علی النکاح۔ وبعد اسطرٍ ولنا انھا حرۃ فلایکون للغیر علیھا ولایۃ الاجبار۔ (الھدایۃ ج۲ ص۱۰ کتاب النکاح)

وقال ایضًا: واذا زوج الاب ابنتہ الصغیرۃ ونقص من مھرھا اوابنہ الصغیر وزاد فی مھر امرأتہ جاز ذٰلک علیھما ولا یجوز ذٰلک لغیر الاب والجد وھٰذا عند ابی حنیفۃؒ وقال لایجوز الحط والزیادۃ الابما یتغابن الناس فیہ ومعنی ھٰذا الکلام انہ لا یجوز العقد عندھما لان الولایۃ مقیدۃ بشرط النظر فعند فواتہ یبطل العقد۔ (الھدایۃ ج۲ ص۱۷ کتاب النکاح ۔ فصل فی الکفاءۃ)

بیٹی کا غیر کفو میں نکاح کروانا

سوال:۔ اگر باپ کسی دینی یا دنیاوی مصلحت کی خاطر اپنی بیٹی کا نکاح غیر کفو میں کر دیتا ہے جبکہ لڑکی بھی اِس پر راضی ہے، تو کیا یہ نکاح صحیح ہے؟

الجواب: غیر کفو میں نکاح عیب و رسوائی کی وجہ سے قابلِ اعتراض ہے ورنہ فی نفسہٖ اس میں کوئی حرج نہیں، اس لیے اگر لڑکی بالغہ ہو اور وہ باپ کے اس فیصلے پر راضی ہو تو نکاح درست ہے۔

قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: اگر لڑکی بالغہ اور باکرہ ہے اور اس کا ولی غیر کفو سے نکاح کرتا ہے اور لڑکی اس پر خاموش رہے یا زبان سے اس کو منظور کرے تو نکاح صحیح ہے، غیر کفو سے نکاح کرنا اس صورت میں مضائقہ نہیں رکھتا۔ واللہ اعلم

(امداد الاحکام ج۲ ص۳۲۳ کتاب النکاح) [۱]

غیر کفو میں نکاح پر اولیاء کا اعتراض

سوال:۔ آجکل بعض لڑکیاں کسی غیر کفو والے لڑکے کے ساتھ فرار ہو کر نکاح کر لیتی ہیں، کیا ایسی لڑکی کے اولیاء کو نکاح پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب کوئی لڑکی از خود غیر کفو میں شادی کرے جو خاندان کیلئے ذلت و رسوائی کا باعث ہو تو لڑکی کے ورثاء کو اس نکاح پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: اذا زوجت المرأۃ نفسھا من غیر کفو فللاولیاء ان یفرقوا بینھما دفعاً لضرر العار عن انفسھم۔ (الھدایۃ ج۲ ص۲۹۹ کتاب النکاح۔ باب الاکفاء والاولیاء) [۲]

---

[۱] قال الکاسانیؒ: واما انکاح الاب والجد للصغیر والصغیرۃ فالکفاءۃ فیہ لیست بشرط للزومہ عند ابی حنیفۃؒ کما انھا لیست بشرط الجواز عندہ فیجوز ذلک ویلزم لصدورہ ممن لہ کمال النظر لکمال الشفقۃ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۸ فصل واما الثانی فانکاح الذی) ـــ ومثلہ فی امداد الاحکام ج۲ ص۳۲۳ کتاب النکاح۔

[۲] قال الکاسانیؒ: حتی لو زوجت نفسھا من غیر کفءٍ عن غیر رضاء الاولیاء لا یلزم وللاولیاء حق الاعتراض لان فی الکفاءۃ حقاً للاولیاء لانھم ینتفعون بذلک الا تری انھم یتفاخرون بعلو نسب الختن ویتعیرون بدناءۃ نسبہ فیتضررون بذلک فکان لھم ان یدفعوا الضرر عن انفسھم بالاعتراض۔
(بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۸ کتاب النکاح۔ فصل واما الثانی)

فاسق وفاجر لڑکا دیندار خاندان کی لڑکی کا کفو نہیں

سوال:۔ ایک نیک اور دیندار خاندان سے تعلق رکھنے والی لڑکی نے معاشرہ میں کسی فاسق وفاجر اور بے دین لڑکے کے ساتھ بلا رضا اولیاء کے از خود شادی کر لی، تو کیا اِس شادی پر لڑکی کے اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ جو بھی شادی لڑکی کے خاندان والوں کے لیے عار کا باعث بنتی ہو تو اس پر لڑکی کے اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے۔ چونکہ فسق وفجور اور بے دینی بھی ایک عیب ہے جو نیک اور دیندار خاندان کے لیے باعث عار ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں لڑکی کے اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں فسق سے مراد وہ فسق ہے جو عار کا باعث بنے۔

لما قال العلامة الکاسانی رحمہ اللّٰہ: حتیٰ لو ان امرأۃ من بنات الصالحین اذا زوجت نفسها من فاسق کان للاولیاء حق الاعتراض...... لان التفاخر بالدین احق من التفاخر بالنسب۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۲۱ کتاب النکاح۔ الفصل الثانی)[1]

ولایت میں ماں دادی سے مقدم ہے

سوال:۔ اگر کسی لڑکی کے آبائی رشتہ میں کوئی مرد نہ ہو تو کیا ولایت کا حق لڑکی کی دادی کو حاصل ہوگا یا اس کی ماں کو ؟

الجواب:۔ جب کسی لڑکی کے آبائی رشتہ میں کوئی مرد نہ ہو تو ولایت کا حق اس لڑکی کی ماں کو حاصل ہے نہ کہ کسی اور کو۔

قال العلامة الحصکفیؒ: فان لم تکن عصبة فالولایة للأم ثم لام الاب۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۷۸ باب الاولیاء)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: والظاهر ان الصلاح لو منها او من آبائهم کاف لعدم کون الفاسق کفأ لهم۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۳۲ کتاب النکاح۔ فصل فی الاکفاء والاولیاء)

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ثم عصبة مولی العتاقة ثم الأم ثم ذو الارحام الأقرب فالأقرب وهذا قول ابی حنیفةؒ وانه استحسان۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج۳ ص۱۹ الفصل الحادی عشر فی معرفة الاولیاء)

ولی کی اجازت کے بغیر بالغ مرد اور عورت کے نکاح کا حکم

سوال:۔ کیا کسی بالغ مرد اور بالغ عورت کا نکاح بلا اجازت ولی کے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حنفیہ کے نزدیک بالغ مرد اور عورت اپنے نفس کے خود مختار ہیں اس لیے دونوں ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرا سکتے ہیں اور ایسا نکاح شرعاً صحیح اور درست ہوگا، لیکن موجودہ دور کے نازک حالات کو سامنے رکھ کر ولی سے اجازت لینا فتنہ و فساد ختم کرنے کا ذریعہ ہے۔

قال المرغینانیؒ: وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وان لم یرضی علیها ولی بکراً کانت او ثیباً عند ابی حنیفة وابی یوسف (رحمهما الله) فی ظاهر الروایة۔

(الهدایة ج۲ ص۵۲۳ باب فی الاولیاء والاکفاء) [1]

بالغہ کا اپنے کفو میں نکاح کرنا صحیح ہے

سوال:۔ اگر ایک بالغہ لڑکی والدین کی رضامندی کے بغیر اپنے کفو میں نکاح کرلے تو کیا یہ نکاح صحیح ہے؟

الجواب:۔ ایک عاقلہ بالغہ لڑکی کے لیے والدین کی رضامندی کے بغیر اپنے کفو میں نکاح کرنا احناف کے ہاں درست ہے اس لیے کہ بالغہ لڑکی اپنے اختیار کی حقدار ہے۔

قال المرغینانیؒ: وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وان لم یعقد ولیٌ۔۔۔۔ للولی الاعتراض فی غیر الکفو وعن ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ انهٗ لا یجوز فی غیر الکفو الخ۔ (الهدایة ج۲ ص۲۹۳ باب فی الاولیاء والاکفاء) [2]

---

[1] قال العلامة داماد افندیؒ: نفذ ای صح نکاح حرة احترازاً عن الامة لان نکاحها موقوفٌ علیٰ إذنِ مولاها کتوقف نکاح الصغیرة والمجنونة والمعتوهة علی اذن المولی ولذا قال مکلفه بکراً کان او ثیباً بلا ولی الی ولو کان النکاح بلا اذن ولی وحضوره عند الشیخینؒ فی ظاهر الروایة لانها تصرف فی خالص حقها وهی من اهله لکونها عاقلةً بالغةً۔ الخ (درر المنتقی شرح ملتقی ج۲ ص۳۳۲ باب الاولیاء والاکفاء)

[2] وفی الهندیة: ثم المرأة اذا زوجت نفسها من غیر کفو صح النکاح فی ظاهر الروایة۔۔۔۔ ولکن للاولیاء حق الاعتراض وروی الحسن عن ابی حنیفةؒ ان النکاح لا ینعقد وبه اخذ کثیر من مشائخنا والمختار فی زماننا للفتوی روایة الحسن الخ۔ (الفتاوی الهندیة جلد۱ ص۲۹۲ الباب الخامس فی الاکفاء)

وَمِثلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۱۱ باب الاولیاء والاکفاء۔

باب الرّضاع

(رضاعت کے مسائل)

رضاعی بھائی کی ماں سے نکاح کا مسئلہ

سوال: زید نے بکر کی ماں کا دودھ مدتِ رضاعت میں پیا ہے، اب بکر زید کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں بکر کی ماں زید کی رضاعی والدہ ہے اور اس کی اولاد زید کے رضاعی بھائی بہن ہیں جن سے زید کا نکاح جائز نہیں، البتہ زید کی ماں کا اگر بکر کے ساتھ کوئی ایسا رشتہ نہ ہو جس سے حرمتِ نکاح ثابت ہو جائے اس لیے بکر کا نکاح زید کی حقیقی ماں سے جائز ہے۔

قال ابن نجیم المصریؒ: تحت قوله (وحرم به وإن قل فی ثلاثین شهرا ما حرم منه النسب إلا أم أخته وأخت ابنه) یعنی فإنهما یحلان من الرضاع دون النسب أطلق المضاف والمضاف إلیه ففی أم أخته ثلاث صور الأولی الأم رضاعاً والاخت نسباً بأن أرضعت أجنبیة أخته نسباً ولم ترضعه الثانیة عکسه ان یکون لاخته رضاعاً أم من النسب۔

(البحر الرائق ج۳ ص۲۲۳ کتاب الرضاع)[1]

رضاعی بھتیجی سے نکاح حرام ہے

سوال: رشیدہ نے خالد کی بیوی کا دودھ مدتِ رضاعت میں پیا ہے، کیا خالد کے بھائی بکر کا نکاح رشیدہ سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مذکورہ میں رشیدہ خالد کے بھائی (بکر) کی رضاعی بھتیجی ہے تو

---

[1] قال ابن عابدینؒ: (وأم أخت) صادق بأن یکون کل منهما من الرضاع کأن یکون لك أخت من الرضاع لها أم أخری من الرضاع أرضعتها وحدها وبأن تکون الأخت فقط من الرضاع لها أم نسبیة۔ (رد المحتار ج۳ ص۲۱۴ کتاب الرضاع)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

جیسے نسبی (حقیقی) بھتیجی سے نکاح جائز نہیں اسی طرح رضاعی بھتیجی سے بھی رضاعی چچا کا نکاح ناجائز اور حرام ہے۔

عن ابن عباسؓ قال قیل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم الا تزوج ابنة حمزةؓ قال انها ابنة اخی من الرضاعة۔ (الصحیح البخاری ج۲ ص۷۶۴ کتاب النکاح، باب یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب)[1]

منکوحہ کا دودھ پینے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا

سوال:- اگر کسی نے اپنی بیوی کے پستان پر منہ رکھ کر قصداً یا سہواً دودھ پی لیا تو کیا اس سے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:- حرمتِ رضاعت کے لیے مدتِ رضاعت (دو سال) کی عمر میں کسی عورت کا دودھ پینا ضروری ہے اور جو دودھ مدتِ رضاعت کے بعد پیا جائے اگرچہ حرام ہے مگر اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی، صورتِ مسئولہ میں خاوند کی عمر اگر دو سال سے زیادہ ہو تو نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا البتہ ایسا کرنا حرام ضرور ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: مص رجل ثدی زوجته لم تحرم۔ قال ابن عابدینؒ: تحته قید به احترازاً عما اذا کان الزوج صغیراً فی مدة الرضاع فانها تحرم علیه۔

(ردّ المحتار ج۳ ص۲۲۵ کتاب الرضاع)[2]

رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح کا حکم

سوال:- رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً زید اور بکر رضاعی بھائی ہیں زید نے بکر کی ماں کا دودھ پیا ہے، اب بکر زید کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- زید کی بہن اور بکر کے درمیان کوئی ایسا رشتہ نہیں ہے جو حرمت کا سبب بنے اس لیے بکر اپنے رضاعی بھائی کی سگی بہن سے نکاح کر سکتا ہے، البتہ زید

---

[1] قال الشیخ النسفیؒ: زوج مرضعة لبنها منه أب للرضیع وابنه أخ وبنته أخت وأخوه عم وأخته عمة۔ (کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۳ ص۲۲۶ کتاب الرضاع)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

[2] قال فی الهندیة: ولا بأس بان یسعط الرجل بلبن المرأة ویشربه للدواء وفی شرب لبن المرأة للبالغ من غیر ضرورة اختلاف المتأخرین۔ (الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۵۵ الباب الثامن عشر فی التداوی الخ)

بکر کی نسبی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا اس لیے کہ یہ لڑکی زید کی رضاعی بہن ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وتحل أخت أخیه رضاعًا یصح اتصاله بالمضاف کان یکون له أخ نسبی له أخت رضاعیة وبالمضاف إلیه کان یکون لأخیه رضاعًا اخت نسبًا وبهما وهو ظاهر۔ (الدر المختار علیٰ صدر المحتار ج ۳ ص ۲۱۷ کتاب الرضاع)[1]

نکاح کے بعد رضاعت کے ثبوت کا حکم

سوال: نکاح ہو جانے کے بعد اگر لڑکی کا والد کبھی رضاعت کا دعویٰ کر دے تو کیا اس دعویٰ کو اعتبار دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: ثبوتِ رضاعت کے لیے حجتِ کاملہ ضروری ہے (جو دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتیں ہیں) صرف ایک مرد یا صرف دو عورتوں کا قول دعوئ رضاعت کے ثبوت کے لیے کافی نہیں، تاہم نکاح سے پہلے اگر ایک عورت کا بیان جو موجبِ ظن غالب ہو تو احتیاط اس میں ہے کہ اس کو اعتبار دے کر نکاح سے اجتناب کیا جائے، البتہ جہاں زوجین کسی عورت کے بیان پر اعتماد کر کے یقین کریں تو ایسی حالت میں انکی تصدیق گواہوں یا کسی گواہی کی محتاج نہیں۔

قال طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولا تجوز شهادة إمرأة واحدة علی الرضاع اجنبیة کانت أو أم أحد الزوجین، فان وقع فی قلبه صدق المخبر فالأفضل أن یتنزه قبل العقد وبعد العقد یسعها المقام معه حتیٰ یشهد علیٰ ذٰلك رجلان أو رجل وإمرأتان عدول ولا یقبل شهادة النساء وحدهن۔ (خلاصة الفتاوٰی ج ۲ ص ۱۱ الفصل الرابع فی الرضاع)[2]

---

[1] قال ابن نجیمؒ: تحت قول النسفیؒ (وتحل أخت أخیه رضاعًا) یصح اتصاله بکل من المضاف والمضاف إلیه وبهما کما قدمناه۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۲۲۷ کتاب الرضاع)

ومثلهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۳۴۳ کتاب الرضاع۔

[2] قال ابن نجیمؒ: تحت قول النسفیؒ (ویثبت بما یثبت به المال) وهو شهادة رجلین عدلین أو رجل وإمرأتین عدول..... وان کان الخبر بعد النکاح وهما کبیران فالأحوط أن یفارقها روی ذٰلك عن رسول الله صلی الله علیه وسلم أنه أمر بالمفارقة۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۲ کتاب الرضاع)

ومثلهٗ فی ردّ المحتار ج ۳ ص ۲۲۴ کتاب الرضاع۔

رضاعت کے ثبوت کے لیے ایک بار پستان چوسنا کافی ہے

سوال: کیا رضاعت کے اثبات کے لیے پانچ مرتبہ پستان چوسنا ضروری ہے یا صرف ایک بار چوسنے سے رضاعت ثابت ہوگی؟

الجواب: احناف کثر اللہ سوادہم کے نزدیک دودھ حلق کے اندر اُترنے سے حرمت ثابت ہوجاتی ہے، چاہے وہ ایک مرتبہ ہو یا پانچ مرتبہ، البتہ شوافع کے ہاں پانچ مرتبہ چوسنا ضروری ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: قلیل الرضاع وکثیره سواءٌ اذا حصل فی مدت الرضاع یتعلق به التحریم قال الشافعی لا یثبت التحریم الا بخمس رضعات۔

(الهدایة ج۱ ص۳۲۹ کتاب الرضاع)[1]

رضاعی بیٹی کی نسبی بہن سے نکاح جائز ہے

سوال: کیا رضیعہ کی نسبی بہن سے مرضعہ کا شوہر نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حرمت رضاعت میں رضیعہ کی طرف سے مرضعہ اور اس کے شوہر پر صرف رضیعہ اور اس کی بیوی اور اس کی اولاد حرام ہوتی ہے باقی کے ساتھ مرضعہ اور اس کے شوہر کا کوئی حرمت والا رشتہ نہیں اس لیے مرضعہ کا شوہر رضیعہ کی نسبی بہن سے نکاح کرسکتا ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: وتجوز تزوج أخت ابنه من الرضاع ولا یجوز ذٰلك من النسب۔ (الهدایة ج۱ ص۳۳۰ کتاب الرضاع)[2]

---

[1] قال العلامة صدر الشریعةؒ: یثبت بمصة فی حولین ونصف لا بعده...... عند الشافعی یثبت بخمس مصاتٍ۔ (شرح الوقایة ج۲ ص۶۲ کتاب الرضاع)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۰۲ کتاب الرضاع۔

[2] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: ویحرم منه ما یحرم من النسب.... الا ام اخیه واخته..... وقس علیه اخت ابنه وبنته۔ قال ابن عابدینؒ تحت قوله اخت ابنه انما حرمت علیه اخت ابنه وبنته نسبًا لکونه بنته اوبنت امرأته وهٰذا المعنی مفقود فی الرضاع۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۴۰۶ باب الرضاع)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۳ کتاب الرضاع۔

رضیعہ پر مرضعہ اور شوہر کے اصول و فروع حرام ہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رضیعہ یعنی دودھ پینے والے بچے پر مرضعہ یعنی دودھ پلانے والی عورت اور اس کے شوہر کی طرف سے کون کون سے رشتہ دار حرام ہوجاتے ہیں؟

الجواب:۔ حرمت رضاعت مرضعہ اور اس کے شوہر کی طرف سے رضیعہ پر اصول اور فروع دونوں حرام ہیں، یعنی مرضعہ کے آباؤ اجداد اور اس کی اولاد اور اسی طرح شوہر کے آباؤ اجداد مع اس کی اولاد کے حرام ہوں گے۔

قال العلامة المرغینانی رحمه الله: ویحرم من الرضاع ما یحرم من النسب لحدیث الذی رویناه۔ (الهدایة ج ۱ ص۳۳۰ کتاب الرضاع)[1]

رضاعت پر اُجرت لینا جائز ہے

سوال:۔ کیا مرضعہ عورت رضاعت پر رضیعہ کے باپ یا ولی سے اجرت لے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رضاعت ایسا عمل ہے کہ اُس کے کرنے کی اُجرت کے جواز پر سب علماءؒ کا اتفاق ہے اس لیے مرضعہ رضاعت پر اجرت لے سکتی ہے شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

لما فی الهندیة: واجمعوا علی ان مدة الرضاع فی استحقاق اجرة الرضاع مقدر بحولین حتی ان المطلقة اذا طالبته بعد الحولین باجرة الرضاع فابی الاب ان یعطی لایجبر ویجبر فی الحولین۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع)[2]

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: فیحرم منه ای بسببه ما یحرم من النسب۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص۴۰۵ باب الرضاع)
ومِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع۔

[2] قال العلامة فخرالدین قاضی خانؒ: واجمعوا علی ان مدة الرضاع فی استحقاق اجرة الرضاع علی الاب مقدر بحولین حتی ان المطلقة اذا طالبته بعد الحولین اجرة الرضاع فابی الاب ان یعطی لا یجبر و یجبر فی الحولین۔
(فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة ج ۱ ص۴۱۷ باب الرضاع)

عمر رسیدہ عورت کے پستان سے نکلنے والے سفید پانی سے رضاعت ثابت نہیں

سوال: اگر کسی بچے نے انتہائی بوڑھی عورت (جو سنِ ایاس کو پہنچ چکی ہے) کے پستان سے سفید پانی پیا ہو تو کیا اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی بوڑھی عورت کے پستان سے سفید پانی نکل آئے جو دودھ جیسا نہ ہو تو اس کے پینے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی بچے نے سفید پانی پیا ہو تو حرمت نہیں ورنہ ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولبن بكر بنت تسع سنين فاكثر محرم والا لا جوهرة۔

قال ابن عابدينؒ: تحت هذا القول اى وان لم تبلغ تسع سنين فنزل لها لبن لاتحرم جوهرة لانهم نصبوا على ان اللبن لا يتصور الا ممن تتصور منه الولادة فيحكم بانه ليس لبنًا كما لو نزل للبكر ماء اصفر لا يثبت من ارضاعه تحريم كما فى شرح الوهبانية۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۳۳ باب الرضاع)

صرف دعویٰ کرنے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوگی

سوال:۔ اگر مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) یہ دعویٰ کرے کہ فلاں لڑکے کو میں نے دودھ پلایا ہے مگر اس پر گواہ نہیں، تو کیا صرف مرضعہ کے اس دعویٰ سے حرمتِ رضاعت ثابت ہو کر لڑکے کا مرضعہ کی بیٹی سے نکاح حرام ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ رضاعت کے اثبات کے لیے شرعی گواہوں کا ہونا ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے، اس لیے صرف مرضعہ کے دعویٰ سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی، البتہ اگر مرضعہ اپنے دعویٰ میں سچی ہو تو جتنا ہو سکے اجتناب بہتر ہے اگرچہ نکاح صحیح ہوگا۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وحجته حجة المال وهى شهادة عدلين او عدل وعدلتين۔

قال ابن عابدينؒ: ولو احدهما المرضعة۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۴۸ باب الرضاع)[1]

---

[1] قال العلامۃ المرغينانیؒ: ولا يقبل فى الرضاع شهادة النساء منفردات وانما يثبت بشهادة رجلين او رجل وامرأتين۔ (الهداية ج۲ ص۳۳۳ كتاب الرضاع)
وَمِثْلُهٗ فى البحر الرائق ج۳ ص۲۳۲ كتاب الرضاع۔

شوہر کا بیوی کے پستان چوسنے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی

سوال: عوام الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ اگر شوہر بیوی کے پستان پر منہ رکھ کر اس کا دودھ چوس لے جو اس کے حلق سے اتر جائے تو اس شخص کا نکاح ٹوٹ جائے گا اور اس کی بیوی بمنزلہ ماں کے ہو جائے گی شرعاً اس کی حقیقت کیا ہے؟

الجواب: حرمتِ رضاعت کے لیے مدتِ رضاعت کے اندر دودھ پینا لازمی ہے، اگر مدتِ رضاعت کے بعد دودھ پیا جائے تو حرمت ثابت نہ ہوگی اس لیے عوام الناس کی یہ بات غلط ہے اور شوہر کا بیوی کا دودھ پینے سے نہ نکاح متاثر ہوگا اور نہ بیوی اس کی ماں بن سکتی ہے، تاہم مرد کے لیے بیوی کا دودھ پینا حرام ضرور ہے۔

قال العلامة المرغيناني ؒ: ثم مدة الرضاع ثلثون شهرًا عند ابي حنيفة ؒ وقالا سنتان وهو قول الشافعي ؒ ...... قال النبي عليه السلام لا رضاع بعد حولين۔ (الهداية ج ۲ ص ۳۲۹ كتاب الرضاع)[1]

رضاعی بیٹی کا مرضعہ کے سابقہ خاوند سے نکاح جائز ہے

سوال: ایک بچی نے کسی عورت مثلاً ہندہ کا بچپن میں دودھ پیا ہے، ظاہر ہے کہ اس بچی کا نکاح ہندہ کے موجودہ شوہر سے (جس کی وجہ سے اسے یہ دودھ آیا ہے) تو جائز نہیں لیکن کیا یہ لڑکی ہندہ کے سابقہ شوہر کے لیے بھی حرام ہے یا نہیں؟

الجواب: رضیعہ (بچی) پر مرضعہ کا وہ شوہر حرام ہے جس کی وجہ سے اسے موجودہ دودھ آیا ہو، یہ شخص اب اس بچی کا رضاعی باپ ہے، اس کے علاوہ اگر ہندہ کا کوئی سابقہ خاوند ہو اور اس کے ساتھ اس بچی کا کوئی رشتہ نہیں جو سبب حرمت کا بنے اس لیے ان دونوں کا نکاح صحیح ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

قال العلامة المرغيناني ؒ: لبن الفحل يتعلق به التحريم وهو ان ترضع المرأة صبية

---

[1] قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله: وحولان ونصف عنده وحولان فقط عندهما وهو الاصح فتح وبه يفتى كما في تصحيح القدوري۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۰۳ باب الرضاع)

ومثله في فتح القدير ج ۳ ص ۳۰۹ كتاب الرضاع۔

فتحرم هٰذه الصبية علیٰ زوجها وعلیٰ ابائه وابنائه ويصير الزوج الذی نزل لها منه اللبن ابا للمرضعة۔ (الهداية ج۲ ص۳۳ کتاب الرضاع) [1]

رضاعی بیٹے کی بیوہ سے نکاح جائز نہیں

سوال:۔ زید نے بچپن میں زینب کا دُودھ پیا ہے، اب جبکہ زید کا انتقال ہو گیا ہے تو کیا زید کا رضاعی باپ اس کی بیوہ سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو بچہ کسی عورت کا دُودھ پی لے تو اس عورت کا شوہر جس سے یہ دُودھ ہے اُس بچے کا رضاعی باپ بن جاتا ہے، جس طرح سگے بیٹے کی بیوہ سے نکاح صحیح نہیں اسی طرح رضاعی بیٹے کی بیوہ سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں، اس لیے زینب کا شوہر زید کی بیوہ سے نکاح نہیں کر سکتا۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: الا احلال حليلة الابن رضاعًا فانها تحرم كالنسب بحرو غيره۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۳۸۳ فصل فی المحرمات) [2]

نسبی بھائی کا رضاعی بہن سے نکاح کرنا

سوال:۔ زید نے ہندہ کے ساتھ بچپن میں اس کی ماں کا دُودھ پیا ہے، کیا ہندہ کا نکاح زید کے دُوسرے بھائی بکر سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت میں وہ رشتہ دار حرام ہو جاتا ہے جس میں جزئیت ثابت ہوتی ہو، چونکہ صورتِ مسئولہ میں ہندہ کا زید کے ساتھ جزئیت کا رشتہ ثابت ہوا ہے آسکے

---

[1] قال العلامة ابن نجيم المصریؒ: (زوج مرضعة لبنها منه اب للرضيع) بيان لان لبن الفحل يتعلق به التحريم لعموم الحديث المشهور واذا ثبت كونه ابا له لايحل لكل منهما موطؤة الاخر۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۲۶ کتاب الرضاع)

وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

[2] قال العلامة ابن نجيم المصریؒ: معناه ان الحرمة بسبب الرضاع تعتبر بحرمة النسب فشمل حليلة الابن والاب من الرضاع لانها حرام بسبب النسب وكذا بسبب الرضاع۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۲۴ کتاب الرضاع)

وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

بھائی بکر کے ساتھ نہیں، اس لیے ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ جائز ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وتحل اخت اخيه رضاعًا يصح اتصاله بالمضاف كان يكون له اخ نسبي له اخت رضاعية. (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۵۶۱ باب الرضاع)[1]

رضاعی باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا

سوال:۔ ایک لڑکے نے کسی شخص کی بیوی کا دودھ مدتِ رضاعت میں پیا تھا، اب وہ بالغ ہو چکا ہے اور اس شخص کی دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، کیا یہ لڑکا اس شخص کی دوسری بیوی سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ شخص اِس لڑکے کا رضاعی باپ ہے، تو جس طرح اپنے نسبی باپ کی موطوئہ سے نکاح کرنا جائز نہیں تو اسی طرح رضاعی باپ کی موطوءہ سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

قال ابن عابدين رحمه الله: (تحت قوله مايحرم من النسب) معناه ان الحرمة بسبب الرضاع معتبرة بحرمة النسب فتشمل زوجة الابن والاب من الرضاع لانها حرام بسبب النسب وكذا بسبب الرضاع وهو قول اكثر اهل العلم كذا في المبسوط بحر. (رد المحتار ج۲ ص۵۵ باب الرضاع)[2]

غلطی سے کسی عورت کا دودھ پینے سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے

سوال:۔ اگر کوئی بچہ غلطی سے یا دھوکہ سے کسی عورت کا دودھ پی لے تو کیا اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہو گی یا نہیں؟

---

[1] قال المرغيناني رحمه الله: ويجوز ان يتزوج الرجل باخت اخيه من الرضاع لانه يجوز ان يتزوج باخت اخيه من النسب۔ (الهداية ج۲ ص۳۳ كتاب الرضاع)

وَمِثْلُهٗ فی شرح الوقاية ج۲ ص۶۱ كتاب الرضاع۔

[2] قال المرغيناني رحمه الله: وامرأة ابيه وامرأة ابنه من الرضاع لايجوز ان يتزوجها كما لايجوز ذلك من النسب۔ (الهداية ج۲ ص۳۱ كتاب الرضاع)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ كتاب الرضاع۔

الجواب:۔ مدتِ شیر خواری میں جب بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے تو حرمتِ رضاعت ثابت ہوجائے گی چاہے بچے نے غلطی سے پیا ہو یا دھوکہ اور قصد وارادہ سے۔

قال فخر الدین قاضی خانؒ: قلیل الرضاع وکثیرہ سواء عندنا...... کما یحصل الرضاع بالمص من الثدی یحصل بالصب والسعوط۔

(الفتاوٰی قاضی خان علی ہامش الھندیۃ ج ۱ ص ۴۱۶، ۴۱۷ باب الرضاع)[1]

چمچہ سے بچہ کو دودھ دینا موجب رضاعت ہے

سوال:۔ اگر کسی بچے کو چمچہ کے ذریعے کسی عورت کا دودھ پلایا جائے تو کیا اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ جب دودھ بچے کے حلق کے نیچے چلا جائے چاہے کسی بھی طریقے سے ہو تو حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی، چونکہ صورتِ مسئولہ میں دودھ حالتِ صغر میں بچے کے بدن میں پہنچ چکا ہے اس لیے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگئی ہے۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: اذا اختلط اللبن بالماء واللبن ھو الغالب تعلق بہ التحریم وان غلب الماء لم یتعلق التحریم۔ (الھدایۃ ج ۲ ص ۳۳۱ کتاب الرضاع)[2]

رضاعی بہن بھائی کا نکاح حقیقتِ حال معلوم ہونے کے بعد واجب التفریق ہے

سوال:۔ اگر ایک عورت کا نکاح لاعلمی میں کسی ایسے مرد سے ہوجائے جس نے بچپن میں اس کے ساتھ کسی عورت کا دودھ پیا تھا، کیا اب حقیقتِ حال کا علم ہونے کے بعد ان کے درمیان تفریق کرانی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ یہ دونوں آپس میں رضاعی بہن بھائی ہیں اسلیے ان دونوں کا نکاح شرعاً

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: ھو مص الرضیع من ثدی الآدمیۃ فی وقت مخصوص ای وصول اللبن من ثدی المرأۃ الی جوف الصغیر من فمہ او انفہ فی مدۃ الرضاع۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۲۲۱ کتاب الرضاع)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۳۴۲ کتاب الرضاع۔

[2] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: لو اختلط اللبن لما ذکر یعتبر الغالب فان کان الغالب الماء لا یثبت التحریم۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۲۲۸ کتاب الرضاع)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۳۴۴ کتاب الضاع۔

جائز نہیں ہے اور دونوں کے درمیان تفریق لازمی ہے جو نفسِ متارکت سے ثابت ہو سکتی ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: (ولا) حل (بین الرضیعة وولد مرضعتها) ای التی ارضعتها (وولد ولدها) لانه ولد الاخ ــ الخ (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۲ ص۴۴۳ باب الرضاع)

وقال ایضاً: (فیحرم منه) ای بسببه (ما یحرم من النسب) ـــ الخ

(الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۲ ص۴۳۹ باب الرضاع) [1]

بلوغ کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں

سوال:۔ کسی عورت کے ساتھ ایک لڑکے نے زنا کے دوران اس کے پستان کو منہ میں لے کر اس کا دودھ پیا، کیا اب اس مزنیہ اور زانی کا آپس میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت کے لیے دو اڑھائی سال کے اندر اندر کسی عورت کا دودھ پینا ضروری ہے، اس مدت کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہ ہوگی، لہٰذا اس زانی لڑکے کا نکاح مزنیہ سے جائز ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: مدت الرضاع ثلثون شهراً عند ابی حنیفةؒ۔ وقالا سنتان وهو قول الشافعیؒ ...... وقال النبی علیه السلام لارضاع بعد حولین۔

(الهدایة ج ۲ ص۳۲۹ کتاب الرضاع) [2]

شک کی بنا پر رضاعت ثابت نہیں

سوال:۔ رات کے وقت ایک شیر خوار بچی نے کسی عورت کے پستان کو منہ میں لیا

---

[1] وفی الهندیة: یحرم علی الرضیع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب ...... فالکل اخوة الرضیع واخواته واولادهم اولاد اخوته واخواته الخ۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع)

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: هو حولان ونصف عنده وحولان فقط عندهما وهو الاصح فتح وبه یفتی کما فی تصحیح القدوری ...... ولا یصح الارضاع بعد مدته۔

(الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۲ ص۴۰۳/۴۰۲ باب الرضاع)

ومثله فی فتح القدیر ج ۳ ص۳۰۹ کتاب الرضاع۔

مگر اس بات کا یقین نہیں کہ آیا بچی نے دودھ پیا ہے یا نہیں، تو کیا اب اس بچی کا نکاح مذکورہ عورت کے لڑکے سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت کے ثبوت کے لیے یقینِ محکم کا ہونا ضروری ہے محض شک کی بنا پر حرمت ثابت نہ ہوگی، البتہ احتیاط اس میں ہے کہ مذکورہ بچی کا نکاح اس عورت کے کسی بھی بیٹے کے ساتھ نہ کیا جائے۔

قال الشیخ ابن الہمامؒ: بان ادخلت الحلمة فی فم الصغیر وشکت فی الارتضاع لا تثبت الحرمة بالشک۔ (فتح القدیر ج۳ ص۳۰۴ کتاب الرضاع)[1]

مدتِ رضاعت کے بعد دودھ پلانے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی

سوال:۔ اگر کوئی عورت کسی کے بچے کو دو سال کے بعد اپنا دودھ پلائے تو کیا اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت کے ثبوت کے لیے مدتِ رضاعت کے اندر اندر دودھ پینا یا پلانا ضروری ہے جو بنصِ قرآن دو سال ہے، لہٰذا اگر کوئی عورت کسی غیر کے بچے کو دو سال کے بعد دودھ پلائے تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

قال النبیؐ علیه السلام: لا رضاع بعد حولین۔ (الہدایۃ ج۲ ص۳۲۹ کتاب الرضاع)[2]

رضاعی ماں کی پوتی سے نکاح کرنے کا مسئلہ

سوال:۔ ایک لڑکے نے دو سال کی عمر سے پہلے اپنی دادی کا دودھ پیا تھا، اب وہ اپنے چچا کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا یہ لڑکی اس کے لیے حلال

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: فلو التقم الحلمة ولم یدر ادخل اللبن فی حلقه ام لا لم یحرم لان فی المانع شکا۔ (الدر المختار علی ہامش رد المختار ج۲ ص۵۵۶ باب الرضاع)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع۔

[2] قال الحصکفیؒ:۔ فی وقت مخصوصٍ هو حولان ونصف عنده وحولان فقط عندهما وهو الاصح فتح وبه یفتی کما فی تصحیح القدوری ..... ولم یحرم الارضاع بعد مدته۔ (الدر المختار علی ہامش رد المختار ج۲ ص۴۰۳، ۴۰۴ باب الرضاع)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۰۹ کتاب الرضاع۔

ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ لڑکی مذکورہ لڑکے کی رضاعی بھتیجی لگتی ہے، اور بھتیجی سے نکاح کرنا شرعاً درست نہیں لہٰذا یہ لڑکا چچا کی بیٹی سے نکاح نہیں کرسکتا۔

قال العلامة المرغینانی رحمه الله: ویحرم من الرضاع ما یحرم من النسب للحدیث الذی روینا۔ (الھدایة ج۲ ص۳۳۰ کتاب الرضاع)[1]

مدتِ رضاعت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مدتِ رضاعت کے اثبات کے لیے کتنا وقت مقرر ہے؟ یا یہ کہ جب بھی کوئی کسی عورت کا دودھ پی لے تو حرمتِ رضاعت ثابت ہوجاتی ہے؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت کے لیے جمہور علماء کے نزدیک دو سال کی مدت مقرر ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تیس مہینے یعنی اڑھائی سال مقرر ہے، لہٰذا اس مدت کے اندر اندر جب بھی والدہ کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ پیا جائے تو رضاعت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔

قال العلامة المرغینانی رحمه الله: مدة الرضاع ثلثون شهراً عند ابی حنیفةؒ وقالا سنتان وھو قول الشافعیؒ۔ (الھدایة ج۲ ص۳۲۹ کتاب الرضاع)[2]

رضاعی بھانجی سے نکاح جائز نہیں

سوال:۔ اگر ایک عورت نے کسی لڑکے کو دودھ پلایا ہو اور اس عورت کی بیٹی نے کسی اور لڑکی کو دودھ پلایا ہو تو اس لڑکے اور لڑکی کا آپس میں نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بھانجی سے چاہے وہ حقیقی ہو یا رضاعی دونوں صورتوں میں نکاح جائز نہیں

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمه الله:۔ ویحرم منه ای بسببه ما یحرم من النسب۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۵ باب الرضاع)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع۔

[2] قال العلامة الحصکفی رحمه الله:۔ ھو حولان ونصف عنده وحولان فقط عندھما وھو الاصح فتح وبه یفتی کما فی تصحیح القدوری۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۳ باب الرضاع)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۰۹ کتاب الرضاع۔

چونکہ صورتِ مسئولہ میں یہ لڑکی اِس لڑکے کی رضاعی بھانجی لگتی ہے اس لیے ان دونوں کا نکاح شرعاً جائز نہیں۔

قال العلامة المرغینانی رحمه الله: ويحرم من الرضاع ما يحرم من النسب للحديث الذی روينا۔ (الهداية ج۲ ص۳۳۰ كتاب الرضاع)[1]

حرمت رضاعت صرف اسلام کا حکم ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کیا حرمتِ رضاعت اسلام کے علاوہ دوسرے شرائع میں بھی نازل ہوئی تھی یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلام دیگر منفردات کے علاوہ اس مسئلہ میں بھی منفرد مذہب ہے جس میں رضاعت کی وجہ سے بھی نسبی رشتہ جیسی حرمت بیان فرمائی گئی، اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں یہ حکم نہ تھا۔

قال الشيخ ابوزهرةؒ: انفردت الشريعة الاسلامية من بين الشرائع السماوية القائمة الان يجعل الرضاع سبباً من اسباب التحريم۔
(الاحوال الشخصية ص۸۳ التحريم بالرضاع)

اپنی والدہ اور نانی کا دودھ پینے سے ماموں کی اولاد سے نکاح کا حکم

سوال:۔ میرے بڑے بھائی اور ایک بہن نے اپنی والدہ اور نانی کا دودھ پیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر ہم اپنے کسی بھائی کا نکاح اپنے ماموں یا خالہ کی لڑکی سے کرنا چاہیں تو وہ شریعتِ مقدسہ کی رُو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جس بھائی اور بہن نے نانی کا دودھ پیا ہے اس کا نکاح ماموں اور خالہ کی اولاد سے حرام ہے اور جس بھائی اور بہن نے نانی کا دودھ نہ پیا ہو تو اس کا نکاح خالہ اور ماموں کی اس اولاد سے درست ہوگا جس نے نہ نانی کا دودھ پیا ہو اور نہ اس بھائی اور بہن کی والدہ کا دودھ پیا ہو۔

---

[1] قال العلامة الحصكفی رحمه الله: ويحرم منه ای بسببه ما يحرم من النسب۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۵ باب الرضاع)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ كتاب الرضاع۔

قال العلامة الحصکفیؒ : فیحرم منه ای بسببه ما یحرم من النسب الا ام اخیه واخته واخت ابنه وبنته وجدة ابنه وبنته وام عمه وعمته الخ

(الدر المختار علی هامش رد المختار ج۲ ص۴۳۹ کتاب النکاح۔ باب الرضاع) [1]

رضاعی خالہ سے نکاح کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! ایک لڑکے نے صغر سنی میں ایک عورت کا دودھ پیا ہے اب اُس کے والدین اُس عورت کی چھوٹی بہن سے اِس لڑکے کا نکاح کرنا چاہتے ہیں، کیا شرعاً اِن دونوں کا نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- قانونِ شریعت کی رُو سے جس عورت سے نکاح نسبی رشتے کے حوالے سے حرام ہے تو رضاعی رشتے کے حوالے سے بھی اس عورت سے نکاح جائز نہیں، صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ لڑکی چونکہ اس لڑکے کی رضاعی خالہ ہے اس لیے نسبی خالہ کی طرح رضاعی خالہ سے بھی نکاح ناجائز وحرام ہے، لڑکے کے والدین کو چاہیئے کہ وہ اس ارادے کو ترک کردیں۔

لما قال العلامة المرغینانی رحمه الله : یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب للحدیث الذی رویتا۔

(الهدایة ج۲ ص۳۳ کتاب الرضاع) [2]

---

[1] وفی الهندیة: وتثبت حرمة المصاهرة فی الرضاع حتی ان امرأة الرجل حرام علی الرضیع وامرأة الرضیع حرام علی الرجل وعلی هذا القیاس الا فی المسئلتین احدهما ان لا یجوز للرجل ان یتزوج اخت ابنه من النسب ویجوز فی الرضاع والمسئلة الثانیة لا یجوز لرجل ان یتزوج ام اخته من النسب ویجوز فی الرضاع۔ الخ

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع)

[2] قال العلامة الحصکفیؒ، ویحرم منه ای بسببه ما یحرم من النسب۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۲۰۵ باب الرضاع)

ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع۔

باب فی حرمت المصاہرت

(حرمتِ مصاہرت کے احکام و مسائل)

ساس کو بغیر شہوت کے ہاتھ لگانا

سوال:۔ ایک شخص کا اپنی بیوی کو جگاتے وقت بیوی کے بجائے ساس کو ہاتھ لگ گیا اور دل میں جماع کا خیال تھا لیکن شہوت نہیں تھی، تو کیا اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی؟

الجواب:۔ حرمتِ مصاہرت کے اثبات کے لیے لمس (چھونا) ضروری ہے جو کہ شہوت سے ہو اور جس لمس (چھونے) میں شہوت نہ ہو اُس سے حُرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہونے کی وجہ سے اس شخص پر بیوی حرام نہیں ہوگی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وفی اللمس لا تحرم ما لم تعلم الشهوة لان الاصل فی التقبیل الشهوة بخلاف اللمس۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۳ ص۳۶ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)[۱]

ساس کو شہوت سے دیکھنا

سوال:۔ اگر کسی نے اپنی ساس کو شہوت کی نگاہ سے دیکھا تو کیا اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر فرجِ داخل کو شہوت کی نظر سے دیکھا ہو تو حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجائے گی ورنہ مطلق نظرِ شہوت سے حرمتِ مصاہرت کا اثبات نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله والمنظور الی فرجها) قید بالفرج لأن ظاهر الذخیرة وغیرها أنهم اتفقوا علیٰ أن النظر بشهوة إلی سائر اعضائها لا عبرة به ما عدا الفرج۔
(رد المحتار ج ۳ ص۳۳ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)[۲]

---

[۱] قال ابو البرکات النسفیؒ: والزنا واللمس والنظر بشهوة یوجب حرمة المصاهرة۔ (کنز الدقائق علیٰ هامش البحر الرائق ج ۳ ص۹۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) ـــــ قال ابن نجیمؒ: وقیل یکون اللمس عن غیر شهوة لم یوجب الحرمة۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)
ومثله فی الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات۔

[۲] قال فی الهندیة: لا تثبت بالنظر الی سائر الاعضاء لا بشهوة ولا بمس سائر الاعضاء لا عن شهوة بلا خلاف۔ کذا فی البدائع والمعتبر النظر الی الفرج الداخل، هکذا فی الهدایة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۷۴ فصل فی المحرمات)

ساس سے زنا کرنے پر بیوی کے حرام ہونے کا حکم

سوال:۔ اپنی ساس سے زنا کا ارتکاب کرنے والے شخص کے لیے اس عورت کی بیٹی حلال رہے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص اپنی ساس سے زنا کرے یا شہوت کے ساتھ مس یا تقبیل کرے تو اِس سے اُس عورت کی بیٹی ہمیشہ کے لیے زنا کے مرتکب داماد پر حرام ہو جاتی ہے۔

قال ابن نجیمؒ: واراد بحرمة المصاهرة المحرمات الاربع حرمة المرأة علی أصول الزانی وفروعه نسبًا ورضاعًا وحرمة أصولها وفروعها علی الزانی نسبًا ورضاعًا۔ کما فی الوطئ الحلال۔ (البحرالرائق ج۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات)[1]

بیٹی کو شہوت سے ہاتھ لگانے سے نکاح پر اثرات

سوال:۔ اگر کسی نے اپنی بیٹی کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تو اس عمل سے اس کے نکاح پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ کیا بیوی اس کے لیے حرام ہو جائے گی یا حلال رہے گی؟

الجواب:۔ اگر کسی شخص نے بیٹی کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا ہو اور درمیان میں کوئی ایسی چیز بھی حائل نہ ہو جو بیٹی کے بدن کی حرارت کے احساس سے مانع ہو اور نہ بیٹی کی عمر نو سال سے کم ہو تو اس صورت میں حرمتِ مصاہرت ثابت ہو کر لڑکی کی ماں اس شخص پر حرام ہو جائے گی، اور اگر مذکورہ شرائط میں سے ایک بھی موجود نہ ہو تو پھر حُرمت ثابت نہیں۔

قال فی الهندية: فلو أیقظ زوجته لیجامعها فوصلت یده إلی بنته منها فقرصها بشهوة وهی ممن تشتهی یظن أنها أمها حرمت علیه الأم حرمة مؤبدة کذا فی فتح القدیر...... ثم لا فرق فی ثبوت الحرمة بین کونه عامدًا أو ناسیًا..... ثم المس إنما یوجب حرمة المصاهرة إذا لم یکن بینهما ثوب أما إذا کان بینهما ثوب فإن کان رقیقا بحیث تصل حرارة الممسوس الی یده تثبت کذا فی الذخیرة...والفتوی

---

[1] وفی الهندية: فمن زنی بإمرأة حرمت علیه أمها وإن علت وإبنتها وإن سفلت۔ (الفتاوی الهندیه ج۱ ص۲۷۴ الباب الثالث فی المحرمات۔
ومثله فی ردّ المحتار ج۳ ص۳۲ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات۔

علی أن بنت تسع محل الشهوة لا ما دونها۔ کذا فی معراج الدرایة۔ انتهی

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۴ الباب الثالث فی المحرمات)[1]

زانی اور مزنیہ کی اولاد کے درمیان نکاح جائز ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! اس مسئلہ کی وضاحت درکار ہے کہ زانی اور مزنیہ کی اولاد کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے زنا سے حرمتِ مصاہرت کا اثبات چار گروہ میں کیا ہے جن میں صورتِ مسئولہ شامل نہیں ہے اس لیے زانی اور مزنیہ کی اولاد کا آپس میں نکاح جائز اور درست ہے۔

قال ابن نجیم المصری رحمه الله: وأراد بحُرمة المصاهرة الحرمات الاربع حرمة المرأة علی اصول الزانی وفروعه نسبًا ورضاعًا وحرمة أُصولها وفروعها علی الزانی نسبًا ورضاعًا کما فی الوطئ الحلال ویحل لأصول الزانی وفروعه أصول المزنی بها وفروعها۔

(البحر الرائق ج۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات)[2]

نابالغ لڑکے کا بالغہ سے زنا کرنے سے حرمتِ مصاہرت کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی نابالغ لڑکا کسی بالغہ عورت سے زنا

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: ولا فرق فیما ذکر بین اللمس والنظر بشهوة بین عمدٍ ونسیان وخطاء وإکراه فلو ایقظ زوجته أو أیقظته هی لجماعها فمست یده بنتها المشتهاة أو یدها إبنه حرمت الأمُّ أبدًا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۳۵ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

ومِثلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات۔

[2] قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله حرم ایضًا بالصهریة اصل مزنیته)....ومثلهٗ ما قدمناه قریبًا عن القهستانی عن النظم وغیره وقوله ویحل الخ ای کما یحل ذٰلك بالوطئ الحلال وتقییده بالحرمات الاربع مخرج لما عداها وتقدم آنفا الکلام علیه۔ (رد المحتار ج۳ ص۳۲ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

ومِثلُهٗ فی الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات۔

کرے تو اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: زنا سے حرمتِ مصاہرت کے لیے لڑکے لڑکی کا بالغ ہونا ضروری ہے یا کم از کم دونوں کا مراہق ہونا شرط ہے، اس لیے وہ نابالغ لڑکا جو مراہق نہیں کے زنا کرنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔

قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: وکذا تشترط الشھوۃ فی الذکر حتی لو جامع أربع سنین زوجۃ أبیہ لاتثبت الحرمۃ. وفی الذخیرۃ خلافہ وظاھر الأول أنّہ یعتبر فیہ السن المذکور لھا وھو تسع سنین۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۹۹)

وقال ایضاً: المراھق کالبالغ۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۰۱ کتاب النکاح فصل فی المحرمات) [1]

بیٹے کی منکوحہ سے نکاح حرام ہے

سوال: ایک لڑکے نے نکاح کیا لیکن وہ جماع کرنے پر قادر نہیں، اب اگر لڑکے کا باپ اس لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ اسلامی میں جب کوئی عورت ایک مرتبہ کسی شخص کے نکاح میں آجائے تو وہ عورت ہمیشہ کے لیے اس شخص کے باپ پر حرام ہو جاتی ہے، اس کے ساتھ کسی بھی صورت میں نکاح نہیں کر سکتا۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ۔ (سورۃ النساء ۲۳) [2]

سوتیلے بیٹے سے زنا کرانے والی عورت اپنے خاوند پر حرام ہوجاتی ہے

سوال: اگر کوئی عورت اپنے سوتیلے بیٹے سے زنا کرائے تو کیا یہ عورت اب اپنے شوہر کے لیے حلال ہے یا حرام؟

---

[1] قال ابن عابدینؒ: (تحت قول کبالغ)..... وفی الفتح لو مس المراھق وأقر أنہ بشھوۃ ثبت الحرمۃ۔ (ردّ المحتار ج ۳ ص ۳۷ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات۔

[2] وفی الھندیۃ: وحلیلۃ الابن وابن الابن وابن البنت وان سفلوا دخل بھا الابن ام لا۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصھریۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج ۲ ص ۲۸۸ کتاب النکاح۔

الجواب:۔ جب کوئی عورت اپنے یا شوہر کے بالغ یا مراہق بیٹے سے جماع کرائے اس زنا کی وجہ سے اب یہ عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: قال فی البحر اراد بحرمة المصاهرة الحرمات الاربع حرمة لمرءة علی اصول الزانی وفروعه نسبًا ورضاعًا وحرمة اصولها وفروعها علی الزانی سبًا ورضاعًا۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۳۹۴ فصل فی المحرمات) [1]

نابالغ لڑکے سے زنا کرانا حرمتِ مصاہرت کا سبب نہیں

سوال:۔ ایک عورت نے شدتِ شہوت کی وجہ سے ایک نابالغ لڑکے سے زنا کرایا، اب یہ عورت اس لڑکے کو اپنی بیٹی نکاح میں دینا چاہتی ہے، کیا ان دونوں کا نکاح جائز ہے ؟

الجواب:۔ حرمتِ مصاہرت کے ثبوت میں وہ زنا قابلِ اعتبار ہے جس میں دونوں افراد بالغ یا مراہق ہوں، صورتِ مسئولہ میں چونکہ لڑکا مراہق بھی نہیں ہے لہٰذا حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں اس لیے دونوں لڑکے اور لڑکی کا نکاح جائز ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ:۔ فلو جامع غیر مراهق زوجة ابیه لم تحرم۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۳۸۹ فصل فی المحرمات) [2]

فرج داخل کو دیکھنا موجب حرمتِ مصاہرت ہے

سوال:۔ کتبِ فقہ میں مذکور ہے کہ شہوة کی نظر سے دیکھنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے، جبکہ آجکل تو بازاروں میں اکثر اوباش قسم کے لڑکے

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ: والمحرمین واراد بحرمة المصاهرة الحرمات الاربع حرمة المرأة علی اصول الزانی وفروعه نسبًا ورضاعًا وحرمة اصولها وفروعها علی الزانی نسبًا ورضاعًا۔

(البحر الرائق ج۳ ص۱۰۱ فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات۔

[2] وفی الهندیة: وکذا تشترط الشهوة فی الذکر حتی لو جامع ابن اربع سنین زوجة ابیه لا تثبت به حرمة المصاهرة کذا فی فتح القدیر۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۵ القسم الثانی فی المحرمات بالصهریة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۹۹ فصل فی المحرمات۔

لڑکیوں کو شہوت کی نظروں سے دیکھتے ہیں، تو کیا اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: مطلقاً شہوت کی نظر سے دیکھنا حرمتِ مصاہرت کا سبب نہیں بلکہ کسی عورت کے داخلِ فرج کو بنظرِ شہوت دیکھنا سببِ حرمت ہے باقی دیگر اعضاء کو دیکھنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: والمنظور الی فرجها الداخل۔

(الدر المختار علیٰ هامش ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۸۶ باب المحرمات)[1]

کم سن بچی کو شہوت کیساتھ چھونا حرمتِ مصاہرت کا سبب نہیں

سوال: اگر کسی مرد نے ۸/۷ سال سے کم عمر کی بچی کو شہوت کے ساتھ چھوا تو کیا اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: حرمتِ مصاہرت کے اثبات کے لیے لڑکی کا مشتہات ہونا ضروری ہے چونکہ ۸/۷ سال کی بچی مشتہات نہیں ہوتی، اس لیے مذکورہ صورت میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وبنت سنها دون تسع لیست بمشتهاة۔

(الدر المختار علیٰ هامش ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۸۹ فصل فی المحرمات)[2]

---

[1] وفی الهندیة: والمعتبر النظر الی الفرج الداخل هٰکذا فی الهدایة وعلیه الفتویٰ هٰکذا فی الظهیریة۔ الخ۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصهریة)

ومِثلُهٗ فی الهدایة ج ۲ ص ۲۷۹ کتاب النکاح۔

[2] وفی الهندیة، الفتویٰ علیٰ بنت تسع محل الشهوة لا ما دونها۔ کذا فی معراج الدرایة۔ قال الفقیه ابو اللّیثؒ: ما دون تسع سنین لا تکون مشتهاة وعلیه الفتویٰ۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۲۷۵ القسم الثانی فی المحرمات الصهریة)

ومِثلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۹۹ فصل فی المحرمات۔ کتاب النکاح۔

ساس سے زنا کے اقرار کے بعد انکار کی کوئی حیثیت نہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! یہاں علاقائی جرگہ کے سامنے ایک شخص نے اقرار کیا کہ اس نے اپنی ساس کے ساتھ زنا کیا ہے مگر اب وہ اس بات سے منکر ہے، تو کیا اِس عورت کی بیٹی اس شخص کے لیے حلال ہے یا حرام؟

الجواب:۔ بشرطِ صحتِ سوال ایک مرتبہ اقرار کرنے کے بعد اب اس کے انکار کا کوئی فائدہ نہیں، اس شخص کی بیوی اس پر حرام ہوگئی ہے جرگہ اس کے انکار کی تصدیق نہ کرے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: فی الخلاصة قیل له ما فعلت بأم امرأتك فقال جامعتها تثبت الحرمة ولا یصدق انه کذب ولو هازلاً۔ قال ابن عابدینؒ: (قوله ولا یصدق انه کذب الخ) ای عند القاضی اما بینه وبین الله تعالیٰ وان کان کاذباً فیما اقر لم تثبت الحرمة۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۹ فصل فی المحرمات)[1]

مزنیہ کافرہ کی بیٹی سے نکاح جائز نہیں

سوال:۔ یہاں لندن میں ایک مسلمان مرد کے ایک کافرہ عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے، اب وہ شخص توبہ کرکے اُس عورت کی مسلمان بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے، تو کیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی عورت کو شہوت کے ساتھ چھونا یا اُس کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کرنا موجبِ حرمتِ مصاہرت ہے، عورت چاہے مسلمان ہو یا کافرہ، اِس حرمت کی وجہ سے ممسوسہ کے اصول وفروع چھونے والے پر حرام ہو جاتے ہیں، اِس لیے صورتِ مسئولہ میں مسلمان مرد کا نکاح اس ممسوسہ کافرہ کی مسلمان بیٹی سے جائز نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: واصل ممسوسة بشهوة ولو بشعر علی الرأس ...... وفروعهن مطلقاً۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۳۸۵ فصل فی المحرمات)[2]

---

[1] قال ابن نجیمؒ: قیل لرجل ما فعلت بأم امرأتك قال جامعتها تثبت الحرمة ولا یصدق انه کذب وان کان هازلاً والاصرار لیس بشرط فی الاقرار لحرمة المصاهرة۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

[2] وفی الهندیة: فمن زنیٰ بامرأة حرمت علیه اُمها وان علت وابنتها وان سفلت وکذا تحرم المزنی بها علی اٰباء الزانی واجداده وان علوا وابنائه وان سفلوا کذا فی فتح القدیر ...... کما تثبت هذه الحرمة بالوطء تثبت بالمس والتقبیل والنظر الی الفرج بشهوة کذا فی الذخیرة۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصهریة) ومثله فی الهدایة ج۲ ص۲۸۹ کتاب النکاح۔

چھوٹے گاؤں میں جاری شدہ نماز جمعہ کو بند کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں ٹنگی دہزارہ) میں تقریباً آٹھ سال سے نماز جمعہ پڑھی جا رہی ہے، تبلیغ اور درود وسلام کا سلسلہ بھی جاری ہے، حال ہی میں ایک مولوی صاحب نے اس بستی کو چھوٹی بستی میں شمار کر کے عوام سے نماز جمعہ بند کرنے کو کہا بستی کے کوائف حسب ذیل ہیں: گھر تقریباً ۳۰۰۔ ووٹ ۸۰۰۔ مسجدیں ۸ ملحقہ ہیں۔ ایک عدد پرائمری سکول۔ ایک چھوٹا بازار۔ کل آبادی تقریباً ۴۰۰۰۔ ایک نمبردار۔ ایک پٹواری۔ ایک ممبر یونین کونسل۔ ایک چوکیدار۔ ایک سکول ماسٹر بھی ہے۔ یہ گاؤں یونین کونسل کی طرف سے ایک جدا وارڈ ہے، بستی کے تمام بالغ مرد اگر جمع ہو جائیں تو ایک بڑی مسجد میں نہیں سما سکتے۔ مندرجہ بالا کوائف کی روشنی میں شرعی حکم صادر فرمایا جائے کہ اگر واقعی بستی ھٰذا میں نماز جمعہ نہیں ہو سکتی اور آئندہ کے لیے ترک کی جاوے اور سابقہ کی قضاء ادا کی جائے؟

الجواب:۔ جناب کو معلوم ہوگا اور کتب فقہ میں ملاحظہ کیا ہوگا کہ ہمارے امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے مسلک میں صحت اور جواز جمعہ کے لیے دیگر شرائط کے ساتھ ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ جگہ مصر ہو یا فناء مصر ہو، اگر وہ جگہ مصر یا فناء مصر نہ ہو، تو اگرچہ دوسرے شرائط ہوں پھر بھی امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہاں جمعہ جائز اور صحیح نہ ہوگا۔ تحدید مصر میں اگرچہ فقہاء احناف آپس میں مختلف نظر آتے ہیں اور مصر کی مختلف تعریفیں فقہاء نے کی ہیں اُن میں سے ایک تعریف یہ ہے کہ مَا لا یسع اکبر مساجدہٖ اہلہٗ المکلّفین بہا۔ اور دوسری تعریف جس کو ظاہر المذہب کہا گیا ہے، یہ ہے: انہٗ کل موضعٍ لہ امیر و قاضٍ یقدر علی اقامۃِ الحدود۔ (الدر المختار)

علامہ ابن عابدینؒ المعروف بہ شامی نے "شرح منیہ" سے جو حد صحیح نقل کی ہے اور جس کو صاحب ھدایہ نے اختیار کیا ہے، یہ ہے: انہ الذی لہٗ امیرٌ و قاضٍ ینفذ الاحکام ویقیم الحدود۔

بہر حال مصر کی تحدید کے بارہ میں اقوال بکثرت ہیں، بعض میں افراط ہے اور بعض میں تفریط، اور بعض اعدل و اوسط ہیں، اور وہی احق بالقبول ہیں۔

صورت مسئولہ کے مطابق موضع مذکور ہر حال میں اعدل الاقاویل پر مصر میں تو داخل نہیں ہے لیکن فقہاء کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ قصبات و قریٰ کبیرہ بھی مصر کے حکم میں ہیں چنانچہ

ردالمحتار جلد ۱ ص۷۴۸ میں بصراحت موجود ہے: وعبارة القهستاني وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها اسواق الى قوله لا يجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاضي ومنبر وخطيب۔ اھ ـــ اور نظر برحالت مذکورہ سوال موضع مذکورہ قریٰ کبیرہ میں ضرور داخل معلوم ہوتا ہے۔ اور کبیرہ وصغیرہ میں اگر ما بہ الفرق آبادی کی مقدار لی جائے تو اس کا مدار عرف پر ہوگا، اور عرف کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ حکام وقت جوکہ حکمائے تمدن بھی ہیں چار ہزار کی آبادی والے گاؤں کو قصبہ میں شمار کرتے ہیں اور چار ہزار کے قریب بوجہ معتبر نہ ہوتے کسر کے حکم میں چار ہزار کے ہیں۔ پس موضع مذکورہ اگر قصبہ نہیں ہے تو قریۂ کبیرہ ہونے میں توشبہ ہی نہیں ہے، اس بناء پر تو مناسب ہے کہ موضع مذکورہ میں جمعہ کا جائز ہونا مان لیا جاوے، لیکن فقہائے کرام نے قریہ صغیرہ اور کبیرہ میں ما بہ الفرق وہ صفات مراد لی ہیں جو عبارت مرقومہ میں کبیرہ وصغیرہ کی صفت میں وارد ہیں۔ یعنی اسواق، حاکم، خطیب کا ہونا یا نہ ہونا، اس بناء پر موضع مذکور قریۂ کبیرہ میں داخل نہیں ہے اور یہاں جمعہ کا جائز ہونا تسلیم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ موضع مذکور میں ایک چھوٹا بازار ہے جو قریۂ صغیرہ کی نشانی ہے، مصر اور قریۂ کبیرہ میں کم از کم تین بازار ہونے چاہئیں ـــ محقق ابن الہمامؒ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ حاکم سے بڑا حاکم قاضی اور والی مراد ہیں جو وہاں مقیم ہوں، یہ صفت بھی موضع مذکور میں معدوم ہے اسلئے یہ جگہ قریہ صغیرہ ہونی چاہیئے اور جب قریہ صغیرہ ہوا تو پھر جواز جمعہ کے ساتھ چند مفاسد لاحق ہوتے ہیں کیونکہ پھر جمعہ کی نماز نفل ہوگی اور نفل تداعی کے ساتھ باجماعت بدعت ومکروہ ہیں، ظہر جو اصل فریضہ ہے اس کا ترک یا جماعت کا ترک لازم آتا ہے۔ اس لیے ذاتی مشورہ یہ ہے کہ اکابرین دیوبند نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر ایک قریہ صغیرہ میں عرصہ دراز سے جمعہ قائم ہو اور اُسے بند کرنے میں فساد کا خطرہ ہو تو اس کو فوراً بند نہ کیا جائے بلکہ جمعہ پڑھایا جائے اور لوگوں کو آہستہ آہستہ سمجھایا جائے کہ چونکہ یہ جگہ نہ مصر ہے نہ قریۂ کبیرہ، اور ہمارے مسلک میں ایسی جگہ جمعہ جائز نہیں اور خود گھر میں جاکر چار رکعت بہ نیت آخر ظہر پڑھ لیا کریں، اس طریقہ سے درست مسئلہ بھی واضح ہو جائے گا اور فساد بھی برپا نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

خطبۂ جمعہ کے بارے میں چند سوالات

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین متدرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ :۔

(۱) جمعہ کا خطبہ بدستور عربی زبان میں رکھا جائے یا عوام الناس کے سمجھنے کے لیے مقامی زبان میں رواج دیا جائے ؟

(۲) اگر خطبہ عربی زبان ہی میں باقی رکھا جائے تو جو لوگ عربی زبان نہ سمجھنے کا اشکال کرتے ہیں اس کا کیا حل ہے ؟

(۳) خطبہ میں سلطانِ وقت کا نام لانا چاہیئے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اس مسئلہ پر کئی عرصہ پہلے علماء راسخین نے قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں اپنے فتاویٰ رسالوں کی شکل میں شائع کیے ہیں اور قوی دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ اگر جمعہ و عیدین میں خطبہ بجائے عربی کے اُردو یا فارسی میں پڑھا جائے تو امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہوگا، اور صاحبینؒ کے نزدیک ایک قول میں خطبہ صحیح اور ادا نہ ہوگا، اور جب خطبہ ادا نہ ہوگا تو نمازِ جمعہ بھی نہ ہوگی کیونکہ جمعہ کی ادائیگی کی شرائط میں سے خطبہ بھی ہے ۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ فتاویٰ دار العلوم دیوبند کے حصہ "عزیز الفتاویٰ" میں اس فتویٰ کے دلائل میں "درمختار" کی یہ عبارت پیش فرماتے ہیں ، والرابع الخطبة فيه فلو خطب قبله وصلّى فيه لم تصح ۔ درمختار باب الجمعة كما صح لو شرع بغير عربية ۔ الخ وشرط عجزه وعلى هذا الخلاف الخطبة وجميع اذكار الصلوٰة ۔ درمختار و فى الشامى وعلى هذا الخلاف لو سبح فى الفارسية فى الصلوٰة او دعا ۔ الخ اى يصح عنده لكن يأتى كراهة الدعاء بالاعجمية الخ شامى باب صفة الصلوٰة وفى باب الجمعة من رد المحتار لم يقيد الخطبة بالعربية اكتفاء بما قدمه فى باب صفة الصلوٰة من انها غير شرط ولو مع القدرة على العربية عنده خلافا لهما حيث شرطاها الا عند العجز الخ

ان عبارات سے واضح ہے کہ عربی زبان پر قدرت کے باوجود اردو یا فارسی وغیرہ میں خطبہ جمعہ پڑھنا صاحبینؒ کے نزدیک اور ان کے قول کے موافق صحیح نہیں ، اور امام صاحبؒ کے نزدیک اگرچہ خطبہ ادا ہو جائے گا مگر مکروہ تحریمی ہوگا۔

اسی طرح مولانا محمد تمیم بن محمد المدراسی نے اس موضوع پر دو عدد رسالے زبدة التحقیقات[1] عمدة التحقیقات[2] فی کراهة الخطبة بغیر العربیة' تالیف فرماتے ہیں، جن پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان نے تقریظ لکھی ہے۔ نیز حضرت مفتی صاحب نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بنام "الاعجوبة" تحریر فرمایا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ تقریظ میں لکھتے ہیں: الخطبة بالعربیة سنة مؤکدة لمواظبة النبی علیه الصلوٰة والسلام لا یقال ان المواظبة تکون دلیل السنة اذا لم یکن ثمة دلیل الخصوص وکفیٰ کونهٗ علیه الصلوٰة والسلام عربیاً وکون لغته عربیةً دلیل الخصوص فانا نقول ان الخلفاء الراشدون ومن سواهم من اصحابه علیه الصلوٰة والسلام بلغوا مشارق الارض ومغاربها وافتتحوا العرب والعجم ولم یثبت من احد منهم انهٗ خطب بغیر العربیة مع القدرة علیه لما ثبت من کثیر من الصحابة معرفتهم بلغة العجم وقدرتهم علی الخطبة بها کزید بن ثابت رضی الله تعالیٰ عنه کان یعلم اللسان العجمی والحبشی والرومی وکسلمان الفارسیؓ کان یعلم الفارسیة ومع ذلک لم یأمرهم النبی صلی الله علیه وسلم بالخطبة بلسان العجم مع مس الحاجة الیه ومعرفتهم به فی شیء من الاحادیث علی انهٗ قد ثبت من الاحادیث الصحیحة والسیرة النبویة حضور العجمتین عندهٗ صلی الله علیه وسلم وحدانا وجماعات وکانوا فی اول امرهم لا یعرفون العربیة فان کان تفهیم الخطبة الحاضرین من ضروریات الخطبة فقد مس الحاجة الی ترجمتها بلسانهم ولم یفعله النبی صلی الله علیه وسلم مع القدرة علیه باقامة الترجمان من جماعة الصحابة فعلم ان مواظبته علیه السلام علی اللغة العربیة فی الخطبة لیس لمحض کونهٗ عربیاً وعلی سبیل جریان العادة کما ظنه بعض الفضلاء بل کان ذلک مقصوداً منه علیه الصلوٰة والسلام والحاصل ان جعل الخطبة بالعربیة سنة مؤکدة۔

اسی تقریظ میں محدث الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجۃ اللہ فی ارض اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں جو انہوں نے شرح مؤطا میں ذکر فرمایا ہے: ولما لاحظنا خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائہٖؓ وھلم جرّا فنقحنا وجود اشیاء فیہا الحمد والشہادتین والصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والامر بالتقویٰ وتلاوۃ آیۃ والدعاء للمسلمین فی المشارق والمغارب بہ مع ان فی کثیر من الاقالیم کان المخاطبون اعجمیین۔

آگے امام نووی رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں جو انہوں نے "اذکارِ کتاب حمہ اللہ تعالیٰ" میں ذکر کیا ہے: ویشترط کونہا یعنی خطبۃ الجمعۃ وغیرہا بالعربیۃ انتہیٰ والحاصل ان اللغۃ العربیۃ فی الخطبۃ سُنۃ مؤکدۃ عندنا ولکن ترک العربیۃ وجعلہا بالعجمیۃ مکروہ تحریماً وتارکہا آثم ولاسیما المدمن علیہ۔

اس موقع پر صاحبِ تقریظ ایک اعتراض کو نقل کر کے اس کا دفعیہ بھی فرماتے ہیں، ولا یرد علینا ما نص علیہ فی ردّ المحتار من ان ترک الواجب مکروہ تحریماً وترک السنّۃ تنزیہاً وایضاً صرح بہ الحلبی فی شرح المنیۃ حیث قال والمراد بہا ما لزمہ ترک السنۃ وھو کراہۃ تنزیہ او ترک واجب وھو کراہۃ تحریم کما ذکرہ المصنفؒ فی رسالتہ ھٰذہ زبدۃ التحقیقات وذلک لان الحکم بتنزیہیۃ الکراہۃ فی ترک السنّۃ انما ھو اذا لم یخالطہ غیرہ من احداث بدعۃ او ادمان علی ترکہا والا فالفقہاء مصرحون بکونہ آثماً ضالاً۔ قال الشامیؒ فی اوائل سنن الوضوء وھی سنن المؤکدۃ القریبۃ من الواجب التی یضلل تارکہا لان ترکہا استخفاف بالدین۔ (ج ۱ ص ۹۶) ثم قال فی المضمضۃ والاستنشاق فلو ترکہما اثم علی الصحیح۔ (سراج) وقال فی الحلیۃ لعلہ محمول علی ما اذا جعل الترک عادۃ لہٗ من غیر عذرٍ کما قالوا مثلہ فی التثلیث۔ (شامی ج ۱ ص ۱۰۸) وقال فی البدائع لان من لم یر سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ فقد ابتدع فیلحقہ الوعید۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۲) قلت والمراد بالوعید

قوله علیه السلام فی حدیث الاعرابی من زاد علی هذا اونقص فقد تعدّی وظلم۔ ومن هذه الجملة وضح ان تارك العربية فی الخطبة آثمٌ مبتدع فانه لا یراه سنةً فالحاصل ان اختصاص اللغة العربية فی الخطبة وان کان فی الاصل من السنن الا انه لحق بترکه امور آخر من ابداع بدعة وآثم الادمان علی ترك السنة وترك البدعة واجب فجاء الوجوب من هذا القبیل لا بمحض المواظبة علیه وبالجملة فالحکم بوجوب العربية وآثم تارکها فی خطبة الجمعة وان ترجمتها بغیر العربية بدعة حق لا ریب۔

اسی طرح حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے "امداد الفتاویٰ" میں بھی تحریر فرمایا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: قرآن مجید اور خطبہ دونوں کا اصل مقصد ایک ہی ہے، چنانچہ خطبہ کو قرآن مجید میں ذکر اللہ فرمایا ہے۔ یہی لفظ ذکر قرآنِ مجید کے لیے فرمایا ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ بلکہ قرآنِ مجید کے لیے لفظ ذکریٰ بمعنیٰ تذکیر بھی وارد ہے۔ اِنْ هُوَ ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ پس اگر لفظ ذکر اس پر دال ہے کہ اس سے لوگوں کو ان کی زبان میں نصیحت کی جاوے تو چاہیئے کہ قرآنِ مجید کی جگہ بھی یا اس کے ساتھ نماز میں حاضرین کی زبان میں ترجمہ پڑھا جاوے بلکہ لفظ ذکریٰ اس پر زیادہ دال ہے، اور اگر قرآنِ مجید سے تفہیمِ ناس کو خارج نماز کے ساتھ مخصوص کیا جاوے اور نماز میں محض تلاوت کا حکم کیا جاوے تو خطبہ سے تفہیمِ ناس کو بھی خارج ہیئت خطبہ کہا جاوے مثلاً خطبہ سے قبل یا نماز کے بعد پھر ضرورتِ تفہیم کو حضرات صحابہ کرامؓ ہم سے زیادہ جانتے تھے، اور روم و فارس اس وقت فتح ہو چکا تھا اور حضرات صحابہ کرامؓ میں ان زبانوں کے جاننے والے بھی موجود تھے، پھر کیا وجہ کہ اُس وقت ایسا نہیں کیا گیا؟ پھر اگر سامعین میں آٹھ دس زبانوں والے ہوں تو کیا خطیب کے لیے یہ شرط ہوگی کہ وہ سب زبانوں کا ماہر ہو؟ اگر نہیں تو پھر دوسری زبانوں والوں کی کیا رعایت ہوئی؟ نیز اسی بحث میں حضرت تھانویؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ جمعہ کا خطبہ عربی زبان کے سوا کسی اور زبان میں پڑھنا خلافِ سُنتِ متوارثہ ہے اس لیے ممنوع ہے۔ انتہیٰ۔

حضرت مولانا عبدالحی صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے "مجموعۃ الفتاوٰی" میں اس بارہ میں تفصیل سے کلام کیا ہے، چند عبارات حوالۂ قلم کی جاتی ہیں :۔

(سوال) خطبۂ جُمعہ اردو زبان میں یا فارسی زبان میں یا اردو وفارسی اشعار میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور جو ہے تو کس کتاب میں مذکور ہے؟ بینوا وتوجروا هوالعلیم الخبیر۔

(جواب) خطبۂ جمعہ اردو زبان میں نثر ہو خواہ نظم اور اسی طرح فارسی زبان میں بھی نثر ہو یا نظم، وعلیٰ ھٰذا القیاس۔ جو خطبہ کہ اس کی کچھ عبارات لغتِ عربی میں ہو اور کچھ زبان فارسی یا اردو وغیرہما میں نظم ہو یا نثر مکروہ بکراہت تحریمی ہے کیونکہ مخالف ہے سنتِ ھُدٰی کے، اس لیے کہ پیغمبرِ خدا علیہ التحیۃ والثناء اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے علی الدوام خطبہ زبانِ عربی میں پڑھا ہے اور اس وقت کسی سے خطبہ پڑھنا غیر زبان عربی میں منقول نہیں ہے، جیسا کہ کتاب "آکام النفائس فی اداء الاذکار بلسان الفارس" میں مسطور ہے: وھٰذہ عبارتہ الکراھۃ انما ھی لمخالفۃ السنۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ قد خطبوا دائمًا دائمًا بالعربیۃ ولم ینتقل عن احد منھم انھم خطبوا خطبۃً ولو خطبۃ غیر الجمعۃ بغیر العربیۃ۔ انتہٰی

اور یہ پوشیدہ نہ رہے کہ باعثِ احداث خطبہ غیر عربیہ کا نہیں ہے مگر نہ سمجھنا عجم کا عباراتِ عربیہ کو، حالانکہ یہ امر قرونِ ثلاثہ میں بھی موجود تھا، اس واسطے کہ جب اطرافِ مختلفہ میں بلاد وامصار مفتوح ہوئے اور اکثر مردمان فارس و حبش و رُوم وغیرہ کے مشرف بہ اسلام ہوئے، وہ لوگ مجالس شعائر اسلام مثل جمعہ وعید وغیرہما کے حاضر ہوتے تھے اور ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو بوجہ عدم وقوف لُغتِ عرب کے شعور فہم عبارات عربیہ کا نہ تھا بایں ہمہ کسی نے برعایت فہم اشخاص عربیہ عجمیہ کے غیر زبانِ عربی میں خطبہ نہ پڑھا، باوجودیکہ تعلیم وتفہیم کہ خطباء وعلماء کی شان سے ہے مقتضی اس کی تھی، جبکہ ایسا نہ ہُوا تو خطبہ عربیہ کے مکروہ ہونے میں جو ادنیٰ مرتبہ ضلالت کا ہے کچھ شک نہ رہا۔ الیٰ آخر ما قال واطال نوراللہ مرقدہٗ۔

محققین کی ان تصریحات کو مدنظر رکھ کر ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ وعیدین کا خطبہ بدستور عربی زبان میں رکھا جائے، اور اس کا دوسری زبان (مثل اردو یا فارسی وغیرہ) میں بدل دینا مکروہ تحریمی ہے۔

(۲) آپ کے اس سوال کا جواب سوالِ اول کے جواب کے ضمن میں ہوگیا ہے تاہم اتنا لکھا جاتا ہے کہ خطبۂ عربی سے پہلے وعظ و تبلیغ کرنے میں یہ اشکال رفع ہو سکتا ہے، خاص خطبہ کے الفاظ کے معانی اور مطالب لوگوں کو سمجھانا اس وقت کوئی شرط نہیں ہے۔

(۳) خطبے میں کسی کا شخصی نام لانا شرط نہیں ہے، فقہاءِ اسلام خطبے کے متعلق جو تفصیل بیان فرماتے ہیں اس میں کہیں اس کا ذکر نظر سے نہیں گذرا، مشہور فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ خطبہ کے شرائط میں سے ایک شرط خطبہ ہے۔ (ومنها الخطبة قبلها) — آگے لکھتے ہیں: الخطبة تشتمل على فرض وسنة فالفرض شيئان الوقت الى قوله والثاني ذكر الله — آگے لکھتے ہیں: واما سننها فخمسة عشر — خطبہ کی تفصیل میں بھی کہیں کسی بادشاہ کا شخصی نام ذکر کرنے کی تصریح نہیں ہے، علیحدہ بھی کوئی جزئیہ دستیاب نہیں ہو سکا، اس لیے بہتر یہی ہے کہ خطبے میں شخصی نام نہ لایا جائے، خطبہ میں اوصاف پر دعا اور ترغیب و ترہیب ہونی چاہیئے، جیسا کہ خطبوں میں اسلاف کا معمول رہا ہے کہ اُن کے خطبوں میں یہ الفاظ موجود ہیں: والسلطان المسلم ظلّ الله فى الارض من اهان سلطان الله فى الارض اهان الله۔

هذا ما عندى والله اعلم

* * *

عیدین کی نماز کتنے دنوں تک ادا کی جاسکتی ہے

سوال:۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کتنے دنوں تک ادا کی جاسکتی ہے؟

الجواب:۔ اگر عید الفطر کی نماز بوجہ شرعی مجبوری کے نہ پڑھائی جاسکے تو دُوسرے دن پڑھی جاسکتی ہے اس کے بعد جائز نہیں اور عید الاضحیٰ کی نماز تین دن تک جائز ہے بشرطیکہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے ترک کی گئی ہو۔

لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولو زالت الشمس یوم الفطر قبل ان یصلی صلوٰۃ العید سقطت صلوٰۃ العید ولا یصلی من الغد الا اذا ترکوا بعذرٍ فیصلی من الغد قبل الزوال وان زالت الشمس من الغد سقطت صلوٰۃ العید سواء ترکوھا بعذرٍ او بغیر عذرٍ وفی عید الاضحیٰ اذا لم یصل من الغد حتیٰ زالت الشمس یصلی بعد الغد قبل الزوال فاذا زالت الشمس فی آخر ایام النحر ولم یصل سقطت سواء کان بعُذرٍ او بغیر عُذرٍ غیر ان التاخیر ان کان بعذرٍ لا یلحقھم الاساءۃ وان کان بغیر عذرٍ فقد اساؤا۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۱۴ باب صلوٰۃ العیدین)[1]

* * *

---

[1] وفی الھندیۃ: وتؤخر صلوٰۃ عید الفطر الی الغد اذا منعھم من اقامتھا عذر بان غُم علیھم الھلال وشھد عند الامام بعد الزوال او قبلہ بحیث لا یمکن جمع الناس قبل الزوال وصلاھا فی یوم غیم فظھر انھا وقعت بعد الزوال ولا تؤخر الی بعد الغد والامام لو صلاھا مع الجماعۃ وفاتت بعض الناس لا یقضیھا من فاتتہ خرج الوقت او لم یخرج واذا حدث عذر یمنع من الصلوٰۃ فی یوم الاضحیٰ صلاھا من الغد وبعد الغد ولا یصلیھا بعد ذلک، ثم العذر ھٰھنا لنفی الکراھۃ حتیٰ لو اخروھا الی ثلاثۃ ایام من غیر عذر جازت الصلوٰۃ وقد اَساؤا وفی الفطر للجواز حتیٰ لو اخروھا الی الغد من غیر عذر لا یجوز۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۱۵۱ الباب السابع عشر فی صلوٰۃ العید)

وَمِثْلُہٗ فی الطحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۲۳۹ باب صلوٰۃ العیدین۔

احکام و مسائل

عید و صدقۃ الفطر

دار العلوم حقانیہ کے دار الافتاء کی طرف سے عوام الناس کے افادہ کے لیے احکام و مسائل کے عنوان سے ماہنامہ الحق میں وقتاً فوقتاً مضمون شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ذیل کا مضمون بھی ماہنامہ الحق میں شائع ہو چکا ہے۔ فتاویٰ کی مناسبت سے یہاں بھی شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

○ یکم شوال کو شکرانے کے طور پر دو رکعت نمازِ عید ادا کرنا واجب ہے [1]

○ عید کے دن غسل کیا جائے، مسواک کی جائے، عمدہ کپڑے جو میسر ہوں پہن کر خوشبو لگائی جائے بالوں کو تیل لگا کر کنگھا کیا جائے [2]

○ صبح سویرے عید گاہ جلد پہنچنے کی کوشش کی جائے اور نمازِ عید کے لیے جانے سے قبل کوئی میٹھی چیز کھا لی جائے [3]

○ عید کی نماز پڑھنے کے لیے ایک راستے سے جائے اور نماز کے بعد دوسرے راستے سے واپس آئے اور اگر ممکن ہو تو عید گاہ پیدل چل کر جائے [4]

○ راستے میں یہ تکبیریں آہستہ آہستہ پڑھے: اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ [5]

○ نمازِ عید سے پہلے کسی جگہ نوافل پڑھنا مکروہ ہے البتہ عید کی نماز کے بعد گھر آکر پڑھ سکتے ہیں۔ [6]

○ نمازِ عید میں صرف چھ تکبیریں زائد ہوتی ہیں، پہلی رکعت میں سبحانک اللّٰھم کے بعد تین تکبیریں زائد ہاتھ چھوڑ کر اور دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے تین تکبیریں زائد ہاتھ چھوڑ کر کہی جاتی ہیں باقی نماز دوسری نمازوں کی طرح ہے، نماز کے بعد خطبہ سننا واجب ہے [7]

نمازِ عید کے متفرق مسائل

○ عیدین کے خطبوں کی ابتدا تکبیر سے کرنا مستحب ہے پہلے خطبے میں نو مرتبہ تکبیر پڑھی جاتی ہے [8]

○ عید کے دونوں خطبوں کے درمیان امام کے لیے تھوڑی دیر بیٹھنا مسنون ہے [9]

○ عید کے دن عورتوں، مریضوں اور مسافروں کے لیے بھی نماز عید سے پہلے نوافل پڑھنا مکروہ ہے[10]

○ عیدین کی نمازِ عیدگاہ میں ادا کرنا مسنون ہے، البتہ معذوروں کے لیے مساجد میں نمازِ عید ادا کرنا جائز ہے[11]

○ نمازِ عید کا باجماعت ہونا شرط ہے لہٰذا اگر کسی وجہ سے نمازِ عید کی جماعت میں شریک نہیں ہو سکا تو تنہا نمازِ عید ادا نہیں کر سکتا، اسی طرح اگر کسی کی نمازِ عید کسی وجہ سے فاسد ہو گئی ہو تو اس کی قضا واجب نہیں ہے[12]

○ اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے نمازِ عید پہلے دن نہ پڑھی جا سکے تو دوسرے دن نمازِ عید پڑھ لیں۔[13]

○ اگر کسی کی واجب زائد تکبیریں چھوٹ گئی ہوں اور وہ امام کے ساتھ قیام میں آکر شریک ہوا تو نیت باندھ لینے کے بعد وہ سب سے پہلے تین زائد تکبیریں کہے خواہ امام نے قرأت شروع کر دی ہو یا نہ کی ہو[14]

○ ایک شخص نماز کی دوسری رکعت کے رکوع میں آکر شریک ہوا تو ایسے موقع پر اگر اُسے یقین ہو کہ تین تکبیریں کہہ کر رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے گا تو وہ پہلے کھڑے ہو کر تینوں تکبیریں کہے اس کے بعد رکوع میں شریک ہو جائے۔ اگر ایسے شخص کو رکوع چھوٹ جانے کا خوف ہو تو وہ رکوع میں شریک ہو جائے اور سبحان ربّی الاعلیٰ کی بجائے رکوع ہی میں زائد تکبیریں کہے مگر رکوع میں ہاتھ نہ اٹھائے[15]

○ اگر تینوں تکبیریں پوری کرنے سے پہلے امام صاحب رکوع سے سر اٹھا لیں تو وہ بھی امام کی اقتدا میں کھڑا ہو جائے، جس قدر تکبیریں رہ گئی ہیں وہ معاف ہوں گی[16]

○ اگر کسی کی ایک رکعت نمازِ عید جاتی رہے تو اس کو چاہیئے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ رکعت ادا کرے، سب سے پہلے قرأت کرے اس کے بعد زائد تکبیریں کہہ کر رکوع میں چلا جائے[17]

○ اگر امام صاحب رکوع سے پہلے زائد تکبیریں کہنا بھول جائے اور رکوع کی حالت میں انہیں وہ تکبیریں یاد آئیں تو وہ حالتِ رکوع میں ہی تکبیریں کہہ لیں قیام کی طرف نہ لوٹیں تاہم اگر غلطی سے امام صاحب کھڑے ہو گئے اور کھڑے ہو کر انہوں نے یہ زائد تکبیریں کہیں تو یہ صورت بھی جائز ہے نماز فاسد نہیں ہو گی[18]

○ ہجوم کی کثرت کی وجہ سے عیدین کی نماز میں سجدۂ سہو معاف ہے[19]

○ عیدین کا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے لیکن اگر امام کسی مجبوری کی وجہ سے کھڑا

نہ ہو سکے تو بیٹھ کر خطبہ پڑھنا جائز ہے[20]

مستحب یہ ہے کہ جو شخص عید کی نماز پڑھائے وہی خطبہ بھی پڑھے، تاہم اگر امام کو کوئی شرعی عذر پیش آجائے تو دوسرا شخص بھی خطبہ دے سکتا ہے[21]

مسنون طریقہ یہ ہے کہ نماز طویل ہو اور خطبہ مختصر ہو یعنی پوری نماز سے کم وقت میں خطبہ ختم ہو جائے[22]

صدقۃ الفطر صدقۃ الفطر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس ضروریات خانہ کے علاوہ ساڑھے باون تولہ چاندی یا اسی وزن کے روپے ہوں یا زیور ہوں یا مال و جائیداد یا تجارت کا مال ہو یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو یا اس وزن کے برابر اشرفیاں یا زیور ہو۔ یہ شرط نہیں کہ اس مال پر سال گذر چکا ہو، اگر کسی کے پاس بہت مال ہے لیکن قرض اس قدر ہے کہ اگر ادا کیا جائے تو ۵۲½ تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا اسباب باقی نہیں رہتا تو اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں۔ جس شخص کے پاس مذکورہ مال یا اس سے زیادہ ہو وہ اپنی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کرے اور اپنی نابالغ اولاد اور بیوی کی طرف سے بھی[23]

صدقۂ فطر ایک آدمی کا بوزن انگریزی پونے دو سیر گندم ہے یا اس کی قیمت، اور جو ۳½ سیر ہے، اپنے عزیز و اقارب سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ ایک شخص کو کئی آدمیوں کا صدقۂ فطر دیا جائے تو درست ہے (اور اگر ایک آدمی کا صدقۂ فطر کئی محتاجوں کو دیدیا جائے تو بھی درست ہے) عید کی نماز سے پہلے ادا کر دینا بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ جس نے کسی عذر یا غفلت سے روزے نہیں رکھے اس پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے بشرطیکہ مذکورہ بالا مقدار کا مال رکھتا ہو۔ صدقۂ فطر مؤذن یا امام وغیرہ کو اُجرت میں دینا جائز نہیں۔ صدقۂ فطر مسجد کی تعمیر اور اس کے مصارف میں لگانا بھی درست نہیں۔

---

[1] قال العلامة المرغینانیؒ، تجب صلوٰۃ العید علی کل من تجب علیہ صلوٰۃ الجمعۃ۔ (الهدایۃ ج ۱ ص ۱۵۱ باب العیدین)

[2]، [3] ندب یوم الفطر أکلہ حلواً وتراً قبل خروجہ الی صلوٰتہا واستیاکہ واغتسالہ تطیبہ ولبسہ احسن ثیابہ ولو غیر ابیض.... ثم خروجہ الی الجبانۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۸ باب العیدین)

۴ـه جس راستے سے جائے اس کے سوا دوسرے راستے سے واپس آنا۔ (بہشتی زیور ص۱۰۱ عیدین کی نماز کا بیان)

۵ـه لما قال العلامة ابو بکر الحداد الیمنیؒ: ولا یکبر فی طریق المصلی عند ابی حنیفةؒ یعنی جهرًا اما سرًا فمستحب وهٰذا فی یوم الفطر لان الاصل فی الثناء الاخفاء۔ (الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۱۲ باب العیدین)

۶ـه لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولا یتنفل قبلها مطلقًا..... وکذا لا یتنفل بعدها فی مصلاها وان تنفل بعدها فی البیت جاز۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار جلد۲ ص۱۷۱ باب العیدین)

۷ـه لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویصلی الامام بهم رکعتین مثنیا قبل الزوائد وهی ثلاث تکبیرات فی کل رکعة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۷۲ باب العیدین)

۸ـه وفی الهندیة: ویستحب ان یفتتح الخطبة الاولی بتسع تکبیرات تتری والثانیة بسبع۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۵۰ باب العیدین)

۹ـه ویسن خطبتان..... بجلسة بینهما۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۳۸ باب العیدین)

۱۰ـه وہ عورتیں اور لوگ جو کسی وجہ سے نمازِ عید نہ پڑھیں ان کو قبل نمازِ عید کے کوئی نفل وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے۔ (بہشتی زیور ص۸۸ حصہ یازدہم)

۱۱ـه قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: والسنة ان یخرج الامام الی الجبانة ویستخلف غیره لیصلی فی المصر بالضعفاء والمرضی بناء علی ان صلوٰة العیدین فی موضعین جائزة بالاتفاق۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۱۳ باب العیدین)

۱۲ـه وفی الهندیة: ولو صلاها مع بالجماعة وفاتت بعض الناس لا یقضیها من فاتته خرج الوقت او لم یخرج۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۵۲ باب العیدین)

۱۳ـه قال العلامة ابو البرکات النسفیؒ: وان فاتت مع الامام وتؤخر بعذر الی الغد فقط۔ (کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۲ ص۱۶۲ باب صلوٰة العیدین)

۱۴ـه، ۱۵ـه لما فی الهندیة ولو انتهی رجلٌ الی الامام فی الرکوع فی العیدین فانه یکبر للافتتاح قائمًا فان امکنه ان یأتی بالتکبیرات ویدرک فعل ویکبر علی رأی نفسه وان لم یمکنه رکع اشتغل بالتکبیرات ولا یرفع یدیه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۵۱ الباب السابع عشر فی صلوٰة العیدین)۔

[۱۶] لما في الهندية: ولو رفع الامام رأسه بعد ما أدّى بعض التكبيرات فانه يرفع رأسه ويتابع الامام وتسقط عنه التكبيرات الباقية۔
(الفتاوی الهندية ج۱ ص۱۵۱ باب صلوة العيدين)

[۱۷] ولو ادركه في القومة لا يقضي فيها لانه يقضي الركعة الاولى مع التكبيرات۔
(الفتاوی الهندية ج۱ ص۱۵۱ باب العيدين)

[۱۸] واذا نسي الامام تكبيرات العيدين حتى قرء فانه يكبر بعد القرأة أو في الركوع مالم يرفع رأسه۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۱۵۱ الباب السابع عشر في صلوة العيدين)

[۱۹] لما في الهندية: ان مشائخنا قالوا لا يسجد للسهو في العيدين والجمعة لئلا يقع الناس في الفتنة۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۱۲۸ باب العيدين)

[۲۰] ومنها ان يخطب قائماً فالقيام سنة فليس بشرط حتى لو خطب قاعداً يجوز عندنا۔
(بدائع الصنائع ج۱ ص۲۶۳ باب الجمعة)

[۲۱] قال العلامة الحصكفيؒ: لا ينبغي ان يصلي غير الخطيب لانهما كشيء واحد فان فعل بأن خطب صبي باذن السلطان وصلى بالغ جاز هو المختار۔
(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۱ ص۵۵۲ باب الجمعة)

[۲۲] قال العلامة الكاسانيؒ: وعن عمر رضي الله عنه انه قال طولوا الصلوة وقصروا الخطبة۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۶۳ باب الجمعة)

[۲۳] صدقة الفطر واجبة على الحر المسلم اذا كان مالكا لمقدار النصاب فاضلاً عن مسكنه وثيابه واثاثه وفرسه وسلاحه وعبيده۔ اما وجوبها فلقوله عليه السلام في خطبته ادوا عن كل حر وعبد صغير او كبير نصف صاع من بر او صاع من شعير۔ رواه ثعلبة بن صعير العدوي۔ (الهداية ج۱ ص۱۹ باب صدقة الفطر)

[۲۴] وزن انگریزی سے وزن صاع کا قریب آدھ پاؤ اور ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے اور نصف صاع پونے دو سیر ایک چھٹانک ہوتا ہے۔ (بہشتی زیور باب صدقۃ الفطر)

* * *

كتاب الجنائز

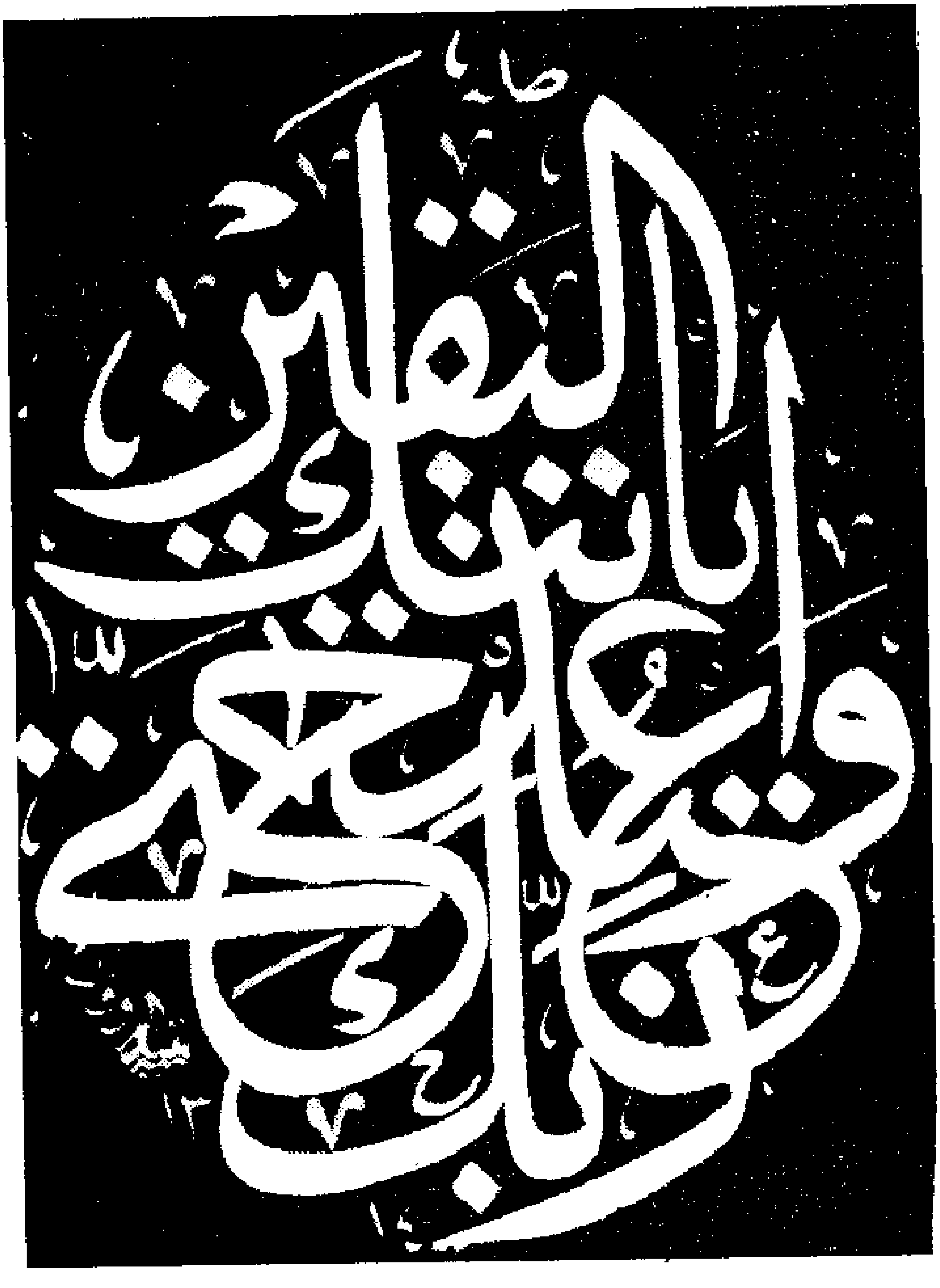

باب حقوق الزوجین

(خاوند اور بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق کے بیان میں)

میاں بیوی کے ایکدوسرے پر حقوق کا حکم

سوال:۔ ازروئے شرع بیوی پر خاوند کے اور خاوند پر بیوی کے کیا کیا حقوق ہیں؟

الجواب:۔ خاوند اور بیوی کے ایک دوسرے پر بہت سے حقوق ہیں جن کا ادا کرنا اور پورا کرنا ازروئے شریعت مطہرہ لازمی ہے، ان میں بعض حقوق مشترکہ ہیں اور بعض خاص ہیں، مثلاً مہر، نان نفقہ، کسوہ، مسکان، اعفاف الزوجہ، عدل وانصاف وغیرہ بیوی کے حقوق منفردہ ہیں اور جائز امور میں خاوند کی اطاعت، اس کی امانت کی حفاظت (مثل عصمت کا تحفظ، مال واولاد وغیرہ کی حفاظت) خاوند کا حق تادیب اور عورت کا حیض ونفاس سے پاک ہونے پر جنابت کے لیے غسل کرنا اور دیگر خاوند کے حقوق منفردہ ہیں۔ اور ایک دوسرے سے حسن معاشرت، نرمی کا مظاہرہ اور ایک دوسرے کی تکلیف برداشت کرنا وغیرہ حقوق مشترکہ ہیں، لیکن خاوند کی ذمہ داریوں کی کثرت کیوجہ سے اس کا حق عورت پر زیادہ ہے۔ ویدل علیہ ما یأتی۔ قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاۤءِ (سورۃ النساء آیت ۳۴) وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۸) وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (سورۃ النساء آیت ۱۹)

وَقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: وان لزوجک علیک حقاً۔ (صحیح بخاری ج ۵ ص ۱۹۹۵ کتاب النکاح) واستوصوا بالنساء خَیْرًا۔ (صحیح بخاری ج ۵ ص ۱۹۸۷ کتاب النکاح) ۱؎

بیوی کا خاوند کے مال سے اپنا حق وصول کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص بیوی کو نفقہ دینے سے انکار کرے تو کیا اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ خاوند کے مال سے اپنا حق اس کی اجازت کے بغیر وصول کرے؟

الجواب:۔ اگر خاوند کا بیوی کو نفقہ دینے سے انکار کسی ایسی وجہ سے ہو جس میں عورت کے کسی جرم کا دخل نہ ہو تو نفقہ بوجہ لزوم عورت کا حق ہے اور وہ کسی بہانے سے خاوند کے مال سے

۱؎ وَانْظُرْ لِلتَّفْصِیْل: (البحر الرائق ج ۴ ص ۱۶۸ کتاب النکاح ، و الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص ۳۲۷ الی ۳۴۳ الفصل السابع حقوق الزواج وواجباتہ)

اپنا حق وصول کر سکتی ہے۔ تاہم اگر کہیں عورت کی نافرمانی کی وجہ سے خاوند نے اس کو نفقہ سے محروم کر رکھا ہو تو پھر عورت کی نافرمانی کی وجہ سے اس کا یہ حق باقی نہیں رہتا۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت إن هند بنت عُتبة قالت یا رسول اللہ إن أبا سفیان رجل شحیح ولیس یعطینی ما یکفینی وولدی إلا ما أخذت منه وهو لا یعلم فقال خذی ما یکفیك وولدك بالمعروف۔ متفق علیه۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۲۹۰ کتاب النکاح)[1]

ایک بیوی سے زیادہ محبت رکھنا دوسری بیویوں کی حق تلفی نہیں

سوال:۔ اگر ایک آدمی کی تین یا چار بیویاں ہوں اور ان میں کسی ایک کی طرف اس کا قلبی میلان اور اس کے ساتھ محبت زیادہ ہو تو کیا اس سے دوسری بیویوں کی حق تلفی لازم آتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تین یا چار بیویوں میں سے کسی ایک کے ساتھ کسی وجہ سے قلبی محبت زیادہ ہو اور دیگر حقوق میں سب کے ساتھ برابری اور عدل کرتا ہو تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں، شریعت مطہرہ کی نظر میں خاوند ایسے حقوق کا مکلف ہے جو اس کے دائرۂ اختیار میں ہوں جبکہ ایک سے زیادہ بیویوں میں سے کسی ایک کے ساتھ قلبی محبت اس کی قدرت سے باہر ہے۔

قال فی الهندیة: ومما یجب علی الازواج للنساء العدل والتسویة بینهن فیما یملکه والبیتوتة عندها للصحبة والمؤانسة لا فیما لا یملك وهو الحب والجماع۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۵۴۲ الباب السابع عشر فی النفقات)[2]

---

[1] قال فی الهندیة: فی کل موضع کان للقاضی أن یقضی لها بالنفقة فلها ان تأخذ من مال الزوج ما یکفیها بالمعروف بغیر قضاء۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۵۵۰ الباب السابع عشر فی النفقات)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۴ ص ۱۷۷—۱۹۶ باب النفقة۔

[2] قال الشیخ الکاسانی رحمه اللہ: وروی عن ابی قلابة أنّ النبیّ صلی اللہ علیه وسلم کان یعدل بین نساءه فی القسمة ویقول اللهم هذه قسمتی فیما أملك فلا تؤاخذنی فیما تملك ولا أملك۔
(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۳۲ باب النفقات)
وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۳۲ کتاب النکاح۔ باب النفقات۔

بیوی کے لیے علیحدہ مکان کا انتظام کرنا خاوند کی ذمہ داری ہے

سوال:۔ اگر بیوی خاوند کے اقارب (ماں باپ) کے ساتھ رہنا پسند نہ کرے اور اپنے رہنے کے لیے علیحدہ مکان کا مطالبہ کرے تو کیا خاوند کے ذمہ لازم ہے کہ اس کے لیے علیحدہ مکان کا انتظام کرے؟

الجواب:۔ اگر بیوی کسی وجہ سے خاوند کے عزیز و اقارب کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہو تو خاوند کی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کے لیے علیحدہ جگہ کا انتظام کرے یہ ضروری نہیں کہ کسی علیحدہ جگہ میں مکان بنانے کی تکلیف کرے بلکہ گھر کے اندر ہی اگر کوئی ایسا کمرہ بیوی کے لیے ہو جس میں کسی دوسرے کا عمل دخل نہ ہو تو پھر بھی اس کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

قال ابن عابدین رحمه الله: وكذا تجب لها السكنى فی بیت خالٍ عن اهله سوی طفله الذی لا یفهم الجماع وأمته وأم ولدها من غیره۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۶۱۹) [1]

خاوند بیوی کی رضامندی کے بغیر اسے کسی دوسرے ملک میں ساتھ نہیں لے جاسکتا

سوال:۔ ایک لڑکے اور لڑکی کے درمیان نکاح ہو گیا ہے، لڑکا کسی دوسرے ملک میں رہتا ہے اور وہ لڑکی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے جبکہ لڑکی اور اس کے والدین یہ نہیں چاہتے کہ لڑکی اس کے ساتھ دوسرے ملک چلی جائے، تو کیا خاوند کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بیوی کو ساتھ لے جانے کے لیے طاقت استعمال کرے؟

الجواب:۔ اگر لڑکی اور اس کے والدین راضی نہ ہوں تو لڑکا لڑکی کو جبراً اپنے ساتھ کسی دوسرے ملک نہیں لے جاسکتا۔

قال فی الهندیة، وکثیر من المتأخر علی أنه لیس للزوج أن یسافر بها فی زماننا

---

[1] قال ابن نجیمؒ: أی الإسكان للزوجة علی زوجها لأن من كفایتها فیجب لها كالنفقة وقد أوجبها الله تعالیٰ كما أوجب النفقة۔ بقوله تعالیٰ: أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ۔ ای من طاقتكم مما تطیقونه مِلكًا أَوْ إِجَارَةً او عاریة اجماعًا واذا وجبت حقًّا لها لیس له أن یشرك غیرها لأنها تتضرر به...... ولو كان الخلاء مشتركا بعد أن غلقه یخصه ولیس لها أن تطالبه بمسكن آخر۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۹۳، ۱۹۴ باب النفقة)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۵۵۶ الباب السابع فی النفقات۔

وإن أوفاها المهر ولكن بنقلها إلى القرى أين أحب وعليه الفتوى ۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۳۱۷ الفصل الحادی عشر في منع المرأة نفسها بمهرها) [1]

بیوی سے ہمبستری کرنا کن اوقات میں جائز نہیں

سوال :۔ کیا بیوی سے جماع کے لیے کچھ ممنوعہ اوقات ہیں؟ جبکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نمازِ ظہر کے بعد، عید کے دن، شبِ برات وغیرہ اوقات ومواضع میں جماع کرنا منع ہے، کیا یہ درست ہے؟

الجواب :۔ شرعی موانع (حیض ونفاس کی حالت) کے علاوہ جماع کے لیے مخصوص اوقات کے تعین اور بعض سے ممانعت کی کوئی شرعی دلیل نہیں ۔ قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ : نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ ۔ (البقرہ آیت ۲۲۳)

قال الرازی رحمہ اللہ : اختلف المفسرون في تفسير قوله أَنّٰى شِئْتُمْ : والمشهور ما ذكرناه أنه يجوز للزوج أن يأتيها من قُبُلها ومن دُبُرها في قُبُلها والثاني أن المعنى أي وقت شئتم من أوقات الحل يعني إذا لم تكن أجنبية أو محرمة أو صائمة أو حائضا ... والخامس متى شئتم من ليل أو نهار ۔ (تفسير كبير للرازی ج ۶ ص ۶۸ سورة البقرة) [2]

مباشرت کا طریقہ

سوال :۔ مباشرت کا صحیح طریقہ شرعاً کس طرح ہے؟

الجواب :۔ منہ اور دُبر سے اجتناب کیا جائے اور حیض ونفاس کی حالت میں ناف سے لیکر زانو تک بلا حائل نفع نہ لیا جائے، باقی تمام کیفیات جائز ہیں ۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ : نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ ۔ (البقرہ ۲۲۳)

---

[1] قال ابن عابدين : ثم ذكر عن الفقيهين أبي القاسم الصفار وأبي الليث أنه ليس له السفر مطلقاً بلا رضاها لفساد الزمان لأنها لا تأمن على نفسها في منزلها فكيف إذا خرجت وأنه صرح في المختار بأن عليه الفتوى وفي المحيط أنه المختار وفي الولوالجية أن جواب ظاهر الرواية كان في زمانهم أما في زماننا فلا ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۹۱ باب النفقة)

وَمِثْلُهُ في البحر الرائق ج ۳ ص ۱۷۹ باب النفقة ۔

[2] قال الكاسانی : وللزوج أن يطالبها متى شاء إلا عند اعتراض أسباب مانعة من الوطء كالحيض والنفاس والظهار والإحرام وغير ذلك ۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۳۱ النفقات)

وَمِثْلُهُ في نيل الأوطار ج ۶ ص ۲۲۵ باب النفقات ۔

وقال الله عزّوجل: فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ۔ (البقرة ۲۲۲) [۱]

جماع کے آداب

سوال:۔ جماع کے کیا کیا آداب ہیں؟ وضاحت فرمائیں؟

الجواب:۔ جماع سے مقصود اولاد اور تحصین الفرج ہو شہوت رانی مقصود نہ ہو، پردے کا اہتمام ہو، بالکل برہنہ نہ ہو، قبلہ رخ نہ ہو، جماع سے قبل ماثورہ دعائیں پڑھی جائیں، حالت جماع میں زیادہ باتیں نہ کی جائیں، جماع سے قبل ملاعبت وضم وتقبیل کی جائے، مرد عورت کے انزال کے بعد اٹھے[۱، ۲]

قال الله عزّوجل: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ۔ (النساء)

وقال النبيّ صلى الله عليه وسلم: لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا اَتٰى اَهْلَهُ قال بسم الله اللهم جنبنا الشيطن وجنب الشيطن ما رزقتنا فقضي بينهما ولد لم يضره۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶ کتاب الوضوء) [۲]

---

[۱] عن ابن عباسؓ قال جاء عمرؓ الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله هلكت قال وما الذي اهلكك قال حولت رحلي البارحة فلم يرد عليه شيئ قال فاوحى الله الى رسوله هذه الآية: نساءكم حرث لكم فاتوا حرثكم انّى شئتم۔ اَقبِل وادبِر واتقوا الدبر والحيضة۔ رواه احمد والترمذي وقال حديث حسن غريب۔ (نيل الاوطار ج ۶ ص ۲۱۷) وذكر الشوكاني حديث اخر۔ فلما قدم المهاجرون المدينة تزوج رجل إمرأة من الانصار فذهب يصنع بها ذلك فانكرته عليه قالت إنما كنا نؤتى على حرف فاصنع ذلك وإلّا فاجتنبني فسرى أمرهما حتى بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم فأنزل الله عزوجل: نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ۔ يعني مقبلات ومدبرات ومستلقيات يعني بذلك موضع الولد (المرجع السابق)۔ وَمِثْلُهُ في تفسير القرطبي ج ۳ ص ۹ سورة البقرة۔

[۲] قال النبي صلى الله عليه وسلم: إذا أتى أحدكم أهله فليستتر ولا يتجردا تجرد العيرين۔ رواه ابن ماجه۔ (نيل الاوطار ج ۶ ص ۲۴۴ كتاب النكاح، باب التسمية والستر عند الجماع)

وَمِثْلُهُ في إعلاء السنن ج ۱۷ ص ۴۰۸ كتاب الحظر والاباحة۔

قال الدكتور وهبة الزحيليؒ: للجماع آداب كثيرة ثابتة في السنة النبوية منها ما يأتي: تستحب التسمية ويقرأ (قل هو الله احد) ويكبر ويهلل ويقول ولو مع اليأس عن الولد بسم الله العلي العظيم اللهم اجعلها ذريةً طيبةً إن كنت قدرت أن تخرج ذلك من صلبي اللهم جنبني الشيطن وجنب الشيطن ما رزقتني رواه ابوداؤد۔ ويتحرف عن القبلة ولا يستقبل القبلة بالوقاع اكراماً للقبلة وأن يتغطى نفسه هو وأهله بغطاء وأن لا يكونا متجردين فذلك مكروه كما سيأتي۔ وان يبدأ بالملاعبة والضم والتقبيل وإذا قضى وطره فليتمهل لتقضي وطرها فإن إنزالها ربما تأخر ويكره الإكثار من الكلام حال الجماع۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ۳ ص ۵۵۵ الفصل السابع في حقوق الزواج)

بیوی کے علاج معالجہ کا خرچہ کس کے ذمہ ہے

سوال:۔ شادی کے بعد بیماری کے دوران لڑکی کے والدین اس کے علاج معالجہ پر جو خرچ کریں تو کیا وہ یہ خرچہ خاوند سے لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ بیماری و مرض کے علاج کا خرچہ شرعاً خاوند کے ذمہ نہیں تاہم اگر خاوند تبرع کرے تو باعثِ اجر ہے۔

قال فی الهندیة: ولا یجب الدواء للمرض ولا اُجرة الطبیب ولا الفصد ولا الحجامة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۴۹ الباب السابع عشر فی النفقات)[1]

حاملہ بیوی سے جماع کرنے کا مسئلہ

سوال:۔ کیا بیوی سے حالتِ حمل میں جماع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر ضرر اور تکلیف پہنچنے کا خطرہ نہ ہو تو حاملہ بیوی کے ساتھ جماع کرنا جائز ہے۔

قال فی الهندیة: وأما اذا أُقر الزوج أن الحبل منه فالنکاح صحیح بالاتفاق وهو غیر ممنوع من وطئها۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۴۶ الباب السابع عشر فی النفقات)[2]

نابالغ بیوی سے جماع کرنا

سوال:۔ کیا خاوند اپنی نابالغ بیوی سے جماع کر سکتا ہے؟

الجواب:۔ بیوی کے ساتھ جماع کرنے کے لیے عمر کی کوئی خاص قید نہیں بلکہ جب بھی منکوحہ میں جماع کے لیے قوتِ برداشت پیدا ہو اور اس سے جماع کرنے سے کسی بیماری کا اندیشہ نہ ہو تو ایسی حالت میں نابالغ بیوی کے ساتھ جماع کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر بیوی کی حالت ایسی ہو کہ بالغ ہونے کے باوجود اس کی صحت جماع

---

[1] قال ابن عابدین رحمه الله:۔ وعلیه ما تقطع به الصنان لا الدواء للمرض ولا اُجرة الطبیب ولا الفصاد ولا الحجام۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۰۴ باب النفقة)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۴ ص۱۷۷ باب النفقة۔

[2] قال ابن نجیمؒ: أما التزوج الزانی بها (بالحاملة) فجائز اتفاقاً وتستحق النفقة عند الکل ويحل وطؤها عند الکل کما فی النهایة۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۰۶ باب النفقة)
وَمِثْلُهٗ ردّ المحتار ج۲ ص۳۱۷ باب النفقة۔

کی اجازت نہیں دیتی ہو بلکہ جماع کرنے کی وجہ سے امراض پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو ان حالات میں منکوحہ کے بالغ ہونے کے باوجود اس سے جماع جائز نہیں۔

قال فی الهندیة: واکثر المشائخ علی انه لا عبرة للسن فی هذا الباب وانما العبرة للطاقة إن کانت ضخمة سمینة تطیق الرجال ولا یخاف علیها المرض من ذلك کان للزوج أن یدخل بها وان لم تبلغ تسع سنین وان کانت نحیفة مهزولة لا تطیق الجماع ویخاف علیها المرض لا یحل للزوج أن یدخل بها وإن کبر سنها۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۸۷ الباب الرابع فی الاولیاء والاکفاء)[1]

حالتِ حیض میں منکوحہ سے جماع کے علاوہ استمتاع کرنا

سوال:۔ حالتِ حیض میں خاوند اپنی بیوی سے جماع تو نہیں کر سکتا لیکن اس کے علاوہ استمتاع کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حیض ونفاس کی حالت میں خاوند کے لیے اپنی بیوی سے جماع کرنا ناجائز اور حرام ہے لیکن اس کے علاوہ "مافوق الازار" استمتاع میں کوئی حرج نہیں تاہم اگر استمتاع سے جماع تک نوبت پہنچنے کا احتمال ہو تو اس سے بھی بچنا چاہیے، جبکہ وقوع فی الزنا سے بچنے کے لیے مافوق الازار استمتاع کا طریقہ اپنانا زیادہ محتاط ہے۔

قال فی الهندیة: وله أن یقبلها ویضاجعها ویستمتع بجمیع بدنها ما خلا بین السرة والرکبة عند أبی حنیفةؒ وأبی یوسفؒ۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۹ الفصل الرابع فی احکام الحیض والنفاس)[2]

بیوی سے استمناء بالید کرانا

سوال:۔ اگر بیوی حیض ونفاس یا دیگر امراض کی وجہ سے جماع کے قابل نہ ہو اور خاوند کو جماع کی ضرورت ہو تو کیا وہ بیوی کے ہاتھ

---

[1] قال ابن نجیمؒ: وفی الخلاصة واکثر المشائخ علی أنه لا عبرة للسن فیهما وانما المعتبر الطاقة۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۲۰ باب الاولیاء والاکفاء)
وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار ج۲ ص۳۲۹ و ص۳۷۷ باب الاولیاء والاکفاء۔

[2] قال ابن نجیمؒ: ویمنع الحیض قربان زوجها ما تحت ازارها اما حرمة وطئها فمجمع علیها لقوله تعالیٰ: ﴿وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ یَطْهُرْنَ﴾..... واما الاستمتاع بها بغیر الجماع فمذهب ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ والشافعیؒ ومالكؒ یحرم علیه ما بین السرة والرکبة وهو المراد بما تحت الازار۔ (البحر الرائق ج۱ ص۱۹۷)
وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۱ ص۴۴ کتاب الحیض۔

سے استمناء کرا سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ ایسی حالت میں فعل حرام سے بچنے کا امکان ہو۔

الجواب:- مذکورہ اعذار کی وجہ سے اپنی بیوی سے استمناء بالید کرانا جائز ہے ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: ویجوز ان یستمنی بید زوجته وخادمته وسیذکر الشارح فی الحدود عن الجوهرة أنه یکره ولعل المراد به کراهة تنزیهیة۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۱۰۹)[1]

بیوی کے برہنہ بدن کو دیکھنا

سوال:- کیا خاوند اپنی بیوی کا برہنہ بدن جماع کے وقت یا اس کے علاوہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- قرآن کریم کے انداز بیان ”هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ“ سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان رشتۂ ازدواج کی وجہ سے پردہ کی کیفیت باقی نہیں رہتی، اس لیے میاں بیوی کے لیے ایک دوسرے کے بدن پر نظر ڈالنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم فقہاء کرام نے شرمگاہ پر نظر ڈالنے سے اجتناب کرنے کو بہتر لکھا ہے۔

قال الطوریؒ تحت قول النسفیؒ: ”وینظر الرجل إلی فرج أمته وزوجته“ یعنی عن شهوة وغیر شهوة۔ قال علیه الصلوٰة والسلام غض بصرک إلا عن زوجتک وأمتک وما روی عن عائشةؓ قالت کنت أغتسل أنا ورسول الله صلی الله علیه وسلم من إناء واحد۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۹۳ کتاب الکراهیة۔ فصل فی النظر)

---

[1] قال ابن نجیمؒ المصری رحمه الله: وهل یحل الاستمناء بالکف خارج رمضان إن أراد الشهوة لا یحل لقوله علیه السلام ناکح الید ملعون وإن أراد التسکین الشهوة یرجی أن لا یکون علیه وبال۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۷۳ باب مایفسد الصوم مالایفسد)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۲۰۳ الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد۔

[2] قال فی الهندیة: أما النظر إلی زوجته ومملوکته فهو حلال من قرنها إلی قدمها عن شهوة وغیر شهوة وهذا ظاهر إلا أن الأولی أن لا ینظر کل واحدٍ منهما إلی عورة صاحبه کذا فی الذخیرة۔
(الفتاوی الهندیة ج ۵ ص ۳۲۷ الباب الثامن فیما یحل للرجل النظر إلیه)
وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۱۹ کتاب الاستحسان۔

كتاب
الطلاق

الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان

باب شرائط الطلاق

(طلاق کی شرائط اور اسکے احکام ومسائل)

نکاح سے پہلے دی گئی طلاق کالعدم ہے

سوال :- ایک شخص نے خطبہ کے بعد نکاح سے قبل اپنے سسر کو خط لکھا کہ آپ کی بیٹی مجھ سے آزاد ہے اور مجھ پر طلاق ہے، کیا اس کے بعد ان دونوں کے درمیان نکاح جائز ہے ؟

الجواب :- چونکہ طلاق قبل النکاح کالعدم ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں الفاظ لغو ہوکر بعد میں نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ :- فلغا قولہٗ لاجنبیۃ ان زرت زیداً فانت طالق فنکحها فزارت۔ وقال لعدم الملک والاضافۃ الیہ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۵۲۶ کتاب الطلاق، مطلب التعلیق المراد بہ المجازاۃ دون الشرط)۔ [1]

طلاق میں اضافت ضروری ہے

سوال :- ایک شخص کو طلاق دینے پر مجبور کرتے ہوئے ڈرایا دھمکایا گیا جس سے وہ شخص حواس باختہ ہوگیا اور طلاق دیتے وقت بیوی کا نام لے کر اس کے باپ کی جگہ دادا کی طرف نسبت کی، کیا والد کے نام میں غلطی سے طلاق پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- طلاق پر تلفظ کرتے وقت اکراہ مؤثر نہیں اس لیے جبر واکراہ کے باوجود طلاق واقع ہوجاتی ہے، خاوند عموماً اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں باپ کی طرف نسبت نہ ہونے کے باوجود صرف عورت کا نام لینے سے طلاق واقع ہوجائے گی، ایسا ہی باپ کی جگہ دادا کی طرف نسبت کرنے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، بظاہر طلاق کے واقع

---

[1] وقال العلامۃ ابن نجیمؒ : فلو قال لاجنبیۃ ان زرت زیداً فانت طالق فنکحها فزارت لم تطلق لانہ حین صدر لا یصح جعلہ ایقاعاً لعدم المحل۔

(البحر الرائق ج۴ ص۸ کتاب التعلیق، تحت قولہ فلو قال لاجنبیۃ)

ومثلہٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۴۲۶ کتاب الطلاق، باب الایمان فی الطلاق۔

ہونے میں کوئی امر مانع نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: لو قال امرأة طالق او قال طلقت امرأة ثلاثاً وقال لم اعن امرأتی یصدق ویفہم منہ انہ لو لم یقل ذٰلک تطلق امرأتہ لان العادة ان من لہ امرأة انما یحلف بطلاقہا لا بطلاق غیرہا۔ وقال: بخلاف ما لو ذکر اسمہا او اسم ابیہا او امہا او ولدہا..... فقد صرحوا بانہا تطلق وانہ لو قال لم اعن امرأتی لا یصدق قضاءً اذا کانت امرأتہ کما وصف۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۶۶ باب الصریح، کتاب الطلاق) ؎۱

بیوی کو ڈرانے دھمکانے کیلئے طلاق کا لفظ کہنا

سوال:۔ کسی شخص نے بیوی کو ڈرانے دھمکانے کے لیے طلاق کا لفظ استعمال کیا جبکہ اسکی نیت طلاق کی نہ تھی، تو کیا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق کے لفظ صریح میں نیت و ارادہ کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے، اس لیے جب بھی عورت کو یہ الفاظ استعمال کئے جائیں تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

قال النبی علیہ الصلوٰة والسلام: ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والعتاق۔ (نصب الرایة ج۳ ص۲۹۳ کتاب الایمان) ؎۲

طلاق کے وقوع کے لیے خاوند کا بلوغ شرط ہے

سوال:۔ والد نے نابالغ بیٹے کا کسی بالغ لڑکی سے نکاح کر دیا اب دونوں خاندانوں کے تعلقات اس حد تک خراب ہو گئے ہیں کہ نوبت طلاق تک پہنچ گئی ہے

؎۱ وقال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وکذا لو لم ینسبہا الی ابیہا وانما نسبہا الی امہا او ولدہا تطلق۔ وقال: فقال ذٰلک وھو یعلم نسب امرأتہ او لا یعلم طلقت امرأتہ ولا یصدق قضاءً وفیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ لا یقع ان کان یعرف نسبہا وان کان لا یعرف یقع دیانةً۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۵۳، ۲۵۴ کتاب الطلاق)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۵۳ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق۔

؎۲ وقال العلامة الحصکفیؒ: اوھازلا لا یقصد حقیقة کلامہ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۴۵۹ کتاب الطلاق، مطلب فی المسائل التی تصح مع الاکراہ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۴۴ کتاب الطلاق۔

اندریں صورت کیا نابالغ لڑکا طلاق دے گا یا اس کا والد اُس کی طرف سے طلاق دے کر عورت کو فارغ کرے گا؟

الجواب: ۔ ایسی صورت میں نابالغ خاوند خود طلاق نہیں دے سکتا کیونکہ طلاق کے وقوع کے لیے خاوند کا بلوغ شرط ہے اور نہ یہ لڑکا اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کر سکتا ہے، والد نابالغ بیٹے کا نکاح تو خود کرا سکتا ہے لیکن اس کی طرف سے طلاق دینے کی اہلیت نہیں رکھتا ۔ ایسی حالت میں عورت خاوند کے بلوغ کا انتظار کرے گی، البتہ اگر کہیں عصمتِ نفس یا نان نفقہ کا مسئلہ درپیش ہو تو پھر مجبور عورت حاکمِ وقت کی وساطت سے فسخِ نکاح کی ڈگری حاصل کر سکتی ہے ۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ولا یقع الطلاق الصّبی ولو مراهقًا۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۶۲ کتاب الطلاق)

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: الطلاق لمن اخذ الساق۔

(ابن ماجۃ ص۱۴۷ ابواب الطلاق)[1]

نابالغہ کو دی گئی طلاق کا حکم

سوال: ۔ ایک شخص نے نابالغ لڑکی سے نکاح کیا اور ابھی وہ نابالغ تھی کہ اس نے طلاق بھی دے دی، کیا اس نابالغ لڑکی پر طلاق واقع ہو گئی ہے یا نہیں؟

الجواب: ۔ وقوعِ طلاق میں منکوحہ کا اعتبار ہے چاہے منکوحہ بالغ ہو یا نابالغ، اس لیے نابالغ لڑکی پر طلاق کے وقوع میں کوئی شبہ نہیں لڑکی مطلقہ ہو جائے گی ۔

قال العلامة ابن همامؒ: فی بیان شرائط الطلاق، وفی الزوجة ان تکون منکوحة۔ (فتح القدیر شرح الهدایة ج۳ ص۳۲۶ کتاب الطلاق تحت شرطه)[2]

---

[1] وفی الهندیة: ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۵۳، کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة وفتح القدیر ج۳ ص۳۴۳ کتاب الطلاق۔

[2] قال العلامة التمرتاشیؒ: ومحله (ای الطلاق) المنکوحة۔

(تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج۳ ص۳۵۲ کتاب الطلاق، مطلب طلاق الدور)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج۳ ص۲۳۶ کتاب الطلاق۔

مجنون کی طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص مجنون ہو اور وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو کیا اس سے طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق کے وقوع کے لیے خاوند کا عاقل بالغ ہونا شرط ہے، چونکہ مجنون عقل کی نعمت سے محروم ہوتا ہے اس لیے مجنون اگر طلاق دیدے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

لما فی الهندیة: ولا یقع طلاق الصبیّ وان کان یعقل والمجنون۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه)[1]

بے وقوف کی طلاق کا حکم

سوال:۔ کسی شخص میں بالغ ہونے کے بعد کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی بلکہ شروع ہی سے سادہ اور بھولا بھالا چلا آرہا ہے، والدین نے اس کی شادی کردی، دنیا کے جس کام پر اس کو لگایا جائے تو بڑی چستی سے وہ کام کرتا ہے لیکن دنیا کے کسی بھی رسم و رواج سے واقف نہیں، کھانے پینے یا کپڑے پہننے میں عام لوگوں کی طرح ہے، کیا ایسے شخص کی دی ہوئی طلاق واقع ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا شخص سفیہ ہے اور اس کی دی گئی طلاق واقع ہوجاتی ہے، اس کے تصرفات شرعاً معتبر ہیں، البتہ جو شخص فاسد التدبیر ہو اور اس کو اپنی باتوں کا اندازہ نہ ہو عموماً بیہودہ، بے ربط اور بے جوڑ باتیں کرتا ہو ایسا شخص معتوہ ہے جس کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لما فی الهندیة: ولا یقع طلاق الصبیّ وان کان یعقل والمجنون وکذلك المعتوه لا یقع طلاق۔ ایضاً۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه)[2]

بیہوشی کی حالت میں دی گئی طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص حواس باختہ ہو کر ایسی کیفیت میں طلاق دے کہ اس کو یہ پتہ نہ ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں یہاں تک کہ اس کو رات و دن کی تمیز بھی نہ ہو، تو کیا ایسے شخص کی دی گئی طلاق واقع

---

[1] قال العلامة صدر الشریعة: لا طلاق صبیّ و مجنون ونائم۔ (شرح الوقایہ ج۲ ص۷۱ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق)
وَمِثْلُهُ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۵ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق۔

[2] وقال العلامة ابن عابدینؒ: واحسن الاقوال فی الفرق بینهما ان المعتوه هو قلیل الفهم المختلط الکلام، الفاسد التدبیر لکن لا یضرب ولا یشتم بخلاف المجنون۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۶۲ کتاب الطلاق)
وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق شرح الکنز الدقائق ج۳ ص۲۴۹ کتاب الطلاق۔

الجواب:- طلاق دیتے وقت عقل وحواس کی موجودگی ضروری ہے، اگر کسی شخص کے حواس بیہوشی کی وجہ سے ختم ہوجائیں تو اس حالت میں دی ہوئی طلاق کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: لایقع طلاق المولیٰ علیٰ امرأة عبده والمجنون والمدهوش فتح وفی القاموس، دهش الرجل تحیر ودهش بالبناء للمفعول فهو مدهوش وادهشه الله۔ الخ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۶۳ کتاب الطلاق، مطلب طلاق المدهوش) [1]

معتوہ کی طلاق کا حکم

سوال:- جس شخص کو یہ پتہ نہ ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، عموماً بے ربط اور بے جوڑ باتیں کرتا ہو، اگر ایسا شخص اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو کیا اس کی طلاق واقع ہوجائے گی؟

الجواب:- طلاق دینے کے لیے عاقل بالغ ہونا ضروری ہے، صورت مسئولہ کے مطابق ایسے شخص کو فقہاء کرام "معتوہ" کہتے ہیں جس کی طلاق شرعاً واقع نہیں ہوتی۔

قال العلامة التمرتاشی رحمہ اللہ: ولا یقع طلاق الصبی والمعتوه۔ (تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۶۲ کتاب الطلاق، تحت مطلب فی الحشیشة والافیون۔۔۔ الخ) [2]

وسوسہ کی بیماری میں مبتلا شخص کی طلاق کا حکم

سوال:- ایک شخص جو کہ وسوسہ کی بیماری میں مبتلا ہو اور کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں ہمیشہ تردد رہتا ہو اور بسا اوقات کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر طلاق معلق کرتا ہو پھر اس کو طلاق معلق کرنے میں بھی وسوسہ اور شک پیدا ہوجاتا ہے، کبھی تو یہ گمان کرتا ہے کہ میں نے طلاق دی ہے اور کبھی طلاق نہ دینے کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے، جبکہ یقینی طور پر اس کو معلوم نہیں کہ اس نے طلاق دی ہے یا نہیں، تو ایسے شخص کی طلاق کی شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- طلاق کے وقوع کے لیے باقاعدہ قطع اور یقین ضروری ہے، جب تک

---

[1] وفی الهندیة: ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل والمجنون والنائم والمبرسم والمغمی علیه والمدهوش۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لایقع طلاقه)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۴۹ کتاب الطلاق۔

[2] وفی الهندیة: وکذلك المعتوه لایقع طلاقه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لایقع طلاقه)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر شرح الهدایة ج۳ ص۳۴۳ فصل ولا یقع طلاق الصبی۔۔۔ الخ۔

اس کو یقین نہ ہو تو شک اور وسوسہ کی بناء پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: علم انہ حلف ولم یدر بطلاق او غیرہ لغا کما لو شک اطلق ام لا۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج۲ ص۴۹۲ باب طلاق غیر مدخول بہا)[1]

نشہ کی حالت میں طلاق کا حکم

سوال:۔ کیا نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نشہ کی حالت میں اگرچہ انسان حواس کھو بیٹھتا ہے لیکن نشہ بذاتِ خود چونکہ غیر مشروع فعل ہے اس لیے اس سے طلاق زجراً واقع ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل۔۔۔۔ ولو عبداً او مکرھاً او سکران۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج۲ ص۴۵۶ کتاب الطلاق، مطلب فی الاکراہ)[2]

غصہ کی حالت میں طلاق دینا

سوال:۔ کیا غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق عموماً غصہ کی حالت میں دی جاتی ہے اس لیے غصہ کا ہونا طلاق پر اثر انداز نہیں ہوتا، تاہم اگر غصہ کی کیفیت اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کو کلام سمجھنے کی طاقت نہ رہے تو مدہوش کے حکم میں ہو کر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: والذی یظھر لی ان کلام المدھوش والغضبان لا یلزم فیہ ان یکون بحیث لا یعلم ما یقول بل یکتفی فیہ بغلبۃ الھذیان واختلاط الجد بالھزل کما ھو المفتی بہ فی السکران۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۶۳ تحت مطلب طلاق المدھوش، کتاب الطلاق)[3]

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: سئل فی الرجل اذا شک انہ طلق امرأتہ ام لا فھل لا یقع علیہ الطلاق الجواب نعم لا یقع الطلاق۔ (تنقیح الفتاوی الحامدیۃ ج۱ ص۳۷ کتاب الطلاق)

[2] قال العلامۃ ابن الہمامؒ: وطلاق السکران واقع۔ (فتح القدیر ج۳ ص۳۴۵ فصل ویقع طلاقہ کل زوج اذا کان عاقلاً بالغاً ولا یقع طلاق الصبی والمجنون والنائم)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج۳ ص۲۴۷ کتاب الطلاق۔

[3] قال العلامۃ ابن ہمامؒ: ولا یقع طلاق الصبی والمجنون والمبرسم والمغمی علیہ والمدھوش کذلک۔ (فتح القدیر ج۳ ص۳۴۳ کتاب الطلاق، فصل ویقع طلاق کل زوج۔۔۔۔ الخ

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۴۹ کتاب الطلاق۔

غافل کی طلاق کا حکم

سوال:- اگر ایک شخص نے کسی وجہ سے اپنے والد کو نکاح کرانے کی اجازت دی ہو مگر بعد میں وہ اپنی اجازت بھول گیا جبکہ والد نے اس کا نکاح کر دیا تھا تو اس شخص نے اپنی اجازت کے بھول جانے پر لاعلمی کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ میری بیوی کو طلاق ہو، تو کیا اس کی طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب:- ایسا شخص غافل کے حکم میں داخل ہے اس لیے اسکی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: او مخطئا بان اراد التکلم بغیر الطلاق فجری علی لسانه الطلاق او تلفظ به غیر عالم بمعناه او غافلا او ساهیًا و بالفاظ مصحفة یقع قضاءً فقط بخلاف الهازل واللاعب فانه یقع قضاءً و دیانة۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۲۱ کتاب الطلاق) [1]

حیض کی حالت میں بیوی کو طلاق دینا

سوال:- عن عبد اللّٰه ابن عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه انه طلق امرأته وهی حائض علی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فسأل عمر ابن الخطاب (رضی اللّٰه تعالیٰ عنه) رسول اللّٰه علیه عن ذٰلك فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مره فلیراجعها ثم لیمسکها حتی تطهر ثم تحیض ثم تطهر ثم ان شاء امسك بعد ذٰلك وان شاء طلق قبل ان یمسها فتلك العدة التی امر اللّٰه ان تطلق لها النساء۔ (ابو داؤد ج ۱ ص ۳۰۲ کتاب الطلاق۔ باب الطلاق فی الحیض)

مذکورہ بالا حدیث شریف کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی جس پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ عبد اللہ سے کہہ دو کہ وہ بیوی سے رجوع کرے۔ اس واقعہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حالتِ حیض میں طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی شخص نے حیض کی حالت میں طلاق دے دی تو اس کے لیے رجوع کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:- وقوعِ طلاق کے لیے حیض مانع نہیں اس لیے اگر خاوند بیوی کو حیض کی حالت میں

---

[1] وقال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وافاد ان طلاق الهازل واللاعب والمخطئ واقع کما قدمناه لکنه فی القضاء واما فیما بینه وبین اللّٰه تعالیٰ فلا یقع علی المخطئ۔

(البحر الرائق ج۳ ص ۲۵۸ باب الطلاق ای الفائدة فی اول الصفحه)

ومثلُهٗ فی فتح القدیر شرح الهدایة ج۳ ص ۳۵۲ کتاب الطلاق۔

طلاق دے دے تو اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے تاہم حیض کی حالت میں چونکہ میاں بیوی کے درمیان عارضی دوری موجود رہتی ہے اس لیے حیض کی حالت میں طلاق دینا کراہت سے خالی نہیں ایسا نہ ہو کہ کہیں یہ عارضی بُعد طلاق کا محرک بن کر ایک گھرانے کو اجاڑ دے۔ حضرت ابن عمرؓ کے واقعہ میں ممانعت میں یہی جذبہ کارفرما ہے۔

عن عبد اللہ ابن عمر انہ طلق امرأتہ وھی حائض علیٰ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسأل عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذٰلک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرہ فلیراجعہا ثم لیمسکہا حتیٰ تطہر ثم تحیض ثم تطہر ثم ان شاء امسک بعد ذٰلک وان شاء طلق۔ (ابو داؤد ج۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق۔ باب الطلاق فی الحیض)

ورنہ حضرت ابن عمرؓ کو رجوع کرنے کے حکم سے اندازہ ہوتا ہے کہ طلاق تو واقع ہو گئی تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کا حکم فرمایا تھا۔

وقال الحصکفیؒ:۔ والبدعی ثلاث متفرقۃ او ثنتان بمرۃ او مرتین فی طہر واحد لا رجعۃ فیہ او واحدۃ فی طہر وطئت فیہ او واحدۃ فی حیض...... الخ

(الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۲۵۵ کتاب الطلاق واقسامہا ثلاثۃ... الخ) [1]

طلاق کے لیے گواہ ضروری نہیں

سوال:۔ اگر ایک شخص بیوی کو گواہوں کے بغیر طلاق دیدے تو کیا اس سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق کا دارومدار خاوند کے تلفظ پر ہے، طلاق کا وقوع گواہوں کی موجودگی پر موقوف نہیں، بغیر گواہوں کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

وقال العلامۃ الحصکفیؒ: لان رکن الطلاق ھو اللفظ او ما یقوم مقامہ۔

(الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۴۶۵ کتاب الطلاق۔ باب الصریح)

---

[1] وفی الہندیۃ: والبدعی من حیث الوقت ان یطلق المدخول بہا وھی من ذوات الاقراء فی حالۃ الحیض۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۳۴۹ کتاب الطلاق وامّا البدعی فنوعان)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر شرح الہدایۃ ج۳ ص۳۲۹ کتاب الطلاق۔ باب طلاق السنۃ)

[2] وقال الامام الکاسانیؒ: فرکن الطلاق ھو اللفظ الذی جعل دلالۃ علیٰ معنی الطلاق لغۃ.... او ما یقوم مقام اللفظ۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۹۸ فصل واما بیان رکن الطلاق)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۲۵ کتاب الطلاق۔

حمل مانع وقوعِ طلاق نہیں

سوال:۔ اگر طلاق دیتے وقت منکوحہ حاملہ ہو تو کیا حمل کی موجودگی سے طلاق کے وقوع پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ منکوحہ کا حاملہ ہونا وقوعِ طلاق کیلئے مانع نہیں، جس طرح غیر حاملہ منکوحہ پر طلاق واقع ہوسکتی ہے اسی طرح حاملہ بیوی کو طلاق دینے سے طلاق واقع ہوسکتی ہے، تاہم حاملہ مطلقہ کی عدت وضعِ حمل سے ہوگی۔ لقولہ تعالیٰ: واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن. (الطلاق ۴) [1]

حالتِ نفاس میں طلاق دینا

سوال:۔ کیا عورت کو نفاس کی حالت میں طلاق دینا جائز ہے؟ اور ایسی حالت میں عدت کیا رہے گی؟

الجواب:۔ حیض کی طرح نفاس کی حالت میں طلاق دینا اگرچہ صحیح نہیں لیکن بہرحال طلاق واقع ہوجاتی ہے تاہم جب حالتِ نفاس میں طلاق دی جائے تو یہ ایام عدت میں شمار نہیں ہوںگے بلکہ مستقل تین حیض عدت شمار ہوں گے۔

لما قال العلامة الحصكفیؒ: والنفاس كالحيض۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۱ ص۳۲۰ کتاب الحیض) [2]

جھوٹی گواہی کی بنیاد پر طلاق کا ثبوت

سوال:۔ اگر ایک عورت جھوٹے گواہوں کا سہارا لے کر حاکم کی عدالت سے طلاق کی ڈگری حاصل کرلے جبکہ خاوند طلاق دینے سے بالکل بے خبر ہو، کیا ایسی جھوٹی گواہی کی بنیاد پر عورت آزادی کے زعم میں عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حقیقتِ حال کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، قاضی صرف گواہوں پر اعتماد کرکے فیصلہ کرتا ہے اس لیے حاکم یا قاضی کو جب گواہوں کے جھوٹ کا علم نہ ہوا ور ان کے ظاہر پر اعتماد کرکے فیصلہ کرے تو اس سے طلاق ثابت ہوکر عورت مطلقہ متصور ہوگی، تاہم قاضی کو گواہی قبول

---

[1] قال العلامة برهان الدين المرغينانیؒ: وان كانت حاملا فعدتها ان تضع حملها.
(الهداية ج۲ ص۴۲۳ باب العدة)
وَمِثْلُهٗ في بدائع الصنائع ج۳ ص۱۹۲ فصل واما عدة الحيض... الخ۔

[2] وقال العلامة ابن نجيمؒ: ولما كان المنع منه فيه لتطويل العدة عليها كان النفاس كالحيض۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۴۳ كتاب الطلاق)
وَمِثْلُهٗ في الهندية ج۱ ص۳۴۸ كتاب الطلاق مطلب تفسير الطلاق وركنه وشرطه۔

کرتے وقت احتیاط کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

لما فی الهندیة : وکذٰلك لو قضی بالطلاق بشهادة الزور مع علمها حل لها التزوج باخر بعد العدة… الخ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۲۸۳ الباب الثالث فی بیان المحرمات، القسم التاسع المحرمات بالطلقات)[1]

طلاق نامہ پر جبراً دستخط کرانا

سوال:۔ ایک شخص سے زبردستی طلاق نامہ لکھوایا گیا، زبان پر تلفظ نہ کرنے کے باوجود اس نے دستخط بھی کر دیئے، کیا اس حالت میں طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب: جبر واکراہ سے طلاق پر تلفظ کروانے میں زبردستی مؤثر نہیں، ایسی حالت میں مکرہ کی طلاق واقع ہو گی البتہ تحریری طلاق میں نیت کا اعتبار ہے، اس لیے تحریری طور پر طلاق لکھوانے میں جب زبردستی ہو تو نیت نہ ہونے کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہو گی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ : وفی البحران المراد الاکراه علی التلفظ بالطلاق فلو اکراه علی ان یکتب طلاق امراته فکتب لا تطلق۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۴۲۱ کتاب الطلاق، مطلب فی الاکراه علی التوکیل بالطلاق والنکاح والعتاق)[2]

جبراً طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص پر جبر واکراہ کر کے طلاق دلوائی جائے تو کیا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ کے مطابق احناف کے نزدیک مکرہ جس پر جبر واکراہ کیا جائے کی

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ : ولو قضی بطلاقها بشهادة الزور مع علمها بذلك نفذ وحل لها التزوج باخر بعد العدة۔ وقال ابن عابدینؒ : قوله وبقولهما یفتی قال الکمال وقول الامام اوجه واستدل له بدلالة الاجماع۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۱۹ باب المحرمات مطلب فیما لو تزوج المولی امته…… الخ)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر علی الهدایة ج۳ ص۱۵۵ فصل فی بیان المحرمات۔

[2] قال العلامة قاضی خانؒ : رجل اکره بالضرب او الحبس علی ان یکتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان فکتب فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق…… الخ

(الفتاوٰی الخانیة علی هامش الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۴۷۲ فصل فی الطلاق بالکتابة)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۳۷۹ الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة۔

طلاق واقع ہوتی ہے، لہٰذا عورت مطلقہ ہوجائے گی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویقع طلاق کل زوج عاقل ... ولو عبدًا او مکرھا۔

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۵ کتاب الطلاق)[1]

بطورِ استہزاء دی ہوئی طلاق کا حکم

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو بغیر نیت کے استہزاءً طلاق دی اور یہ طلاق اس نے بار بار دہرائی تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صریح الفاظ طلاق میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں، نفس تلفظ سے طلاق واقع ہو جائے گی، اس لیے اگر کسی شخص نے بطورِ استہزاء بھی بیوی کو طلاق دیدی تو پھر بھی طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر متعدد بار یوں اقدام کیا تو متعدد طلاق واقع ہوں گی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: بخلاف الھازل واللاعب فانه یقع قضاءً ودیانةً لان الشارع جعل ھزله به جدا۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۶۲۵ کتاب الطلاق، مطلب فی الحشیشة والافیون والبنج)[2]

کنکریاں پھینکنے کا اعتبار نہیں بلکہ الفاظِ طلاق معتبر ہیں

سوال: ایک شخص نے بیوی کو ایک مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کیا ہے البتہ ہاتھ میں تین پتھر لے کر پھینکے ہیں، کیا ایسی حالت میں الفاظ کا اعتبار ہے کہ جس سے بیوی پر ایک طلاق واقع ہو یا کنکریوں کا اعتبار کر کے تین طلاق معتبر ہوں گی؟

الجواب: طلاق کے وقوع میں بنیادی حیثیت الفاظ کی ہے، پتھر پھینکنا بذاتِ خود کوئی طلاق

---

[1] قال العلامة المرغینانی رحمه الله: وطلاق السکران واقع۔ (الھدایة علی صدر فتح القدیر ج۳ ص۳۴۴ باب الطلاق)

وَمِثْلُهٗ فی الھندیة ج۱ ص۳۵۳ فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لایقع طلاقه۔

[2] وفی الھندیة: وفی واقعات الناطفی رجل قال لامرأته انت طالق کذا تقع ثلاث کانه قال انت طالق احد عشر کذا فی التاتارخانیة۔ (الفتاوی الھندیة ج۱ ص۳۵۶ الفصل الاول فی الطلاق الصریح)

وفیه ایضًا: وطلاق اللاعب والھازل به واقع۔ (الفتاوی الھندیة ج۱ ص۳۵۳ فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لایقع طلاقه)

وَمِثْلُهٗ فی شرح الوقایة ج۲ ص۶۸ کتاب الطلاق۔

نہیں، اس لیے اگر کسی نے بیوی کی طرف صرف پتھر پھینکے اور زبان پر کسی تلفظ سے باز رہا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، البتہ زبان پر تلفظ کرتے وقت پتھر پھینکنے سے مافی الضمیر کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے اس لیے اگر تین پتھر پھینکتے ہوئے "تو طلاق ہے" کہہ دیا تو تین کی نیت کرتے ہوئے تین طلاق واقع ہوسکتی ہیں ورنہ ایک طلاق واقع ہوکر منکوحہ قابلِ رجوع ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وکذا لو القی ثلاثة احجار الیها ولم یذکر لفظ الطلاق ونوی بها الطلاق الثلث لم یقع لعدم الرکن وهو اللفظ والنیّة انما تصح فی الملفوظ او ما یقوم مقامه۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۶۵ کتاب الطلاق)[1]

اشارہ سے طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو ہاتھ سے اشارہ کرکے طلاق دے دے تو اس سے طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟ جبکہ زبان سے کچھ نہ کہے؟

الجواب:۔ اشارہ سے اس وقت طلاق واقع ہوتی ہے جب انسان بات کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو ورنہ تکلم پر قدرت کے باوجود صرف اشارہ کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الهندیة: ویقع طلاق الاخرس بالاشارة۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۳۵۴ کتاب الطلاق، الباب الثانی، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه)[2]

---

[1] وفی الهندیة: ولو قالت لزوجها طلقنی فاشار بثلاث اصابع واراد بذلك ثلاث تطلیقات لا یقع مالم یقل بلسانه۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۳۵۷ الفصل الاول فی الطلاق الصریح)

قال الحصکفیؒ: انت طالق هٰکذا مشیرًا بالاصابع المنشورة وقع بعدده۔ وفیه: ولو لم یقل هٰکذا یقع واحدة۔۔۔۔۔۔۔۔ ای بأن قال أنت طالق واشار بثلاث اصابع ونوی الثلاث ولم یذکر بلسانه فانها تطلق واحدة۔ (الدرالمختار علی هامش ردّالمحتار ج۲ ص۲۴۷ کتاب الطلاق)۔

ومثل هٰذا فی الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۳ ص۳۸۷ فصل فی تشبیه الطلاق ووصفه۔
وَمِثْلُهٗ ذٰلك فی التاتارخانیة ج۳ ص۶۹۸ کتاب الطلاق۔

[2] قال الحصکفیؒ: ویقع طلاق الاخرس بالاشارة یرید به الذی ولد وهو اخرس او طرأ علیه ذٰلك ودام حتی صارت اشارته مفهومة والا لم تعتبر۔ (الدرالمختار علی صدر ردّالمحتار ج۳ ص۲۳۹ کتاب الطلاق، مطلب فی الحشیشة والافیون والبنج)

وَمِثْلُهٗ فی الخانیة علی هامش الهندیة ج۱ ص۴۷۲ کتاب الطلاق، فصل فی الطلاق بالکتابة۔

ھازل کی طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنے بچے کے ساتھ مزاح کرتے ہوئے کہا کہ تیری ماں طلاق ہے جبکہ اس کا ارادہ طلاق دینے کا قطعاً نہیں تھا، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ صریح طلاق کے الفاظ میں نیّت و ارادہ کا ہونا ضروری نہیں، ارادہ نہ ہونے کے باوجود مزاح میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں ایک طلاق واقع ہوگی، کیونکہ اس میں عدد کا ذکر نہیں۔ اور اگر کسی شخص نے ایسی حالت میں تین طلاق دی تو منکوحہ مطلقہ مغلظہ ہوگی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویقع طلاق کل زوج عاقل ...... ولوھا زلا۔
(الدر المختار علی ھامش ردّ المحتار ج۲ ص۴۵۹ کتاب الطلاق۔ مطلب فی المسائل التی یقع مع الاکراہ)[1]

طلاق پر جھوٹی قسم کھانا

سوال:۔ اگر کسی شخص نے طلاق پر جھوٹی قسم اس طرح کھائی کہ اگر میں فلاں کام کے بارے میں جھوٹ بولوں، سچ نہ بولوں تو میری بیوی مجھ پر طلاق ہے، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے جھوٹ بولا تھا اور وہ کام اس کی قسم سے پہلے متحقق ہو چکا تھا، اب اس شخص پر اس کی بیوی طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اس شخص پر بیوی طلاق ہے، البتہ اگر اس نے یہ الفاظ ایک مرتبہ کہے ہوں تو ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر تین دفعہ تکرار کیا ہو تو پھر تین طلاق واقع ہوں گی۔

لما فی الھندیة: واما الحلف بالطلاق والعتاق وما اشبه ذٰلک فما یکون علی امر فی المستقبل فھو کالیمین المعقودة وما یکون منھا علی امر فی الماضی فلا یتحقق اللغو والغموس ولکن اذا کان یعلم خلاف ذٰلک اولا یعلم فالطلاق واقع۔ (الفتاوی الھندیة ج۲ ص۵۲ کتاب الایمان، فی الباب الاول)[2]

---

[1] قال ابن نجیمؒ: ولم یشترط ان یکون جاداً فیقع طلاق الھازل به واللاعب للحدیث المعروف ثلاث جدھن جد وھزلھن جد ... الخ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۳۳ کتاب الطلاق، تحت قوله: (ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۲۳ کتاب الطلاق، فصل فی ایقاع الطلاق۔

[2] قال العلامة التمرتاشیؒ: ان حلف علی کاذب عمداً کواللّٰہ ما فعلت کذا عالماً بفعله .... ویأثم بھا فتلزمه التوبة وثانیھا لغو۔ وقال العلامة الحصکفیؒ: تحت ھذا القول، لامؤاخذة فیھا الا فی ثلاث طلاق وعتاق ونذر اشباہ۔ (تنویر الابصار علی ھامش ردّ المحتار ج۳ ص۵۱ کتاب الایمان۔ مطلب فی حکم الحلف بغیرہ تعالٰی)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی البزازیة علی ھامش الھندیة ج۴ ص۲۶۵ کتاب الایمان۔ فی الفصل الاول۔

طلاق کا وقوع ثبوت کا محتاج ہے

سوال:- ایک شخص پر اس کی ساس دعویٰ کرتی ہے کہ تم نے بیوی کو طلاق دے کر فارغ کر دیا ہے لیکن خاوند انکار کر رہا ہے، تو کیا ساس کے کہنے سے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:- اگر خاوند طلاق کا اقرار کرتا ہو تو کسی دوسرے کے ماننے کے بغیر بھی طلاق واقع ہو جائے گی لیکن جہاں کہیں خاوند طلاق سے منکر ہو تو وہاں پر ساس کا بیان ناکافی ہے، ایسی صورت میں طلاق تب ثابت ہوگی جب باقاعدہ دو گواہ پیش کئے جائیں۔ تاہم جہاں کہیں عورت کو یہ یقین ہو کہ خاوند نے اس کو طلاق ثلاثہ دے کر فارغ کر دیا ہے لیکن اس کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہ ہو اور خاوند انکاری ہو تو عورت کسی ذریعہ (خلع) سے خاوند سے فراغت حاصل کر سکتی ہے۔

كما في الهندية: سئل شيخ الاسلام ابو القاسم رحمه الله تعالى عن امرأة سمعت من زوجها انه طلقها ثلاثًا ولا تقدر ان تمنع نفسها منه هل يسعها ان تقتله قال لها ان تقتله۔
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۴۷۵ كتاب الطلاق۔ الباب السادس في الرجعة وفيما تحل به المطلقة وما يتصل به في فصل فيما تحل به المطلقة)[1]

طلاق کے ثبوت کے لیے ایک گواہ ناکافی ہے

سوال:- اگر خاوند پر عورت یا کسی اجنبی شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ تم نے بیوی کو طلاق دی ہے اور ایک شخص اس کی گواہی دے رہا ہے جبکہ خاوند اس کا انکار کر رہا ہو تو اس سے نکاح پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:- ایسی حالت میں اگر مدعی طلاق کے پاس دو گواہ ہوں اور وہ گواہی دیں تو طلاق ثابت رہے گی، صرف ایک گواہ طلاق کے ثبوت کے لیے ناکافی ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ونصابها لغيرها في الحقوق سواء كان مالا او غيره كنكاح

---

[1] قال العلامة الحصكفي رحمه الله: سمعت من زوجها انه طلقها ولا تقدر على منعة من نفسها الا بقتله لها قتله۔ وقال العلامة ابن عابدينؒ: قال في المحيط وينبغي لها ان تفتدي بمالها او تهرب منه وان لم تقدر قتلته۔ (الدر المختار على الرد المحتار ج۲ ص۵۹ باب الرجعة۔ وفي مطلب الاقدام على النكاح اقرار بمعنى العدة)
ومثله في الفتاوى التاتارخانية ج۳ ص۶۰۹ كتاب الطلاق روسائل الحلل وغيرهام۔

وطلاق رجلان او رجل وامرأتان۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۴ ص۴۱۳ کتاب الشهادات) ۱؎

بذریعہ ڈاک بھیجی گئی طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص بغیر کسی گواہ کے بیوی کو ڈاک کے ذریعہ طلاق بھیجے تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق کے وقوع کے لیے گواہوں کا ہونا شرط نہیں، جیسا کہ خاوند زبانی طور پر طلاق دے سکتا ہے تو تحریری طور پر بھی طلاق دینے کے لیے کوئی امر مانع نہیں، لہٰذا بغیر گواہوں کے بذریعہ ڈاک ارسال کی گئی طلاق سے بھی بیوی مطلقہ ہوجائے گی۔

لما فی الهندیة: رجل استکتب من رجل آخر الی امرأته کتاباً بطلاقها وقرأه علی الزوج فأخذه وطواه وختم وکتب فی عنوانه وبعث به الی امرأته فأتاها الکتاب وأقر الزوج انه کتابه فان الطلاق یقع علیها۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۷۹ کتاب الطلاق۔ الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة) ۲؎

طلاق نامہ پر لاعلمی میں دستخط کرنا

سوال:۔ اگر کسی شخص نے لاعلمی کی حالت میں طلاق نامہ پر دستخط کئے تو اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق بالکتابت میں نیت وارادہ ضروری ہے، اس لیے طلاق نامہ پر لاعلمی کی صورت میں دستخط کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الهندیة: کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع به الطلاق اذا لم یقر انه کتابه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۷۹ کتاب الطلاق، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة) ۳؎

۱؎ وفی الهندیة: وشرط فیها شهادة رجلین او رجل وامرأتین سواء کان الحق مالاً او غیر مال کالنکاح والطلاق۔ (الفتاوی الهندیة ج۳ ص۴۵۱ کتاب الشهادات۔ فی الباب الاول)

ومثله فی فتح القدیر ج۳ ص۱۵۵ کتاب النکاح۔

۲؎ قال العلامة ابن همامؒ: ولو کتب الصحیح الی امرأته بطلاقها ثم انکر الکتاب وقامت علیه البینة انه کتبه بیده فرق بینهما فی القضاء واما فیما بینه وبین الله تعالیٰ ان کان لم ینو به الطلاق فهی امرأته۔ (فتح القدیر شرح الهدایة ج۳ ص۴۰۲ کتاب الطلاق۔ فصل فی الطلاق قبل الدخول)

ومثله فی رد المحتار ج۲ ص۳۷۹ کتاب الطلاق۔ وفی مطلب الطلاق۔

۳؎ قال العلامة ابن عابدینؒ: کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق ما لم یقر انه کتابه۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۶۵ کتاب الطلاق۔ مطلب فی الطلاق بالکتابة)

ومثله فی التاتارخانیة ج۴ ص۴۸۰ کتاب الطلاق۔ ایقاع الطلاق بالکتاب۔

مرضِ سرسام میں دی گئی طلاق کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! سرسام ایک ایسی بیماری ہے کہ اس میں مریض پر ایسی کیفیت طاری ہوجاتی ہے کہ اس سے دیوانوں کی سی حرکات سرزد ہوتی ہیں، اگر اس مرض میں مبتلا شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو کیا اس سے طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: سرسام زدہ شخص کے افعال واعمال کا حکم مجنون اور معتوہ جیسا ہے اس کی طلاق باتفاقِ علماء واقع نہیں ہوتی، لہٰذا اگر کوئی ایسی حالت میں بیوی کو طلاق دے تو بیوی مطلقہ نہ ہوگی۔

قال العلامة الکاسانیؒ: فمنها ان یکون عاقلاً حقیقة او تقدیرًا فلا یقع طلاق المجنون والصبی الذی لایعقل لان العقل شرط اهلیة التصرف لان به یعرف کون التصرف مصلحة۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۹۹ فصل شرائط الرکن)[1]

خواب کی حالت میں دی گئی طلاق لغو ہے

سوال: اگر کوئی شخص خواب (نیند) کی حالت میں اپنی بیوی کا نام لے کر کہے کہ ہندہ کو طلاق طلاق ہے تو کیا اس سے اُس کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: نیند میں انسان کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ اُسے کچھ سمجھ نہیں آتا بلکہ اس کو یہ بھی علم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اس لیے یہ شخص شرعاً معذور ہے اور اس کی دی ہوئی طلاق لغو ہے، اس سے بیوی مطلقہ نہیں ہوگی۔

قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: ومنها ان لایکون معتوهًا ولا مدهوشًا ولا مبرسمًا ولا مغمی علیه ولا نائمًا فلا یقع طلاق هؤلاء لما قلنا فی المجنون۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۱۰۰ فصل شرائط الرکن)[2]

---

[1] قال العلامة ابن الهمامؒ: قوله لایقع طلاق الصبیّ وان کان یعقل والمجنون والنائم والمعتوه کالمجنون... لکن معلوم من کلیات الشریعة ان التصرفات لاتنفذ الا ممن له اهلیة التصرف وادناها بالعقل والبلوغ۔

(فتح القدیر ج ۳ ص ۳۴۳ فصل ویقع طلاق کل زوج ۔ الخ)

وَمِثْلُهٗ ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۶۲ کتاب الطلاق مطلب تعریف السکران۔

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: لایقع طلاق المولیٰ علی امرأة عبده ..... والصّبیّ والمعتوه من العته وهو اختلال فی العقل والمبرسم من البرسام والمغمی علیه۔ (الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۶۲ کتاب الطلاق)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج ۳ ص ۳۴۳ فصل ویقع طلاق کل زوج ۔ الخ

طلاق الصریح والکنایۃ

(طلاقِ صریح وکنایہ کے احکام ومسائل)

"تم طلاق ہو" میں تین طلاق کی نیت کرنا

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ "تم طلاق ہو" اور اس میں اس کی نیت تین طلاق کی ہو، تو کیا اس سے تین طلاق واقع ہوں گی یا ایک؟

الجواب:۔ صریح الفاظِ طلاق میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں اسلئے "تم طلاق ہو" سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی، تین طلاق کی نیت کرنا اس میں لغو ہے۔

لما فی الھندیۃ: کانت طالق ومطلقۃ وطلقتك تقع واحدۃ رجعیۃ وان نوی الاکثر او الابانۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۳۵۴ کتاب الطلاق، الباب الثانی فی ایقاع الطلاق)[1]

سوچ وفکر کے عالم میں طلاق کا لفظ ادا کرنا

سوال:۔ ایک شخص سوچ وفکر میں گم تھا اس کی کوشش تھی کہ زبان سے طلاق کا لفظ ادا نہ کرے لیکن اچانک اس کی زبان سے نکل گیا کہ "چلو میں نے تجھ کو طلاق دے دی" تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگئی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر سوچ وفکر سے مجبور ہوکر ان الفاظ سے مراد بیوی کو طلاق دینا ہو تو صریح طلاق میں واقع ہونے کے لیے اس کا ارادہ اور نیت ضروری نہیں، تاہم اگر یہ تلفظ کسی واقعہ کی حکایت ہو جو اس کے ذہن میں کسی فرضی واقعہ کا پیش خیمہ ہو یا نفس الامر کے کسی واقعہ کی حکایت ہو تو حکایت کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الھندیۃ: رجل قال لامرأتہ انت طالق فقال لہ رجل ما قلت فقال طلقتھا

---

[1] قال ابو الحسن علی المرغینانیؒ: الصریح ھو کانت طالق ومطلقۃ وطلقتك فھٰذا یقع بہ الطلاق الرجعی ولا یقع بہ الا واحدۃ وان نوی الاکثر۔ ملخصاً۔

(الھدایۃ ج ۲ ص ۳۶۰ کتاب الطلاق۔ باب ایقاع الطلاق۔ مکتبہ حقانیہ)

ومثلہٗ فی الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۲۹ کتاب الطلاق، باب الصریح۔

او قال قلت هی طالق فهی واحدة۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص۳۵۵ کتاب الطلاق، الباب الثانی فی ایقاع الطلاق)

وقال العلامة ابن الهمامؒ، ثم قولنا لا یتوقف علی النیۃ معناہ اذا لم ینو شیئاً اصلاً یقع لا انہ یقع وان نوی شیئاً اٰخر لما ذکر انہ اذا نوی الطلاق عن وثاق صدق دیانۃ لا قضاءً وکذا عن العمل۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ ج ۳ ص۳۵ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق)[1]

عورت کی عدم موجودگی میں خطاب کے صیغے سے طلاق دینا

سوال:- اگر ایک شخص اپنی بیوی کو اس کی عدم موجودگی میں یوں کہے کہ "جاؤ تم طلاق ہو" تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- کسی مرد کا اپنی بیوی کو انت طالق کہنے کے لیے اس کی موجودگی ضروری نہیں، بسا اوقات اس کو حاضر فرض کر کے خطاب کیا جاتا ہے، اس لیے ایسی حالت میں "جاؤ تم طلاق ہو" کہنے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

لما فی الهندیۃ: ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق، فکلما کتب هذا یقع الطلاق۔ (الفتاوی الهندیۃ ج ۱ ص۳۷۸ کتاب الطلاق، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابۃ)[2]

ایک دو تین کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: "ایک دو تین تم طلاق ہو"۔ ایسی حالت میں عورت پر کونسی طلاق واقع ہوگی، کیا اس سے منکوحہ مطلقہ مغلظہ بنتی ہے یا طلاق رجعی واقع ہوگی؟

الجواب:- اگر اس عدد کے ساتھ نسبت ہو یعنی عورت سے یوں کہے تجھے ایک دو تین

---

[1] وقال العلامة ابن عابدینؒ: ان الصریح لا یحتاج الی النیۃ ولکن لا بد فی وقوعه قضاءً ودیانۃ من قصد اضافۃ لفظ الطلاق الیها عالماً بمعناہ ولم یصرفه الی ما یحتمله۔ الخ

(ردالمحتار ج ۲ ص۴۳۲ کتاب الطلاق، باب الصریح)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۲۵۹ کتاب الطلاق، باب الطلاق ای الغلظه۔

[2] قال العلامة ابن الهمامؒ: فان کان علی رسم کتب الرسالۃ بان کتب اما بعد یا فلانۃ فانت طالق او وانت حر او اذا وصل الیك کتابی فانت طالق فانهٗ یقع الطلاق۔ الخ

(فتح القدیر ج ۳ ص۴۰۳ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق، بحث الکنایات)

وَمِثْلُهٗ فی قاضی خان علیٰ هامش الهندیۃ ج ۱ ص۴۷۲ کتاب الطلاق، فصل فی الطلاق بالکتابۃ۔

تم طلاق ہو، ظاہر ہے کہ اضافت کی موجودگی میں اس سے تین طلاق واقع ہوں گی، لیکن جب اضافت نہ ہو صرف یہ ہو کہ ایک دو تین تم طلاق ہو یا تم طلاق ہو ایک دو تین، ایسی حالت میں "تم طلاق ہو" مستقل جملہ مبتداء خبر ہو کر عدد سے بظاہر اس کا کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا، اس لیے عدد لغو ہو کر ایک طلاق واقع ہوگی، تاہم اگر یوں کہا کہ تم ایک دو تین طلاق یا تم طلاق ایک دو تین ہو تو اس سے پھر لازمی طور پر تین طلاق واقع ہوں گی۔

والدليل على ما قلنا ما قاله العلامة الحصكفيؒ: والطلاق يقع بعدد قرن به لا بنفسه عند ذكر العدد وعند عدمه الوقوع بالصيغة۔ الخ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۵۶ كتاب الطلاق، مطلب الطلاق يقع بعدد قرن به)[1]

بیوی کے نام کی جگہ دوسرا نام لیکر طلاق دینا

سوال:۔ اگر ایک شخص نے کسی مصلحت کے لیے بیوی کے اصل نام کی جگہ دوسرے نام سے یاد کر کے طلاق دی ہو تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر بیوی کی طرف اشارہ نہ ہو تو تعارف اور تعین کے لیے نام کا سہارا لیا جاتا ہے یہ تب ہو سکتا ہے کہ نام درست ہو، جب اصل نام کو چھوڑ کر دوسرے نام سے یاد کیا جائے تو بیوی مطلقہ نہیں ہوگی تاہم اگر اس شخص کی نیت اپنی بیوی کو طلاق دینے کی ہو تو طلاق واقع ہو جائیگی۔

وفي الهندية: ولو قال امرأته الحبشية طالق ولا نية له في طلاق امرأته وامرأته ليست بحبشية لا يقع عليها وعلى هذا اذا سمى بغير اسمها ولا نية له في طلاق امرأته۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۳۵۸ كتاب الطلاق، الباب الثاني في ايقاع الطلاق)[2]

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد الانصاريؒ: رجل قال لامرأته ترا یکی و ترا سه او قال تو یکی سه۔ قال ابو القاسم الصفارؒ: لا يقع شئ۔ وقال صدر الشهيدؒ: يقع اذا نوى وبه يفتى۔ (خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۹۸ كتاب الطلاق، الفصل الثاني في الكنايات جنس آخر منه)

ومثله في البزازية على هامش الهندية ج ۴ ص ۱۲۹ كتاب الطلاق، مسائل الايقاع بلا قصد واضافة۔

[2] قال العلامة ابن همامؒ: ولو قال امرأتي فلانة بنت فلان طالق وسماها بغير اسمها لا تطلق امرأته الا بالنية۔ (فتح القدير شرح الهداية ج ۳ ص ۳۵۳ كتاب الطلاق، باب ايقاع الطلاق)

ومثله في الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۳۶ كتاب الطلاق، مطلب فيما لو قال امرأته طالق۔ الخ

طلاقِ رجعی کی عدت گذرنے کے بعد طلاق دینا مؤثر نہیں

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو زبانی ایک طلاق دی اور عدت گذرنے کے بعد اس نے پھر دو طلاق تحریری طور پر دیں تو کیا اس سے طلاقِ مغلظہ واقع ہوگی یا تجدیدِ نکاح ہی کافی ہے؟

الجواب:۔ اگر خاوند نے پہلی زبانی طلاق کی عدت گذرنے کے بعد دو طلاق تحریری طور پر دی ہوں تو تجدیدِ نکاح کافی ہے کیونکہ پہلی زبانی طلاق کی عدت گذرنے کے بعد عورت خاوند سے جدا ہو کر محلِ طلاق نہیں رہی اس لیے پہلی طلاق کی عدت کے بعد دی گئی دو طلاق لغو تصور ہوں گی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: والرجعی لا یزیل الملك الا بعد مضی العدة۔ (ردّ المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۵۲۷ کتاب الطلاق) [1]

طلاقِ صریح کے بعد دی گئی طلاق (بائن) کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے دو دفعہ کہا تم طلاق ہو، تم طلاق ہو۔ اور پھر کہا "میرے گھر سے چلی جاؤ" تو اس سے کون سی طلاق واقع ہوگی۔

الجواب:۔ "تم طلاق ہو" دو دفعہ کہنا طلاقِ رجعی ہے لیکن اس کے بعد یہ کہنا کہ "میرے گھر سے چلی جاؤ" طلاقِ بائن ہے، طلاقِ رجعی میں اس کو رجوع کا حق حاصل تھا، لیکن طلاقِ رجعی کے بعد جب طلاقِ بائن (یعنی میرے گھر سے چلی جاؤ) سے یہ حق ختم ہو کر منکوحہ مطلقہ بائنہ ہوگی کیونکہ طلاقِ رجعی کے بعد طلاقِ بائن دی جا سکتی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ۔ الآیۃ (البقرہ آیت ۲۲۹)

قال الحصکفیؒ: والبائن یلحق الصریح۔ (الدر المختار علی ہامش رد المختار ج۲ ص۵۰۹ کتاب الطلاق، باب الکنایات) [2]

---

[1] وقال العلامة الکاسانیؒ: فلا یصح الطلاق الا فی الملك او فی علقة من علائق الملك وهی عدة الطلاق۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۱۲۶ کتاب الطلاق (فصل) واما الذی یرجع الی المرأة الخ)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر علی الهدایة ج۳ ص۳۲۶ کتاب الطلاق فی تفصیل اول کتاب الطلاق لا باب قبلہ۔

[2] وَفی الهندیة: والطلاق البائن یلحق الطلاق الصریح بان قال انت طالق ثم قال لها انت بائن طلقة اخری ولا یلحق البائن البائن۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۷۷ کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات)

وَمِثْلُهٗ فی تبیین الحقائق ج۲ ص۲۱۹ باب الکنایات۔ (قوله: والصریح یلحق الصریح والبائن)

دو دفعہ طلاق دینے کے بعد رجوع کیا جاسکتا ہے

سوال:۔ بیوی کو دو دفعہ طلاق دینے کے بعد خاوند رجوع کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صریح طلاق جب تک تین دفعہ استعمال نہ ہو تو ایک یا دو دفعہ لفظ طلاق صریح کے استعمال کرنے کی صورت میں خاوند بیوی کی طرف رجوع کرسکتا ہے، ایسی حالت میں صرف رجوع ہی کافی ہے۔

لما فی الھندیۃ: ولو قال انت طالق الطلاق وقال عنیت بقولی طالق واحدۃ وبقولی الطلاق اخری یصدق فتقع رجعیتان ان کانت مدخولا بہا۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۳۵۵ کتاب الطلاق باب الثانی فی ایقاع الطلاق الفصل الاول فی الطلاق الصریح)[1]

دو طلاق کے بعد رجوع کرکے دوبارہ طلاق دینا

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی کو دو طلاق دیں اور پھر رجوع کرلیا لیکن کچھ مدت کے بعد میاں بیوی کے درمیان پھر اختلافات پیدا ہوگئے تو خاوند نے چھ طلاقیں دے دیں، تو کیا خاوند اب بھی رجوع کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دو طلاق کے بعد رجوع مفید ہے اور اس سے میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں لیکن دو طلاق دینے کے بعد خاوند کے پاس صرف ایک طلاق کا حق باقی رہ جاتا ہے جو وہ کسی وقت بھی انفرادی طور پر استعمال کرسکتا ہے، صورت مسئولہ میں خاوند کا رجوع کرنے کے بعد چھ طلاقیں دینے میں ایک طلاق کے لیے محل کی موجودگی کی وجہ سے یہ طلاق واقع ہوجائے گی اور عورت مطلقہ مغلظہ ہوکر خاوند کے لیے حلالہ کے بغیر جائز نہیں اور باقی پانچ طلاقیں محل نہ ہونے کی وجہ سے لغو متصور ہونگی۔

قال الحصکفیؒ: ولا ینکح مطلقۃ من نکاح صحیح نافذ بہا ای بالثلث حتی یطأھا غیرہ۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۳ کتاب الطلاق، باب الرجعۃ، مطلب فی العقد علی المبانۃ)[2]

---

[1] قال العلامۃ الزیلعیؒ: کقولہ انت طالق انت طالق فیقع رجعیتان اذا کانت مدخولاً بہا۔
(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج ۲ ص ۱۹۹ کتاب الطلاق)
ومثلہ فی الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۸ کتاب الطلاق، باب الصریح، مطلب فی قول البحران الصریح یحتاج الخ۔

[2] وفی الھندیۃ: واذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فلہ ان یتزوجہا فی العدۃ وبعد انقضائہا وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرۃ وثنتین فی الامۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ نکاحاً صحیحاً۔
(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۴۷۳ الباب السادس فی الرجعۃ وفیما تحل بہ المطلقۃ الخ، فصل فیما تحل بہ المطلقۃ وما یتصل بہ)

طلاقِ بائن کے اثرات

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی ہے اور اس پر سات آٹھ مہینے گذر گئے ہیں، اب اگر وہ دوبارہ میاں بیوی کی طرح زندگی گذارنا چاہیں تو ان کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ طلاقِ بائن میں تجدیدِ نکاح ضروری ہے خواہ عدت کے اندر ہو یا بعد میں ہو، طلاقِ بائن میں رجوع کرنا ناکافی ہے، صورتِ مسئولہ میں یہ مرد وزن دوبارہ نکاح کرکے ازدواجی زندگی گذار سکتے ہیں۔

لما فی الهندية: واذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان يتزوجها فی العدة وبعد انقضائها۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج۱ ص۴۷۲ کتاب الطلاق، باب السادس فی الرجعۃ وفیما تحل به المطلقة وما یتصل به، فصل فیما تحل به المطلقة... الخ)[1]

لفظ "ہاں" کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال:۔ میاں بیوی کے درمیان کسی بات پر کشیدگی پیدا ہوگئی، بیوی نے خاوند سے کہا بے غیرت مجھے طلاق دے دو، خاوند نے زمین سے پتھر اٹھا کر بیوی کی طرف پھینکتے ہوئے کہا "ہاں"۔ کیا اس سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

الجواب:۔ خاوند کے یہ الفاظ "ہاں" یا بیوی کی طرف پتھر پھینکنا نہ طلاقِ صریح ہے اور نہ طلاقِ کنایہ ہے، اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما فی الهندية: ولو قالت انا طالق فقال نعم طلقت ولو قاله فی جواب طلقنی لا تطلق وان نوی۔ (الفتاویٰ الهندية ج۱ ص۳۵۶ مطلب کرر الطلاق بالواو أو بغيرها ونوی بالثانی الاول)[2]

طلاق کی حکایت کا بیان کرنا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی پھر اس طلاق کی حکایت کسی مجلس میں اس طرح بیان کیا کہ میں نے اس کو طلاق دی ہے، کیا اس حکایت سے دوسری طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة المرغینانیؒ: واذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان یتزوجها فی العدة وبعد انقضائها لان حل المحلیة باق۔ (الهداية ج۲ ص۳۷۸ کتاب الطلاق۔ باب الرجعة)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علیٰ هامش ردّ المحتار ج۲ ص۵۸۲ کتاب الطلاق، باب الرجعة، مطلب فیما قیل.... الخ

[2] وقال الشیخ ابن البزاز الکردریؒ: ولو قالت طلقنی فقال نعم لا وان نوی۔ (الفتاویٰ البزازیہ علیٰ ہامش الہندیہ ج۴ ص۱۷۶ کتاب الطلاق، تسعة فصول، الاول فی صریح الطلاق، نوع آخر فی الفاظه)

الجواب:۔ پہلی طلاق کی حکایت سے دوسری طلاق واقع نہیں ہوتی صرف ایک طلاق متصور ہوگی۔

لما فی الهندیة: رجل قال لامرأته انت طالق فقال له رجل ما قلت فقال طلقتها او قال قلت هی طالق فهی واحدة فی القضاء کذا فی البدائع۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۵۵ مطلب اذا کرر الطلاق علی المرأة المدخول بها ونوی الاخبار)[1]

طلاق کی قسم کھانا

سوال:۔ ایک شخص نے قسم کھا کر کہا کہ اگر میں نے سگریٹ نوشی کی تو میری بیوی کو طلاق ہوگی، تو اس طرح قسم کھانے کے بعد سگریٹ نوشی کرنے سے نکاح پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

الجواب:۔ مذکورہ قسم کھانے کی صورت میں حانث ہونے پر ایک طلاق واقع ہوگی لہٰذا سگریٹ نوشی کے بعد رجوع بالقول یا بالفعل کافی ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: قوله انت طالق ومطلق وطلقتك فهٰذا یقع به الطلاق الرجعی۔ (الهدایة ج ۲ ص ۳۳۸ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق)[2]

”مجھ پر بیوی ناجائز طلاق ہوگی“ سے طلاق کا حکم

سوال:۔ کوئی شخص اگر یہ کہے کہ میں نے فلاں کام کیا تو میری بیوی مجھ پر ایسی طلاق ہوگی جو ناجائز ہو تو اس سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:۔ حانث ہونے کی صورت میں اس شخص کی بیوی پر طلاق رجعی واقع ہوگی جس میں رجوع بالفعل یا بالقول کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

قال العلامة سراج الدینؒ: ولو قال انت طالق ما لا یجوز علیك من الطلاق

---

[1] قال العلامة الکاسانی رحمه الله:۔ ولو قال لامرأته انت طالق فقال له رجل ما قلت فقال طلقتها الخ لان کلامه انصرف الی الاخبار الخ۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۱۰۲ فصل ومنها النیّة فی احد نوعی الطلاق)

[2] وفی الهندیة: هو کانت طالق ومطلقة وطلقتك وتقع واحدة رجعیة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۵۲ الباب الثانی فی ایقاع الطلاق، وفیه سبعة فصول)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۳۹ کتاب الطلاق، باب الصریح۔

طلقت واحدۃ۔ (الفتاویٰ السراجیۃ ص۴۳ کتاب الطلاق، باب عدد الطلاق)[1]

دو بیویوں میں سے ایک کو مبہم طلاق دینا

سوال:۔ ایک شخص کی دو بیویاں ہیں، اس نے ان سے کہا تم میں سے ایک طلاق ہے، تو اس سے کون سی عورت مطلقہ متصور ہوگی؟

الجواب:۔ طلاق کا وقوع یقینی ہے تاہم تعیین کا اختیار خاوند کو حاصل ہے کہ دونوں میں سے جس کو چاہے مطلقہ قرار دے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولو قال امرأتی طالق وله امرأتان او ثلاث تطلق واحدۃ منهن وله خیار التعیین۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۹۷ باب طلاق غیر المدخول بها، مطلب فیما لو قال امرأته طالق وله امرأتان او اکثر تطلق واحدۃ)[2]

معاہدہ کی خلاف ورزی پر مشروط طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر چند افراد کسی معاہدہ پر پابندی کے لیے ایک تحریر لکھیں جس میں یہ ہو کہ ہم میں سے جو بھی اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرے تو اس کی بیوی اس پر تین طلاق سے طلاق ہوگی، بعد ازاں بعض لوگوں کے مشورہ سے طلاق کا لفظ ساقط کر دیا گیا اور دستخط کرتے وقت طلاق کی شرط معاہدہ میں شامل نہیں تھی، تو کیا معاہدہ کی خلاف ورزی کی صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی معاہدہ پر پابندی کے لیے کوئی تحریر لکھنا درحقیقت ایک مشورہ ہے اسلئے

---

[1] وفی الهندیۃ: ولو قال لامرأته انت طالق ما لا یجوز علیك من الطلاق او ما لا یقع لو علّق بالخیار ثلاثۃ ایام تقع واحدۃ۔ (الفتاویٰ الهندیۃ ج۱ ص۳۷۲ الفصل الثالث فی تشبیه الطلاق ووصفه)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۹ کتاب الطلاق۔

[2] وفی الهندیۃ: ولو قال امرأته طالق وله امرأتان کلتاهما معروفتان کان له ان یصرف الطلاق الی ایتهما شاء۔ (الفتاویٰ الهندیۃ ج۱ ص۳۵۸ کتاب الطلاق، الباب الثانی فی ایقاع الطلاق، فصل الاوّل فی الطلاق الصریح)۔

وَمِثْلُهٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج۲ ص۷۹ کتاب الطلاق، فصل اوّل، جنس آخر۔

صورتِ مسئولہ میں طلاق اس وقت نافذ العمل ہوگی جب اس پر دستخط ہو کر ثبت ہوں، اندریں صورت جب اصل معاہدہ میں طلاق کا ذکر نہیں تو خلاف ورزی کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال ابن عابدینؒ: وان لم یقرّ انه کتابه ولم تقم بینة لکنه وصف الامر علی وجهه لا تطلق قضاء ولا دیانة وکذا کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یملّه بنفسه لا یقع الطلاق مالم یقرّ انه کتابه۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۶۵ کتاب الطلاق۔ مطلب باعتبار عدد الطلاق بالنساء فی الطلاق بالکتابة)[1]

غیر مدخول بہا کو طلاق دینا

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو نکاح کے بعد قبل الدخول طلاق دیدی ہو، بعد ازاں وہ اسے پھر نکاح میں لانے کا خواہشمند ہو، تو ایسی صورت میں اسے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب: طلاق کے وقوع کے لیے ملک نکاح ضروری ہے اس لیے قبل الدخول بھی طلاق واقع ہونے کے لیے کوئی امر مانع نہیں، تاہم اگر تین طلاق متفرق دی ہوں یا صرف ایک طلاق دی ہو تو ایسی حالت میں ایک طلاق سے منکوحہ جدا ہو کر دوبارہ میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے کے لیے صرف تجدیدِ نکاح کافی ہوگی، البتہ اگر بیک وقت تین طلاق دی ہوں تو پھر منکوحہ مطلقہ مغلظہ کے حکم میں رہے گی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: قال لزوجته غیر المدخول بها انت طالق ثلاثاً الخ وقعن وان فرق بانت بالاولیٰ ولم تقع الثانیة بخلاف الموطوءة۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۹۲ کتاب الطلاق، باب طلاق غیر المدخول بها)[2]

طلاقِ ثلاثہ کے بیک وقت واقع ہونے کی تحقیق

سوال: زید کی اپنی بیوی سے گھریلو تعلقات میں کشیدگی کی وجہ سے دونوں میں

---

[1] وفی الهندیة: وکذلک کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یملّه بنفسه لا یقع به الطلاق۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۳۷۹ کتاب الطلاق، باب الثانی، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة)

[2] وفی الهندیة: اذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً قبل الدخول بها وقعن علیها فان فرق الطلاق بانت بالاولیٰ ولم تقع الثانیة والثالثة۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۳۷۳ کتاب الطلاق، الباب الثانی فی ایقاع الطلاق، الفصل الرابع فی الطلاق قبل الدخول)

ومثله فی الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۳ ص۳۹۱ کتاب الطلاق، فصل فی التشبیه الطلاق ووصفه۔

کچھ رنجش تھی، ایک روز ان کا چھوٹا لڑکا گھر آیا اور اپنی والدہ سے باتوں باتوں میں گھر کے حالات پوچھے تو اسے معلوم ہوا کہ اس کا باپ گھر خرچ نہیں دیتا، اس پر لڑکے نے والدہ سے کہا کہ میری کچھ رقم آپ کے پاس موجود ہے آپ اس میں سے خرچ کیوں نہیں کر لیتیں، تو اس کی والدہ نے کہا کہ میں اس رقم کو اُن کی امانت تصور کرتی ہوں، اسی دوران میں زید اور اُس کا بڑا لڑکا بھی آ گئے تو بڑے لڑکے نے کہا کہ ان دونوں کی رنجش میں ۱۲ آنے میرے والد کا قصور ہے اور ۴ آنے والدہ کا، زید بیٹے کی اس بات پر مشتعل ہو گیا اور اس نے کہا اگر تم سب ایسا سمجھتے ہو تو یہ میرے تن پر حرام حرام حرام، اور اس سے کہو کہ چار دیواری چھوڑ کر باقی جو چیزیں بھی لے جانا چاہے اجازت ہے اور جو رقم اس کے پاس موجود ہے اس میں سے اپنا حق المہر وصول کر لیوے اور جو باقی بچے وہ میں نے اس کو بخش دیا۔ ان الفاظ کے بعد جب زید کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو وہ پشیمان ہوا کہ یہ میں نے کیا کیا، اب آنجناب قرآن و حدیث کی رُو سے صحیح فتویٰ صادر فرمائیں۔

نوٹ:۔ اس استفتاء کے جواب میں ایک عالم صاحب نے درج ذیل جواب دیا ہے:۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، صورتِ مسئولہ میں حرام حرام حرام کے لفظ سے کہنے والے کی نیت مراد ہوگی، چنانچہ ہدایہ میں ہے: قال وبقية الكنايات اذا نوى بها الطلاق كانت واحدة بائنة۔ (ج ۲ ص ۴۸۹) اگر ان الفاظ سے طلاق ہی مراد لی جائے تو بیوی ایک طلاق بائن سے طلاق ہوگی اور وہ اس عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ صورتِ مسئولہ میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین بار طلاق کے لفظ سے یا حرام کے لفظ سے طلاق کہہ دیتا ہے تو یہ طلاق ایک طلاقِ رجعی شمار ہوگی اور ایسے شخص کو چاہیے کہ فوری طور پر اپنی بیوی سے رجوع کر لے اور اپنے گھر میں بسائے کیونکہ تین طلاق ایک بار دینا ویسے علی الاجماع بدعت ہے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ایسی طلاق کو ایک طلاق شمار کرتے ہیں، مدخولہ کے حق میں حدیث شریف میں وارد ہے کہ: عن محمود بن لبیدؓ قال اخبرني رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلث تطليقات جميعًا فقام غضبان ثم قال ايلعب بكتاب الله تعالى وانا بين اظهركم ــــ سائل کی صورت دوسری حدیث میں اول دلیل موجود ہے: عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال طلق ابو ركانة ام ركانة فقال النبي عليه الصلوٰة والسلام ارجع امرأتك فقال اني طلقتها ثلاثًا قال

قد علمت ارجعها۔ (رواہ ابو داؤد) اس حدیث میں ہے کہ ابو رکانہؓ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں نے اس کو (یعنی بیوی کو) تین بار اکٹھی طلاق دے دی ہے، حضورؐ نے فرمایا مجھے معلوم ہے تم رجوع کر لو۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں کچھ زائد الفاظ سے روایت فرمایا ہے کہ۔ طلق ابو رکانۃ امرأتہ فی مجلس واحد ثلاثًا فحزن علیہا فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہا واحدۃ۔ ابو رکانۃ۔ چنانچہ ابو رکانہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم پر بیوی سے رجوع کر لیا۔ یہ مسئلہ بڑا طویل ہے، اس مسلک پر حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قائم ہیں اور تابعین و تبع تابعین میں سے حافظ قاسم، امام جعفر صادق، امام باقر، امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ ہیں۔

سائل پر واضح ہو کہ دین کے معاملہ میں تنگی نہیں، امام اعظمؒ کے مسلک میں یہ بات شامل ہے کہ کوئی شخص نقصان سے بچنے کے لیے دوسرے امام کے مسلک پر فتویٰ حاصل کر کے اس پر عمل کر سکتا ہے، چنانچہ "سبل السلام صـ۲۷۳" پر علامہ صنعانیؒ نے طویل بحث فرمائی ہے، اس کی شرح کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے، اس کا اختصار یہ ہے کہ مسئلہ درست ہے کہ اگر تعصب کو بالائے طاق رکھ دیا جائے تو اس شخص پر کوئی امر مانع نہیں ہے کہ ان میں سے کس پر عمل کرے کوئی امر ممنوع نہیں ہے۔ اس لیے ان حالات میں سائل کو فتویٰ دیا جاتا ہے کہ وہ حدیث شریف اور صحابہ کرامؓ و ائمہ عظامؒ کے اقوال کے مطابق اپنی بیوی سے دو گواہوں کے سامنے رجوع کر لے اور اپنے گھر میں لے جائے اور اسے بسائے۔ علاوہ ازیں یہ بھی واضح ہو کہ موجودہ عائلی قوانین کے مطابق ایسی صورت میں سرے سے طلاق واقع ہی نہیں ہوتی اس لیے فوری طور پر رجوع کر لیا جائے اور سائل دل میں ذرہ برابر بھی ملال پیدا نہ کرے۔ والسلام

یہاں تک تو اس عالم صاحب کا جواب تھا لیکن اس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں جو کہ قابلِ توجہ ہیں:۔

(۱) صورتِ مسئولہ میں کون سی طلاق واقع ہو گی؟ وقوعِ طلاقِ ثلاثہ کے بارہ میں ائمہ اربعہؒ کا کیا مسلک ہے؟

(۲) حدیث شریف: عن محمود بن لبید قال اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجلٍ طلق امرأتہ ثلث تطلیقات جمیعًا۔ (الحدیث) کا محدثین کے نزدیک صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور

کیا اس حدیث سے عدم وقوعِ طلاقِ ثلاثہ کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟

(۳) مذکورہ جواب میں ابوداؤد شریف کی ابورکانہ والی حدیث تحریر کی گئی ہے تو کیا یہ حدیث قابلِ حجت اور قابلِ عمل ہے یا نہیں؟

(۴) صورتِ مسئولہ کے مذکورہ جواب میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو چھوڑ کر شہوانی اور نفسانی خواہشات کے لیے دوسرے امام کے مسلک پر عمل کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۵) مذکورہ جواب میں مجیب نے موجودہ ملکی عائلی قوانین پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے تو ایسے شخص کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۶) امام نووی رحمہ اللہ کی تحقیق کے خلاف طلاقِ ثلاثہ کو ایک طلاق شمار کرنے سے کیا تضلیل ائمہ اربعہ لازم آتی ہے یا نہیں؟

مذکورہ بالا سوالوں کے بالوضاحت جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب (من دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ):۔ ان امور کی طرف توجہ دینے سے قبل اصل مسئلہ کے بارے میں اتنا عرض ہے کہ حرام کا لفظ طلاقِ کنائی ہے اور کنائی طلاق سے طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے، لہٰذا زید کی بیوی پر ایک طلاقِ بائن واقع ہو چکی ہے اگرچہ اس نے طلاق کی نیت نہ کی ہو، علامہ شامیؒ نے "بحث طلاق کنائی" میں تصریح کی ہے کہ لفظ حرام عرفاً چونکہ طلاق ہی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس لیے مفتی بہ قول یہ ہے کہ اس سے عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو گی اگرچہ اس میں نیت نہ بھی کی گئی ہو، اور دوسرا و تیسرا لفظ حرام لغو ہے کیونکہ بائن طلاق سے نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے، اور جب پہلی دفعہ حرام کہنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے تو پھر حرام حرام کہنا لغو ہے اس سے زائد طلاق واقع نہ ہو گی، لہٰذا اس عورت کو عدت میں یا بعد از عدت دونوں حالتوں میں تجدیدِ نکاح کے ذریعہ سے دوبارہ اپنے نکاح میں لا سکتا ہے اور صرف رجوع ہی کافی نہیں ہے تاوقتیکہ بیوی کی رضامندی سے دوبارہ نکاح نہ کیا جائے، یہ اس وقت کہ جب زید نے حرام کے لفظ سے تین طلاقوں کی نیت نہ کی ہو، اور اگر اس نے تین طلاقوں کی نیت کر لی ہو تو اس صورت میں بیوی مغلظہ ہو گی جو حلالہ کے بغیر اس کے لیے ہرگز جائز نہ ہو گی ۔۔۔ آپ نے جو چھ سوالات اٹھائے ہیں ان کے جوابات مختصراً درج ذیل ہیں:۔

(۱) صورتِ مسئولہ میں بائن طلاق واقع ہو گئی ہے نہ کہ رجعی، اور عورت کو دوبارہ نکاح میں لانے کے لیے رجوع کافی نہیں بلکہ تجدیدِ نکاح بارضا ضروری ہو گی، طلاقِ ثلاثہ کے بارے

میں ائمہ اربعہؒ کا مسلک یہ ہے کہ طلاقِ ثلاثہ خواہ دفعۃً واحدۃً دی جائیں یا متفرقاً ایک ہی طُہر میں ہو یا متفرق اطہار میں تمام صورتوں میں تین طلاق ہی واقع ہوں گی نہ کہ ایک، امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس پر ائمہ اربعہ کا اجماع نقل کیا ہے۔

(۲) حدیث مذکور کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ایک ہی طُہر میں تین طلاق دینا خواہ متفرقاً تین دفعہ الفاظِ طلاق کہہ دے یا ایک ہی دفعہ اَنْتَ طَالِقٌ ثَلَاثًا کہہ دے یہ سب بدعی طلاق ہیں اور اس طرح طلاق دینا گناہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تین طلاق واقع نہ ہوں گی بلکہ طلاق تو تین واقع ہوں گی، اور چونکہ اس طرح طلاق دینا شرعی طریقۂ طلاق کے خلاف ہے اس لیے اس طرح طلاق دینے والے گنہگار ہوں گے، اس کی نظیر وہ واقعہ ہے جو مسلم وغیرہ کتبِ حدیث میں مروی ہے کہ حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک دفعہ اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس طرح طلاق دینے پر سرزنش کر کے رجوع کا حکم فرمایا لیکن طلاق کو معتبر قرار دیا (مسلم) اسی طرح ایک دوسرے شخص نے اپنی بیوی کو معاً تین طلاق دے دی تو حضور انورؐ نے فرمایا، عصیت ربک و بانت منک امرأتک- (دارقطنی بحوالہ مشکوٰۃ) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل اگرچہ معصیت اور گناہ ہے مگر طلاق تین ہی واقع ہوں گی۔ جو لوگ محمود ابن لبیدؓ کی حدیث سے عدمِ وقوعِ طلاق پر استدلال کرتے ہیں ان کا یہ استدلال غلط ہے اور عدمِ وقوعِ طلاق کا ثبوت اس سے نہیں ملتا، اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاً تین طلاق دینا گناہ ضرور ہے لیکن گناہ سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ طلاق واقع نہیں ہو گی، زہر کا پیالہ پینا گناہ ہے مگر موت کا اثر ضرور کرے گا، اسی طرح یہ طلاق اگرچہ بدعی ہے مگر ضرور واقع ہونگی۔

(۳) رکانہؓ والی حدیث میں دو قسم کے الفاظ مروی ہیں، ایک یہ کہ "طلق امرأته ثلاثاً"۔ دوسری قسم کے الفاظ یہ ہیں کہ "انه طلق امرأته البتة فقال له النبی علیه الصلوٰة والسلام آللّٰه ما اردت الا واحدة فقال آللّٰه ما اردت الا واحدة"۔ پہلی روایت کو جس میں طلق امرأته ثلاثاً کے الفاظ ہیں محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں "واما الروایة التی رواها المخالفون ان رکانة طلق ثلاثاً فجعلها النبی علیه الصلوٰة والسلام واحدة فروایة ضعیفة عن قوم مجهولین"

وانما الصحیح منها ما قدمناه انه طلقها البتۃ" (شرح نووی للمسلم ص۴۷۸ ج۱) ابو داؤد نے بھی طلقہا البتۃ والی روایت کو طلقہا ثلاثاً کی روایت سے اصح قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: وھذا اصح من حدیث ابن جریج ان رکانۃ طلق امرأتہ ثلاثاً اھ۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ طلقہا البتۃ والی حدیث کے رواہ رکانہ کے اہلبیت اور اولاد ہیں اور ظاہر ہے کہ اجنبی لوگوں کی بہ نسبت رکانہؓ کے واقعۂ طلاق کا علم ان کے اہلبیت اور اولاد کو زیادہ ہوگا۔ فرماتے ہیں: وحدیث نافع ابن عجیر و عبداللہ ابن علی ابن یزید ابن رکانۃ عن ابیہ عن جدہ ان رکانۃ طلق امرأتہ البتۃ فردھا النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اصح من حدیث ابن جریج لانھم ولد الرجل واھل بیتہ وھم اعلم بہ۔ (ابو داؤد ج ا ص۳۰۰) اس سے معلوم کہ رکانہؓ نے انت طالق البتۃ کے الفاظ سے طلاق دی تھی نہ کہ اَنْتِ طَالِقٌ کے الفاظ سے اور چونکہ البتۃ کنائی طلاق کا لفظ ہے، اس میں تین کی نیت بھی صحیح ہے، تو خطرہ تھا کہ رکانہؓ نے تین کی نیت سے یہ الفاظ کہہ دیئے ہوں اور اس تقدیر پہ بیوی اس کے نکاح میں نہیں آسکتی تھی، اس لیے اس کی نیت کے بارے میں اطمینان حاصل کرنے کے لیے حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا آللہ ما اردت الا واحدۃ، جب آپؐ کو رکانہؓ کے جواب آللہ ما اردت الا واحدۃ سے اطمینان حاصل ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح جدید سے اس کو بیوی واپس کردی۔ چنانچہ فردھا کے معنی بیان کرتے ہوئے محدثین لکھتے ہیں: "قلت معنی قولہ فردھا الیہ یعنی بالنکاح لانہا مطلقۃ بتطلیقۃ واحدۃ البتۃ اھ (فتح القدیر) لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رکانہؓ نے تین طلاق دی تھیں اور انہی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک رجعی طلاق قرار دیا، یہ غلط محض ہے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

(۴) خواہشاتِ نفسانی کی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب ہو یا کسی دوسرے امام کا، اس کا چھوڑنا گناہِ عظیم اور خطرۂ سلب ایمان ہے۔ کما صرح بہ العلماء قاطبۃ فی زبرھم واسفارھم لان ھذا ترک الدین لاجل ھوی النفس وھو مذموم جداً۔

(۵) عائلی قوانین میں جو دفعات نکاح و طلاق کے بارے میں رکھی گئی ہیں اُن میں سے اکثر دفعات کو ہر مکتب فکر کے علماء نے قرآن و حدیث کے صریح خلاف قرار دیا ہے لہٰذا جو شخص

ایسی دفعات پر مشتمل عائلی قوانین پر لوگوں کو چلنے کی تلقین کر رہا ہے وہ لوگوں کو قرآن و حدیث کے خلاف ورزی کی تلقین کر رہا ہے جو کسی طرح بھی ایک عالم دین بلکہ ایک مؤمن کے شایانِ شان نہیں ہے، ایسے قوانین کے مصنفین اور واضعین کے بارے میں قرآنِ کریم کا فیصلہ یہ ہے: فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ۝ (سورۃ البقرۃ عـــ) آجکل کے قانون سازوں کی حالت اُن لوگوں کی حالت سے کچھ زیادہ مختلف نہیں جن کا ذکر اس آیتِ کریمہ میں کیا گیا ہے۔

(۶) طلاقِ ثلاثہ کو واحد شمار کر لینے سے اگر ائمہ اربعہ رحمہا اللہ کی تضلیل لازم نہ بھی آتی ہو مگر تخطیہ تو ضرور لازم آتا ہے اور یہ بھی کچھ کم درجہ کا جرم نہیں ہے، جن حضرات کی امامت اور پیشوائیتِ مذہبی پر اُمت کا سوادِ اعظم متفق ہو اُن کا تخطیہ کرنے والوں کو کس منطق کی رُو سے حق بجانب تصور کیا جائے گا، حالانکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے": اتبعوا السواد الاعظم۔ (الحدیث) نیز ان تمام ائمہ اربعہ کا فیصلہ اجماعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خلیفۂ راشد کے فیصلہ پر مبنی ہے جس کے متعلق ارشادِ نبوی" ہی میں بصراحت یہ آ چکا ہے کہ وہ ملہم او محدث فی ھٰذہ الامۃ ہیں۔ یہ خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں جنہوں نے یکجائی طلاقِ ثلاثہ کو تین ہی شمار کیا ہے اور کسی صحابی یا تابعی نے ان کے اس فیصلہ کے خلاف رائے نہیں دی ہے، تو اُن کے اس فیصلہ کی حیثیت تو ایک گونہ اجماع کی ہے جس سے بعد میں آنے والوں کے لیے خلاف کرنے کا کوئی حق معقول سے ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔ ایسے فیصلوں کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ۔

لہٰذا ائمہ اربعہ اور اُمت کے سوادِ اعظم کے اجماعی فیصلہ کے مقابلہ میں ایک یا دو عالم یا امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اور امام ابنِ قیم رحمہ اللہ کی ذاتی رائے اور اجتہاد میں وہ وزن ہرگز نہیں ہو سکتا ہے جو ائمہ اربعہ رحمہا اللہ تعالے اور اُمت کے سوادِ اعظم کے متفقہ فیصلہ میں ہے اور فیصلہ بھی وہ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جیسے ملہم اور محدث خلیفۂ راشد کے فیصلہ پر مبنی ہو[1]

---

[1] قد ذکرہ هذہ المسئلة العلامة ابن الهمام الحنفیؒ: وقد ثبت انه یقع ثلٰث تطلیقات بلفظ واحد وهو یقول "وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الی انه یقع ثلاث" وایضًا قالؒ: "وقد اثبتنا النقل عن اکثرهم صریحًا بایقاع الثلاث ولم یظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال وعن هذا قلنا لو حکم حاکم بان الثلاث بفم واحد واحدة لم ینفذ حکمه لانه لا یسوغ الاجتهاد فیه فهو خلاف لا اختلاف" (فتح القدیر شرح الہدایہ ج ۳ ص ۳۳۰ کتاب الطلاق)

حضرت ابن ہمامؒ کے مذکورہ بالا اقوال سے ثابت ہوا کہ ایک لفظ سے تین طلاق کے وقوع پر صحابۂ کرامؓ کا اجماع منعقد ہوچکا ہے اس سے خلاف کرنا جائز نہیں اور صحابۂ کرامؓ کے اجماع پر عمل نہ کرنا گمراہی ہے ۔

اور ملک العلماء امام کاسانی حنفی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ایک لفظ سے تین طلاق واقع ہوتی ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں صرف شیعہ نے اختلاف کیا ہے ۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاق واقع ہونے کا فیصلہ کیا ہے آپ کے ساتھ کسی صحابی نے اس فیصلہ میں اختلاف نہیں کیا ہے بلکہ اس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع منعقد ہوا ہے ، وہ فرماتے ہیں : واما حکم طلاق البدعة فهو انه واقع عند عامة العلماء وقال بعض الناس انه لا یقع وهو مذهب الشیعة ۔ وقال هٰذا ۔ وروینا عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه انه کان لا یؤتی برجل قد طلق امرأته ثلاثًا الا اوجعه ضربًا واجاز ذٰلك علیه وکانت قضایاہ بمحضر من الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم اجمعین فیکون اجماعًا منهم علی ذٰلك ۔

(بدائع الصنائع ج ۳ ص ۹۶ کتاب الطلاق)

بہر تقدیر یہ مسئلہ امتِ اسلامیہ اور اہل السنۃ والجماعۃ کے سلف اور خلف جن میں جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین بھی ہیں ' ان تمام کا اس بات پر اجماع کہ ایک لفظ "طلاق ثلاثہ" سے تین طلاق واقع ہوتی ہیں ۔ اب اُن کے اس اجماع سے ایک دو یا کچھ زائد افراد کا خلاف اس اجماع پر اثر انداز نہیں ہوسکتا ہے ۔ چنانچہ حضرت علامہ قاضی شوکانیؒ نے یہی فرمایا ہے کہ داؤد ظاہریؒ کی مخالفت سے اس مسئلہ میں اجماع پر کوئی زد نہیں پڑتی ۔ (دیکھئے شرح بلوغ المرام ص ۶)

اور علامہ احمد بن محمد القسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تین طلاقوں کو ایک سمجھنے والوں کے مذہب کے متعلق فرمایا ہے ": بانه مذهب شاذ فلا یعمل به اذ هو منکر"

(ارشاد الساری ج ۸ ص ۱۵۱ طبع فی المصر)

طلاق دیتے وقت منہ بند کرنے کا حکم

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا ایک دو تین" ان الفاظ کے کہنے کے بعد فوراً کسی دوسرے شخص نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر منہ بند کر دیا اس کے بعد اس نے کسی چیز پر تلفظ نہیں کیا، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- صورتِ مسئولہ میں اس شخص کی بیوی کو طلاق نہیں ہوئی کیونکہ اس نے طلاق پر تلفظ نہیں کیا' نہ صریح پر اور نہ کنائی پر' بلکہ اس نے صرف عدد پر تلفظ کیا ہے' اور صرف عدد نہ صریح طلاق ہے اور نہ کنائی، طلاق میں عدد کا وہاں اعتبار ہوگا جب طلاق کے بعد متصلاً ذکر کیا جائے۔

قال العلامۃ قاضی خانؒ: قالت المرأۃ لزوجہا طلقنی فقال الزوج ان شئت الف مرۃ لا یقع شیء۔ (الخانیۃ ج۲ ص۲۱۷ کتاب الطلاق)[1]

"میرے گھر سے نکل جاؤ" کے الفاظ کے طلاق پر اثرات

سوال:- اگر خاوند بیوی کو لڑائی جھگڑے کے وقت غصہ کی حالت میں یہ کہے کہ میرے گھر سے نکل جاؤ اور یہ الفاظ وہ بار بار دہرائے تو اس سے بیوی پر کون سی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:- یہ الفاظ طلاق کنایہ کے ہیں' اس سے نیت یا دلالتِ حال کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوگی، تاہم جھگڑے کے وقت چونکہ دلالتِ حال موجود ہے اس لیے بیوی پر طلاقِ بائن واقع ہوگی جو تجدیدِ نکاح سے ختم ہو جائے گی۔

قال التمرتاشیؒ، فنحو اخرجی واذہبی وقومی۔۔۔۔ ففی حالت الرضا تتوقف الاقسام علی نیتہ۔۔۔الخ (تنویر الابصار علی ھامش ردالمحتار ج۲ ص۵۰۱ باب الکنایات)[2]

"ماں باپ کے پاس چلی جاؤ" کہنے سے نکاح پر اثرات کا حکم

سوال:- خاوند نے بیوی سے جھگڑے کے وقت غصہ کی حالت میں یہ کہا کہ "جاؤ ماں باپ کے پاس چلی جاؤ" کیا اس سے نکاح متاثر ہوگا یا نہیں؟

---

[1] الجواب:- جب تک شوہر الفاظ طلاق نہ کہے ان الفاظ سے کوئی طلاق نہیں ہوگی۔ (امداد المفتین ج۲ ص۶۲۰ کتاب الطلاق)

[2] قال العلامۃ قاضی خانؒ، قومی اخرجی اذہبی۔۔۔۔ لا یقع الطلاق الا بالنیۃ واذا قال لم انو الطلاق کان مصدقاً۔۔۔الخ (الفتاوی قاضی خان علی ھامش الہندیۃ ج۱ ص۴۶۸ فصل فی الکنایات والمدلولات) ۔۔۔ ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۳۷۵ الفصل الخامس فی الکنایات۔

الجواب: مذکورہ الفاظ کی عربی میں "الحق باھلک" سے تعبیر کی جاتی ہے، فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں یہ طلاق کنائی ہے جس پر تلفظ کرتے وقت نیت کرنے سے طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔

قال العلامۃ قاضی خانؒ: وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فی الامالی: انہ الحق بھٰذہٖ الخمسۃ اربعۃ اخری لاملک لی علیک لاسبیل لی علیک خلیت سبیلک الحق باھلک۔ الخ

(الفتاویٰ قاضیخان علیٰ ہامش الہندیۃ ج۱ ص۴۶۷ فصل فی الکنایات والمدلولات)[1]

"میری بیوی نہیں" کہنے سے طلاق نہیں ہوگی

سوال: ایک شخص نے حاکم کے سامنے یہ کہا کہ "میری بیوی نہیں ہے"، حالانکہ اس کے گھر میں اس کی بیوی ہے، کیا ان الفاظ سے اس شخص کا نکاح متاثر ہوگا یا نہیں؟

الجواب: چونکہ یہ الفاظ طلاق کے نہیں اس لیے ان سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولو سئل الک امرأۃ فقال لا لاتطلق اتفاقاً وان نوی۔

(الدر المختار علیٰ ہامش ردالمحتار ج۲ ص۴۹۱ باب الصریح)[2]

بیوی کو اجازت ہے کہ وہ دوسرا خاوند کرلے

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا قصد کیا لیکن اب تک زبانی کچھ نہیں کہا ہے لیکن اس نے ارادہ کے بعد یہ کہا کہ میری بیوی کو اجازت ہے کہ وہ دوسرا خاوند کرلے، کیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

---

[1] قال العلامۃ صدر الشریعۃؒ: وکنایتہ مالم یوضع لہ واحتملہ وغیرہ فلا تطلق الا بنیتہ اودلالۃ الحال وفیہ۔ الحقی باھلک تقع واحدۃ بائنۃ ان نواھا۔ ملخصاً۔

(شرح الوقایۃ ج۲ ص۸۰ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق)

ومِثلُہٗ فی الدر المختار علیٰ ہامش ردالمحتار ج۲ ص۵۰۲ تا ۵۰۴ باب الکنایات۔

[2] قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: وقولہ لا عند سؤالہ لقولہ الک امرأۃ وقولہ لاحاجۃ لی فیک، کما فی البدائع ففی ھٰذہ الالفاظ لایقع وان نوی۔

(البحر الرائق ج۳ ص۳۰۵ باب الکنایات فی الطلاق)

ومِثلُہٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۴۰۲ باب ایقاع الطلاق، فصل فی الطلاق قبل الدخول۔

الجواب:۔ صرف ارادۂ طلاق سے طلاق نہیں ہوتی البتہ اس شخص نے جو یہ کہا ہے کہ میری بیوی کو اجازت ہے کہ وہ دوسرا خاوند کرے، اِس سے ایک طلاقِ بائن تب واقع ہوگی جب اس سے طلاق کی نیت ہو۔

قال العلامة الحصکفیؒ: اذھبی وتزوجی تقع واحدة۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت ھٰذا القول) علیٰ ان تزوجی کنایة مثل اذھبی فیحتاج الی النّیّة۔

(ردالمحتار ج۲ ص۵۱۴ باب الکنایات مطلب المختلعة المبانة نسبة امرأة من کل وجه)[1]

"مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں" کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو یہ کہہ دیا کہ "مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں" تو ان الفاظ سے نکاح پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب:۔ فقہاء کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی، البتہ احتیاط اس میں ہے کہ یہ الفاظ کنایات میں داخل کر کے اگر شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو تو اس سے طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر طلاق کی نیت نہ کی ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

لما فی الھندیة: ولو قال لاحاجة لی فیك ینوی الطلاق فلیس بطلاق۔

(الفتاویٰ الھندیة ج۱ ص۳۷۵ الفصل الخامس فی الکنایات)[2]

"تو مجھ سے آزاد ہے" سے طلاق کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ "آج سے تو مجھ سے آزاد ہے" تو ان الفاظ سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ولو قال لھا اذھبی فتزوجی لا یقع الطلاق الّا بالنّیة واذا نوی فھی واحدة واذا نوی الثلاث فثلاث۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج۳ ص۳۱۶ کتاب الطلاق۔ باب الکنایات۔ نوع آخر فی قوله خلیة واشباھھا)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاویٰ ج۲ ص۹۸ الفصل الثانی فی الکنایات، جنس آخر فی الامر بالذھاب۔

[2] قال العلامة ابن نجیمؒ: وقوله لاحاجة لی فیك لما فی البدائع ففی ھٰذه الالفاظ لایقع وان نوی۔ (البحر الرائق ج۳ ص۳۰۵ باب الکنایات فی الطلاق)

وَمِثْلُهٗ فی ردّالمحتار ج۲ ص۵۰۱ باب الکنایات۔

الجواب:۔ بیوی سے یہ کہنا کہ "تو مجھ سے آزاد ہے" ان الفاظ کی عربی زبان میں "سرحتك" سے تعبیر کی جاتی ہے جو عرف میں طلاقِ رجعی میں استعمال ہوتے ہیں، اس لیے ان الفاظ سے طلاقِ رجعی واقع ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ : فاذا قال سرحتك یقع به الرجعی مع ان اصله کنایة ایضًا۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۵۰۳ باب الکنایات) [1]

"تو مجھ سے جدا ہے" کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے غصہ کی حالت میں بیوی سے یہ کہا کہ "تو مجھ سے جدا ہے جیساکہ یہ چیز میرے ہاتھ میں ہے" اور اس چیز کو ہاتھ سے پھینک دے، اس سے کونسی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب: "تو مجھ سے جدا ہے" کے الفاظ عرف میں طلاق کے لیے استعمال ہوتے ہیں اس لیے ان سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

لما فی الهندیة، ولو قال لها انت بائن ثم قال لها انت بائن، لا یقع الّا طلقة واحدة بائنة لانه یمکن جعله خبرعن الاوّل وهو صادق فیه فلاحاجة الی جعله انشاء۔ وفیه۔ والحق ابویوسف بخلیة وبریة، خلیت سبیلك فارقتك۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۷۵ تا ۳۷۷ الفصل الخامس فی الکنایات) [2]

"تو مجھ پر حرام ہے" کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے بارے میں تین دفعہ یہ کہہ دیا کہ "وہ مجھ پر حرام ہے" تو اس سے نکاح پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب:۔ منکوحہ کو یہ کہنا کہ "تو مجھ پر حرام ہے" طلاقِ کنائی ہے جس سے طلاق کا وقوع

---

[1] وفی الهندیة : ولو قال الرجل لامرأته تراچنگ باز داشتم او بهشتم او یله کردم ترا۔ فهذا کله تفسیر قوله طلقتك عرفاً حتٰی یکون رجعیًا ویقع بدون النیّة۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۷۹۔ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیة)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۲ ص۹۹ الفصل الثانی فی الکنایات جنس آخر وفی الفتاوی۔

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ : حتٰی ان الرجل لو اذا قال للمرأة انت بائن ولم یقل منّی یقع الطلاق اذا نوی۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۳ ص۳۱۱ کتاب الطلاق۔ باب الکنایات، نوع منه فی قوله انت حرام علیّ)

نیت پر موقوف ہے، اس لیے اگر خاوند نے تین طلاق کی نیت کی ہو تو تین طلاق واقع ہوں گی، اور اگر تین کی نیت نہ ہو صرف یہ ارادہ ہو کہ اسے بیوی کو ایک طلاق دیتا ہوں تو پھر طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر متعدد بار یہ لفظ استعمال کئے جائیں اور اس سے طلاق کی نیت ہو تو ایک طلاق بائن واقع ہو کر دوسری دفعہ اور تیسری دفعہ اس کا ذکر لغو رہے گا کیونکہ عورت ایک دفعہ طلاق بائن سے جدا ہو جاتی ہے دوسری یا تیسری دفعہ کے الفاظ کے لیے کوئی محل باقی نہیں رہتا۔ بہر حال اس میں نیت یا مذاکرہ طلاق کے بغیر طلاق کا وقوع ممکن نہیں۔

قال العلامة الحصكفيؒ: لان البائن لا يلحق البائن۔ وايضاً قال: قلت لكن عبارة البزازية لو قال امرأتيه انتما على حرام ونوى الثلاث في احدهما والواحدة في الاخرى صحت نيته عند الامام وعليه الفتوى۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۵۰۳/ ۵۱۰ باب الكنايات)[1]

"میں نے اسے چھوڑ دیا ہے" کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے متعلق یہ کہا کہ میں نے اُسے چھوڑ دیا ہے، ان الفاظ سے کونسی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:۔ اپنی بیوی کے متعلق یوں کہنا کہ "میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے" یہ الفاظ طلاقِ کنایہ کے ہیں، نیت کی موجودگی میں ان سے طلاق بائن واقع ہوگی، لیکن ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرف کے حوالے سے طلاق رجعی میں شمار کیا ہے جس سے نیت کے بغیر بھی طلاقِ رجعی واقع ہوتی ہے۔

قال ابن عابدينؒ: فاذا قال سرحتك يقع به الرجعي مع ان اصله كناية۔ ايضاً الخ
(رد المحتار ج ۲ ص ۵۰۳ باب الكنايات)[2]

---

[1] قال العلامة ابو البركات النسفيؒ: وفي الفتاوى اذا قال لامرأته انت على حرام والحرام عنده طلاق ولكن لم ينوِ طلاقاً وقع الطلاق۔ (الكنز الدقائق على هامش البحر الرائق ج ۳ ص ۲۹۹ باب الكنايات في الطلاق)

وَمِثْلُهٗ في البزازية على هامش الهندية ج ۴ ص ۱۸۸ الفصل الثاني في الكنايات وفيه اجناس الاوّل۔

[2] وفي الهندية: ولو قال الرجل لامرأته تراچنك بازداشتم او بهشتم اویله كردم ترا، فهذه الحلة تفسير قوله طلقتك عرفاً حتى يكون رجعياً ويكون بدون النيّة۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۳۷۹ الفصل السابع في الطلاق بالالفاظ الفارسية)

وَمِثْلُهٗ في الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج ۴ ص ۱۸۹ الفصل الثاني في الكنايات وفيه اجناس الاوّل۔

وہ مجھے نہیں چاہیئے، کا حکم

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی کو گھر سے نکال کر بعد میں یہ کہا کہ "وہ مجھے نہیں چاہیئے" کیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اگرچہ طلاق کی نیت سے کہے جائیں۔

لما فی الهندیة: ولو قال لاحاجة لی فیك ینوی الطلاق فلیس بطلاق۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۷۵ الفصل الخامس فی الکنایات) [1]

تم چاروں طرف جاسکتی ہو، سے طلاق کا حکم

سوال:- ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا "تیرے لیے چاروں راستے کھلے ہیں جس طرف چاہو جاسکتی ہو" شریعت مقدسہ میں ان الفاظ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- یہ الفاظ طلاق کنایہ کے ہیں نیت کے ہوتے ہوئے اس سے طلاق واقع ہوگی اور بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الهندیة: رجل قال لامرأته اربعة طرق علیك مفتوحة لا یقع بهذا شیء وان نوی الا اذا قال خذی ای طریق شئت وقال نویت الطلاق۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۷۶ الفصل الخامس فی الکنایات) [2]

---

[1] وقال العلامة الکاسانی رحمه الله: ولو قال لاحاجة لی فیك لا یقع الطلاق وان نوی لان عدم الحاجة لا یدل علی عدم الزوجیة۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص۱۰۱، فصل واما الکنایات واما القسم الثالث)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۳۰۳ باب الکنایات فی الطلاق۔

[2] وقال العلامة الحصکفی رحمه الله: ولا یقع باربعة طرق علیك مفتوحة وان نوی ما لم یقل خذی ای طریق شئت۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۵۱۵، باب الکنایات)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۳۰۴ باب الکنایات فی الطلاق۔

اِس کُتیا کی بچی کو طلاق

سوال: اگر کوئی شخص گھریلو تنازعہ میں اپنی بیوی کو یہ الفاظ کہے کہ اس خنزیر کی بچی کو طلاق، اس کُتیا کی بچی کو طلاق، اِس کُتیا کو طلاق، اور ساتھ ساتھ ہاتھ سے اشارہ بھی کرتا رہا، اس طریقہ سے کتنی طلاق واقع ہوں گی؟

الجواب: طلاق میں بیوی کو متعین کرنے کے لیے نفسِ اشارہ کافی ہے باقی اس کے بعد ذکر شدہ صفات کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں اور عورت بغیر حلالہ شرعی کے شوہر کے لیے حلال نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: قال لامرأتہ ھذہ الکلبۃ طالق طلقت۔ قال ابن عابدینؒ: لا تعتبر الصفۃ والتسمیۃ مع الاشارۃ۔ (ردالمحتار ج۳ ص۲۹۳ فی اخر باب طلاق غیر المدخول بہا)[1]

بلا قصد و ارادہ طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے

سوال: اگر کوئی شخص بلا قصد و ارادہ یہ الفاظ کہے کہ میری بیوی کو طلاق، طلاق، طلاق ہو، تو کیا اس سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب: طلاق کے الفاظِ صریح ایسے الفاظ ہیں کہ ان میں ارادہ اور قصد کی کوئی ضرورت نہیں بلا ارادہ بھی واقع ہو جاتی ہے اگرچہ اس شخص کی نیت طلاق کی ہو یا نہ ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر تین طلاق قضاءً واقع ہو چکی ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبدًا او مکرھًا او ھازلہ...... او مخطئًا بان اراد التکلم بغیر الطلاق فجری علیٰ لسانہ الطلاق۔ (الدرالمختار علیٰ ہامش ردالمحتار ج۲ ص۳۶۱ کتاب الطلاق، قبیل مطلب فی طلاق المدھوش)[2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: قال لامرأتہ ھذہ الکلبۃ طالق طلقت۔ قال السید احمد الطحطاویؒ تحتہ الظاھر انہ لو لم ینو ولا قال [illegible] ولم یکن نیتہ بالعھد وجہ انھا لا تطلق لکون الکلبۃ غیر محل للطلاق۔ (طحطاوی حاشیہ الدرالمختار ج۲ ص۱۳۰ باب طلاق غیر المدخول بہا)

[2] قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید الانصاری رحمہ اللہ: وطلاق اللاعب والھازل وطلاق الرجل الذی اراد ان یتکلم فسبق لسانہ بالطلاق واقع۔ الخ (خلاصۃ الفتاویٰ ج۲ ص۸۵ کتاب الطلاق)

ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق فصل فیمن یقع طلاقہ وفیمن لا یقع طلاقہ۔

طلاق طلاق دیتا ہوں کہنے سے طلاقِ ثلاثہ واقع ہونے کا حکم

سوال: جناب محترم مفتی صاحب! میرا سوال یہ ہے کہ میں نے اپنی زوجہ مسماۃ کلثوم جان دختر سراج احمد ساکن آلوی تحصیل و ضلع ہری پور کو مؤرخہ ۲۱/۳/۹۸ کو اس وقت تحریری طلاق روانہ کی جب وہ اپنی ایک عزیزہ کی فوتیدگی پر تعزیت کے لیے کراچی گئی ہوئی تھی۔ معمولی سی بات پر میں نے وہ قدم اٹھایا جس سے متعلق کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ میں نے اپنی تحریر میں یہ الفاظ تحریر کئے کہ "میں کلثوم جان دختر سراج احمد کو طلاق طلاق دیتا ہوں" اور ساتھ ہی میں نے حق مہر کا چیک بھی بذریعہ رجسٹری مسماۃ مذکورہ کو ارسال کر دیا۔

جنابِ محترم! بعد ازاں مجھے اس بات کا بے حد افسوس اور صدمہ ہوا کہ میں نے ایسا کیوں کیا، اس دن سے آج تک سخت پریشان ہوں۔ جس وقت میں طلاق نامہ لکھ رہا تھا اُس وقت میں کمرے میں بالکل تنہا تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ میں نے مندرجہ بالا الفاظ کیوں اور کیسے تحریر کئے اور میرا قلم رُک کیوں نہیں گیا۔

جناب محترم! میں سمجھتا ہوں کہ طلاق دینا کوئی اچھی بات نہیں ہے لیکن سمجھنے کے باوجود نہ جانے ایسے کیوں ہو گیا؟ میں نے اپنی اس غلطی کی معافی اللہ تعالیٰ سے سربسجود ہو کر طلب کی، امید ہے اللہ تعالیٰ ضرور معاف فرمائیں گے۔

جناب محترم! میں نے حال ہی میں اپنے علاقہ کے علماء دین سے رابطہ کیا کہ شاید اس مسئلہ کا کوئی مثبت حل قرآن و سنت اور احادیثِ نبوی کی روشنی میں بلا حلالہ و تجدیدِ نکاح ہو سکے۔ علماء کرام نے میرے اس مسئلہ کا مثبت حل نکالا جس سے مجھے تسلی ہوئی۔ لیکن پھر بھی میں آپ جیسے عظیم مفکر اور عالمِ دین کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ مزید تسلی کے لیے آپ قرآن و سنت اور احادیثِ نبوی کی روشنی میں جواب سے جس قدر جلد ہو سکے نوازدیں۔ شکریہ

علاقہ کے علماء کرام کے جواب اور تصدیق و تائید کی فوٹو کاپی بھی ارسالِ خدمت ہے۔

الجواب: صورتِ مذکورہ میں از روئے قرآن و حدیث و اجماعِ اُمت تین طلاقیں واقع ہو گئی ہیں، اگرچہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینا خلافِ سنت اور گناہ ہے لیکن جب دے دیں تو تینوں طلاق کے واقع ہونے میں تمام اہلسنت والجماعت کے نزدیک کوئی شبہ نہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور تمام امتِ محمدیہ کا یہی مذہب ہے، اب بجز حلالہ شرعی کے کوئی چارہ کار نہیں، ارشادِ قرآنی ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ

لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۔ (الآية)

وقال الامام النووی ؒ فی شرح مسلم: وقد اختلف العلماء فیمن قال لامرأته انت طالق ثلٰثا فقال الشافعی ومالك وابوحنیفة واحمد وجماهیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلث واحتج الجمهور لقوله تعالیٰ: وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (الآية) لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا قالوا معناه ان المطلق قد یحدث له ندم فلا یمکنه تدارکه لوقوع البینونة فلو کانت الثلاث لم یقع لم یقع طلاقه هذا الا رجعیًا فلا یندم۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸ کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث)

قال الشامی ؒ: وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الی انه یقع الثلاث۔ قال فی الفتح بعد سوق الاحادیث الدالة علیه وهذا یعارض ما تقدم واما امضاء عمر الثلث علیهم مع عدم مخالفة الصحابة له وعلمه بانها کانت واحدةً فلا یمکن الا وقد ثبت النقل عن اکثرهم صریحًا بایقاع الثلث ولم یظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال ومن هذا قلنا لو حکم حاکم بانها واحدة لم ینفذ حکمه الخ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۱۹ کتاب الطلاق)

قرآن وحدیث اور فقہاء کرام کی عبارتوں کی رُو سے آپ کی منکوحہ مطلقہ ثلاثہ ہے بدون حلالہ آپ کے لیے حلال نہیں ہے۔ جن لوگوں نے حکم صحت رجعت کا عدت میں کیا یا وہ عدم وقوع طلاق کے قائل ہوئے وہ مخالف ہیں حکم خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

حلالہ کی صورت یہ ہے کہ آپ کی مطلقہ بعد گذارنے عدت تین حیض کے کسی اور شخص سے کفو میں نکاح کرے اور وہ شخص اس سے جماع کرنے کے بعد اپنی مرضی سے اُسے طلاق دے دے اور وہ اس کی عدت گذار کر خاوند اوّل کے نکاح میں آسکتی ہے۔ اور اگر اس بات کا خطرہ ہو کہ دوسرا خاوند طلاق نہ دے گا تو اس کا ایک حیلہ یہ کیا جا سکتا ہے کہ عورت اس شرط پر اس سے نکاح کرے کہ اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اس کو اختیار ہو پس جب وہ خاوند ایک مرتبہ اس سے جماع کر چکے تو یہ عورت اپنے اوپر از خود طلاق واقع کر سکتی ہے اور بعد گذارنے عدت کے خاوند اول کے نکاح میں آسکتی ہے۔

اگر بالفرض حلالہ ساقط کرنے کے لیے آپ غیر مقلد بن جائیں تو بھی حلالہ ساقط نہیں ہوسکتا

اور بدون حلالہ کے شوہر اوّل مطلقہ ثلاثہ سے دوبارہ نکاح نہیں کرسکتا۔ درمختار میں ہے، ان الحکم الملفق باطل بالاجماع وان الرجوع عن التقلید بعد العمل باطل اتفاقاً وھو المختار فی المذھب۔ (ج ۱ ص ۵۱)

اور اس غرض کے لیے غیر مقلّد ہونے سے بجائے حلالہ ساقط ہونے کے ایک اور بہت بڑا گناہ سرزد ہوجائے گا جس سے ذہاب ایمان کا بھی اندیشہ ہے۔

کما قال الجوزجانیؒ: فی رجل ترک مذھب ابی حنیفہؒ لنکاح امرأۃ من اھل الحدیث فقال اخاف علیہ ان یذھب ایمانہ وقت النزع لانہٗ استخف بمذھبہ الذی ھو حق عندہٗ وترکہ لاجل جیفۃ۔ (شامی ج ص ۳۰۴، ۳۹۰، امداد المفتین ج ۱ ص ۱۹۲)

ایک، دو، تین "تم آزاد ہو" کہنے سے طلاق واقع ہونے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ناچاقی کی صورت میں یہ کہے کہ ایک، دو، تین (تم آزاد ہو) ان الفاظ طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کتنی؟ جبکہ عرف میں اس کو تین طلاق شمار کیا جاتا ہے، لوگ ان الفاظ "تم مجھ پر تین طلاق سے طلاق ہو" اور مذکورہ بالا الفاظ میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ ایک عالم دین نے بتایا ہے کہ ان الفاظ سے صرف ایک، طلاق بائن واقع ہوئی ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں مذکورہ بالا الفاظ کی شرعی حیثیت کی وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب:۔ وقوع طلاق میں عرف کا بہت بڑا دخل ہے، اگر کسی جگہ صورت مسئولہ میں درج شدہ الفاظ عرف میں تین طلاق کیلئے استعمال ہوتے ہوں تو وہاں عرف کے مطابق تین طلاق مغلظہ شمار ہوں گی، اسلئے کہ "تم آزاد ہو" کے الفاظ کو فقہاء نے عرف کی بناء پر طلاق صریح کے معنی میں لیا ہے۔ اگرچہ بظاہر مذکورہ جملہ میں عدد اور معدود کا کوئی تعلق نہیں ہے، دونوں ایک دوسرے سے مغائر ہیں مگر عرف نے دونوں کو ایک کردیا ہے، اسی طرح آزاد اگرچہ الفاظ کنائی ہے مگر عرف نے ان کو الفاظ صریح میں استعمال کیا ہے اس لیے مذکورہ الفاظ انت طالق ثلاثاً کی طرح ہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وان کان الحرام فی الاصل کنایۃ یقع بھا البائن لانہ لما غلب استعمالہ فی الطلاق لم یبق کنایۃ ولذا لم یتوقف علی النیۃ او دلالۃ الحال ..... ثم فرق بینہ وبین سرحتک فان سرحتک کنایۃ لکنہٗ فی عرف الفرس غلب استعمالہ فی الصریح ای سرحتک یقع بہ الرجعی مع ان اصلہ کنایۃ ایضاً وما ذاک الا لانہ غلب فی عرف الفرس استعمالہ فی الطلاق وقد مر ان الصریح مالم یستعمل الا فی الطلاق من ای لغۃ کانت۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۳۸ باب الکنایات، کتاب الطلاق)

کئی دفعہ یہ کہنا کہ "میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" سے طلاقِ مغلظہ کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب!

میں بہت آس امید سے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں امید ہے آپ ضرور میری راہنمائی کریں گے۔ میری شادی کو ۱۵ سال ہو چکے ہیں، دو بیٹے ہیں جن کی عمریں بالترتیب چودہ اور تیرہ سال ہیں، میں یہاں ابوظہبی میں درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ ہوں، میرا مسئلہ کچھ اس طرح ہے کہ:۔

(۱) شادی کے شروع سالوں میں ہی میرے شوہر نے مجھ پر پابندی لگائی کہ "اگر تم نے اپنی ٹانگوں اور بازوؤں سے بال صاف کئے تو میری طرف سے تمہیں طلاق ہے"، لیکن اس کے باوجود میں نے بہت دفعہ یہ بال صاف کئے کیونکہ مجھے یہ بال پسند نہیں ہیں۔

(۲) ۱۹۹۲ء میں میرے شوہر نے یہاں ایک فلپائنی عورت سے تعلق قائم کر لیا اور اس کی اکثر راتیں اس عورت کے ساتھ گذرنے لگیں، مجھے جب پتہ چلا تو میں نے اس بات پر ان سے جھگڑا کیا، بہت زیادہ لڑائی ہوئی تو انہوں نے مجھے منہ پر کہا کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔

(۳) ۱۹۹۴ء میں میرے شوہر کی یہاں سے نوکری ختم ہو گئی تو انہوں نے اس فلپائنی عورت کو ہمارے ساتھ ہی فلیٹ میں بلا لیا اور اس کے ساتھ رہنے لگے، میں اور میرے بچے دوسرے کمرے میں ہوتے تھے اور وہ فلپائنی عورت جس کا نام میری وک (MERRY VICK) کیونکہ وہ کرسچن تھی وہ لوگ بیڈ روم میں ہوتے تھے، ہر عورت کی طرح یہ بات میرے لیے ناقابلِ برداشت تھی، اگرچہ ہمارے درمیان جسمانی تعلقات ختم ہو چکے تھے پھر بھی ذہن میں یہ بات تھی کہ رشتے کی ایک ڈور تو باقی ہے۔ ایک دن اسی عورت کی وجہ سے ہمارے درمیان پھر لڑائی ہوئی تو میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ آپ نے اس عورت کو بغیر نکاح کے رکھا ہوا ہے جو کہ بہت بڑا گناہ ہے، اس انہوں نے کہا کہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، میں مرد ہوں جو چاہوں کروں تم کون ہوتی ہو مجھے منع کرنے یا روکنے والی؟ میں نے جواب دیا کہ آخر میں تمہاری بیوی ہوں میرا تم سے رشتہ ہے، اس نے کہا کہ اگر تم اس رشتے پر اکڑتی ہو تو جاؤ میں اس رشتے کو ختم کرتا ہوں، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے کئی لوگوں سے کہا کہ چونکہ میری بیوی میرے ذاتی معاملات میں دخل دیتی ہے اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا ہے، وہ میرے ساتھ لڑائی کرتی ہے وغیرہ۔

(۴) اس لڑائی کے کچھ دنوں بعد میرا بیٹا بیمار ہو گیا تو میں نے اسے کہا کہ بچہ بیمار ہے اور اسے ہسپتال لے کر جانا ہے، تو اس نے جواب دیا کہ میرا تمہارا کوئی رشتہ نہیں میری طرف سے تم

تم آزاد ہو جو چاہے کرو، مجھے بچے کی پرواہ نہیں ہے، میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ بچے میرے لیے زنجیر نہیں ہیں۔

جناب مفتی صاحب! ۱۹۹۳ء کے آخر میں اس کا ویزہ یہاں سے ختم ہو گیا اور وہ واپس پاکستان چلا گیا کیونکہ اس وقت تک فلپائنی عورت میری وِک سے بھی اس کا دل بھر چکا تھا، یہاں سے جانے کے بعد اُس نے ہم لوگوں سے کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھا لیکن ہمیں کہیں نہ کہیں سے خبر ملتی رہی کہ وہ پاکستان جا کر کسی اور عورت کی زلفوں کا اسیر ہو گیا ہے اور شادی کر رہا ہے، پھر شاید ان لوگوں نے انکار کر دیا۔ واللہ اعلم بالصواب

اب تقریباً چھ سال کے بعد وہ لوٹ آیا ہے کیونکہ اسے کسی نے بھی قبول نہیں کیا، اب وہ یہاں آ کر مجھے کہتا ہے کہ میں بچوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں، کیونکہ ہمارا رشتہ ختم نہیں ہوا تم میرے بچوں کی ماں ہو، مجھے پاکستان میں ایک مولوی نے کہا ہے کہ تم اسی بیوی سے تجدید نکاح کر سکتے ہو، اس لیے اب تم میرے ساتھ ان بچوں کی خاطر بیوی بن کر رہو، میں تمہیں شکایت کا موقع نہیں دوں گا، وغیرہ وغیرہ۔

جناب مفتی صاحب! میں جانتی ہوں کہ یہ زندگی عارضی ہے اور میں اب کوئی غلط کام کر کے اپنی آخرت خراب کرنا نہیں چاہتی۔ اس لیے آپ سے رجوع کر رہی ہوں کہ اس مسئلے میں میری راہنمائی فرمائیں کہ شریعتِ مقدسہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ برائے مہربانی اپنا فیصلہ ایک الگ صفحے پر لکھ کر بھیجیں تاکہ میں اُس کے وکیل کو دکھا سکوں، خدا آپ کو اس کی جزائے خیر دے گا، میں جواب کی شدت سے منتظر رہوں گی۔ (پریشان حال، مسز شہناز چوہدری ابوظہبی)

الجواب: شریعتِ اسلامی میں حلال اور جائز اشیاء میں سے مبغوض ترین شے طلاق ہے اس سے وہ عظیم رشتہ جو میاں بیوی کے مابین ہوتا ہے ختم ہو جاتا ہے۔ اس میں حقیقت و مذاق شرعاً دونوں برابر ہیں بلکہ اِدھر شوہر کی زبان سے ان الفاظ کا نکلنا ہوتا ہے اُدھر بیوی مطلقہ ہو جاتی ہے، حتٰی کہ الفاظ صریح (لفظ طلاق) بغیر نیّت کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اسلئے شوہر کو ان الفاظ کے استعمال سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہیئے۔

صورتِ مسئولہ کے مطالعہ اور غور سے دیکھنے کے بعد دو قسم کی طلاق کا ثبوت ملتا ہے (۱) طلاقِ معلق کا جو شادی کے شروع سالوں میں...... ”کہ اگر تم نے اپنی ٹانگوں اور بازوؤں سے بال صاف کیے تو تمہیں طلاق ہے“ سے معلوم ہوتا ہے۔ ایسی طلاق کا حکم یہ ہے کہ

جس شرط کے ساتھ اس طلاق کو معلق کیا گیا ہو اس کے پورا ہونے کے بعد بیوی پر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہاں یہ شرط پوری ہو چکی ہے جس پر آپ کے یہ الفاظ ”لیکن اس کے باوجود میں نے بہت دفعہ یہ بال صاف کئے“ دلالت کرتے ہیں، لہٰذا آپ پر ایک طلاقِ رجعی واقع ہو چکی ہے۔

(۲) دوسری ”طلاق مؤجز“ ایک طلاق مؤجز تو رقم ۲ کے ان الفاظ ”کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں“ سے معلوم ہوتا ہے اور دوسرے رقم ۳ ۱۹۹۳ء کے الفاظ ”میں اس رشتے کو ختم کرتا ہوں، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں“ سے معلوم ہوتا۔ اس دوسری قسم کی دو طلاق بھی صریح ہیں اس لیے واقع ہو چکی ہیں۔ لہٰذا اگر صورتِ مسئولہ کے مطابق تمام واقعات درست ہوں اور شوہر نے وہ الفاظ بعینہٖ اسی طرح کہے ہوں جو آپ کے خط میں تفصیلاً مذکور ہیں تو بنا بریں آپ کا خاوند بیوی کا رشتہ طلاقِ مغلظہ کے ساتھ ختم ہو چکا ہے، اب آپ اس کی بیوی نہیں رہیں اگرچہ بچوں کی ماں ضرور ہیں لیکن ایک بیوی کی حیثیت سے اس کے ساتھ اکٹھے رہنا بغیر حلالۂ شرعی کے ناجائز و حرام ہے۔ اور اگر کسی مولوی صاحب نے آپ کے شوہر کو بغیر حلالہ کے تجدیدِ نکاح کا کہا ہو تو یہ شرعاً غلط ہے اُس کے قول پر عمل کرنا آپ کے لیے کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

لقولہٖ تعالیٰ: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا...... فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ (البقرة آیت ــ)[1]

تمہاری بیوی پر طلاق ہو کے جواب میں ”ہاں“ کہنے کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! کسی دوست کے ساتھ کسی موضوع پر میری بات چیت ہو رہی تھی، اس نے باتوں کے درمیان مجھ سے کسی بات کے متعلق پوچھا اور کہا کہ آپ پر آپ کی بیوی تین طلاق پر طلاق ہو کہ جھوٹ نہ بولو گے۔ جواب میں میں نے صرف ہاں کہا، اور پھر میں نے وہ جھوٹ بات کہہ دی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح میری بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئی ہے یا نہیں؟ تفصیل سے مجھے سمجھائیں تا کہ

---

[1] لما فی الھندیۃ: من قال لامرأتہ ان دخلت الدار فانت طالق یتعلق الطلاق بالدخول۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص ۴۲۰ کتاب الطلاق)

میرے دل سے شک و شبہ نکل جائے؟

الجواب:۔ عبارت مذکورہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل نے جب اپنے دوست کے خط کشیدہ الفاظ کہنے پر "ہاں" کہا تو سائل ہی حالف بن گیا یعنی اس نے اپنی بیوی پر تین طلاق واقع ہونے کو جھوٹ کہنے سے مشروط کر دیا اور جب اس نے گفتگو میں جھوٹی بات کہی تو اس کی بیوی پر شرط موجود ہونے کی وجہ سے تین طلاق واقع ہو کر مطلقہ مغلظہ ہو چکی ہے اور اب وہ حلالہ شرعی کے بغیر اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔

درمختار میں ہے، ولو قال عليك عهد الله ان فَعَلْتَ كذا فقال نعم فالحالف المجيب۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار جلد ۳ ص ۱۵۲ کتاب الطلاق)

وفی الشامية: ولا يمين على المبتدئ وان نوى اليمين خانية وفتح اھ ای لاسناده الحلف الى المخاطب فلا يمكن أن يكون الحالف غيره۔ (جلد ۳ ص ۱۵۲)

وفی الدر المختار: قيل له ان كنت فعلت كذا فامرأتك طالق فقال نعم وقد كان فعل طلقت۔ وفی الاشباه القاعدة الحادية عشر السؤال معاد فی الجواب، قال امرأة زيد طالق أو عبده حر أو عليه المشي لبيت الله إن فعل كذا وقال زيد نعم كان حالفاً۔ الی آخرہ

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۳ کتاب الطلاق)

باب تعلیق وتفویض الطلاق

(طلاق معلق ومفوض کے مسائل واحکام)

طلاق کو کسی کام سے مُعلق کرنا

سوال: اگر کسی شخص نے اس طرح قسم کھائی کہ اگر میں گھر جانے سے پہلے مکہ مکرمہ نہ جاؤں تو مجھ پر بیوی طلاق ہے، پھر وہ شخص مکہ مکرمہ جانے سے پہلے ہی گھر چلا گیا، تو اس سے نکاح پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: صورتِ مرقومہ میں گھر کو مکہ مکرمہ جانے پر موقوف کرکے قسم اٹھائی گئی ہے لہٰذا جب یہ شخص مکہ جانے سے پہلے گھر چلا جائے تو اس کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہوگی، چونکہ مکہ مکرمہ جانا امرِ ممکن ہے اس لیے مالی وسائل کے فقدان کی وجہ سے حنث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لمافی الهندیة: واذا اضافه الی الشرط وقع عقیبه اتفاقاً۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۴۲۰ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمة ان واذا وغیرها)[1]

کسی کو قتل کرنے پر طلاق معلق کرنا

سوال: ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ اگر میں نے تم کو قتل نہ کیا تو میری بیوی پر طلاق ہوگی، بعد میں اس شخص نے قتل سے اجتناب کیا ہے، اندریں صورت اس کی بیوی پر طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: طلاق کو عدمِ قتل سے معلق کرنا ممکن الوقوع ہے اس لیے یہ قسم اپنی جگہ میں منعقد ہے تاہم اس شخص پر علی الفور حنث لازم نہیں جس سے اس شخص پر بیوی طلاق ہو، البتہ اگر متعلقہ شخص اپنی موت مر جائے یا قسم کھانے والا اس کو قتل کرنے کے بغیر مر جائے تو ایسی حالت میں اس کی بیوی اس پر طلاق ہوگی، بظاہر الفاظِ قسم میں طلاق کی تعداد کا ذکر نہیں اس لیے ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: لو حلف لیفعلنه بَرَّ بمرة۔ وقال العلامة ابن عابدینؒ تحت هذا القول، واذا لم یفعل لا یحکم بوقوع الحنث حتی یقع الیأس

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: واذا اضافه الی شرط وقع عقیب الشرط۔
(الهدایة ج۲ ص۳۸۵ باب الایمان فی الطلاق)
ومِثلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۳ ص۳ کتاب الایمان۔

عن الفعل وذٰلك بموت الحالف او بفوت محل الفعل۔ (ردالمحتار ج۳ ص۱۴۸ باب اليمين فى الضرب والقتل وغير ذٰلك)[1]

جان بچانے کے لیے طلاق پر جھوٹی قسم کھانا

سوال:۔ ایک شخص نے جان کی خلاصی کے لیے طلاق پر جھوٹی قسم اٹھائی اور یوں کہا کہ طلاق پر قسم ہے میں سچ کہہ رہا ہوں، جبکہ حقیقت میں وہ سچا نہیں، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسے الفاظ عرف میں طلاق کے لیے استعمال نہیں ہوتے اس لیے ان سے طلاق واقع نہیں ہوگی اور نہ ان الفاظ سے قسم منعقد ہوتی ہے۔

لما فى الهندية: وفى الفتاوىٰ لو قال سوگند خورم بطلاق ليس بتطليقة لان الناس لم يتعارفوه يمينًا بالطلاق۔ (الفتاوىٰ الهندية ج۲ ص۵۸ الباب الثانى فيما يكون يمينًا ومالا يكون يمينًا۔ الفصل الاول فى تحليف الظلمة وفيما ينوى الحالف غير ما ينوى المستحلف)[2]

نکاح سے قبل طلاق معلق کا حکم

سوال:۔ کسی لڑکے کے لیے اس کے والدین نے ایک گھر میں رشتہ کرنا چاہا لیکن لڑکی والوں کے ناجائز مطالبات کی وجہ سے لڑکے نے کہا کہ اگر اس نے اس لڑکی سے نکاح کیا تو یہ مجھ پر طلاق ہوگی۔ تو کیا نکاح ہونے کے بعد یہ لڑکی اس لڑکے کے نکاح میں رہ سکتی ہے یا اس پر طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:۔ صورتِ مرقومہ میں چونکہ طلاق کو نکاح سے معلق کیا گیا ہے اس لیے نکاح ہوجانے کے بعد لڑکی پر طلاق واقع ہوگی لیکن قسم میں طلاق کا چونکہ ایک دفعہ ذکر ہے اس لیے دوسری دفعہ نکاح کرنے کے بعد لڑکی اس کے نکاح میں آسکتی ہے، تاہم اگر ایجاب وقبول دوبارہ یا سہ بارہ ہو تو

---

[1] قال العلامة المرغينانىؒ: وان حلف ليفعلن كذا ففعله مرة واحدة برّ فى يمينه لان الملتزم فعل واحد غير عين اذ المقام مقام الاثبات فبأى فعل فعله وانما يحنث لوقوع اليأس عنه وذٰلك بموته او بفوت محل الفعل۔ (الهداية ج۲ ص۴۸۵ باب اليمين فى تقاضى الدراهم)

ومثله فى الفتاوىٰ الهندية ج۲ ص۱۲۹ الباب الحادى عشر فى اليمين فى الضرب۔

[2] قال العلامة قاضى خانؒ: ولو قال سوگند خورم بطلاق كه اين كار نكنم لا يكون يمينًا۔

(الفتاوىٰ قاضى خان على هامش الهندية ج۲ ص۷ فصل فى الفاظ اليمين بالفارسية)

ومثله فى الفتاوىٰ البزازية على هامش الهندية ج۴ ص۲۶۷ كتاب الايمان۔ نوع الثانى فيما يكون يمينًا

پہلی بار ایجاب سے نکاح ہو کر طلاق واقع ہوگی، دوسری یا تیسری بار ایجاب و قبول سے دوبارہ نکاح منعقد ہوگا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: شرطه الملك او الاضافة الیه کان نکحتك فانت طالق۔
(الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۵۳۷ باب التعلیق) [1]

طلاق معلق سے بچنے کا حیلہ

سوال:- ایک شخص نے کسی کام کے کرنے سے تین طلاق معلق کی ہیں، ابھی تک تو حنث کا موقع نہیں آیا ممکن ہے کسی وقت حنث واقع ہو کر عورت مطلقہ مغلظہ بن جائے، ایسی حالت میں اس خطرہ سے بچنے کیلئے اس شخص کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:- طلاق معلق کی صورت میں شرط کی موجودگی میں طلاق کا واقع ہونا ایک ضروری امر ہے تاہم اس سے بچنے کے لیے یہ تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ یہ شخص بیوی کو طلاق بائن دے کر فارغ کرے، عدت گذرنے کے بعد یہ عورت اس کے نکاح سے نکل جائے تو آزادی کی حالت میں یہ شخص وہ کام کرے جس سے طلاق معلق کی ہے، چونکہ اس وقت عورت اس کی ملک میں نہ ہونے کی وجہ سے طلاق غیر مؤثر رہے گی، اور ایک دفعہ حانث ہونے سے یمین پورا ہو کر دوبارہ کرنے سے حنث لازم نہیں آتا اس لیے جب دوبارہ نکاح کرے تو ابھی متعلقہ کام کرنے سے حنث لازم نہیں آئے گا۔

قال ابن عابدینؒ: لو حلف لا یخرج امرأته الا باذنه فخرجت بعد الطلاق وانقضاء العدة لم یحنث وبطلت الیمین بالبینونة حتی لو تزوّجها ثانیاً ثم خرجت بلا اذن لم یحنث۔ (ردالمحتار ج۲ ص۵۴۳ باب التعلیق مطلب زوال الملك...الخ) [2]

---

[1] قال العلامة المرغینانیؒ: واذا اضاف الطلاق الی النکاح وقع عقیب النکاح مثل ان یقول لامرأة ان تزوجتك فانت طالق او کل امرأة اتزوّجها فهی طالق۔
(الهدایة ج۲ ص۳۸۵ باب الایمان فی الطلاق)

ومثلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۴۲۰ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمة ان و اذا وغیرها۔

[2] قال العلامة الحصکفی رحمهُ الله: فحیلة من علق الثلاث بدخول الدار ان یطلقها واحدةً ثم بعد العدّة تدخلها فتنحل الیمین فینکحها۔ (الدر المختار علی هامش ردّ المحتار جلد۲ ص۵۴۵ باب التعلیق۔ مطلب اختلاف الزوجین فی وجود الشرط)

ومثلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۴۱۶ الباب الرابع فی الطلاق بالشرط، الفصل الاوّل فی الفاظ الشرط۔

طلاق کُلَّمَا کی حقیقت

سوال:۔ ایک شخص نے گواہوں کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے طلاق کلما دی ہے، اس سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:۔ طلاق کلما کی حقیقت حروفِ شرط کے ساتھ ذکر ہوکر خاص الفاظ ہیں، ویسے یہ عنوان معنون کے وجود کے لیے لازم نہیں، اس لیے صرف عنوان ذکر کرنے سے اس کی کوئی حقیقت نہیں پائی جاتی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: ناقلاً عن البزازیة انه قد اشتهر فی رساتیق شروان ان من قال جعلت کلما او علی کلما انه طلاق ثلاث معلق وهذا باطل من هذیانات العوام۔ (رد المحتار حاشیہ الدر المختار ج۲ ص۴۶۵ باب الصریح) [1]

کُلَّمَا طلاق کے وقوع سے بچنے کی صورت

سوال:۔ ایک شخص نے کسی کام سے اجتناب اور پرہیز کرنے کے لیے بڑی تاکید کرتے ہوئے کہا: "اگر میں نے فلاں کام کیا تو جب بھی میں نکاح کروں وہ بیوی مجھ پر طلاق ہوگی"، ایسے شخص کو طلاق سے بچنے کے لیے کیا تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے؟

الجواب:۔ ایسی طلاق فقہاءؒ کی اصطلاح میں "طلاق کلما" کے عنوان سے معنون ہے جس میں شخص مذکور اگر متعلقہ کام کرنے کے بعد اصالتاً یا وکالتاً نکاح کرلے تو بیوی اس پر طلاق ہوگی، کیونکہ نکاح کے وکیل کے تصرفات کی نسبت بھی مؤکل کی طرف ہوتی ہے۔ تاہم فقہاء نے اس سے بچنے کے لیے ایک حیلہ تجویز کیا ہے جس کی وجہ سے اس کی زندگی بن جانے کی توقع کی جاسکتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایسا شخص اپنی حالت کسی ایسے عالم کے سامنے بیان کرے جو اس کی ضروریات کو جان کر اس کے لیے بحیثیت فضولی نکاح کرائے اور شخص مذکور کسی توکیل یا زبان سے ایجاب وقبول کے بجائے عملی طور پر اجازت دے دے جس سے نکاح متصور ہوگا۔

قال ابن عابدینؒ والحیلة فیه ما فی البحر ان یزوجه فضولی ویجیز بالفعل کسوق الواجب الیها۔ (رد المحتار ج۲ ص۵۳۴ باب التعلیق) [2]

---

[1] وقال ابن البزازؒ: واشتهر ایضاً انه اذا قال جعلت کلما او علی کلما انه طلاق ثلاث معلق وهذا ایضاً باطل وهذا من هذیانات العوام لانهایة لها۔ (الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۳۴۷ نوع فی تعلیقه بالملک)

[2] وفی الهندیة: واذا قال کل امرأة اتزوجها فهی طالق فزوجه فضولی واجازه بالفعل بان ساق المهر ونحوه لا تطلق۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۴۱۹ الفصل الثانی فی تعلیق الطلاق بکلمة کل وکلما)

ومثله فی البزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۲۵۴ نوعٌ فی تعلیقه بالملک۔

میں گھر آیا تو تجھے طلاق ہوگی

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی سے کہا اگر میں گھر آیا تو تجھے طلاق ہوگی، اب وہ خود تو گھر نہیں گیا لیکن کسی دوسرے شخص نے اسے اٹھا کر جبراً گھر میں داخل کر دیا، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ شخص مذکور کی مرضی کے بغیر اسے اٹھا کر جبراً گھر میں لانے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الهندیة: فان احتمله غیره فادخله بغیر امره لم یحنث سواء کان راضیاً بذلک بقلبه او ساخطاً وسواء کان قادراً علی الامتناع او لم یکن۔ (الفتاوی الهندیة ج۲ ص۶۵ الباب الثالث فی الیمین علی الدخول والسکنی)[1]

کسی کے گھر جانے سے منع کرنے کیلئے طلاق پر قسم کھانا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کسی کے گھر جانے سے منع کرنے کے لیے کہا کہ اگر تو اس وقت فلاں کے گھر گئی تو تُو مجھ پر طلاق ہے، اب اگر اس کی بیوی اُسی وقت یا اس کے بعد اُس گھر گئی تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زوج کا قول اُسی مجلس سے خاص ہے، اگر بیوی اس مجلس سے اٹھ کر فلاں کے گھر چلی گئی تو طلاق ہے اور اگر اس مجلس کے بعد اس گھر گئی تو پھر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال المرغینانیؒ: ولو ارادت المرأة الخروج فقال ان خرجت فانت طالق فجلست ثم خرجت لم یحنث وکذلک ان اراد ضرب عبده فقال له آخر ان ضربته فعبدی حر فترکه ثم ضربه وهذه تسمی یمین فور تفرد ابو حنیفة باظهاره الخ۔ (الهدایة ج۲ ص۴۸۶ باب الیمین فی الخروج والاتیان والرکوب وغیر ذلک)[2]

---

[1] قال قاضیخانؒ: ولو حلف ان لا یدخل.... وان احتمله انسان وادخله فیها فان کان الحالف لا یقدر علی الامتناع لا یحنث فی قولهم وان کان یقدر ولم یمتنع وهو راض بقلبه اختلفوا فیه والصحیح انه لا یحنث۔ (فتاوی قاضیخان ج۲ ص۳۱۸، فصل فی الدخول، کتاب الایمان) ــــ ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۲ ص۱۶۵، الفصل السابع عشر فی الیمین فی الدخول۔

[2] قال ابن نجیمؒ: امرأة تهیأت للخروج فحلف لا تخرج فاذا جلست ساعة ثم خرجت لا یحنث لان قصده ان یمنعها من الخروج الذی تهیأت له فکانه قال ان خرجت الساعة ومنه من اراد ان یضرب عبده فحلف علیه لا یضربه فاذا ترکه ساعة بحیث یذهب فوره ذلک ثم ضربه لا یحنث۔ (البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج۴ ص۳۱۵ باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنی والاتیان وغیر ذالک) ــــ ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۲ ص۱۷۰ کتاب الایمان، الفصل الثانی عشر فی الخروج والاتیان والدعاء)

طلاق کے ساتھ متصل انشاء اللہ کہنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے کر ساتھ ہی متصلاً یہ کہے "انشاء اللہ تعالیٰ"۔ کیا اس طرح یہ طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب طلاق دینے کے بعد متصلاً انشاء اللہ تعالیٰ کہا جائے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

قال العلامة برهان الدين المرغينانيؒ: واذا قال الرجل لامرأته انت طالق انشاء الله متصلاً لم يقع الطلاق۔ (الهداية على صدر فتح القدير ج ۳ ص۴۲۶ كتاب الايمان فى الطلاق) [1]

اگر فلاں کام کیا تو طلاقی ہوں گا

سوال:۔ کسی شخص نے قسم اٹھاتے ہوئے یوں کہا "اگر اس نے فلاں کام کیا تو طلاقی ہوں گا"، کیا اس کام کے کرنے پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاقی عرف میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے بیوی کو طلاق دیدی ہو، اس لیے مذکورہ الفاظ کہنے کے بارے میں مستقل جزئیہ نہیں ملا لیکن عام قواعد سے اندازہ ہوتا ہے کہ حانث ہونے پر ایک طلاق واقع ہوگی۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: وقد تعورف فى عرفنا فى الحلف الطلاق يلزمنى لا افعل كذا يريد ان فعلته لزم الطلاق ووقع فيجب ان يجرى عليهم لانه صار بمنزلة قوله ان فعلت فانت طالق، وكذا تعارف اهل الارياف الحلف بقوله على الطلاق لا افعل۔ الخ

(ردّ المحتار على الدر المختار ج ۲ ص۴۶۹ باب الصريح) [2]

طلاق کے لیے کسی اور کو حق دینا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق اپنے والد کو اس طرح دیا کہ "میں فلاں ابن فلاں بقائمی ہوش وحواس

---

[1] قال العلامة التمرتاشيؒ: قال لها انت طالق انشاء الله تعالىٰ متصلاً مسموعاً لا يقع۔

(تنوير الابصار على هامش ردّ المحتار ج ۲ ص۵۵۲ باب التعليق)

وَمِثْلُهٗ فى كنز الدقائق ج۱ ص۱۲۳ باب التعليق۔

[2] وقال العلامة ابن نجيمؒ: وفى فتح القدير وقد تعورف فى عرفنا فى الحلف الطلاق يلزمنى لا افعل كذا يريد ان فعلته لزم الطلاق ووقع فوجب ان يجرى عليهم ـــــ الخ

(البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ۳ ص۲۵۲ باب الطلاق)

وَمِثْلُهٗ فى فتح القدير ج ۳ ص۴۲۶ كتاب الايمان فى الطلاق۔

برضا و رغبت، بلا کسی جبر و اکراہ کے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق اپنے والد کو تفویض کرتا ہوں، اس پر اس کے دستخط اور گواہ بھی موجود ہوں، کیا اس کے بعد والد بیٹے کی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق میں مطلقاً توکیل درست ہے، اس لیے اگر بیٹے نے باپ کو طلاق دینے کے اختیارات دیئے ہوں تو والد کسی وقت بھی ان اختیارات کو استعمال کر کے اپنے بیٹے کی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے، تاہم بیٹا کسی وقت بھی اس سے رجوع کر سکتا ہے جس کے بعد والد کو طلاق دینے کا حق باقی نہیں رہے گا۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: واما فی طلقی ضرتك او قوله لاجنبی طلق امرأتی فیصح رجوعه منه ولم یتقید بالمجلس لانه توکیل محض۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص۳۱۶ باب تفویض الطلاق) [1]

بیوی کو طلاق کا حق دینا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق کا حق سونپتے ہوئے کہا طلقی نفسك، تو کیا اس اختیار سے عورت تین طلاق بھی استعمال کر سکتی ہے، کیا اس سے تین طلاق واقع ہوں گی؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں چونکہ شوہر کی طرف سے بیوی کو اختیارِ کلی حاصل ہے لہٰذا اگر عورت تین طلاق استعمال کرنی چاہے تو بھی درست ہے بشرطیکہ شوہر نے تین کی نیت کی ہو ورنہ ایک طلاق کا اختیار تو عورت کو حاصل ہے ہی۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: قال لها طلقی نفسك هذا تفویض بالصریح ولا یحتاج الی النیۃ والواقع به رجعی وتصح فیه نیۃ الثلاث۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص۵۱۵ باب تفویض الطلاق) [2]

---

[1] قال العلامۃ طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ما یدل علی جواز الوکالۃ فی الطلاق وصحته ما نصه۔ وفی المحیط، سئل شمس الاسلام عمن قال لغیره طلق امرأتك فقال ذلك لغیر الحکم لك فقال ان کان الحکم لی طلقتها .... الخ

(خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص۸۹ کتاب الطلاق، جنس آخر فی التوکیل ..... الخ)

[2] وفی الهندیۃ: قال لها طلقی نفسك سواء قال لها ان [illegible] او لا فلها ان تطلق نفسها۔ (الفتاوی الهندیۃ ج ۱ ص۴۰۲ الفصل الاول فی المشیئۃ)

بَابُ تَفرِیقِ مَفقُودِ الخَبَرِ وَنَحوِہٖ

(مفقود الخبر وغیرہ کی تفریق کے مسائل)

مفقود الخبر کی بیوی کا نکاحِ ثانی کرنا

سوال:۔ ایک بالغ لڑکی کا نکاح ایک لڑکے سے کر دیا گیا، ابھی رخصتی عمل میں نہیں آئی کہ اس کا خاوند لاپتہ ہو گیا جس پر آٹھ سال گذر گئے ہیں، تمام ذرائع ابلاغ اور دستیاب وسائل سے اس کی تلاش کی گئی تاہم اس کی موت وحیات کا پتہ نہ چل سکا، لڑکی جوان ہے اور اسکا کوئی سرپرست بھی نہیں، کیا شریعت میں اس کیلئے فسخ نکاح کی کوئی صورت ہے تاکہ وہ کسی دوسری جگہ نکاح کرے۔

الجواب:۔ زوجۂ مفقود الخبر کے بارے میں فقہ حنفی کی جزئیات پر عمل کرنا مشکل ہے، کیونکہ مدتِ دراز تک بیوی کیلئے خاوند کا انتظار کرنا متعدد معاشی اور اخلاقی مسائل کا موجب بن سکتا ہے۔ اس لیے فقہاء کرام نے امام مالکؒ کے مذہب کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ آسانی کی صورت پیدا کی ہے کیونکہ بوقتِ ضرورت دوسرے فقہاء کے مذہب پر عمل کرنا مرخص ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وقد کان بعض اصحابنا یفتون بقول مالکؒ فی ھٰذہ المسئلة للضرورة ثم رأیت ما بحثته بعینه۔ ذکرہ محشی مسکین عن السید الحمویؒ وسیأتی نظیر ھٰذہ المسئلة فی زوجة المفقود حیث قیل انه یفتی بقول مالک انها تعتد عدة الوفاة بعد مضی اربع سنین۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۳ ص ۵۰۹ باب العدة)

وقال فی موضع اٰخر: وذکر الفقیه ابواللیثؒ فی تأسیس النظائر انه اذا لم یوجد فی مذهب الامام قول فی مسئلة یرجع الی مذهب مالکؒ لانه اقرب المذاهب الیه۔
(ردالمحتار علی الدرالمختار ج ، ص ۳۸۴)

وقال فی مذهب مالک زوجة المفقود: وقال فی الدرالمنتقی بأولٰی لقول القهستانی لو افتی به فی موضع الضرورة لا بأس به علی ما اظن (الی ان قال) وقد قال فی البزازیة الفتویٰ فی زماننا علی قول مالکؒ۔ (ردالمحتار جلد ۴ ص ۲۹۵ کتاب المفقود، مطلب فی الافتاء بمذهب مالکؒ فی زوجة المفقود)

اسلئے ایسی حالت میں امام مالکؒ کے مذہب پر عمل کرنا جائز ہے، چونکہ فقہاء احناف

نے اس پر عمل کی گنجائش پیدا کی ہے اس لیے یہ فقہ حنفی ہی کا حکم شمار ہوگا ۔

پس جس عورت کا خاوند لاپتہ ہوا اور چار سال اس کے لاپتہ ہونے پر گذر جائیں اور اس کی حیات وممات کے بارے میں کوئی معلومات نہ ہوں تو اب اگر عورت خاوند کے انتظار میں بیٹھی رہے تو اس کو نان ونفقہ کا مسئلہ درپیش ہوگا، اگر اخراجات کا مسئلہ کہیں سے حل ہو جائے لیکن بغیر خاوند کے بیٹھنے میں کسی بے راہروی کے شکار ہونے کا اندیشہ ہو تو اس حالت میں اپنے آپ کو کسی امتحان میں ڈالنے کے بجائے خلاصی کی صورت تلاش کرنا زیادہ مناسب ہے تاکہ عورت اپنی مرضی سے کسی دوسری جگہ نکاح کر سکے ۔

ایسی عورت کو علماء کرام یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ چار سال تک انتظار کرنے کے بعد کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں اپنا معاملہ لے جائے، عدالت ایک سال تک ممکنہ ذرائع سے اس کے خاوند کو تلاش کرے، اگر خاوند کہیں مل جائے یا اس کی موت قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو تو فبہا ونعمت، ورنہ ایک سال کی تحقیق کے بعد متعلقہ عدالت خاوند کی عورت کو فسخ نکاح کی ڈگری صادر کرے گی جو عورت کے حق میں طلاق بائن شمار ہوگی جس کی رو سے عدت گذارنے کے بعد یہ عورت دوسری جگہ نکاح، اسی حالت میں اگر خاوند کہیں سے آجائے تو عدالت کا فیصلہ اس کے آنے سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ بیوی دوسرے خاوند کے پاس رہے گی ۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس مسئلہ کے بارے میں یوں روشنی ڈالتے ہیں: ”مفقود کو باتفاق ائمہ مجتہدین اپنے مال کے بارہ میں اس وقت تک زندہ تسلیم کیا گیا ہے کہ جبتک اسکے ہم عمر وہم قرن لوگ زندہ پائے جائیں، جس وقت بستی میں اسکے ہم عمر لوگ ختم ہو جائیں اس وقت اس کی موت کا حکم کیا جاتا ہے یعنی قاضی اسکی موت کا حکم دیدیتا ہے اور اس کی میراث وغیرہ تقسیم کرنے کی اجازت ہو جاتی ہے، اس پر ائمہ ثلاثہ یعنی امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا اتفاق ہے۔ کما ھو مصرح فی کتبہم اور امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ اور بہت سے دوسرے مجتہدین نے زوجۂ مفقود میں بھی یہی حکم باقی رکھا کہ جبتک مفقود کے ہم عمر لوگ ختم نہ ہوں اس وقت تک وہ زندہ ہے اور حسب قاعدہ اسکی بیوی کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں، البتہ بعض صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک زوجۂ مفقود الخبر کو اسکے ہم عمروں کے ختم ہونے سے پیشتر بھی قاضی نکاح کی اجازت دے سکتا ہے یعنی جبکہ

اس مفقود کے ظاہر حال سے اس کی ہلاکت و موت کا غالب گمان ہو جیسے وہ شخص جو معرکۂ جنگ میں گم ہو گیا یا ایسے مرض کی حالت میں نکل گیا ہو جس میں موت کا گمان غالب ہے یا سمندر میں سفر کیا ہو اور ساحل پر پہنچنے کا پتہ نہ چلا ہو) اس قسم کی صورتوں میں اتنا انتظار کر کے موت کا حکم دے دیا جاوے گا کہ جس میں حاکم کو مفقود کے فوت ہو جانے کا غلبۂ ظن ہو جاوے اور اس حکم بالموت کے بعد اس کی عورت کو عدتِ وفات گذار کر نکاح کر لینا جائز ہو گا۔

کما فی الشامیة تحت قول الدر (واختار الزیلعی تفویضه الی الامام) قال فی الفتح فای وقت رأی المصلحة حکم بموته (الی ان قال) ومقتضاه انه یجتهد ویحکم بالقرائن الظاهرة الدالة علی موته وعلیٰ هٰذا یبتنی ما فی الجامع الفتاویٰ حیث قال واذا فقد فی المهلکة فموته غالب فیحکم به کما اذا فقد فی وقت الملاقات مع العدو او قطاع الطریق او سافر علی المرض الغالب هلاکه او کان سفره فی البحر وما اشبه ذٰلک حکم بموته لانه الغالب فی هٰذه الحالات وان کان احتمالین واحتمال موته ناشئ عن دلیل لا احتمال حیاته لان هٰذا الاحتمال کاحتمال ما اذا بلغ المفقود مقدار ما لا یعیش علی حسب ما اختلفوا فی مقداره نقل عن الغنیة انتهیٰ ما فی جامع الفتاویٰ وافتی به بعض مشائخنا وقال انه افتی به قاضی زاده صاحب بحر الفتاویٰ لکن لا یخفی انه لا بد من مضی مدة طویلة حتی یغلب علی الظن موته لا بمجرد فقده عند ملاقات العدو او سفر البحر ونحوه۔
(رد المحتار ص ۳۶۳ ج ۳ مطلب فی الافتاء بمذهب مالک فی زوجة المفقود)

اس قسم کی صورتوں کے علاوہ فقہ حنفی میں زوجۂ مفقود کے واسطے اس کے سوا کوئی گنجائش نہیں کہ مفقود کے ہم قرن لوگوں کے ختم ہونے پر قاضی اس کی موت کا حکم کر دے اور بعد ازاں عورت عدتِ وفات گذار کر نکاح کرے۔

لیکن امام مالکؒ نے چند شرائط کے ساتھ (جن کی تفصیل عنقریب آتی ہے) ہر حال میں (یعنی ہلاک مظنون ہو یا نہ ہو) مفقود کی بیوی کو حکمِ حاکم کے بعد چار سال انتظار کر کے عدت گذرنے پر دوسرا نکاح کرنے کی اجازت دیدی ہے اور امام احمدؒ نے بھی مفقود کی بعض صورتوں میں چار سال کی مدت کو اختیار فرمایا ہے۔ کما فی المغنی ج ۹ ص ۱۳۳)

اور ہر چند کہ حنفیہ کا مذہب از روئے دلیل نہایت قوی اور غایت احتیاط پر مبنی ہے مگر فقہاء حنفیہؒ میں سے بعض متاخرین نے وقت کی نزاکت اور فتنوں پر نظر فرماتے ہوئے اس مسئلہ میں امام مالکؒ

کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ اور منتقیؒ نے قہستانیؒ کا (جو چوتھی صدی ہجری کے مشائخ حنفیہ میں ہیں) کا قول نقل کیا ہے : لو افتیٰ بہ فی موضع الضرورۃ یجاز ۔ (ج ۳ ص ۳۶۲ مطلب قضاء القاضی علیٰ ثلاثۃ اقسام) اور ایک عرصہ سے ارباب فتویٰ اہل ہند و بیرون ہند تقریباً سب نے اسی قول پر فتویٰ دینا اختیار کر لیا ہے اور یہ مسئلہ اس وقت ایک حیثیت سے فقہ حنفی ہی میں داخل ہو گیا ہے، لیکن جب تک عورت صبر کر سکے اس وقت تک اصل مذہب حنفی پر عمل کرنا لازم ہے، ہاں بوقتِ ضرورتِ شدیدہ کہ مثلاً خرچ کا انتظام نہ ہو سکے یا بوجہ خوف معصیت کے بیٹھنا مناسب نہ ہو سکے تو اس وقت مذہب مالکیہ پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور ایسے ہی مواقع کے لیے یہ فتویٰ مرتب کیا گیا ہے، مگر کسی مسئلہ میں دوسرے امام کا مذہب لینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں اس امام کے نزدیک جو شرطیں ہوں ان سب کی رعایت کی جاوے ۔ لما فی الدر المختار من ان الحکم الملفق باطل بالاجماع قال الشامیؒ تحتہ مثالہ متوضئ سال من بدنہ دم ولمس امرأۃ ثم صلی فان صحت ھٰذہ الصلوٰۃ ملفقۃ من مذھب الشافعی والحنفی والتلفیق باطل فصحتہ منتفیۃ اھ ۔ وایضاً قال الشامیؒ عن الشرنبلالیؒ تحت قول الدر وان الرجوع عن التقلید بعد العمل باطل اتفاقاً وانہ یجوز لہ العمل بما یخالف ما عملہ علیٰ مذھبہ مقلداً فیہ غیر امامہ مستجمعاً شرطہ ۔ (ج ۱ ص ۵۵ مطلب لا یجوز العمل بالضعیف) لہٰذا مسئلہ مفقود الخبر میں مالکیہ کی تمام شرائط کا معلوم کرنا لازم ہوا اور شامی وغیرہ میں احناف نے اس کے متعلق جو مذہب مالکیہ نقل کیا ہے وہ محض اجمال تھا اور مسئلہ کی پوری تنقیح اور اس کے تمام قیود و شرائط علمائے مالکیہ ہی سے معلوم ہو سکتے تھے اس لیے اس ضرورت کا احساس کر کے مالکی المذہب ارباب فتویٰ کی خدمت میں مدینہ طیبہ (زادھا اللہ شرفاً و نوراً) مفصل استفتاء بھیجا گیا، وہاں کے متعدد علمائے محققین نے نہایت تفصیل و توضیح کے ساتھ جوابات تحریر فرمائے، لیکن پھر ان میں کچھ شبہات باقی رہے اور بعض نئے سوالات پیدا ہوئے اس لیے مکرر ان حضرات کو تکلیف دی گئی، مکرر جوابات کے بعد بھی کچھ اور سوالات کی ضرورت ہوئی تو سہ بارہ ان کی خدمت میں سوالات بھیج کر جوابات حاصل کئے، یہ تمام مراسلت کتب خانہ مدرسہ امداد العلوم خانقاہ تھانہ بھون میں محفوظ ہے اور ان فتاویٰ کا مجموعہ آخر رسالہ میں ملحق کر دیا گیا ہے، ان فتاویٰ کی جس جس عبارت سے ہمارے سوالات کا جواب ملتا ہے ان سب پر الفاظ سے نمبر شمار ڈال دیئے گئے ہیں اور جوابات مندرجہ ذیل ہیں، ان عبارات کے صرف حوالہ پر اکتفاء کیا گیا ہے کیونکہ عوام کو تو عربی عبارات کی ضرورت نہیں اور اہل علم اس نمبر کے حوالہ سے آخر رسالہ میں

استدلال کی عبارت خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں، اب سوالات اور جوابات اردو میں یہاں درج کیے جاتے ہیں:۔

سوالات

کیا فرماتے ہیں علمائے مالکیہ مسائل ذیل میں کہ:۔

(اوّل) جو شخص مفقود الخبر (لاپتہ) ہو اور باوجود تحقیق و تفتیش کے اس کا حال معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مر گیا کیا اس کی زوجہ کے لیے حق ہے کہ وہ کسی طرح اپنے کو اس کی زوجیت سے نکال کر دوسرا نکاح کر سکے، اگر یہ حق ہے تو کیا اس کو کچھ مدت انتظار کرنے کی ضرورت ہے یا بلا مہلت اس کو اختیار دے دیا جائے گا؟

(دوم) اگر مہلت دی جاوے گی تو اس کی ابتدا کب سے شمار ہوگی؟ مرافعہ اور مخاصمہ کے وقت سے یا گم ہونے کے وقت سے یا حکم حاکم کے بعد سے؟

(سوم) کیا زوجۂ مفقود فسخ نکاح میں خود مختار ہے یا قضاء قاضی شرط ہے اور صورت فسخ کی کیا ہوگی؟

(چہارم) اگر قضائے قاضی شرط ہے تو کیا قاضی پر بھی یہ بات لازم ہے کہ پہلے مفقود کی خود تفتیش و تلاش کرے، جب اس کو مایوسی ہو جائے اس وقت زوجہ کو کوئی مہلت وغیرہ دے یا عورت اور اس کے اولیاء کا تلاش کر لینا کافی ہے؟

(پنجم) جن بلاد میں قاضی شرعی موجود نہیں جیسے ہندوستان وغیرہ تو وہاں اسکی کیا صورت کی جائے؟

(ششم) مفقود کا حکم دار الحرب اور دار الاسلام میں یکساں ہے یا مختلف؟ اگر مختلف ہے تو پھر ہندوستان جیسے ممالک جن میں کروڑوں مسلمان آباد ہیں وہ دار الاسلام سمجھے جاویں گے یا دار الحرب؟ (اعینونا اعانکم اللہ تعالیٰ)

جوابات

(جواب سوال اوّل) زوجۂ مفقود کے لیے مالکیہ کے نزدیک مفقود کی زوجیت سے علیحدہ ہونے کی دار الاسلام میں صورت یہ ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں مرافعہ کرے اور بذریعہ شہادتِ شرعیہ یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا، (اگر نکاح کے عینی گواہ موجود نہ ہوں تو اس معاملہ میں شہادت بالتسامع بھی کافی ہے یعنی شہرتِ عام کی بناء پر بھی شہادت دی جا سکتی ہے۔ کما فی المنتقی[1] للباجی المالکی ص۲۰۳ ج۵ کتاب الاقضیۃ) (فرع) واما النکاح ففی العتبیۃ عن سحنون قال جل اصحابنا یقولون فی النکاح اذا استفشٰی خبرہ فی الجیران ان فلاناً تزوج فلانۃ

وسمع الزفاف فله ان يشهد ان فلانة زوجة فلان الخ) اس کے بعد گواہوں سے اس کا مفقود الاپتہ ہونا ثابت کرے بعدازاں قاضی خود بھی اس مفقود کی تفتیش وتلاش کرے اور جب پتہ ملنے سے مایوسی ہو جائے تو عورت کو چار سال مزید انتظار کا حکم کرے، پھر اگر ان چار سال کے اندر بھی مفقود کا پتہ نہ چلے تو مفقود کو اس چار سال کی مدت ختم ہونے پر مُردہ تصوّر کیا جائے گا، اور نیز ان چار سال کے ختم ہونے کے بعد چار ماہ دس دن عدتِ وفات گذار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔ اور اب چار سال گذرنے کے بعد دوبارہ قاضی کی عدالت میں درخواست دینا اور عدتِ وفات کے لیے حکم حاصل کرنا مالکیہ کے نزدیک ضروری نہیں بلکہ قضائے قاضی صرف اول بار بوقتِ تاجیل ضروری ہے۔ کما صرح بذلک فی شرح الدرر۔ (ص۳ ج ۱) حيث قال الخليل فيؤجل الحر اربع سنين (الى قوله) ثم اعتدت عدة الوفاة وسقطت بها النفقة ولا يحتاج فيها الاذن، وقال الدردير تحته لاذن من الحاكم لان اذنه حصل بضرب الاجل اولاً اھ۔ ويأتى فى الرواية السابعة من فتوى العلامة محمد طيب بن اسحٰق مفتى المالكية بالمدينة المنورة۔ مگر احتیاط اس میں ہے کہ جب وہ چار سال جو قاضی نے مقرر کیے تھے ختم ہوچکیں تو دوبارہ درخواست دے کر قاضی سے حکم بالموت بھی حاصل کر لیا جائے تاکہ مذہب حنفیہ کی حتی الوسع[عہ] رعایت ہوجائے لیکن جس جگہ قاضی وغیرہ کو دوبارہ مرافعہ دشوار ہو وہاں بغیر مرافعہ دشوار ہو وہاں بغیر مرافعہ ثانی کے ہی عمل کرنے میں مضائقہ نہیں۔

یہ حکم مذکور تو دار الاسلام میں تھا اور دار الحرب میں زوجۂ مفقود کا جمہور مالکیہ کے نزدیک

[عہ] کیونکہ ان کے نزدیک مفقود کے تمام ہم عمروں کے ختم ہوجانے پر بھی حکم بالموت حاصل کرنا شرط ہے۔ کما فی شرح الدر عن القنية انه انما يحكم بموته بقضاء لانه امر محتمل فما لم ينضم اليه القضاء لا يكون حجة اھ اور مقتضائے قواعد واحتیاط ہونے کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے کہ عورت کی دوبارہ درخواست پر موتِ مفقود کا حکم کرکے عدتِ وفات گذارنے کا حکم دیا تھا۔ اور مسئلہ مفقود میں مالکیہ کے مذہب کی اصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا فیصلہ ہے پھر نہ معلوم اس جزو میں کیوں خلاف کرتے ہیں۔ نیز عنین کو قاضی کی طرف سے سال بھر کی مہلت ملنے کے باوجود بھی زوجۂ عنین کو اس سال کے گذر جانے پر دوبارہ درخواست دینی پڑتی ہے اس میں حنفیہ کے ساتھ مالکیہ بھی متفق ہیں پس نہ معلوم انہوں نے عنین اور مفقود میں کیا فرق سمجھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ

تو وہی حکم ہے جو حنفیہ کے نزدیک ہے یعنی جب تک اس کے ہم عمر لوگ زندہ ہیں اس وقت تک اس کی بیوی کے لیے اس کے نکاح سے جدا ہونے اور دوسرا نکاح کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ کما فی الرواية الثالثة من فتوى العلامة سعيد بن صديق مفتى المالكية بالمدينة الطاهرة زادها الله تعالىٰ شرفا واجلالاً۔ (اور بعض حضرات نے اس کی مدت طبعی عمر کے لحاظ پر متعین بھی کر دی ہے جس میں مختلف اقوال ہیں، بعض کے نزدیک نوّے ۹۰ برس، بعض کے نزدیک پچھتر ۷۵ برس بعض کے نزدیک ستر ۷۰ برس وغیر ذلك۔ ولكن الاولىٰ ان يفوض الىٰ راى اهل الخبرة واهل العلم بحاله من صحته وسقمه وقوته وضعفه) مگر اشہب نے (جو کہ امام مالکؒ کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں اور فقہاء مالکیہ میں بلند پایہ مقام رکھتے ہیں) دار الحرب میں بھی زوجۂ مفقود الخبر کا وہی حکم رکھا ہے جو دار الاسلام میں گذر چکا ہے۔ کما ذكره ابن رشد فى مقدماته (مدونة ص۱۵۶ ج۲) حيث قال واما المفقود فى بلاد الحرب فحكمه حكم الاسير لا تتزوج امرأته ولا تقسم ماله حتى يعلم موته او يأتى عليه من الزمان ما لا يحيىٰ الىٰ مثله فى قول اصحابنا كلهم حاشا اشهب فانه حكم له بحكم المفقود فى المال والزوجة جميعًا اھ۔

(جواب سوال دوم) حاکم جو چار سال انتظار کے لیے مقرر کرے گا اس کی ابتداء اس وقت سے کی جاوے گی جس وقت حاکم خود بھی تفتیش کر کے پتہ چلنے سے مایوس ہو جائے اور قاضی کی عدالت میں پہنچنے اور اس کی تفتیش سے قبل خواہ کتنی ہی مدت گذر چکی ہو اس کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔ کما فى اول الفتوىٰ من العلامة سعيد بن صديق المالكى ويؤيده باوضح وجه ما فى الرواية العشرين من العلامة الموصوف۔

(جواب سوال سوم) زوجۂ مفقود کسی صورت میں اس کے نکاح سے خارج ہونے خود مختار نہیں بلکہ ہر حال میں قضائے قاضی شرط ہے۔ کما هو مصرح فى الرواية العشرين من الامام مالك رحمه الله، اور صورت مرافعہ اور فسخ کی سوال اول کے جواب میں گذر چکی ہے۔

(جواب سوال چہارم) ہاں قاضی پر بھی ضروری ہے کہ صرف عورت اور اسکے اولیاء کی تفتیش اور اُن کے بیان پر اکتفا نہ کرے بلکہ خود قاضی بھی تلاش کرائے اور تلاش کرنے کی صورت یہ ہے کہ قاضی و حاکم کو جہاں جہاں مفقود کے جانے کا غالب گمان ہو وہاں وہاں آدمی بھیجا جاوے۔ کما فى شرح الدردير ص۳۹۹ من حين العجز عن خبره بالبحث عنه فى الاماكن التى يظن ذهابه اليها من البلد ان بان يرسل الحاكم رسولاً بكتاب لحاكم تلك الاماكن مشتمل على صفة الرجل وحرفته

ونسبہ لیفتش عنہ فیہا ا ھ۔ اور جس جگہ جانے کا گمان غالب نہ ہو صرف احتمال ہو وہاں اگر خط کو کافی سمجھے تو وہاں خطوط بھیجکر تحقیق کرے اور اگر اخبار میں شائع کردینے سے خبر ملنے کی اُمید ہو تو یہ بھی کرلے، الغرض تفتیش میں پوری کوشش اور جہدِ بلیغ کرے کما لا یخفیٰ اور جب تلاش کے بعد پتہ ملنے سے مایوس ہوجائے اُس وقت مذکورۃ الصدر طریق پر چار سال مزید انتظار کا حکم کرے۔ کما فی الروایۃ العشرین من فتوی العلامۃ سعید بن صدیق مفتی المالکیۃ بالمدینۃ المنورہ (زادہا اللہ شرفًا) اور تفتیش کے مصارف کی بابت فقہائے مالکیہ میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ عورت کے ذمہ ہے اور بعض نے کہا کہ بیت المال کے ذمے ہے، اور بعض کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر زوجہ[عہ] کے پاس مال ہو تو مصارفِ تفتیش اس کے ذمہ ہوں گے، کما فی الروایۃ الخامس عشر من فتوی العلامۃ الفاہاشم[عہ] اور جس جگہ بیت المال نہ ہو جیسے ہندوستان وغیرہ، اگر ان مواقع میں حکومت مصارف برداشت کرے تو بہتر ہے ورنہ مسلمانوں سے چندہ کرلیا جائے۔

(جواب سوالِ پنجم) جن بلاد میں قاضی شرعی موجود نہیں جیسے اسلامی ریاستوں کے علاوہ ہندوستان کے تمام شہروں کا حال ہے تو وہاں وہ حکام جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات کے تصفیہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور فیصلہ شریعت کے موافق کریں تو اُن کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کا قائم مقام ہوجاتا ہے جیسا کہ اس جُزء (دوم) کے مقدمہ میں مفصل گذر چکا ہے، اور اگر مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا اس کی عدالت سے فیصلہ شریعت کے مطابق نہ ہوتا ہو تو پھر مذہب مالکیہ کے موافق دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت پنچایت کرکے حسبِ بیان مذکور تحقیق کرے اور تحقیقِ کامل کے بعد فیصلہ کردے تو یہ فیصلہ بھی قضائے قاضی کے حکم میں ہوجائے گا لیکن پنچایت کا ان شرائط کے موافق ہونا ضروری ہے جو مقدمہ میں گذر چکی ہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔

تتمہ ھٰذا الجواب

اگر زوجۂ مفقود ایسی جگہ چلی جاوے جہاں قاضی شرعی یا مسلمان حاکم موجود ہو اور وہ اس کے پاس مقدمہ دائر کرے تو اس کا فیصلہ بھی زوجۂ مفقود کے لیے کافی ہے۔ فانہا اذا دخلت فی بلد القاضی دخلت

[عہ] وھٰذا القول الثالث اعدل الاقاویل عندنا، واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ

[عہ] افسوس ہے کہ علامہ موصوف اس فتوے کی اشاعت سے قبل ہی رحلت فرماگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ۱۲ منہ

تحت ولایته واما المفقود فالولایة علیه لیس[ع] بشرط کما لا یخفی، لیکن اگر زوجۂ مفقود یا زوجۂ عنین تنہا کسی قاضی کے علاقہ میں چلی جائے تو قاضی کا فیصلہ معتبر نہ ہوگا بلکہ یہ ضروری ہے کہ مجنون و عنین بھی اس قاضی کے علاقہ میں ہوں۔

[ع] اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ مفقود الخبر جس جگہ کا باشندہ ہے وہاں کے قاضی کی ولایت گو اس وقت تو اس پر ثابت نہیں مگر پیشتر اس کے اس پر ولایت تھی اس واسطے ولایت اصلیہ کی بنا پر وہاں کے قاضی کی قضاء نافذ ہوسکتی ہے اور جس قاضی کی ولایت میں اول ہی سے نہ تھا اس کی قضاء نافذ نہ ہونا چاہیئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نفاذِ قضاء کے لیے ولایت حال شرط ہے ولایت سابقہ معتبر نہیں، پس سب جگہ کے قاضی مفقود کے بارہ میں یکساں شمار ہوں گے۔ وھذا لما فی رد المحتار ج ۲ ص۵۱۵ باب الولی مطلب لا یصح تولید الصغیر شیئا علی الصغیرات ص۳۱۴ المجلد الثانی مطبع دار احیاء تراث العربی) تحت قول الدر صغیرة زوجت نفسها ولا ولی ولا حاکم ثمة توقف و نفذ باجازتها بعد بلوغها لان له مجیزاً وهو السلطان۔ قوله ولا حاکم ثمة ای فی موضع العقد قوله توقف هذا مبنی علی کفایة ذلك المكان تحت ولایت السلطان وان لم یکن تحت ولایة قاض وعلیه فبطلان العقد یتصور فیما اذا کان فی دار الحرب او البحر او المفازة ونحو ذلك بخلاف القری والامصار ویدل علیه ما فی الفتح فی فصل الوکالة بالنکاح حیث قال وما لا مجیز له ای ما لیس له من یقدر علی الاجازة یبطل کما اذا کانت تحت حرة فزوجه الفضولی امة او اخت امرأته او خامسة او زوجه معتدة او مجنونة او صغیرة او یتیمة فی دار الحرب او اذا لم یکن سلطان ولا قاض لعدم من یقدر علی الامضاء حالة العقد فوقع باطلاً۔ اھ۔ چونکہ اس روایت میں مجنونة او صغیرة فی دار الحرب عام ہے اس کو کہ وہ مجنونہ یا صغیرہ اول ہی سے دار الحرب میں ہو یا پیشتر دار الاسلام میں تھی اور اب دار الحرب میں چلی گئی، اس عموم کی وجہ سے ثابت ہوا کہ ولایت سابقہ کا اعتبار نہیں ورنہ اس مجنونہ وصغیرہ کا جو دار الاسلام سے گئی ہو اعتبار ہوتا۔ ونیز قول الشامی ای فی موضع العقد اور ذلك المکان تحت ولایت السلطان کے لفظ سے واضح ہے کہ ولایت کے لیے سلطان و قاضی کے علاقہ میں ہونا شرط ہے۔ اور مالکیہ نے تو اس کی صاف تصریح کی ہے، چنانچہ شرح دردیر میں ہے (ولا یزوج) (القاضی) (امرأة) ای لا یتولی عقد نکاحها حیث لا ولی لها الا الحاکم (لیست بولایته) بان کانت خارجة عنها اذ لا ولایت علیها وان کان اصلها من اهلها۔ اھ (ص۲۹۹ جلد۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۲ منہ

(ماخوذ از حیلۂ ناجزہ از ص۵۹ تا ص۶۶)

(جواب سوال ششم) مفقود کا حکم دار الحرب اور دار الاسلام میں مختلف ہے جیسا کہ سوال اول کے جواب میں مفصل گذر چکا ہے۔

مگر علمائے مالکیہ کے فتاوی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان و مصر و شام وغیرہ ممالک کہ جن میں باوجود حکومت کافر مسلط ہو جانے کے شعائرِ اسلام ہنوز قائم ہیں ان سب میں مفقود کا حکم وہی ہے جو دار الاسلام میں ہے بلکہ جس دار الحرب میں شعائرِ اسلام بھی موجود نہ ہوں مگر وہاں مسلمانوں کو صلح وغیرہ کی وجہ سے آنا جانا اور تفتیش کرنا ممکن ہو تو اس دار الحرب میں بھی مفقود کا وہی حکم ہے جو دار الاسلام میں ہے پس اصل بنا امکانِ تفتیش ہے۔ اس لیے ہندوستان کے دار الحرب ہونے میں جو علماء کا اختلاف ہے اس کا اس مسئلہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا اور زوجۂ مفقود کو ان ممالک میں چار سال کی مہلت کے بعد عدتِ وفات گذار کر نکاحِ ثانی کا اختیار دیدیا جاوے گا کما فی الروایۃ الخامسۃ للعلامۃ الفاهاشم اھ۔ والخامسۃ والعشرین للعلامۃ الطیب رحمہ اللہ۔

نامرد شخص کی بیوی کی علیحدگی کا مسئلہ

سوال:- ایک شخص نے کسی عورت سے باقاعدہ نکاح کر لیا، رخصتی کے بعد عورت کو معلوم ہوا کہ خاوند حقوقِ زوجیت کی ادائیگی پر قادر نہیں، اب یہ عورت اگر خاوند سے علیحدگی حاصل کرنا چاہے تو از روئے شرع اس کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب:- جس عورت کا خاوند پیدائشی طور پر یا کسی ضعف و کمزوری یا کسی بیماری کی وجہ سے جماع پر قادر نہ ہو فقہاء کی اصطلاح میں اس شخص کو عنین کہا جاتا ہے ایسے شخص کیلئے بہتر یہی ہے کہ جب اس کو اپنی کمزوری کا یقین ہو جائے یہاں تک کہ کہیں ایک دفعہ بھی جماع پر اس کو قدرت حاصل نہ رہی ہو، علاج و معالجہ سے بھی اس کو قوت کی بحالی ممکن نظر نہیں آتی ہو تو یہ شخص خود عورت کو طلاق دے کر فارغ کر دے تا کہ عورت عدت گذارنے کے بعد باقاعدہ دوسری جگہ نکاح کر کے سکون و اطمینان کی زندگی گذار سکے، اسی حالت میں اگر ایک دفعہ بھی خلوتِ صحیحہ ہوئی ہو تو خاوند کو حق مہر بھی ادا کرنا ہوگا۔

اگر خاوند باعزت طریقے سے عورت کو آزاد کرنے پر تیار نہ ہو تو پھر عورت مجبور ہو کر اپنا مقدمہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں لے جا سکتی ہے، حاکمِ وقت تحقیق کے بعد اپنے صوابدیدی اختیارات بروئے کار لاتے ہوئے عورت کو فسخ نکاح کی ڈگری دے سکتا

ہے جو عورت کے حق میں طلاق بائن متصور ہوگی اور وہ عدتِ طلاق گذارنے کے بعد آزاد ہو کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔ لیکن یہ اقدام بھی چند شرائط پر مبنی ہے، چنانچہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ان شرائط کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

پہلی شرط یہ ہے کہ نکاح سے پیشتر عورت کو اس شخص کے عنین ہونے کا علم نہ ہو پس اگر اس وقت علم تھا اور باوجود معلوم ہونے کے نکاح کیا ہے تو اب اس کو تفریق کا حق نہیں مل سکتا۔ لما فی الهندية: ان علمت المرأة وقت النكاح انهٗ عنين لا يصل الى النساء لا يكون لها حق الخصومة۔ وفی الدر المختار: تزوج الاولى او امرأة اخرىٰ عالمة بحاله لاخيار لها على المذهب المفتى به۔ بحر عن المحيط خلافا لتصحيح الخانية۔ (الفتاوى الهندية ج ٢ ص ٥٢٤ الباب الثاني عشر في العنين)

دوسری شرط یہ ہے کہ نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی اس عورت سے جماع نہ کیا ہو اور اگر ایک مرتبہ جماع کرچکا ہے اور پھر عنین ہوگیا تو عورت فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا۔ لما فی الدر المختار: فلو جُبَّ بعد الوصول اليها۔ (ج ٢ ص ٦٤٤ باب العنين) مرة قال الشامي: قوله مرة وما زاد عليها فهو مستحق ديانة لا قضاء بحر عن جامع قاضيخان ويأثم اذا ترك الديانة متعنتا مع القدرة على الوطى۔ (باب العنين ج ٢ ص ٦٤٥ مطلب باب العنين وغيره)

تیسری شرط یہ ہے کہ جب سے عورت کو شوہر کے عنین ہونے کی خبر ہوئی ہے اس وقت سے عورت نے اس کے ساتھ رہنے پر رضا کی تصریح[عه] نہ کی ہو مثلاً یہ نہ کہا ہو کہ جیسا بھی ہے اب تو میں اسی کے ساتھ زندگی بسر کروں گی کیونکہ اگر وہ اپنی رضا کی تصریح کرچکی ہو تو پھر اس کو مطالبۂ تفریق کا حق نہیں رہتا ہاں محض سکوت[عه] سے اس جگہ رضا نہ

[عه] یعنی زبان سے کہہ دیا ہو خواہ تنہائی میں یا کسی کے سامنے۔ كما يدل عليه اطلاق ما لم تقل في الرواية الاتية ۔ اور تاجیل سے پیشتر بعد از تاجیل كما هو المصرح في البدائع ونصه هذا فالنص هو تصريح اسقاط الخيار وما يجري مجراه سواء كان ذلك بعد تخيير القاضي او قبله اھ مختصراً۔ ١٢ منه

[عه] بلکہ تقبیل ومضاجعت وغیرہ افعال بھی موجب رضا نہیں۔ كما هو المصرح في الدر عن الخانية۔ ١٢ منه

سمجھی جائے گی۔ لما فی الدر المختار: فلو وجدتہ عنینا او مجبوبا ولم تخاصم زمانا لم یبطل حقہا۔ قال الشامی قولہ لم یبطل ای مالم تقل رضیت بالمقام معہ کذا قیدہ فی التاتارخانیۃ عن المحیط۔ (الدر المختار ورد المحتار ج ۲ ص ۶۴۴ باب العنین وغیرہ۔ مطلب فی طبائع فصول السنۃ الاربع)

چوتھی شرط یہ ہے کہ جس وقت سال بھر کی مدت گذرنے کے بعد قاضی عورت کو اختیار دے تو عورت اُسی مجلس میں تفریق کا اختیار حاصل کرے، پس اگر اس مجلس میں اُس نے اپنے خاوند کے ساتھ رہنا پسند کر لیا یا اس قدر سکوت کیا کہ مجلس برخاست ہو گئی خواہ اس طرح کہ یہ عورت مجلس سے اٹھ گئی یا اس طرح کہ قاضی مجلس سے کھڑا ہو گیا تو اب اُس کا اختیار باطل ہو گیا اب کسی طرح تفریق نہیں ہو سکتی۔

لما فی الہندیۃ: فان اختارت زوجہا او قامت عن مجلسہا او اقامہا اعوان القاضی او قام القاضی قبل ان تختار بطل خیارہا وکذا فی المحیط۔
(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۵۲۴ الباب الثانی عشر فی العنین)۔

ونیز مجلس برخاست ہونے اور عورت کے اٹھ جانے کے علاوہ اور صورتیں بھی ایسی ہیں جن سے مجلس بدل جاتی ہے اور اختیار باطل ہو جاتا ہے، مثلاً عورت کوئی دوسری گفتگو کرنے لگی یا نماز پڑھنے لگی، وغیر ذلک مما یدل علی الاعراض، اور تبدل مجلس شامی باب تفویض الطلاق سے معلوم ہو سکتی ہے۔ والدلیل علی ان بطلان الخیار لا یختص بقیامہا وقیام القاضی بل کل ما یدل علی الاعراض یبطل الخیار۔ قول الدر حیث قال لو وجد منہا دلیل اعراض بان قامت الخ۔ لان ھذا یدل علی ان القیام ذکر حیث ذکر تمثیلاً والمراد مطلق الاعراض، ھذا ما عندنا واللہ اعلم بالصواب۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ عنین کو سال بھر کی مہلت دینا اور سال گذرنے پر عورت کو اختیار دینا اور بعد ازاں اگر خاوند طلاق سے انکار کرے تو تفریق کر دینا وغیرہ یہ سب امور جن کا ذکر اوپر مفصل ہو چکا قضائے قاضی کے محتاج ہیں بدُون حکم قاضی کے از خود عورت کو تفریق کا اختیار نہیں۔

کما فی ردّ المحتار تحت قول الدر: ولا عبرۃ بتاجیل غیر قاضی البلدۃ لان ھذا مقدمۃ امر لا یکون الا عند القاضی وھو الفرقۃ فکذا مقدمۃ۔ والولجیۃ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۶۴۶ باب العنین وغیرہ مطلب فی عطف الخاص علی)۔ (الحیلۃ الناجزۃ ص ۱۴۷ تا ص ۱۴۹)

سزا یافتہ قیدی کی بیوی کا حکم

سوال :۔ اگر کسی شخص کو کسی جرم کی پاداشں میں عدالت کی طرف سے عمر قید کی سزا ہوجائے تو اس کی بیوی کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب ، ایسے شخص کی بیوی تاحیات صبر کرے گی، اس لیے کہ اس شخص پر مفقود کی تعریف صادق نہیں آتی اس لیے کہ یہ مفقود کے حکم میں نہیں ۔

لما قال الشیخ ظفر احمد العثمانی رحمہ اللہ : یہ شخص مفقود نہیں کیونکہ مفقود وہ ہے جس کی موت اور حیات کا علم نہ ہو اور اِس شخص کی جگہ بھی معلوم ہے، حیات بھی معلوم ہے، لہٰذا یہ مفقود نہیں بلکہ متعنت ضار ہے ۔۔۔۔۔۔ اِس صورت میں امام مالکؒ کے نزدیک بھی وسعت نہیں، لہٰذا زید کی بیوی بدون زید کی طلاق یا موت کے کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کرسکتی۔ (امداد الاحکام جلد۲ ص۷۱ کتاب الطلاق باب التفریق)[1]

مُرتد کی بیوی کا حکم

سوال :۔ اگر ایک مسلمان شخص دشمنانِ اسلام کے جال میں پھنس کر مرتد ہوجائے (العیاذ باللہ) تو ایسی حالت میں اس کی بیوی کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب :۔ خاوند کے مُرتد ہوجانے سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے لہٰذا عورت عدت گزارنے کے بعد آزاد ہوکر باقاعدہ دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے ۔

لما فی الھندیۃ : ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقۃ بغیر طلاق فی الحال ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۳۳۹ الباب العاشر فی نکاح الکفار)[2]

---

[1] قال الشیخ المفتی عزیز الرحمٰنؒ : مفقود الخبر کا حکم دوسرا ہے، اور جس کو سزا دریائے شور دی گئی وہ مفقود الخبر نہیں اور اس کی زوجہ دوسرا عقد شوہر کی زندگی میں نہیں کرسکتی، اور مفقود الخبر وہ ہے جس کا نشان و پتہ اور موت و حیات کچھ معلوم نہ ہو اس کو ایک وقت مقرر پر شرعاً موت کا حکم دے دیا جاتا ہے ۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۱۰ ص۲۷۹ کتاب الطلاق)

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ : وارتداد احد الزوجین فسخ فلا ینقص عدد عاجل بلا قضاء ۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۵ باب نکاح الکافر ۔ مطلب الصبی والمجنون لیسا باھل لایقاع طلاق بل للوقوع)

ومثلہٗ فی الھدایۃ ج۲ ص۳۲۷ باب نکاح اھل الشرک ۔

متعنت کی زوجہ کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! میرا نکاح آج سے چھ سال قبل ہوا تھا، دو تین سال گذرنے کے بعد ہمارے گھریلو حالات خراب ہو گئے اور میرے شوہر نے مجھے میرے والدین کے گھر بھیجدیا اور آج تک میری خبر نہیں لی، میں اس مصیبت سے کیسے خلاصی حاصل کر سکتی ہوں؟

الجواب:۔ متقدمین علماء کے ہاں تو اس قسم کے عوارضات کی وجہ سے عدالت یا مسلمان حاکم نکاح فسخ کرنے کا مجاز نہیں لیکن متاخرین علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ عورت شرعی عدالت کی طرف رجوع کرے وہ اس کا حل نکالے گی۔

قال الشیخ مولانا اشرف علی تھانویؒ: صورتِ بالا میں زوج کی حیثیت متعنت کی ہے جس کے بارے میں حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:۔ **الجواب:۔** زوجۂ متعنت کو اوّل تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ حاصل کرے لیکن اگر باوجود کوشش کے (خلاصی کی) کوئی صورت نہ بن سکے تو پھر عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور بصورت نہ ہونے حاکم کے جماعت مسلمین کے سامنے پیش کرے پھر تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو جائے کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو ورنہ تفریق کر دیں گے، اس کے بعد بھی اگر وہ خاوند کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اسکے قائم مقام ہو طلاق واقع کر دے، اس میں کسی مدت کے انتظار و مہلت کی ضرورت نہیں۔

(الحیلۃ الناجزہ ص۷۳ حکم زوجۃ متعنت فی النفقۃ) لہ

دیوث سے بیوی کی نجات کا طریقہ

سوال:۔ اگر کوئی شخص دیوث ہو اور وہ اپنی بیوی سے زبردستی زنا کرواتا ہو تو

لہ قال المفتی عزیز الرحمٰنؒ و مفتی ظفر الدینؒ: ایسی صورت میں کہ شوہر حقوقِ زوجیت ادا نہیں کرتا اور نفقہ نہیں دیتا اس کو لازم ہے کہ زوجہ کو طلاق دیدے، پس اس کو مجبور کیا جائے اور کرایا جائے کہ جس طرح ہو وہ طلاق دے دے، بدون طلاق کے عند الحنفیہ نفقہ وغیرہ نہ دینے کی وجہ سے زوجین میں تفریق نہیں ہو سکتی...... بعد کے علماء نے تفریق کی صورت نکالی ہے جو قاضی شریعت یا شرعی پنچایت کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ (ظفر)۔ (فتاویٰ دار العلوم ج۱۰ ص۲۲۶ کتاب الطلاق)

اِس عورت کے لیے کیا حکم ہے؟ وہ کس طرح خاوند سے نجات حاصل کرے؟

الجواب: ویسے تو ایک مرتبہ نکاح ہو جانے کے بعد عورت بدون طلاق کے شوہر سے آزاد نہ ہو گی لیکن صورتِ مسئولہ میں یہ عورت شرعی عدالت سے اس بارے میں رجوع کرے یا شرعی پنچایت کے پاس اپنا مقدمہ دائر کرے، عدالت زبردستی شوہر سے طلاق دلوائے گی یا خود نکاح فسخ کرے گی۔

لما قال الشیخ مفتی عزیز الرحمٰنؒ و مفتی ظفر الدینؒ: اِس صورت میں جب تک اس لڑکی کا شوہر طلاق نہ دیوے اور عدت نہ گزر جائے اُس وقت تک اِس لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کرنا شرعاً درست نہیں ہے، دار القضاء اور شرعی پنچایت کے ذریعے اس طرح کے مصائب سے عورت کو نکالا جا سکتا ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱۰ ص ۲۳۲ باب التفریق) سلہ

مجنون کی بیوی کے فسخِ نکاح کا حکم

سوال: ایک شخص نکاح کرنے کے چند سال بعد پاگل ہو گیا، علاج و معالجہ سے بھی کوئی فرق نہیں آیا، حالتِ جنون میں وہ بہت کچھ کر جاتا ہے حتیٰ کہ اس کی بیوی کو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، تو کیا یہ عورت اپنے مجنون خاوند سے اپنا نکاح بذریعہ عدالت فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: بشرطِ صدق و صحتِ سوال اگر اس عورت کا شوہر واقعی مجنون (پاگل) ہو اور وہ اچھے بُرے کی تمیز نہیں کر سکتا ہو اور جنون بھی اس حد تک ہو کہ بیوی کا اس کے ساتھ رہنا ممکن نہ ہو اور علاج و معالجہ سے بھی بات نہیں بنتی ہو تو اس عورت کو شرعاً اجازت ہے کہ اگر وہ اپنا نکاح شوہر سے فسخ کروانا چاہتی ہو تو عدالت کی طرف رجوع کرے، عدالت مکمل تحقیقات کے بعد اس کو تنسیخِ نکاح کی ڈگری جاری کر سکتی ہے جو اس کے لیے کارآمد ہو گی۔

لما قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ: امام محمدؒ کے نزدیک اس کو حق حاصل ہے کہ قاضی کے یہاں درخواست دے کر تفریق کا مطالبہ کرے اور اپنے آپ کو مجنون کی زوجیت سے علیحدہ کرائے بشرطیکہ جنون اس درجہ کا ہو کہ اس کے ساتھ رہنا قدرت سے خارج ہو مثلاً اس سے قتل کا اندیشہ ہو، الخ۔ (حیلۃ الناجزۃ ص ۵۲، ۵۴ حکم زوجۂ مجنون)

باب الایلاء

(ایلاء کے مسائل و احکام)

بیوی کے قریب نہ جانے کی قسم کھانا

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا خدا کی قسم میں تمہارے قریب نہیں آؤں گا لیکن چند دن کے بعد یہ شخص اپنی اس بات پر پشیمان ہوا، اب اس کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب: اگر یہ شخص چار ماہ تک اپنی قسم پر قائم رہتے ہوئے بیوی کے قریب نہ جائے تو بیوی خود بخود علیحدہ ہو جائے گی جس کی تحلیل کیلئے تجدیدِ نکاح ضروری ہے، لیکن اگر اس مدت کے دوران بیوی کے قریب چلا جائے تو اس پر قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہوگا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: فمن الصریح لو قال واللّٰه لا اقربك۔ قال ابن عابدینؒ: ای بلا بیان مدة اشارة الی انه کالموقت بمدة الایلاء لان الاطلاق کالتابید

(ردّ المحتار ج ۲ ص ۵۹۳ باب الایلاء)[1]

بیوی کے قریب نہ جانے کی مشروط قسم کھانا

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تم نے اپنی سوکن کو راضی نہ کیا تو خدا کی قسم میں تیرے قریب نہیں آؤں گا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اسی حالت میں اگر کئی سال گذر جائیں اور وہ شخص عورت کے قریب نہ جائے اور نہ اس کی بیوی اپنی سوکن کو راضی کرے تو اس سے نکاح پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں یہ قسم ایلاء کے حکم میں ہے، اگر شرط کی موجودگی کے بغیر خاوند بیوی کے قریب گیا تو حانث ہو کر کفارۂ قسم ادا کرنا واجب ہوگا، اور اگر اس قسم پر چار مہینے گذر گئے اور خاوند اپنی قسم پر قائم رہا تو عورت بوجۂ ایلاء طلاق بائن سے جدا ہو جائے گی،

---

[1] وفی الهندیة: الایلاء منع النفس عن قربان المنکوحة منعاً مؤکداً بالیمین باللّٰه مطلقاً او مؤقتاً باربعة اشهر۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۴۷۶ الباب السابع فی الایلاء)

ومثلهٗ فی الهدایة ج ۲ ص ۹۶، ۹۷ باب الایلاء۔

جس میں دوبارہ تحلیل اور تجدیدِ نکاح کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: والمدة اقلها للحرة اربعة اشهر ثم قال فقی الحلف باللّٰہ وجبت الکفارة وفی غیرہ وجب الجزاء وسقط الایلاء لانتهاء الیمین والا یقربها بانت بواحدة۔ انتہی وقال العلامة ابن عابدینؒ: تحت هٰذا القول فلو مضت اربعة اشهر لا یقع الطلاق لانحلال الیمین بالحنث سواء حلف علی اربعة اشهر او اطلق او علی الابد۔ وقال کذٰلک بانت بواحدة لاحاجة الی انشاء تطلیق او الحکم بالتفریق۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۵۹۳ باب الایلاء)[1]

ایلاء میں رجوع کیلئے بیوی کا انکار کرنا

سوال:۔ اگر خاوند ایلاء میں مدت کے اندر رجوع کرنا چاہتا ہو لیکن بیوی اس سے انکار کر رہی ہو تو خاوند کو کیا کرنا چاہیئے تاکہ اس کا نکاح بحال رہے؟

الجواب:۔ ایلاء کی مدت کے دوران منکوحہ خاوند کے نکاح میں رہتی ہے ایسی حالت میں اگر خاوند رجوع کرنا چاہے اور عورت انکار کر رہی ہو تو منکوحہ (ناشزہ) نافرمان کے حکم میں ہے تاہم اس کے انکار سے نکاح پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا، اگر خاوند عملی طور پر رجوع سے قاصر ہو تو زبانی طور پر ہی اس کا رجوع کافی ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وکذا حبسها ونشوزها ففیئه قوله بلسانه فئت الیها۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۵۹۹ باب الایلاء)[2]

* * *

---

[1] وفی الهندیة: فان قربها فی المدة حنث وتجب الکفارة فی الحلف باللّٰہ ۔۔۔ وان لم یقربها فی المدة بانت بواحدة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۴۷۶ الباب السابع فی الایلاء)

[2] وفی الهندیة: ولو عجز عن جماعها لرتقها او لکونها ممتنعة او کانت فی مکان لا یعرفها وهی ناشزة ففیئه باللسان بان یقول فئت الیها۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۴۸۵ الباب السابع فی الایلاء۔ ثم الایلاء علی اربعة اوجه)

ومثله فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج۲ ص۲۵ باب الرجعة۔

باب اللعان

(لعان کے احکام و مسائل)

لعان کا حکم

سوال:- ایک شخص نے بیوی پر زنا کا الزام لگا کر والدین کے گھر بھیجدیا، عورت نے فیملی . . . سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرلی، کیا اس کے بعد یہ عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- ازروئے شرع بیوی پر زنا کی تہمت لگانے میں خاوند کیلئے چار گواہوں کا پیش کرنا ضروری ہے ورنہ اس پر حدِ قذف جاری کی جائے گی۔ تاہم ایسی حالت میں شریعت میں اس کے لیے خصوصی طور پر جو قانون موجود ہے اس کو لعان کہا جاتا ہے جس میں خاوند قاضی کی عدالت میں چار بار قسم کھا کر اپنی صداقت ثابت کرے گا اور پانچویں بار یوں کہے گا کہ اگر میں جھوٹ بولوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو، اس کے بعد پھر عورت بھی چار بار قسم کھا کر خاوند کی تکذیب اور اپنی صداقت ثابت کرے گی اور پانچویں بار یوں کہے گی کہ اگر میں جھوٹ بولوں تو مجھ پر خدا کا قہر و غضب ہو، اس سے لعان مکمل ہوجائے گا اور قاضی ان کے درمیان تفریق کردے گا۔

اگر عدالتی فیصلہ اس حقیقت کا حامل ہو تو اس سے عورت کو آزادی مل سکتی ہے ورنہ صرف زنا کے تہمت لگنے سے عورت اپنی ناراضگی کی وجہ سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرنے سے آزادی حاصل نہیں کرسکتی ہے۔

لما فی الهندية: اذا قال لها يا زانية او انت زنيت او رأيتك تزنی فانه يجب اللعان۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۱۵ كتاب الطلاق الباب الحادی عشر فی اللعان)

وقال الله تعالىٰ: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

(پ۱۸، سورة النور آيت ۶، ۷، ۸، ۹)

وفی الهندية: واذا التعنا فرق الحاكم بينهما ولا تقع الفرقة حتى يقضى بالفرقة

علی الزوج فیفارقھا بالطلاق ۔ (الفتاوی الہندیہ ج۱ ص۵۱۶ کتاب الطلاق الباب الحادی عشر فی اللعان) [1]

لعان کے بعد دوبارہ نکاح کرنا

سوال:۔ لعان کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو جانے کے بعد بغیر حلالہ کے میاں بیوی کے درمیان ازدواجی تعلق قائم ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ لعان کی صورت میں چونکہ تفریق قاضی کی طرف سے ہوتی ہے اس لیے ان دونوں کے درمیان دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا، اِلّا یہ کہ خاوند اپنے آپ کو جھوٹا کہے تو اُسے حدِ قذف لگا کر پھر ان دونوں کے درمیان نکاح ہو سکتا ہے ۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ : وتکون الفرقۃ تطلیقۃ بائنۃ عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ لان فعل القاضی انتسب الیہ کما فی العنین وھو خاطب اذا اکذب نفسہ۔ الخ

(الھدایۃ ج۲ ص۳۹۷ کتاب الطلاق۔ باب اللعان) [2]

لعان کے بعد عدالت کا میاں بیوی میں تفریق کرنا

سوال: جب میاں بیوی آپس میں لعان کرلیں تو کیا دونوں کا نکاح خود بخود ختم ہو جائے گا یا حاکمِ وقت ان میں تفریق کرے گا ؟

الجواب:۔ اگر شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو عند المطالبہ دونوں کا آپس میں لعان ضروری ہے، دونوں کا نکاح بسبب لعان خود بخود ختم نہیں ہوگا بلکہ حاکمِ وقت، قاضی دونوں میں تفریق کرے گا اگرچہ دونوں اس پر

---

[1] قال العلامۃ المرغینانیؒ : واذا التعنا لا تقع الفرقۃ حتی یفرق القاضی بینھما۔
(الھدایۃ ج۲ ص۳۹۷ کتاب الطلاق۔ باب اللعان)
ومثلہ فی الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۶۳۹ باب اللعان قبیل مطلب فی الدعاء باللعن علی معین ۔

[2] وفی الھندیۃ : قال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ الفرقۃ الواقعۃ فی اللعان فرقۃ بتطلیقۃ بائنۃ فیزول ملک النکاح وتثبت حرمۃ الاجتماع والتزوج ما داما علی حالۃ اللعان ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۵۱۶،۵۱۵ کتاب الطلاق الباب الحادی عشر فی اللعان)
ومثلہ فی الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۶۳۹ باب اللعان ۔قبیل مطلب فی الدعاء باللعن علی معین ۔

راضی نہ ہوں۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وصفتہ ما نطق النص الشرعی بہ من کتاب وسنۃ فان التعنا ولو اکثرہ بانت بتفریق الحاکم فیتواثان قبل تفریقہ الذی وقع اللعان عندہٗ ویفرق وان لم یرضیا بالفرقۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۴۸۸ باب اللعان)[1]

شوہر کا بیوی پر تہمتِ زنا سے انکار کرنا

سوال:۔ اگر عورت کسی کے کہنے پر اپنے شوہر کے خلاف تہمتِ زنا کا دعویٰ کرے کہ میرا شوہر مجھ پر زنا کی تہمت لگاتا ہے جبکہ شوہر اس بات کا انکار کرتا ہو کہ میں نے کسی کو بھی کوئی ایسی بات نہیں کہی، تو کیا اس صورت میں دونوں کے درمیان لعان ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ شرعاً لعان اُسے کہا جاتا ہے کہ شوہر اپنی بیوی پر ایسی تہمت لگائے جو کسی غیر منکوحہ میں موجبِ حدِ زنا ہو، چونکہ صورتِ مسئولہ میں لعان کی تعریف صادق نہیں آتی اور نہ اس میں شرائطِ لعان موجود ہیں اس لیے اس میں لعان نہیں ہوگا۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: وسببہ قذف الرجل زوجتہ قذفا یوجب الحد فی الاجنبیۃ ..... فمن قذف بصریح الزنا فی دار الاسلام زوجتہ الحیۃ بنکاح صحیح۔
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۸۰۵، ۸۰۶ باب اللعان)[2]

دار الکفر میں بیوی پر تہمتِ زنا سے لعان لازم نہیں آتا

سوال:۔ اگر کوئی شخص دار الکفر مثلاً امریکہ یا لندن میں اپنی بیوی

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: تحت قولہ وصفتہ ما نطق بہ النص فان التعنا بانت بتفریق الحاکم ولا تبین قبلہ: ای الحاکم الذی وقع اللعان عندہ لو لم یفرق الحاکم حتی عزل او مات فالحاکم الثانی یستقبل اللعان عندھما۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۱۷ باب اللعان)
ومثلہ فی الاحوال الشخصیۃ ص۳۴ باب اللعان۔

[2] قال المفتی عزیز الرحمنؒ (اس قسم کا ایک سوال آپ سے بھی کیا گیا تو فرمایا) ”حکم لعان دریں صورت بحالت موجودہ بلا تحقیق شرائط لعان کردن درست نیست و حکم تفریق نافذ نیست و اگر کسے فتویٰ دادہ است آں صحیح نیست بروعمل نباید کرد“
(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۱۰ ص۱۹۷ باب یازدہم لعان)

پر زنا کی تہمت لگائے اور عورت بھی شوہر سے جدا ہونا چاہتی ہو تو کیا وہ بذریعہ لعان جدائی اختیار کرسکتی ہے؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ زنا کی تہمت لگانے کا یہ معاملہ دارالاسلام میں ہو، دارالکفر میں ایسا نہ ہوگا، چونکہ صورتِ مسئولہ میں تہمتِ زنا کا معاملہ دارالکفر میں پیش آیا ہے اس لیے یہاں لعان نہ ہوگا۔

قال العلامة الحصكفیؒ: ویشترط ....كون القذف بصریح الزنا كونه فی دارالاسلام۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: تحت (قوله دارالاسلام) اخرج دارالحرب۔ (ردالمحتار ج۲ ص۵۸۶ باب اللعان)[1]

شُبۂ زنا موجبِ لعان نہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کا شُبہ ظاہر کرے پورے یقین سے نہیں کہتا ہو تو کیا عورت کے مطالبہ پر لعان ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ لعان تب ہوگا جب شوہر بیوی پر صریح الفاظ سے زنا کی تہمت لگائے صرف شُبہ کی صورت میں لعان نہیں اس لیے صورتِ مسئولہ میں صرف عورت کے مطالبے پر لعان نہیں کرایا جائے گا۔

قال العلامة الحصكفی رحمه الله: فمن قذف بصریح الزنا فی دارالاسلام۔ (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار ج۲ ص۵۸۶ باب اللعان)[2]

* * *

---

[1] قال المفتی عزیز الرحمنؒ: (اس قسم کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا) "لعان کے لیے چونکہ دارالاسلام کا ہونا بھی شرط ہے، کما صرح به فی کتب الفقه۔ لہٰذا اس مُلک میں لعان کی کوئی صورت نہیں ہے" اور جبکہ لعان نہیں ہے تو تفریق بھی نہ ہوگی۔"
(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۱۰ ص۱۹۹ باب یازدہم۔ لعان)

[2] وفی الهندیة: سببه قذف الرجل امرأته قذفاً یوجب الحد فی الاجانب فیجب به اللعان بین الزوجین كذا فی النهایة: واذا قال لها یا زانیة او انت زنیت او رأیتك تزنین فانه یجب اللعان۔
(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۵۱۵ الباب الحادی عشر فی اللعان)
ومثله فی فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۱۰ ص۱۹۸ باب اللعان۔

باب الظہار

(ظہار کے مسائل)

ظہار میں تشبیہ ضروری ہے

سوال:۔ ایک شخص کا کسی بات پر اپنی بیوی سے جھگڑا ہو گیا تو اس نے بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "میری ماں خاموش ہو جاؤ۔" تو ان الفاظ سے اس شخص کے نکاح پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟

الجواب: بیوی کو "ماں" جیسے الفاظ سے مخاطب کرنا بذاتِ خود بغاوت کے مترادف ہے اس لیے یہ الفاظ فقہاء کے نزدیک مکروہ ہیں، تاہم اداتِ تشبیہ نہ ہونے کی وجہ سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما فی الھندیۃ: ولو قال لہا انت اُمّی لا یکون مظاہراً وینبغی ان یکون مکروھا۔ الخ

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۵۰۷ کتاب الطلاق۔ الباب التاسع فی الظہار) ۱ے

اپنی منکوحہ کو بہن کہنے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی منکوحہ کو یہ کہہ دیا کہ "تو مجھ پر طلاق ہے" اور پھر متصل یہ بھی کہا کہ "اگر میں نے تیرے ہاتھ کا کھانا کھایا یا چائے پی لی تو تُو میری بہن ہے" کیا ان الفاظ سے نکاح پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ظہار کے مسئلہ میں اداتِ تشبیہ کا ہونا لازمی ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں کوئی حرفِ تشبیہ نہیں ہے اس لیے "تُو میری بہن ہے" کہنے سے نکاح پر کوئی بُرا اثر مرتب نہیں ہوگا تاہم ایسے الفاظ کہنا کراہت سے خالی نہیں، البتہ یہ کہنا کہ "تو مجھ پر طلاق ہے" سے ایک طلاقِ رجعی واقع ہوگی جس میں رجوع بالقول یا بالفعل کافی ہے۔

لما قال الحصکفیؒ: وان نوی بانت علیّ مثل اُمّی برًّا او ظہارًا او طلاقًا صحت نیتہ ووقع مانوی وان لم ینو شیئًا او حذف الکاف لغواً (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۲۶ باب الظہار۔ مطلب بلاغات محمد رحمہ اللہ مسندہ) ۲ے

۱ے قال ابن نجیمؒ: فعلم انہ لابد فی کونہ ظہاراً من التصریح باداۃ التشبیہ شرعًا (البحر الرائق ج ۴ ص ۹۵ باب الظہار۔ کتاب الطلاق)

ومثلہ فی رد المحتار ج ۲ ص ۶۲۶ باب الظہار۔ مطلب بلاغات محمدؒ۔

۲ے قال المرغینانیؒ: ولو قال انت علیّ حرام کاُمّی ونوی ظہارًا او طلاقًا فھو علیٰ مانوی۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۳۸۹ کتاب الطلاق باب الظہار)

ومثلہ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۵۰۷ کتاب الطلاق۔ الباب التاسع فی الظہار۔

ظہار میں عقل وبلوغ شرط ہے

سوال :۔ کیا طلاق کی طرح ظہار میں بھی مظاہر کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے یا کہ صبی اور مجنون کا ظہار بھی درست ہوگا؟

الجواب :۔ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر تصرف کیلئے عاقل و بالغ ہونا شرط ہے تو طلاق کی طرح ظہار میں بھی مظاہر کا عاقل بالغ ہونا لازمی ہے۔

وفی الهندية : من الشرائط ان لا يكون معتوهًا و لا مدهوشًا ولا مبرسما ومغمیٰ عليه ولا نائمًا فلا يصح ظهارهُم لاء ۔ (الفتاوى الهندية ج١ ص٥٠٨ الباب التاسع فى الظهار)[1]

ظہار میں بطور کفارہ کیا واجب ہوتا ہے

سوال : اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ سے ظہار کرے تو اس پر بطور کفارہ کیا اور کتنا لازم ہوگا؟

الجواب :۔ ظہار کرنے سے بیوی شوہر پر اُس وقت تک حرام ہو جاتی ہے جس وقت تک وہ کفارہ ادا نہ کرے، جس کے لیے دو ماہ مسلسل روزے رکھنا یا عدم استطاعت کی صورت میں ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، جس کے بعد بیوی اُس کے لیے حلال ہو جائے گی۔

وفى الهندية : وحكم الظهار حرمة الوطئ والدواعى الى غاية الكفارة ۔
(الفتاوى الهندية ج١ ص٥٠٥ باب الظهار)[2]

---

[1] قال العلامة ابو بكر الكاسانیؒ : منها ان يكون عاقلًا اما حقيقة او تقديرًا فلا يصح ظهار المجنون والصبى الذى لا يعقل لان حكم الحرمة وخطاب التحريم لا يتناول من لا يعقل ۔ (بدائع الصنائع ج٣ ص٢٣٠ فصل الشرائط فانواع بعضها)

[2] قال الشيخ الدكتور وهبة الزحيلی : تحريم الوطئ بالاتفاق قبل التكفير كذا عند الجمهور غير الشافعية تحريم جميع انواع الاستمتاع ...... الكفارة كما دل القرآن والسنة النبوية فيما سبق انواع ثلاثة : (١) عتق رقبة سالمة من العيوب صغيرة او كبيرة ذكرا ام انثى (٢) صيام شهرين متتابعين (٣) اطعام ستين مسكينًا يومًا واحدًا غداءً وعشاءً عند الحنفية ۔
{ الفقه الاسلامى وادلته ج٧ ص٦٠١، ٦٠٢ المطلب الثالث
اثر الظهار ۔ المطلب الرابع كفارة الظهار }

تیرے قریب آؤں تو اپنی ماں کے قریب آؤں

سوال: ایک شخص نے غصے میں اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں تیرے قریب آیا تو گویا میں اپنی ماں کے قریب آیا تو کیا ان الفاظ سے ظہار واقع ہوگا یا طلاق؟

الجواب: ظہار میں اداۃِ تشبیہ ضروری ہے اور طلاق مزیل نکاح کے الفاظ کہنا لازمی ہے، صورتِ مسئولہ میں چونکہ یہ الفاظ ان دونوں میں داخل نہیں اس لیے ظہار یا طلاق واقع نہیں ہوگا۔

وفی الھندیۃ: ولو قال ان وطئتکِ وطئت اُمّی فلاشیئ علیہ۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۵۰۷ الباب التاسع فی الظھار) [1]

اگر میں گھر واپس آؤں تو گویا ماں کے ساتھ زنا کروں

سوال: میاں بیوی کے مابین کسی بات پر تنازعہ ہوا تو شوہر نے چادر اٹھا کر کہا کہ اگر میں اِس گھر میں واپس آؤں تو گویا میں اپنی ماں بہن سے زنا کروں۔ شرعاً ان الفاظ کا کیا حکم ہے؟ یہ شخص مظاہر شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ ظہار میں اداۃِ تشبیہ ہونا ضروری ہے بغیر اس کے ظہار نہیں ہوگا۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں اداۃِ تشبیہ نہیں، لہٰذا اس سے نہ ظہار واقع ہوگا نہ طلاق۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: تعریفہ شرعاً تشبیہ المسلم زوجتہ بمحرم علیہ تابیداً۔ (الدر المختار علی ھامش ردّ المحتار ج ۲ ص۹۴ باب الظھار) [2]

---

[1] قال المفتی عزیز الرحمٰنؒ: سوال: زید نے اپنی منکوحہ کو لڑائی اور غصہ کی حالت میں کہہ دیا کہ اگر میں تجھ سے جماع کروں تو گویا اپنی ماں یا بہن سے کروں، ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگی یا ظہار؟
الجواب: عالمگیریہ میں ہے: ولو قال ان وطئتکِ وطئتُ اُمّی فلاشیئ علیہ۔ الخ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں طلاق و ظہار کچھ نہیں ہوا۔
(فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۱۰ ص۲۱۲ کتاب الطلاق)

[2] قال المفتی عزیز الرحمٰنؒ: اگر یہ کہا زوجہ کو کہ اگر میں تیرے گھر میں گھسوں تو اپنی ماں سے بدفعلی کروں تو یہ بھی لغو ہے، نہ ظہار ہے نہ طلاق۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۱۰ ص۲۱۳ باب الظھار)
وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج ۳ ص۲۲۹ کتاب الظھار۔

بیوی کا خاوند کو بھائی کہنے سے ظہار لازم نہیں آتا

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! ایک دن ٹی وی پروگرام نے "دین و دنیا" پروگرام میں ایک ڈاکٹر صاحب سے یہ سنا کہ اگر عورت اپنے شوہر سے یہ کہہ دے کہ تو میرا بھائی ہے تو اس سے ظہار واقع ہوجاتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی شرعاً عورت کے ان الفاظ سے ظہار لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب :۔ شریعتِ اسلامی میں ظہار کا تعلق مرد سے ہے، عورت کے ایسے الفاظ کہنے کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، اس سے کچھ نہیں ہوتا۔

قال الشیخ المفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ: اس صورت میں نکاح قائم ہے عورت کے اس کہنے سے کچھ نہیں ہوا۔ (فتاوٰی دار العلوم دیوبند جلد ۱۰ ص ۲۱۱ باب الظہار)[1]

بار بار ظہار کے الفاظ منہ سے نکالنے کا حکم

سوال :۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے ابھی کفّارہ ادا نہیں کیا تھا کہ پھر اس قسم کے الفاظ منہ سے نکالے پھر تیسری بار بھی اسی طرح کیا اس شخص پر تین دفعہ کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا یا ایک بار ادا کرنے سے ذمہ فارغ ہوجائے گا؟

الجواب :۔ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کئی بار ظہار کے الفاظ کہے اور اس دوران کوئی کفّارہ ادا نہیں کیا ہو تو ایک بار کفّارہ ادا کرنے سے ذمہ فارغ ہوجائے گا، اور اگر ایک بار ظہار کرکے کفّارہ ادا کردیا پھر ظہار کیا تو دوبارہ کفّارہ ادا کرنا ہوگا اس سے پہلے ادا کیا گیا کفّارہ کفایت نہیں کرے گا۔

لما قال الشیخ عبد الرحمٰن بن ناصر السعدیؒ: واذا کرر الظهار من زوجة واحدة فعلیه کفّارة واحدة الا ان ظاهر ثمّ کفر ثم ظاهر بعد الکفّارة فعلیه کفّارة اخرٰی۔ (الفتاوٰی المرأة المسلمة ج ۲ ص ۸۰۲ باب الظهار)

---

[1] قال الامام ابو بکر الجصاص الرازیؒ، قال اصحابنا لا یصح ظهار المرأة من زوجها وهو قول مالك والثوری واللیث والشافعی۔ (احکام القرآن للجصاص ج ۵ ص ۳۱۱ فی ظهار المرأة من زوجها)
ومثله فی احکام القرآن للتهانویؒ ج ۵ ص ۱۱ المسئلة الرابعة۔

"اگر تجھے رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں" کہنے سے طلاق کا حکم

سوال:- اگر کسی نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ: "اگر تجھے رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں" کیا ایسے الفاظ کہنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- چونکہ ان الفاظ میں اداتِ تشبیہ نہیں ہے لہٰذا صورتِ مرقومہ میں ظہار نہیں اور طلاق یا قسم کا ہونا خاوند کی نیت پر موقوف ہے، اگر اس نے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو طلاق واقع ہو کر تجدیدِ نکاح کافی ہے، اور اگر قسم کی نیت تھی تو یہ الفاظ ایلاء میں شمار ہو کر اس میں بھی تجدیدِ نکاح کافی ہے۔

قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: فعلم انه لابد في كونه ظهارًا من التصريح باداة التشبيه شرعًا۔ (البحر الرائق ج۴ ص۹۸ باب الظهار) [1]

دس مرتبہ ظہار سے کفّارہ کا حکم

سوال:- اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ تم میرے اوپر میری ماں کی طرح دس۱۰ مرتبہ ہو تو کیا یہ شخص ایک مرتبہ کفّارہ دے گا یا دس۱۰ مرتبہ کفّارہ دے گا؟

الجواب:- کسی بھی لفظ کی تعداد ذکر کرنا ایسا ہی ہے جیسا اُتنی بار اس نے اس لفظ پر تلفظ کیا ہو، جیسے کوئی شخص طلاق دیتے وقت لفظ طلاق عدد کا ذکر کرے تو اتنی طلاق واقع ہو جاتی ہیں، لہٰذا یہاں (صورتِ مسئولہ میں) بھی دس۱۰ مرتبہ ظہار واقع ہو چکا ہے، اس لیے یہ شخص دس۱۰ بار کفّارہ دے گا۔

قال العلامة الحصكفيؒ: لو قال ان تزوجتك فانت علي كظهر امي مائة مرّة فعليه لكل مرّة كفّارة۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۳ ص۴۶۷ باب الظهار)

◆ ◆ ◆

---

[1] وقال العلامة ابن الهمام رحمه الله:- فعلم انه لا بد في كونه ظهارًا من التصريح باداة التشبيه شرعًا ومثله ان يقول لها يا بنتي او يا اختي ونحوه وفي مثل امي او كامي ينوي فان كان ينوي الطلاق وقع بائنًا۔ (فتح القدير شرح الهداية ج۴ ص۹۱ كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة۔ باب الايلاء)

ومثله في الدر المختار على هامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۲۶ كتاب الطلاق۔ باب الايلاء۔

باب الخلع

(خُلع کے مسائل واحکام)

صرف خُلع کے وعدہ سے عورت آزاد نہیں ہو سکتی

سوال:۔ ایک شخص اگر جرگہ (پنچایت) کے سامنے وعدہ کرے کہ میں فلاں تاریخ تک بیوی سے اتنی رقم لے کر اس کو آزاد کر دوں گا، لیکن اب وہ شخص وعدہ پورا نہیں کر رہا، کیا اس کا وعدۂ خُلع متصوّر ہو کر عورت آزاد ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خلع میں میاں بیوی کے درمیان باقاعدہ ایجاب وقبول کرنا ضروری ہے صرف خُلع کے وعدہ سے عورت کو آزادی نہیں ملتی کیونکہ خُلع ایک عقد اور انشاء کا نام ہے۔

قال ابن عابدینؒ: یقال خالعت المرأۃ زوجها مخالعة اذا افتدت منه فخلعها۔

(رد المحتار ج۲ ص۶۰۴ باب الخلع) لہ

اجنبی شخص پر بدلِ خلع کے لزوم کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے ساتھ خلع کرنے پر آمادہ ہو اور اُس کے پاس بدلِ خلع نہ ہو اور کوئی دُوسرا شخص جو اِس عورت کے ساتھ آزادی کے بعد نکاح کا ارادہ رکھتا ہو وہ بدلِ خلع کی ذمہ داری اٹھائے تو کیا اس شخص پر بدلِ خُلع کی ادائیگی لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بدلِ خلع کی ادائیگی کی ذمہ داری اگر کوئی اجنبی شخص اٹھائے تو خُلع واقع ہو کر عورت بائن ہو جاتی ہے اور اجنبی شخص پر بدلِ خُلع کی ادائیگی لازم ہے، تاہم اس کے بعد اس عورت سے نکاح کرنا الگ معاملہ ہے جس کے وجود یا عدم وجود پر خلع کا وجود موقوف نہیں۔

لہ وفی الهندیة: وکذا لو قالت طلقتنی بکذا فقال نعم فلیس بشیء لانه وعد۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۴۸۸ الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمه)

وقال ابن نجیمؒ: وشرعًا علی ما اخترناه ازالة ملک النکاح المتوقفة علی قبولها بلفظ الخُلع او ما فی معناه۔ (البحر الرائق ج۴ ص۷۷ باب الخلع)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۳ ص۱۵۲ فصل واما الطلاق علی مال فهو فی احکامه کالخلع۔

قال العلامة الحصکفیؒ: فان خالعها الاب علی مال ضامنا له ـــ وقال: کالخلع مع الاجنبی۔

قال ابن عابدینؒ: تحت هذا القول، وحاصل الامر فیه انه اذا خاطب الزوج فان اضاف البدل الی نفسه یفید ضمانه له او ملکه ایاه کاخلعها بالف علیَّ او علی انّی ضامن صح والبدل علیه۔ (الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۱۸ باب الخُلع، مطلب فی خلع الفضولی) [1]

نافرمان عورت سے خُلع کرنا

سوال:۔ اگر کسی شخص کی بیوی نافرمان ہو اور والدین کے گھر مدّتوں بلاوجہ بیٹھی رہتی ہو، خاوند کے بار بار مطالبہ پر اس کے پاس نہ آتی ہو، تو اگر خاوند ایسی نافرمان عورت سے خلع کرکے کچھ رقم وصول کرلے تو کیا خاوند کے لیے اس رقم کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عورت کی نافرمانی بلاوجہ ہو اور خاوند اس میں قصوروار نہ ہو تو خاوند کے لیے خُلع کرکے رقم لینے میں کوئی حرج نہیں، اس حالت میں حق مہر سے زیادہ رقم بھی خُلع میں وصول کی جاسکتی ہے، البتہ اگر خاوند کی کسی کمزوری کی وجہ سے بیوی نافرمان ہو تو خاوند کے لیے حق مہر سے زائد رقم لینا اگرچہ قضاءً جائز ہے لیکن کراہت سے خالی نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وکره تحریمًا اخذ شیئ ویلحق به الابراء عمّا لها علیه ان نشز وان نشزت لا ولو منه نشوز ایضًا ولو باکثر ممّا اعطاها علی الاوجه فتح وصحح الشمنی کراهة الزیادة وتعبیر الملتقی لا بأس به یفید انها تنزیهیة۔ (الدر المختار علی صدر ردالمحتار ج۳ ص۴۴۵ باب الخلع) [2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وفی البزازیة الکبیرة اذا خلعها ابوها او اجنبی باذنها جاز والمال علیهما۔ (البحر الرائق ج۴ ص۹۱ باب الخُلع)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۴ ص۷۹ باب الخُلع

[2] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: تحت قوله وکره له اخذ شیئ ان نشزوَ ان نشزت لا ای لا یکره له الاخذ اذا کانت هی الکارهة اطلقه فشمل القلیل والکثیر وان کان اکثر ممّا اعطاها وهو المذکور فی الجامع الصغیر والمذکور فی الاصل کراهة الزیادة علی ما اعطاها ینبغی حمله علی خلاف الاولیٰ۔

(البحر الرائق ج۴ ص۷۱ ا ب الخلع)

خاوند کی رضامندی کے بغیر قاضی کو خلع کرانے کا حق نہیں

سوال:۔ ایک شخص صحت و مال کے اعتبار سے نیز دیگر اعتبارات سے بھی معیوب نہیں لیکن اس کی بیوی نے عدالت میں اس کے خلاف خلع کا دعویٰ دائر کر رکھا ہے جبکہ خاوند تفریق پر راضی نہیں، تو کیا قاضی خاوند کی رضامندی کے بغیر تفریق یا خلع کرا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب خاوند بیوی کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا ہو تو اس صورت میں خاوند کی رضامندی کے بغیر قاضی کو خُلع و تفریق کرانے کا حق نہیں، کیونکہ طلاق اور خلع میں رضاءِ زوج شرط ہے۔

قال العلامة الكاسانیؒ: واما ركنه فهو الايجاب والقبول لانه عقد على الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول۔

(بدائع الصنائع ج۳ ص۱۴۵ كتاب الطلاق۔ فصل فی الخلع)

وقال الامام السرخسی رحمه الله: والخلع جائز عند السلطان وغيره لانه عقد يعتمد التراضی كسائر العقود وهو بمنزلة الطلاق بعوض وللزوج ولاية ايقاع الطلاق ولها ولاية الالتزام العوض۔ (المبسوط لشمس الائمة السرخسیؒ ج۶ ص۱۷۳ باب الخلع)[1]

بدلِ خلع کی مقدار

سوال:۔ کیا بدلِ خُلع کی کوئی حد ہے یا نہیں؟ اگر حقِ مہر سے زائد مال سے خلع کیا جائے تو خاوند کے لیے اس زائد مال کا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بدلِ خلع کے لیے کوئی خاص مقدار متعین نہیں، میاں بیوی کی باہمی رضامندی سے جس مقدار پر بھی اتفاق ہو تو خلع سے بیوی آزاد ہو جائے گی، تاہم اگر اس طرح سے باہمی جدائی کا سبب خاوند کا معاندانہ رویہ اور انسانیت سوز سلوک ہو تو خاوند کے لیے حقِ مہر سے زائد رقم لینا مکروہ ہے ورنہ بصورتِ دیگر ناشزہ و نافرمان عورت سے حقِ نکاح کے عوض جو مقدار بھی مقرر ہو خاوند کے لئے لینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما فی الهداية: وان كان النشوز منها كرهنا له ان يأخذ منها اكثر مما

---

[1] وفی الهندية: وشرطه (ای الخلع) شرط الطلاق۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۴۸۸ الباب الثامن فی الخلع وما فی حكمه۔ الفصل الاول فی شرائط الخلع وحكمه وما يتعلق.

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۶۰۶ باب الخلع۔

اعطاها..... ولو اخذ الزيادة جاز قضاءً۔ (الهداية ج۲ ص۳۸۳ باب الخلع) ۱؎

ناچاکی کی صورت میں خلع بہتر ہے

سوال:۔ اگر میاں بیوی کی طبیعتوں میں ایک دوسرے سے لگاؤ نہ ہو اور ہر وقت ناچاقی رہتی ہو اور حدود اللہ کی رعایت نہ رکھنے کا قوی اندیشہ ہو، اس صورت میں اگر عورت خلع کرنا چاہے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جب طبائع میں ایک دوسرے سے ہم آہنگی کے بجائے آپس میں نفرت پیدا ہو رہی ہو اور اس سے مختلف معاشرتی اور اخلاقی مسائل پیدا ہو رہے ہوں تو ان حالات میں اکٹھا رہنے کی بجائے بذریعہ خلع علیحدہ ہو جانا بہتر ہے۔

قال اللہ تبارك وتعالیٰ: فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ (البقرۃ آیت ـــ) ۲؎

خلع عورت کے قبول پر موقوف ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو کسی رقم کے عوض طلاق دینے پر آمادہ ہو تو اس کے نافذ ہونے کے لیے کن شرائط کی رعایت ضروری ہے؟

الجواب:۔ کسی نقد رقم یا جائداد خواہ حق مہر ہو یا اس سے زائد پر خاوند بیوی کو طلاق دینا چاہے تو اس صورت میں چونکہ عورت مقررہ مال کی خاوند کو ادائیگی کی پابند ہوتی ہے اس لیے اس کی صحت عورت کی قبول پر موقوف ہے، عورت اگر قبول نہ کرے تو خاوند اس سے جبری طور پر مطالبہ نہیں کرسکتا اور نہ عورت خاوند کو مال کے عوض طلاق دینے پر مجبور کرسکتی ہے، ایسی طلاق بالمال خلع کے نام سے موسوم ہے جس میں اگر خاوند تین طلاق اکٹھی دے دے تو منکوحہ مُطلّقہ مغلّظہ کے حکم میں ہوگی ورنہ خلع سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔

۱؎ وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله: نعم يكون اخذ الزيادة خلاف الاولیٰ۔
(ردّ المحتار على الدر المختار ج۲ ص۶۰۲ باب الخلع)
وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج۱ ص۴۹۵ باب الخُلع۔

۲؎ قال المرغینانیؒ: واذا تشاق الزوجان وخافا ان لا يقيما حدود الله فلا بأس بان تفتدی نفسها منه بمال يخلعها به۔ (الهداية ج۲ ص۳۸۳ كتاب الطلاق، باب الخلع)
وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۰۲ بابُ الخلع۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ:۔ واما رکنه فهو کما فی البدائع اذا کان بعوض الایجاب والقبول۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۶۰۶، ۶۰۵ باب الخلع)[1]

بیٹے کی طرف سے باپ خلع نہیں کر سکتا

سوال:۔ ایک نابالغ لڑکے اور نابالغ لڑکی کا نکاح دونوں کے والدین نے بچپن میں کر دیا تھا اب جبکہ لڑکی بالغ ہو گئی ہے اور لڑکا ابھی تک نابالغ ہے، دونوں میں ناچاقی پیدا ہو کر لڑکی باپ کے گھر چلی گئی ہے، بعد میں لڑکے کے والد نے لڑکی والوں سے بدلِ خلع تین سو روپے لیکر خلع کر لیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا نابالغ لڑکے کی طرف سے باپ کا کیا گیا خُلع درست ہے؟ اور لڑکی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نابالغ نہ خود خلع کا اہل ہے اور نہ ہی والد اس کی طرف سے خُلع کر سکتا ہے لڑکی تاحال لڑکے کے نکاح میں ہے اور کسی دوسری جگہ اس کا نکاح جائز نہیں، لڑکے کے بالغ ہونے کے بعد صحیح صورتحال سامنے آ سکتی ہے۔

لما فی الهندیة: اذا خلع الاب علی ابنه الصغیر لا یصح ولا یتوقف علی اجازته. کذا فی فتاوی قاضیخان، خلع السکران والمکره جائز وخلع الصبی باطل۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۵۰۴ الفصل الثالث فی الطلاق بالمال)[2]

---

[1] وفی الهندیة: ولو زاد الزوج علی حرف الجواب فقال طلقتك ثلاثاً بالف عند ابی حنیفةؒ یتوقف علی قبولها فان قبلت یقع الثلاث ویلزمها ألف وان لم تقبل بطل وعلی قولهما یقع للثلاث بألف قبلت ام لا کذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خانؒ۔

{الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۴۹۶
الباب الثامن فی الخلع}

[2] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: وقید بالاب (ای فی متن الکنز) لانه لو خلع ابنه الصغیر لا یصح ولا یتوقف خلع الصغیر علی اجازة الولی۔

(البحر الرائق شرح الکنز الدقائق ج ۴ ص ۹۱ باب الخلع)

ومثله فی فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج ۱ ص ۵۳۶ باب الخلع۔

خُلع طلاقِ بائن کے حکم میں ہے

سوال:- جناب مفتی صاحب! خُلع فقہاء احناف کے ہاں طلاق ہے یا فسخ نکاح؟

الجواب:- اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، احناف کثر اللہ سوادہم کے نزدیک خُلع طلاقِ بائن کے حکم میں ہے جبکہ شوافع اس کو فسخِ نکاح میں شمار کرتے ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وقع طلاق بائن فی الخلع رجعی فی غیرہ وقوعاً۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: تحت قولہ (بائن فی الخلع) لانہ من الکنایات الدالۃ علیٰ قطع الوصلۃ فکان الواقع بہ بائناً۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۰۹ باب الخُلع)[1]

ایجابِ خلع کے بعد شوہر کا رجوع صحیح نہیں

سوال:- خلع میں شوہر نے ایجاب کیا، ابھی عورت نے قبول نہیں کیا تھا کہ شوہر نے رجوع کے الفاظ کہے مگر اس کے باوجود بھی عورت نے خلع قبول کر لیا تو کیا اس سے خلع لازم ہوگا یا شوہر کا رجوع صحیح ہے؟

الجواب:- خلع چونکہ مرد کی جانب سے یمین ہے اور یمین میں شرعاً رجوع نہیں کیا جا سکتا، اس لیے صورتِ مسئولہ میں شوہر کا رجوع کرنا درست نہیں بلکہ عورت کے قبول کر لینے سے خلع نافذ العمل ہوگا، البتہ اگر ایجاب عورت کی طرف سے ہو تو شوہر کا رجوع کرنا صحیح ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ھو یمین فی جانبہ لانہ تعلیق الطلاق بقبول المال فلا یصح رجوعہ عنہ قبل قبولھا ولا یصح شرط الخیار لہ ولا یقتصر علی المجلس ای مجلسہ ویقتصر قبولھا علی مجلس علمھا وفی جانبھا معاوضۃ بمال فصح رجوعھا قبل قبولہ وصح شرط الخیار لھا۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۶۰۶، ۶۰۷ باب الخلع)[2]

---

[1] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: یقع بہ طلقۃ بائنۃ ولو بدون عوض او نیۃ فی رأی الحنفیۃ والمالکیۃ والشافعیۃ فی الراجح واحمد فی روایۃ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۵۰۲ البحث الخامس آثار الخلع)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۴۸۸ الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمہ۔

[2] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: وذھب ابوحنیفۃؒ الی ان الخلع قبل قبول المرأۃ یمین من جانب الزوج فلا یصح الرجوع عنہ لانہ علق طلاقھا علی قبول المال والتعلیق یمین اصطلاحاً ویعتبر معاوضۃ بمال من جانب الزوجۃ لانھا التزمت بالمال فی مقابل افتداء نفسھا وخلاصھا من الزوج۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۴۸۸ البحث الثانی، صفۃ الخُلع۔

خلع کے بعد تجدیدِ نکاح صحیح ہے

سوال :- ایک شخص نے بیوی کے ساتھ خلع کیا، اب وہ دوبارہ اس کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تو کیا شرعاً تجدیدِ نکاح سے نکاح ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب :- احناف کے ہاں چونکہ خلع سے طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے اور طلاقِ بائن کے بعد تجدیدِ نکاح سے نکاح صحیح ہوجاتا ہے، لہٰذا اگر صورتِ مسئولہ میں صرف خلع ہوا ہو تو دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: الواقع ولو بلا مال (و بالطلاق) الصريح على مال طلاق بائن۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۰۹ باب الخلع)[1]

صبی و مجنون کا خلع نافذ العمل نہیں

سوال :- کیا صبی و مجنون وغیرہ کا خلع صحیح ہے جب وہ اپنی بیوی سے بعوض حق مہر یا دیگر اموال کے بدلے خلع کرے؟

الجواب :- خلع ایک قسم کی طلاق ہے اس میں ہر اُس شرط کا ہونا ضروری ہے جو طلاق کیلئے ضروری ہو، چونکہ صبی و مجنون اور معتوہ کی طلاق شرعاً صحیح نہیں اسلئے ان کا خلع کرنا بھی درست نہیں۔

وفى الهندية: وخلع الصبى باطل والمعتوة والمغمى عليه ومن مرض بمنزلة الصبى فى ذلك هكذا فى المبسوط۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۰۳ الباب الثامن فى الخلع)[2]

☆ ☆

---

[1] وفى الهندية: وحكمه وقوع الطلاق البائن كذا فى التبيين۔
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۴۸۸ الباب الثامن فى الخلع وما حكمه)

ومثله فى تبيين الحقائق ج۲ ص۲۶۷ باب الخلع۔

[2] قال الشيخ الدكتور وهبة الزحيلى: يشترط فى الخلع ما يأتى (۱) اهلية الزوج لايقاع الطلاق بان يكون بالغا عاقلاً فى رأى الجمهور .... فكل من لا يصح خلعه كالصبى والمجنون والمعتوه ومن اختل عقله لمرض او كبر سنٍ۔
(الفقه الاسلامى وادلته ج۷ ص۴۹۰ المبحث الثالث، شروط الخلع)

باب العنین

(نامرد کے مسائل واحکام)

زوجۂ عنین کا حکم

سوال:۔ ایک لڑکی کا نکاح ایک لڑکے سے کر دیا گیا، شادی کے بعد معلوم ہوا کہ لڑکا تو عنین (نامرد ہے اور حقوقِ زوجیت ادا نہیں کر سکتا، علاج و معالجہ سے بھی کوئی افاقہ نہیں ہوا، لڑکی جوان ہے شرعاً اس مسئلہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر خاوند کے عنین ہونے کا علم نکاح سے قبل منکوحہ کو نہ ہو نیز عورت نے اسکے نامرد ہونے پر علم حاصل ہونے کے بعد اسکے نکاح میں رہنے پر رضامندی ظاہر نہ کی ہو اور خاوند نے اسکے ساتھ ایک دفعہ بھی جماع نہ کیا ہو تو پھر قاضی یا مسلمان حاکم کے حکم سے خاوند کو علاج معالجہ کیلئے ایک سال کی مہلت دی جائے گی، ایک سال میں اگر وہ صحتیاب نہ ہو سکا تو عورت کے مطالبہ پر قاضی یا مسلمان حاکم دونوں کے درمیان تفریق کرکے نکاح فسخ کردے گا، اور اگر قاضی یا حاکم فسخ نکاح کے لیے میسر نہ ہوں تو عورت خود بھی اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے جب وہ اپنے نفس کو اس کے نکاح سے علیحدہ کرنے کے لیے اختیار حاصل کرے۔

لما قال ابن عابدینؒ: ویکفی اختیار نفسها ولا یحتاج الی القضاء کخیار العتق قیل وهو الاصل۔ کما فی غایة البیان وفی البدائع عن شرح مختصر الطحاوی ان الثانی ای عدم الاحتیاج الی القضاء ظاهر الروایة۔ (ردّ المحتار علی الدرّ المختار ج۲ ص۶۴۷ باب العنین مطلب فی طبائع فصول السنة الاربع)۔

یہاں یہ یاد رہے کہ علاج معالجہ کیلئے ایک سال کی مہلت قاضی یا حاکم ہی کے حکم سے جھگڑنے کے وقت سے مقرر کی جائے گی، کسی دوسرے شخص کے کہنے سے قبل از خصومت و تنازع تقرر کا اعتبار نہ ہوگا۔

قال ابن عابدینؒ: وعبرة بتاجیل غیر قاضی البلد الواجیة ولا یعتبر بتاجیل غیر الحاکم کائنا من کان۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۴۹ باب العنین مطلب فی عطف الخاص علی العام) وفی الدر المختار: ویؤجل من وقت الخصومة۔ (ج ۲ ص۶۴۶ باب العنین) [1]

---

[1] قال المرغینانیؒ: واذا کان الزوج عنینا اجل الحاکم سنة فان وصل الیها فیها والا فرق بینهما اذا طلبت المرأة ذلک۔ (الهدایة ج۲ ص۳۹۹ باب العنین وغیره)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۵۲۳ الباب الثانی فی العنین۔

ابتداءً رضامندگی سے خیار باطل ہوجاتا ہے

سوال:۔ اگر کوئی عورت ابتداءً عنین شوہر کے ساتھ رہنے پر آمادگی ظاہر کرے اور سال دو سال بعد شوہر سے الگ ہونے کا دعوٰی عدالت میں دائر کردے تو کیا اس عورت کو شوہر سے الگ ہونے کا شرعاً حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی عورت شادی کے بعد اپنے شوہر کو عنین پائے تو اس کو بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے مگر جب وہ ایسے شوہر کے ساتھ رہنے پر آمادگی ظاہر کردے تو پھر اس کو تفریق یعنی فسخ نکاح کا حق باقی نہیں رہتا۔

قال الشیخ وهبة الزحیلی: اشترط الفقهاء شرطین لثبوت الحق فی طلب التفریق بالعیب وهما...... (۲) الا یرضی بالعیب بعد العقد فان کان طالب التفریق جاهلاً بالعیب ثم علم به بعد ابرام العقد ورضی به سقط حقه فی طلب التفریق۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۵۲۱ شروط التفریق بالعیب) [1]

خیارِ فسخ کے ختم ہونے کی شرائط

سوال:۔ اگر ایک عورت کو کسی طریقہ سے یہ معلوم ہوجائے کہ وہ جماع پر قادر نہیں اس کے باوجود وہ اس کے ظاہری حسن وجمال یا اس کے مال ودولت کے لالچ کی وجہ سے اس سے نکاح کرے اور کچھ عرصہ کے بعد اس بناء پر تفریق کا مطالبہ کرے کہ یہ شخص جماع پر قادر نہیں ہے تو کیا اس عورت کو نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ علماء احناف کے ہاں شوہر میں عیب کی وجہ سے فسخ نکاح کیلئے چند شرائط ہیں۔ (۱) یہ کہ اس عورت کو شوہر کے اُس عیب کا علم نکاح سے قبل نہ ہو۔ (۲) یہ کہ اس عورت کو شوہر کا یہ عیب نکاح سے پہلے معلوم ہو اور اس کے باوجود وہ اس سے نکاح کرے تو پھر اس کو طلب تفریق (یعنی نکاح فسخ کرنے) کا کوئی حق نہیں۔ اسی طرح صورتِ مسئولہ

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ: وان اختارته بطل حقها..... اشار ببطلانه باختیارها الی انه لو فرق بینهما ثم تزوجها۔ ثانیاً لم یکن لها خیار لرضاها بحاله کما لو تزوجته عالمة بحاله علی المفتی به۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۲۵ باب العنین)

ومثله فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۵۰۰ باب العنین۔

ہیں بھی اس عورت کو فسخِ نکاح کا حق حاصل نہیں ہے۔

لما قال الشیخ ابو زهرةؒ: ویشترط للتفریق فی العنة والجب والخصاء ثلاثة شروط (اولاً)... تکون عالمة بذلك عند العقد فان علمت به عند العقد ورضیت فانه لیس لها الحق فی طلب التفریق بسببه۔

(الاحوال الشخصیّة ص۳۵۶ التفریق للعیب) [1]

خصّی اور عنین کا حکم ایک ہی ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! جس طرح عنین کے لیے (بغرض علاج معالجہ) ایک سال کی مہلت ہے تو کیا خصّی کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی یا بغیر مہلت کے ہی میاں بیوی میں تفریق کی جائے گی؟

الجواب:۔ عنین اور خصّی دونوں کو قاضی علاج کے لیے ایک سال کی مہلت دے گا تاکہ وہ اس مدت میں اپنا علاج کرا کے جماع کے قابل ہو سکے، اور اگر اس کے باوجود وہ جماع کے قابل نہ ہو سکے تو ایک سال کے بعد دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔

لما قال الشیخ الامام ابو زهرةؒ: أما العنة والخصاء فلا یحکم القاضی بالتفریق فیهما بمجرد طلبها وثبوت عدم قبولها بل لا بد من تاجیلها سنة ویثبت انه لم یقربها وذلك لان عمر رضی الله عنه أجل التفریق سنة عندما طلبت امرأة التفریق لأن زوجها لم یقربها۔ (الاحوال الشخصیة ص۳۵۷ التفریق للعیب) [2]

---

[1] قال الشیخ وهبة الزحیلی: اشترط الفقهاء شرطین لثبوت الحق فی طلب التفریق بالعیب وهما (۱) الا یکون طالب التفریق عالماً بالعیب وقت العقد فان علم به فی العقد و عقد الزواج لم یحق له طلب التفریق لأن قبوله التعاقد مع علمه بالعیب رضا منه بالعیب۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۵۲۱ شروط التفریق بالعیب)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۵۰۰ باب العنین۔

[2] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وأجل سنة لو عنینا او خصیا وهو من نزع خصیتاه وبقی ذکره۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۲۴ باب العنین)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۴۹۶ باب العنین۔

مقطوع الذکر کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص مجبوب ہو (یعنی جس کا آلۂ تناسل بالکل نہ ہو) تو کیا اسے بھی ایک سال کی مہلت دی جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد اگر کسی عورت کا شوہر مجبوب یا مقطوع الذکر ہو جائے تو اس کو مہلت دینے میں چونکہ کوئی فائدہ نہیں اور نہ وہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے جو مہلت دینے سے مقصود ہوتا ہے اس لیے مجبوب کو مہلت دیئے بغیر دونوں کے درمیان قاضی یا جج تفریق کر دے گا۔

قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: وجدت زوجها مجبوبًا فرق فی الحال وھو من استوصل ذکرہ و خصیتاہ ...... وانما لم یؤجل لعدم الفائدۃ۔

(البحر الرائق ج ۴ ص ۱۲۲ باب العنین وغیرہ)[1]

عقیم مرد سے فسخ نکاح کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک شخص جماع پر تو قادر ہے لیکن ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق اس کے مادۂ منویہ میں اولاد پیدا کرنے والے جراثیم ختم ہو چکے ہیں جبکہ اس کی بیوی تندرست اور بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، تو کیا عورت نکاح فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی کو اولاد دینا یا نہ دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جس کو چاہے بچے عنایت فرمائے اور جسے چاہے نہ دے، جراثیم کا ختم ہونا کوئی عیب نہیں اور نہ ڈاکٹری رپورٹ حکم قطعی ہے، لہٰذا جب کسی عورت کا خاوند نفسِ جماع پر قادر ہو تو اسے یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنا نکاح بذریعہ عدالت فسخ کرالے۔

لما قال العلامۃ المرغینانیؒ: اذا کان الزوج عنینًا اجل الحاکم سنۃ فان وصل الیها فیها والا فرق بینهما اذا طلبت المرأۃ ذٰلک۔ (الهدایۃ ج ۲ ص ۳۹۹ باب العنین)

---

[1] قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: اذا وجدت المرأۃ زوجها مجبوبا او مقطوع الذکر فقط او صغیرہ جدًا کالزر ...... فرق الحاکم بطلبها ...... بینهما فی الحال ولو المجبوب صغیرا لعدم فائدۃ التأجیل۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۳ ص ۴۹۴ باب العنین)

باب العدّۃ

(عدّت کے مسائل)

بیوہ عورت کی عدت

سوال: جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کو دوسرا نکاح کرنے کے لیے کتنی مدت انتظار کرنا پڑے گا؟ کیا حمل کی وجہ سے عدت میں کمی بیشی ممکن ہے یا نہیں؟

الجواب: جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کے لیے چار ماہ دس دن عدت گزارنا ضروری ہے، عدت کے دوران دوسرا نکاح یا اس کی دیگر سرگرمیوں میں وابستہ رہنا ناجائز اور حرام ہے۔ اور جو عورت حاملہ ہو اس کی عدت وضع حمل پر موقوف ہے چاہے ایک گھنٹہ بعد ہو یا نو مہینے لگ جائیں۔

وقال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق ۴)
وایضاً قال عزوجل: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۳۴)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں: لا یحل لامرأة تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلاث الا علی زوج اربعة اشهر وعشرا۔
(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۷ باب وجوب الاحداد فی عدة الوفات وتحریمه فی غیر ذلك الا ثلاثة ایام)

وقال العلامة ابن عابدین رحمه اللہ: تحت قول الحصکفیؒ، وضع جمیع حملها ای بلا تقدیر بمدة سواء ولدت بعد الطلاق او الموت بیوم او اقل۔
(ردالمحتار ج ۲ ص ۶۵۶ باب العدة)[1]

---

[1] قال العلامة قاضی خان رحمه اللہ: فان كانت المعتدة عن الطلاق او الموت حاملاً فعدتها بوضع الحمل۔ وفیه ایضاً وعدة الوفاة علی الحرة اربعة اشهر وعشرا۔
(الفتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندیة ج ۱ ص ۵۵۰ باب العدة)
ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۵۲۸-۵۳۳ الباب الثالث عشر فی العدة۔

مطلقہ قبل الدخول کی عِدّت

سوال: اگر ایک شخص نے قبل الدخول اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو کیا ایسی حالت میں مطلقہ پر عدت گذارنا ضروری ہے؟

الجواب: ہمبستری یا خلوتِ صحیحہ سے قبل طلاق دینے کی صورت میں مطلقہ کے ذمہ عدت گذارنا واجب نہیں، لہٰذا طلاق سے جدا ہو کر اس کے فوراً بعد یا تاخیر سے بغیر کسی تحدیدِ مدت کے دوسری جگہ نکاح کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

لما قال الله عزوجل: وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا۔ (سورۃ الاحزاب آیت ۴۹)[1]

نابالغہ کی عِدّت

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی نابالغ بیوی کو ہمبستری کے بعد طلاق دی ہو تو اس کی عدت کیا ہوگی؟

الجواب: نابالغ عورت حیض نہ ہونے کی وجہ سے مہینوں کے اعتبار سے عدت گذارے گی لہٰذا تین ماہ گذر جانے کے بعد مطلقہ آزاد ہوگی، تاہم اگر دورانِ عدت حیض کا خون آنا شروع ہو گیا تو پھر عدت مہینوں کے بجائے حیض سے شمار ہوگی۔ قال الله تعالیٰ: وَاللّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ (سورۃ الطلاق آیت ۴)

وفی الهندیة: والعدة لمن لم تحض لصغر او کبر او بلغت بالسن و لم تحض ثلاثة اشهر کذا فی النقایة، وکذا لو رأت دمًا یومًا ثم لم تر فعدتها بالشهور وهو الصحیح ولو رأت ثلاثة دمًا ثم انقطع فعدتها بالحیض الخ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۲۶ باب العدة)[2]

---

[1] لما قال العلامة الکاسانی رحمه الله، وشرط وجوبها (ای العدة) ..... الدخول وما یجری مجری الدخول وهو الخلوة الصحیحة۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۱۹۱ باب العدة۔ فصل ومنها ان یکون النکاح الثانی صحیحًا)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۵۲۶ الباب الثالث عشر فی العدة۔

[2] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: وان کانت ممن لاتحیض من صغر او کبر فعدتها ثلاثة اشهر۔ (الهدایة ج۲ ص۴۰۱ باب العدة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۴ ص۱۳۰ باب العدة۔

معتدۃ عدّت کہاں گذارے گی

سوال:۔ عدّت گذارنے والی عورت کیلئے عدّت کے دوران خاوند کے گھر کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ رہائش اختیار کرنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ معتدۃ کے لیے خاوند کے گھر سے نکلنا جائز نہیں، جس گھر میں اس کو طلاق ملی ہو یا خاوند وفات پاگیا ہو عورت وہاں پر ہی عدّت گذارے گی، اس لیے کہ جس عورت کے اخراجات خاوند کے ذمہ ہوں اس کے لیے خاوند کے گھر سے کسی وقت نکلنا جائز نہیں ہے۔ البتہ متوفیٰ عنہا زوجہا کے لیے دن میں اتنی ضرورت کے لیے نکلنا مرخص ہے کہ جتنے وقت میں اپنی دنیاوی ضرورت پوری کرے لیکن رات کو لازمی طور پر شوہر کے گھر آنا ضروری ہوگا تاہم اگر مکان کرایہ کا ہو اور بیوہ کے لیے کرایہ کا انتظام مشکل ہو تو پھر اس ضرورت کے تحت والدین کے گھر ایام عدت گذار سکتی ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیه الا ان تخرج او ینهدم المنزل او تخاف انهدامه او تخاف تلف مالها اولا تجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیه۔

(الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۲۳ باب العدّة)[1]

دورانِ عدت خاوند کے گھر رہنا ضروری ہے

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں، اب دونوں دوبارہ آبادی کیلئے حلالہ پر راضی ہیں لیکن عورت چونکہ حاملہ ہے جس کے لیے وضع حمل کے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں، اس صورت میں یہ عورت کہاں سکونت اختیار کرے گی؟ کیا خاوند کے ہاں رہ سکتی ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق اس عورت کے لیے دورانِ عدت خاوند کے گھر رہنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے، تاہم اگر نکاح سے قبل خاوند کی طرف سے کسی فسق و فجور کا خطرہ ہو تو

---

[1] وفی الهندیة: علی المعتدۃ ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیها بالسکنی حال وقوع الفرقة والموت، وفیه۔ وان اضطرت الی الخروج من بیتها...... فی عدة الوفات فلا بأس عند ذلک ان تنتقل.....الخ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۳۵ الباب الرابع عشر فی الحداد)

ومثلهٗ فی البحر الرائق ج۴ ص۱۵۴ فصل فی الاحداد۔

اس کے انسداد کے لیے خلوت سے اجتناب کرنا یا دیگر احتیاطی تدابیر کا اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ زنا وغیرہ کے ارتکاب سے بچا جا سکے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: لہما ان یسکنا بعد الثلث فی بیت واحد، اذا لم یلتقیا التقاء الازواج ولم یکن فیہ خوف فتنۃ وفیہ عن المجتبیٰ الافضل الحیلولۃ بستر ولو فاسقًا فبامرأۃ۔ الخ

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۶۷۵ باب العدۃ)[1]

زنا کے ارتکاب سے عدت متاثر نہیں ہوتی

سوال:۔ اگر مطلقہ مغلظہ سے خاوند باوجود اقرارِ حرمت کے دورانِ عدت زنا کرے تو کیا اس سے عدت پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ مطلقہ مغلظہ سے اگر خاوند دورانِ عدت زنا کا ارتکاب کرے تو عدت جاری رہے گی اس سے عدت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما فی الہندیۃ: واما المطلقۃ ثلاثًا اذا جامعہا زوجہا فی العدۃ مع علمہ انہا حرام علیہ ومع اقرارہ بالحرمۃ لا تستأنف العدۃ۔

(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۵۳۲ الباب الثالث عشر فی العدۃ)[2]

عورت کا خاوند کے گھر میں عدت گذارنے کی وجہ

سوال:۔ طلاق ہو جانے کے بعد عورت کو خاوند کے گھر میں عدت گذارنے کا پابند کیوں کیا ہے؟ جبکہ عورت کسی دوسری جگہ بھی عدت گذار سکتی ہے؟

الجواب:۔ اگرچہ عورت پر یہ لازم نہیں کہ وہ طلاق سے معتدۃ ہونے کی صورت میں خاوند کے

---

[1] قال ابن نجیمؒ: فلا بأس بان یسکنا فی بیت واحد اذا کان عدلًا سواء کان الطلاق رجعیا او بائنًا او ثلاثًا والافضل ان یحال بینہما فی البیتوتۃ بستر الا ان یکون الزوج فاسقًا فیحال بامرأۃ ثقۃ تقدر علی الحیلولۃ بینہما۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۵۴ باب العدۃ فصل فی الاحداد)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۵۳۵ الباب الرابع عشر فی الاحداد۔

[2] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: لو وطئہا بعد الثلاث فی العدۃ بلا نکاح عالمًا بحرمتہا لا تجب عدۃ اخری لانہ زنا۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۶۱ باب العدۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الخانیۃ علی ہامش الہندیۃ ج۱ ص۵۵۳ فصل فی انتقال العدۃ۔

گھر میں رہے، لیکن عدت کے دوران چونکہ اس کا نکاح دوسری جگہ نہیں ہو سکتا، اس لیے شریعت نے اس کے اخراجات کا (متبادل انتظام نہ ہونے تک) خاوند کو ذمہ دار قرار دیا ہے، مزید برآں یہ بھی ممکن ہے کہ عورت حاملہ ہو اور بچہ کی ولادت تک عورت خاوند کے حق میں محبوس رہے گی، اس لیے عورت کے لیے خاوند کے گھر کے علاوہ کوئی اور بہتر جگہ میسر نہیں اور طلاقِ رجعی کی صورت ممکن ہے کہ عورت کا خاوند کے گھر میں رہنا دوبارہ تعلقات کی بحالی کا ذریعہ ثابت ہو۔

قال العلامۃ الامام الکاسانیؒ: وانما تجب هذه العدة ای عدة الاقراء لاستبراء الرحم فوجبت العدة ليعلم بها فراغ الرحم وشغلها۔ وايضًا قال: وانما تجب لاظهار الحزن بفوت نعمة النكاح۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۱۹۱، ۱۹۲ کتاب الطلاق۔ فصل واما العدة بالاشهر فنوعان وفی فصل قبلہ)[1]

عدت کی کم از کم مدت

سوال:- غیر حاملہ عورت طلاق کے بعد دعویٰ کرے کہ میری عدت گزر گئی ہے تو کتنی مدت میں اس کے قول کو اعتبار دیا جائے گا؟

الجواب:- صاحبینؒ کے نزدیک ایسے دعویٰ کے لیے کم از کم ۳۹ دن کا ہونا ضروری ہے کیونکہ کم از کم تین حیض کے لیے نو ۹ دن اور دو ۲ طہر کے لیے تیس ۳۰ ایام درکار ہوں گے تاہم عورت کی عادت کو مدِنظر رکھتے ہوئے ۳۹ سے زائد ایام کے وقت فیصلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: قالت مضت عدتی والمدة تحتمله وكذبها الزوج قبل قولها والا تحتمله المدة لا۔ وقال العلامۃ ابن عابدینؒ: فی هذا المقام وعندهما اقل مدة تصدق فيها الحرة تسعة وثلاثون يومًا ثلاث حيض بتسعة ايام وطهران بثلاثين۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۶۲۵ باب العدة۔ مطلب فی وطئ المعتدة بشبهة)[2]

---

[1] قال الشيخ الدكتور وهبة الزحيلی: "فی بيان وجه العدة" براءة الرحم وصون النسب واعطاء الفرصة الكافية للزوج بعد الطلاق ليعود لزوجته المطلقة۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج ۷ ص ۶۲۴ باب العدة)

[2] قال العلامۃ برهان الدين المرغينانی رحمه الله: واذا قالت المعتدة انقضت عدتی وكذبها الزوج كان القول قولها مع اليمين۔

(الهداية ج ۲ ص ۴۲۴ کتاب الطلاق۔ باب العدة)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدير ج ۴ ص ۱۵۶ باب العدة۔ کتاب الطلاق۔

باہمی تعلقات منقطع ہونے کے باوجود مطلقہ کیلئے عدت ضروری ہے

سوال:- اگر ایک عورت اپنے خاوند سے بھاگ کر کسی اور شخص کے پاس مدت دراز تک غیر شرعی سرگرمیوں میں ملوث رہی اور کئی سالوں تک اس کا خاوند سے رابطہ نہیں رہا، اسی حالت میں اگر خاوند اس کو طلاق دیدے تو کیا اس عورت پر عدت گذارنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:- جب تک منکوحہ کو خاوند سے طلاق نہ ملے تو میاں بیوی کی عرصہ دراز تک باہمی جدائی سے نکاح متاثر نہیں ہوتا، نکاح کی موجودگی میں عورت کے ہاں جو بچہ پیدا ہو تو بوجہ نکاح خاوند سے اس کا نسب ثابت ہوگا، اس حالت میں نسب کا انتفاء لعان پر موقوف ہے۔ بایں وجہ جب تک نکاح کی بقاء زوال پر منتج نہ ہو تو عورت کے لیے عدت ضروری ہوگی، اگرچہ عرصہ دراز تک میاں بیوی کا رابطہ منقطع رہا ہو۔

قال اللّٰه تبارك وتعالىٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ (سورۃ البقرۃ آیت)
وقال النبیّ علیه الصلوٰۃ والسلام: "الولد للفراش"۔ (رواہ ابوداؤد ج۱ ص۳۱۷) عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللّٰه تعالیٰ عنها۔ [1]

عدت کی ابتداء زوالِ نکاح سے شمار ہوگی

سوال:- ایک عورت اپنے خاوند سے چار سال تک جدا رہی اور ایک دوسرے سے کبھی ملاقات بھی نہیں ہوئی، اب جبکہ خاوند نے خلع کر دیا ہے تو کیا اس عورت پر عدت ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- صورتِ مرقومہ کے مطابق میاں بیوی کے ایک عرصہ تک علیحدہ رہنے کے باوجود ان کا نکاح باقی ہے، زوالِ نکاح چونکہ خلع کرنے یا طلاق دینے سے آتا ہے اس لیے یہ عدت زوالِ نکاح سے شروع ہو کر عورت پر عدت لازم ہے۔

لما قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ومبدأ العدۃ بعد الطلاق وبعد الموت على الفور۔
(الدر المختار علی ہامش ردالمحتار ج۲ ص۶۶۲ باب العدۃ۔ مطلب فی وطئ المعتدۃ بشبهة) [2]

---

[1] قال المرغینانیؒ: ویثبت نسب ولد المطلقة الرجعیة اذا جاءت به لسنتین او اکثر ما لم تقر بانقضاء عدتها۔ (الهدایة ج۲ ص۴۰۹ کتاب الطلاق۔ باب العدۃ) — ومثله فی ردالمحتار ج۲ ص۶۲۶ باب العدۃ۔ فصل فی ثبوت النسب۔

[2] قال المرغینانیؒ: وابتداء العدۃ فی الطلاق عقیب الطلاق۔ (الهدایة ج۲ ص۴۲۴ کتاب الطلاق۔ باب العدۃ)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۵۳۱ کتاب الطلاق، فی الباب الثالث عشر فی العدۃ۔

عدت کے اندر رجوع بالقول کافی ہے

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی لیکن بعد ازاں عدت کے آخری ایام میں رجوع کا ارادہ کیا، باہمی تعلقات کا سہارا لینے کی بجائے صرف دو گواہوں کے سامنے یہ کہہ دیا کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا ہے، تو کیا شخص مذکور اب عورت کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عدت گذرنے سے قبل خاوند کا رجوع معتبر ہے، عدت کے دوران رجوع کے لیے کسی عملی اقدام کی بجائے رجوع بالقول ہی کافی ہے، اس لیے دو گواہوں کے سامنے اس کے رجوع کو اعتبار دے کر دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی گذار سکتے ہیں۔

لما فی الہندیۃ: فالرجعۃ ان یراجعھا بالقول ویشھد علیٰ رجعتھا شاھدین۔ الخ[1]

(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۴۶۸ کتاب الطلاق، الباب السادس فی الرجعۃ وفیما تحل بہ المطلقۃ وما یتصل بہ)

عدت کے دوران عورت کے جملہ اخراجات کا خاوند ذمہ دار ہے

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاقِ ثلاثہ دے کر فارغ کر دیا ہو، اب جبکہ خاوند اور مطلقہ کے باہمی تعلقات مراجعت یا تجدیدِ نکاح سے نہیں بنتے ہوں تو عدت کے دوران مطلقہ کے اخراجات کا کون ذمہ دار ہوگا؟

الجواب:۔ مطلقہ مغلظہ ہو یا بائنہ، عدت کے دوران اس کی خوراک، پوشاک اور رہائش کے جملہ اخراجات خاوند کے ذمہ ہیں، اگر خاوند باہمی رضامندی سے ان اخراجات کی ادائیگی کیلئے تیار نہ ہو تو عورت حاکم وقت یا قاضی کے ذریعہ اس سے ان حقوق کے حاصل کرنے کا حق محفوظ رکھتی ہے۔

قال المرغینانیؒ: واذا طلق الرجل امرأتہ فلھا النفقۃ والسکنیٰ فی عدتھا رجعیًا کان او بائنًا۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۴۲۱ کتاب الطلاق۔ باب النفقۃ)[2]

---

[1] قال المرغینانیؒ: والرجعۃ ان یقول راجعتک او راجعت امرأتی۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۳۴۳ کتاب الطلاق، باب الرجعۃ)

وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج ۲ ص ۵۴۳ کتاب الطلاق، باب الرّجعۃ۔

[2] قال ابن عابدینؒ۔ تحت قول الحصکفیؒ "وتجب للمطلقۃ الرجعی والبائن"۔ لان النفقۃ تابعۃ للعدۃ وقید بالرجعی والبائن احترازًا عما لو اعتق ام ولدہ۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۴۲۶ باب النفقۃ۔ مطلب فی نفقۃ المطلقۃ ......)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ، ج ۱ ص ۵۵۵ کتاب الطلاق، الفصل الثالث فی نفقۃ المعتدۃ۔

عدّتِ وفات میں عورت کا نان و نفقہ کس کے ذمہ ہے

سوال:۔ عدّتِ وفات میں جہاں بیوہ کو عدت گذارنا لازم ہے اس کے اخراجات کی ادائیگی کس کے ذمہ ہے؟

الجواب:۔ منکوحہ کے اخراجات خاوند کے ذمہ ہوتے ہیں لیکن خاوند کی وفات سے باہمی تعلّق منقطع ہونے کی وجہ سے خاوند سے یہ ذمّہ داری ساقط ہو جاتی ہے، چنانچہ ورثاء سے اس کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا، عورت کو اپنے اخراجات خود برداشت کرنے ہوں گے۔ تاہم جہاں کہیں عورت اخراجات پورا کرنے سے قاصر ہو تو پھر عُصبہ (رشتہ داروں) پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

قال برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ولا نفقة للمتوفّٰى عنها زوجها۔

(الهداية ج۲ ص۴۲۲ كتاب الطلاق۔ باب النفقة)

وقال ايضاً: والنفقة لكل ذي رحم محرم اذا كان صغيراً فقيراً اُو كانت امرأة بالغة فقيرة۔ (الهداية ج۲ ص۴۲۵ كتاب الطلاق۔ باب النفقة) [1]

ایامِ عدت میں عورت کا پنشن کیلئے جانا

سوال:۔ میرا شوہر فوت ہو گیا ہے اور مجھے ہر ماہ اپنی پنشن کے لیے اپنے متعلقہ دفتر جانا پڑتا ہے جبکہ دفتر والے میرے بغیر کسی اور کو پنشن نہیں دیتے، غربت و افلاس کی یہ حالت ہے کہ اس کے بغیر گذارہ نہیں ہوتا، تو کیا میں دورانِ عدت پنشن لینے کے لیے گھر سے باہر جاسکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ عورت کے لیے دورانِ عدت گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے، مگر ضرورتِ شدیدہ کو شریعتِ مطہرہ نے مستثنیٰ کیا ہے، اس لیے اگر آپ کا بغیر پنشن کے گذارہ نہیں ہوتا ہو تو آپ اس مجبوری کی وجہ سے پنشن لینے کے لیے جاسکتی ہیں

---

[1] قال الحصكفي رحمه الله: لانفقة لاحد عشر وعد منها معتدة موت۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۶۰۳، باب النفقة، مطلب لاتجب على الأب نفقة زوجة ابنه الصغير)

وَمِثْلُهٗ في الهندية ج۱ ص۵۵۸ كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات وفيه ستة فصول، الفصل الثالث في نفقة المعتدة۔

مگر ضرورت پورا ہوتے ہی فوراً واپس آنا ضروری ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وتعتدان ای معتدة طلاق وموت فی بیت وجبت فیه ولا یخرجان منه الا ان تخرج او یتهدم المنزل او تخاف انهدامه او تلف مالها او لا تجد کراء البیت ونحو ذٰلك من الضرورات فتخرج لأقرب موضع الیه۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۵۳۶ فصل فی الحداد)[1]

دورانِ عدت عورت کا ویزہ کے حصول کیلئے نکلنا

سوال:- اگر غریب الوطنی میں کسی عورت کا شوہر فوت ہو جائے اور دورانِ عدت عورت کو ویزہ لگوانے کی ضرورت پڑ جائے اور عورت کے جائے بغیر ویزہ لگوانا ممکن نہ ہو تو کیا یہ عورت دورانِ عدت ویزہ لگوانے کیلئے متعلقہ دفتر جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: عدت طلاق کی ہو یا وفات کی دونوں کے دوران عورت کا بلا ضرورتِ شرعی کے گھر سے نکلنا جائز نہیں، البتہ اگر ضرورت اتنی شدید ہو کہ اُس کے جائے بغیر مسئلہ حل نہ ہوتا ہو تو اس مجبوری کی خاطر عورت گھر سے نکل سکتی ہے مگر رات کو گھر واپس آنا بہرحال ضروری ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں عورت ویزہ کے لیے دورانِ عدّت جا سکتی ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: وتعتدان ای معتدة طلاق وموت فی بیت وجبت فیه ولا یخرجان منه الّا ان تخرج او یتهدم المنزل او تخاف انهدامه او تلف مالها اَوْ لا تجد کراء البیت ونحو ذٰلك من الضرورات فتخرج لأقرب موضع الیه۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۵۳۶ فصل فی الحداد)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: فقالوا لا تخرج المعتدة عن طلاق او موت الّا لضرورة لأنّ المطلقة تخرج للضرورة بحسبها لیلاً کان او نهاراً والمعتدة عن موت کذٰلك۔
(البحر الرائق ج۴ ص۱۵۳ فصل فی الحداد)

[2] ایضاً (حوالہ مذکورہ بالا)

دارالحرب میں نومسلم عورت کی عدت کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی غیر مسلم شادی شدہ عورت دارالحرب میں مسلمان ہوجائے تو کیا یہ عورت عدت گذار کر کسی مسلمان مرد سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کرسکتی ہے تو عدت گذارنے کا کیا طریقہ ہوگا؟

الجواب:۔ جب کوئی غیر مسلم عورت دارالحرب میں مسلمان ہوجائے اور وہاں قاضی شرعی نہ ہو تو اولاً تین حیض عدت گذار کر پہلے شوہر سے آزاد ہوجائے گی اور پھر تین حیض عدت گذارنے کے بعد کسی مسلمان مرد سے اس کا نکاح صحیح اور درست ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولو اسلم احدھما ثمہ لم تبن حتی تحیض ثلاثًا او تمضی ثلثة اشھر قبل اسلام الاٰخر۔ قال ابن عابدینؒ: وھل تجب العدة بعد مضی ھذہ المدة۔ (ردالمحتار ج۲ ص۶۴۱ باب نکاح الکافر)[1]

عدتِ وفات کے دوران حج کے لیے جانا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میں نے اپنے بھائی کے ساتھ حج کے لیے داخلہ کیا ہے اور منظوری بھی ہوچکی ہے کہ اس دوران میرے شوہر کا انتقال ہوگیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا میں اس حالت میں (عدت کے دوران) حج کی ادائیگی کے لیے جاسکتی ہوں؟

الجواب:۔ بیوہ عورت کا عدت کے دوران شرعًا بلا ضرورتِ شدیدہ کے گھر سے نکلنا جائز نہیں، البتہ جہاں جان و مال یا کسی اندام کے تلف ہونے کا خطرہ ہو تو اس مجبوری کی وجہ سے نکلنا مرخص ہے۔ حج اگرچہ اسلامی فریضہ ہے مگر علی الفور نہیں، لہٰذا اگر داخلہ کرنے اور منظوری ہوجانے کے بعد رقم واپس مل سکتی ہو تو حج یا دیگر کسی بھی سفر کیلئے نکلنا جائز نہیں اور اگر رقم واپس ملنے کا امکان نہ ہو تو پھر مجبورًا سفرِ حج پر جانے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: لا یخرج من بیتھا الا ان

---

[1] قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ، واذا اسلمت المرأة فی دارالحرب و زوجھا کافر او اسلم الحربی وتحتہ مجوسیة لم یقع الفرقة علیھا حتی تحیض ثلث حیض ثم تبین من زوجھا۔
(الھدایة ج۲ ص۳۴۲ باب نکاح اھل الشرک)
ومثلہٗ فی شرح الوقایة ج۲ ص۶۱ باب نکاح الرقیق والکافر۔

تخرج او ينهدم المنزل ...... وتخرج لاقرب موضع اليه۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۵۳۶ باب الحداد) [1]

حیض نہ آنے کی صورت میں مُطلقہ کی عدّت کا حکم

سوال:۔ اگر کسی عورت کو شوہر طلاق دیدے اور کئی ماہ سے اس کو حیض بھی نہیں آرہا ہو جبکہ عورت کی عمر بھی تقریباً ۲۵،۲۶ سال ہے، تو اس عورت کی عدت کا کیا طریقہ ہوگا؟ کیا یہ عورت حیض آنے تک انتظار کرے یا تین ماہ بعد دوسرا نکاح کرسکتی ہے؟

الجواب:۔ حنفیہ کے نزدیک مطلقہ کی عدتِ اصل بالاحیاض ہے، عدت بالاشہر آئیسہ کے اور صغیرہ کے ساتھ خاص ہے، اس لیے یہ عورت مدتِ ایاس تک انتظار کرے گی۔ مگر آج کل مجبوری کی وجہ سے متأخرین فقہاء نے امام مالکؒ کے قول ”ایک سال تک انتظار کرکے دوسرا نکاح کرنے پر فتویٰ دیا ہے، تاہم اس قول پر عمل تب ہوگا جب علاج معالجہ کے بعد بھی حیض نہ آئے، اور یہ دوسرا نکاح بھی باجازتِ قاضی وحاکم ہو۔

قال الشیخ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: حنفیہ کے نزدیک تو مدتِ ایاس تک انتظارِ حیض ضروری ہے اور مالکیہ کے نزدیک نو مہینے اور بقولِ معتمد ایک سال وقتِ طلاق سے عدت ہے اور ضرورت کے وقت اس قول پر عمل جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج۲ ص۴۹ کتاب الطلاق، فصل فی العدۃ والرجعۃ) [2]

عدتِ طلاق کے دوران شوہر کا انتقال ہوجانا

سوال:۔ کسی عورت کو شوہر نے دو طلاقیں دیں، عدت کے دوران ہی

---

[1] قال الشيخ صدر الشريعة رحمه الله: وتخرج معتدة الموت في الملوين (اي الليل والنهار) وتبيت في منزلها اذ لا نفقة لها فتحتاج الى الخروج ..... وتعتد في منزلها وقت الفرقة والموت والطلاق الا ان تخرج او خافت تلف مالها او لانهدام ......

(شرح الوقاية ج۲ ص۱۵۳ باب العدة۔ كتاب النكاح)

وَمِثْلُهٗ في الهداية ج۲ ص۱۲۳ باب العدة۔ كتاب النكاح۔

[2] قال الشيخ وهبة الزحيلي: سنة كاملة لممتدة الطهر التي لم يجئها الحيض او جاءها ثم انقطع ولم تبلغ سن اليأس۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج۷ ص۶۴۱ الفصل الرابع في العدة والاستبراء)

اس کا انتقال ہو گیا، تو اب یہ عورت کون سی عدت گذارے گی، عدتِ وفات یا عدتِ طلاق؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں علماءِ اُمت کا اتفاق ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کی عدت کے دوران انتقال کر جائے کہ اس کی مطلقہ بیوی کی عدت، عدتِ طلاق سے عدتِ وفات میں تبدیل ہو جائے گی، لہٰذا یہ عورت عدتِ طلاق کی بجائے عدتِ وفات (چار ماہ دس دن) گذارے گی بشرطیکہ شوہر نے طلاقِ رجعی دی ہو۔

قال الشیخ وهبة الزحیلی: اذا مات الرّجل فی اثناء عدّة زوجته الّتی طلّقها طلاقًا رجعیًّا انتقلت بالاجماع من عدّتها بالاقراء او الاشهر الی عدة وفاة وهی اربعة اشهر وعشرة ایّام سواء أکان الطلاق فی حال الصحة ام فی حال مرض الموت لان المطلّقة رجعیًّا تعد زوجة ما دامت فی العدّة وموت الزوج یوجب علی زوجته عدّة الوفاة۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۶۴۶ الفصل الرابع فی العدّة والاستبراء)[1]

حاملہ من الزّنا عورت کی عدّت

سوال:۔ اگر کوئی عورت زنا کی مرتکب ہوا اور وہ اُس زنا سے حاملہ بھی ہو تو کیا ایسی عورت شادی کے لیے وضع حمل کا انتظار کرے گی یا نہیں؟ اور اگر حمل نہ ہو تو کیا اس عورت پر عدت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عدّت کی مشروعیت ایک مقدس رشتے کے انقطاع کی صورت میں ہوتی ہے اس کے علاوہ کسی اور جگہ میں مشروعیت نہیں لہٰذا حاملہ من الزنا کیلئے کوئی عدّت نہیں مگر شوہر جماع کرنے کے لیے ایک حیض تک انتظار کرے کہ کہیں حاملہ نہ ہو، اگر ہو تو وضع حمل تک جماع کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة الکاسانیؒ: ولا تجب علی الحامل بالزّنا لانّ الزّنا لا یوجب العدّة الّا انّهٗ اذا تزوّج امرأة وهی حامل من الزّنا جاز النکاح عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ لا یجوز له ان یطأها ما لم تضع لئلّا یصیر ساقیًا ماءهٗ زرع غیره۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۱۹۳ فصل واما عدّة الحبل)[2]

---

[1] قال المرغینانیؒ: اما اذا کان رجعیًّا تعلیها عدة الوفاة بالاجماع۔ (الهدایة ج۲ ص۴۰۲ باب العدّة)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۳ ص۲ فصل فی بیان انتقال العدة وتغیّرها۔

[2] قال ابن نجیمؒ: وقدمنا ان الحامل من الزّنا لا عدّة علیها عندهما ولذا صح نکاحها لغیر الزانی وان حرم الوطء ولهذا الکلام فیما اذا تزوّجت علی قول ابی حنیفة ومحمد وهی حامل من الزّنا ثم طلّقها او مات عنها فانها تعتد بوضع الحمل۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۴۳ باب العدّة) ـــــ وَمِثْلُهٗ فی امداد الاحکام ج۲ ص۸۲۶ باب العدّة۔

عدتِ وفات شوہر کے گھر گذارنا لازمی ہے

سوال:۔ اگر کوئی عورت گھریلو ناچاقی کی وجہ سے میکے (والدین کے گھر) چلی جائے اور وہاں وہ کئی سالوں تک ناراض بیٹھی رہے کہ اچانک اس کا شوہر فوت ہوجائے تو اب یہ عورت عدتِ وفات کہاں گذارے گی؟ والدین کے گھر میں یا شوہر کے گھر میں؟

الجواب:۔ عدتِ وفات ایک قسم کا سوگ ہے جو کہ شرعاً شوہر کے گھر میں گذارنا لازمی ہے، شوہر کا گھر عورت کا اپنا گھر ہے، میکے میں جانا اس کا اتفاقی حادثہ ہے لہٰذا یہ عورت عدتِ وفات شوہر کے گھر گذارے گی، تاہم اگر اس کا شوہر کے گھر رہنا باعثِ فتنہ وفساد ہو تو پھر اس مجبوری کی خاطر والدین کے گھر میں بھی عدتِ وفات گذارنا مرخص ہے۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: تعتد فی المنزل یضاف الیها بالسکنی حال وقوع الفرقة والموت ولهذا لو زارت اهلها وطلقها زوجها کان علیها ان تعود الی منزلها فتعتد فیه ۔ (الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۴ ص۱۶۶ باب العدة) [1]

عدتِ وفات کے دوران عورت کا بیماری کی وجہ سے والدین کے گھر جانا

سوال:۔ اگر کوئی عورت عدتِ وفات کے دوران بیمار ہوجائے اور شوہر کے گھر میں اس کی تیمارداری کے لیے کوئی نہ ہو تو کیا اس مجبوری کی وجہ سے اس کے والدین علاج معالجہ کے لیے اُسے اپنے گھر لاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ عدتِ وفات کے دوران اگرچہ عورت کے لیے شرعاً شوہر کے گھر سے نکلنا جائز نہیں مگر اس میں ضروریات مستثنیٰ ہیں، انہی ضروریات میں بیماری بھی داخل ہے، اس لیے اس مجبوری کی وجہ سے بیوہ عورت کے والدین کا اسے علاج کی غرض سے اپنے گھر لانا جائز ہے۔

---

[1] وفی الهندیة: علی المعتدة ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیها بالسکنی حال وقوع الفرقة والموت... ولو کانت زائرة اهلها او کانت فی غیر بیتها لامر حین وقوع الطلاق انتقلت الی بیت سکناها بلا تاخیر۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۳۵ فصل فی الحداد)

ومثله فی البحر الرائق ج۴ ص۱۵۴ فصل فی الحداد۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ :- وتعتدان فی بیت وجبت فیہ الا ان تخرج او ینھدم المنزل او تخاف انھدامہ او تلف مالھا او لا تجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورۃ۔

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۳ ص۵۳۶ باب الحداد) [1]

ہر بیوی کے لیے عدتِ وفات اپنے اپنے گھر میں گذارنا لازمی ہے

سوال:- اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور ہر ایک کا مکان الگ الگ ہو اور شوہر کسی ایک بیوی کے مکان میں وفات پا جائے تو دوسری بیوی عدتِ وفات کہاں گذارے؟

الجواب:- عورت جس گھر میں رہتی ہو وہ اسی گھر میں ہی عدتِ وفات و طلاق گذارے، حتیٰ کہ اگر یہ عورت اپنی سوکن کے ہاں اظہارِ تعزیت کے لیے گئی ہو تو واپس آکر عدت کے ایام اپنے ہی گھر میں گذارے۔

قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ، طلقت او مات وھی زائرۃ فی غیر مسکنھا عادت الیہ فوراً لوجوبہ علیھا وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیتٍ وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج۔

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۳ ص۵۳۶ باب العدۃ فصل فی الحداد) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: (تحت قولہ وتعتدان فی بیت وجبت فیہ الا ان تخرج او ینھدم) ای معتدۃ الطلاق والموت تعتدان فی المنزل المضافات الیھما بالسکنی وقت الطلاق والموت ولا یخرجان منہ الا لضرورۃ لما تلونا من الایۃ۔

(البحر الرائق ج۴ ص۱۵۴ فصل فی الحداد)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاویٰ ج۲ ص۴۸۷ کتاب الطلاق، باب العدۃ۔

[2] قال فی الھندیۃ: علی المعتدۃ ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیھا بالسکنی حال وقوع الفرقۃ والموت، کذا فی الکافی: لو کانت زائرۃ اھلھا او کانت فی غیر بیتھا لامر حین وقوع الطلاق انتقلت الی بیت سکناھا بلا تاخیر۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۵۳۵ الباب الرابع عشر فی الحداد)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۴ ص۱۵۴ فصل فی الاحداد۔

حیض والی عورت کی عدت حیض سے ہے

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی کو حالتِ رضاعت میں طلاق دی ہے جبکہ اس عورت کو رضاعت کی وجہ سے دو یا اس سے زائد ماہ تک حیض منقطع ہوتا ہے، اب اس عورت کے لیے عدت کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا تین ماہ عدت گذار کر نکاحِ ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- جن مستورات کو حیض تو آتا ہو مگر کسی عارضی وجہ سے بند ہو تو ان کے حق میں عدت بالاحیاض ہے اگرچہ تین چار سالوں میں پوری ہو جائے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں رضاعت کی وجہ سے حیض عارضی طور پر بند ہے اس لیے اس عورت کو تین حیض آنے تک انتظار کرنا پڑے گا یہی اس کی شرعی عدت ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وهی فی حق حرة ولو کتابیة تحت مسلم تحیض لطلاق ولو رجعیا او فسخ بجمیع اسبابه بعد الدخول حقیقة او حکما... ثلاث حیض کوامل الخ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۵۰۲ باب العدة)[1]

شوہر مرزائی یا عیسائی ہو جائے تو عورت پر عدت واجب ہے

سوال:- اگر کسی عورت کا شوہر عیسائی، قادیانی یا یہودی ہو جائے جس کی وجہ سے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، کیا ایسی عورت پر عدت واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- شریعتِ اسلامی میں ہر اس جدائی پر عدت واجب ہے جو میاں بیوی کے مابین کسی وجہ سے آجائے، صورتِ مسئولہ میں چونکہ خاوند کے بوجہ غیر مسلم ہو جانے کے دونوں کے درمیان جدائی خود بخود آگئی لہٰذا اس عورت پر عدت لازمی ہے۔

قال فی الهندیة: وان اخبرت المرأة ان زوجها قد ارتد لها ان تتزوج باخر بعد انقضاء العدة فی روایة الاستحسان وفی روایة السیر

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمه الله: وهی حرة ممن تحیض فعدتها ثلاثة اقراء، لقوله تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ۔ (الهدایة ج۲ ص۱۱ باب العدة)

وَمِثْلُهٗ فی شرح الوقایة ج۲ ص۱۴۴ باب العدة۔

لیس لها ان تتزوج قال شمس الائمة السرخسیؒ الاصح روایة الاستحسان ۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۳۴ الباب النکاح الکافر) [1]

خلوتِ صحیحہ کے بعد عدتِ طلاق کا حکم

سوال:۔ والدین نے ایک جگہ اپنے بیٹے کی شادی کر دی مگر بیٹا وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کے قابل نہ تھا صرف ایک رات بیوی کے پاس چلا گیا اور بغیر جماع کیے صبح باہر آ کر گواہوں کے سامنے منکوحہ کو طلاق دے دی، کیا اس عورت پر عدت واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خلوتِ صحیحہ (یعنی شوہر اور بیوی کا ایک کمرہ میں بلا کسی رکاوٹ و ممانعت کے ایک دوسرے کے ساتھ ملنا) ایک قسم کا جماع ہے اس لیے صورتِ مسئولہ میں اس مطلقہ کے ذمے عدّتِ طلاق گذارنا لازمی ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: والخلوة بلا مانع حسی وشرعی کالوطی ولو کان الزوج مجبوبًا او عنینًا او خصیًا او خنثیٰ إن ظهر حاله فی ثبوت النسب وتاکد المهر والنفقة والسکنی والعدّة ۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۱۱۴ مطلب احکام الخلوة) [2]

شادی شدہ حاملہ من الزّنا کی عدّت

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو اس بات پر طلاق دے کہ وہ بدکردار ہے جبکہ یہ عورت زنا سے حاملہ بھی ہو تو اب یہ عورت تین حیض عدت گذارے گی یا وضعِ حمل تک انتظار کرے گی؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامی نے عدت کی دو قسمیں مقرر کی ہیں (۱) جو عورت حاملہ نہ ہو

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ:۔ ثمّ ان کان الزوج هو المرتد فلها کل المهر ان دخل بها ونصف المهر ان لم یدخل بها۔

(الهدایة ج۲ ص۳۲۳ فی فصل نکاح اهل الشرك)

وَمِثْلُهُ فی شرح الوقایة ج۲ ص۶۲ فی باب نکاح اهل الرقیق۔

[2] قال فخر الدین قاضیخانؒ: المهر یتاکد بثلاث بالوطی وموت احد الزوجین وبالخلوة الصحیحة والخلوة الصحیحة ان یجتمعا فی مکان لیس هناك مانع یمنعه عن الوطی حسًا او شرعًا او طبعًا. (فتاوی قاضی خان علیٰ هامش الهندیة ج۱ ص۳۹۶ فصل فی الخلوة وتاکد المهر)

وَمِثْلُهُ فی الهندیة ج۱ ص۳۰۴ الفصل الثانی فیما یتاکد به المهر والمتعة۔

تو اس کی عدت بالاقرار ہے۔ (۲) جو عورت حاملہ ہو (اس بات سے قطع نظر کہ یہ حمل شوہر سے ہے یا کسی غیر سے) تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں یہ عورت وضع حمل تک انتظار کرے گی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: والحامل مطلقاً ولو امة اوکتابیة اومن زنا تعتد بالوضع۔

قال ابن عابدینؒ: اذا حبلت المعتدة وولدت تنقضی به العدّة سواء کان من المطلق اومن زنا۔ (ردّ المحتار ج۶ ص۶۰ باب العدّة) [1]

عدتِ وفات میں جوؤں کی تلفی کیلئے شیمپو استعمال کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرے شوہر کی وفات کو تقریباً دو ماہ ہو گئے ہیں اور مجھے سر میں جوؤں کی سخت شکایت ہے، کیا از روئے شرع جوؤں کی تلفی کے لیے ملنے والا شیمپو استعمال کر سکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ عدتِ وفات کے دوران معتدہ کے لیے زیب و زینت کرنا جائز نہیں مگر بعض حالات ضرورت کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں جن میں ایک بیماری بھی ہے، اس لیے آپ جوؤں کو ختم کرنے کے لیے ایسی ادویات استعمال کر سکتی ہیں جن میں خوشبو نہ ہو، چونکہ جوؤں کی تلفی کے لیے ملنے والے شیمپو میں خوشبو ہوتی ہے اس لیے اس کا استعمال شرعاً جائز نہیں، تاہم اگر کوئی ایسا شیمپو ہو جو بغیر خوشبو کے ہو تو اس کا استعمال مرخص ہے۔

قال الحصکفیؒ: والدّھن ولو بلا طیب کزیت خالص ...... الا بعذر راجع للجمیع اذ الضرورات تبیح المحظورات۔ قال ابن عابدینؒ: اوتشتکی رأسها فتدھن وتمشط بالاسنان الغلیظة المتباعدة من غیر ارادة الزینة لان ھذا تداوٍ ولا زینة۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۱۱ فصل فی الحداد) [2]

---

[1] قال ابن نجیمؒ: قوله وللحامل وضعه ای عدّة الحامل وضع الحمل لقوله تعالیٰ: واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن اطلقها فتشمل الحرة والامة المسلمة والکتابیة مطلقة اومتارکة فی النکاح الفاسد اووطی بشبھة والمتوفیٰ عنها زوجها لاطلاق الاٰیة۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۳۳ باب العدّة)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الاحکام ج۲ ص۸۲۱ باب العدّة۔

[2] قال ابن نجیمؒ: قوله الا بعذر متعلق بالجمیع لا بالدھن وحده فلها لبس الحریر للحکة والقمل ولبسها الاکتحال للضرورة۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۵۱ فصل فی الاحداد)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاویٰ ج۲ ص۵۱۱ باب العدّة والحداد۔

عدتِ وفات میں چوڑیاں پہننا

سوال:- کیا وہ عورت جس کا شوہر فوت ہوگیا ہو وہ چوڑیاں پہن سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر چوڑیاں پہلے سے اس کے ہاتھوں میں ہوں تو ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہو اُس کے لیے چار ماہ دس دن زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کرنا حرام ہے، اس قسم کے جملہ امور کو ترک کرنا ضروری ہے، چونکہ چوڑیاں پہننا بھی زینت ہی کی ایک قسم ہے اسلئے عدتِ وفات میں ان کو پہننا جائز نہیں اور اگر پہلے سے ہاتھوں میں ہوں تو اُن کا اُتارنا لازمی ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: بترك الزينة بحلی۔ قال ابن عابدینؒ: ای بجمیع انواعه من فضة وذهب وجواهر بحر۔ قال القهستانیؒ: والزينة ماتتزين به المرأة من حلی او کحل۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۱۷ فصل فی الحداد) [1]

دیور کے خوف سے شوہر کا گھر چھوڑنے کا حکم

سوال:- اگر کوئی معتدۃ الوفات اور اس کا نوجوان دیور دونوں ایک ہی گھر میں رہتے ہوں اور وہ کئی بار اس کی عصمت دری کی کوشش کر چکا ہو تو کیا یہ معتدۃ شوہر کا گھر چھوڑ کر اپنے والدین کے گھر جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: اپنی عصمت کی حفاظت کرنا ہر مسلمان عورت پر فرض ہے، اگر کسی جگہ معتدہ کو اپنی عصمت دری کا خوف ہو تو وہ اپنی عزت بچاتے کیلئے مجبوراً شوہر کا گھر چھوڑ کر اپنے والدین کے ہاں جا سکتی ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر معتدہ کیلئے دیور سے بچنے کا کوئی طریقہ ممکن نہ ہو تو اس کا اپنے والدین کے گھر جانا مرخص ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: والافضل ان یحال بینهما فی البیتوتة بستر الا ان یکون فاسقاً فیحال بامرأة ثقة وان تعذر فلتخرج هی خروجه۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۷۵ باب العدة)

---

[1] قال العلامه ابن نجیم المصری رحمه الله: وشمل لبس الحریر بجمیع انواعه والوانه ولو اسود وجمیع انواع الحلی من ذهب وفضة وجواهر زاد فی التتارخانیة القصب۔

(البحر الرائق ج۴ ص۱۵۰ فصل فی الاحداد۔

ومثله فی امداد الفتاوی ج۲ ص۵۱۲ کتاب الطلاق۔

باب الحلالۃ

(حلالہ کے احکام و مسائل)

حلالہ کی شرعی حیثیت

سوال: مطلقہ مغلظہ سے دوبارہ صحبت کے لیے حلالہ کا سہارا لیا جاتا ہے، شریعتِ مطہرہ کی رو سے یہ کہاں تک جائز ہے۔

الجواب: طلاقِ ثلاثہ پر اقدام کرنا کسی ناقابلِ مصالحت حالات کی نشاندہی کرتا ہے اس لیے شریعت نے ایسے خطرناک اقدام پر میاں بیوی کے لیے آپس میں دوبارہ جمع ہونے کی تمام راہیں مسدود رکھیں اِلّا یہ کہ وہ عورت کسی دوسرے خاوند سے جدا ہو کر اپنے رویّہ پر نظرِ ثانی کر کے سابقہ خاوند کے ساتھ رہنے پر راضی ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔ (البقرہ آیت ـــ) ایسے حالات میں میاں و بیوی سے حلالہ پر اقدام کرنا مقصود نہیں اور نہ شریعت اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لعن اللہ المحلل والمحلل لہٗ۔

تاہم کسی دوسری جگہ نکاح کرنے سے عورت خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے اس لیے اندریں حالت اگر کوئی راہ تلاش کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں، ایسی حالت میں حلالہ کے بعد میاں بیوی دوبارہ نکاح کر کے نئی زندگی اختیار کر سکتے ہیں تاہم اس میں صرف نکاح کافی نہیں جب تک دوسرا خاوند بیوی سے ہمبستری نہ کرے۔

لما روی انہ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام: لا تحل للاول حتّٰی تذوق عسیلۃ الآخر ویذوق عسیلتہا۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۲ کتاب الطلاق، باب المبتوتۃ لا یرجع الیہا زوجہا الخ)[1]

---

[1] قال المرغینانیؒ: وان کان الطلاق ثلاثًا فی الحرۃ او ثنتین فی الامۃ لم تحل لہٗ حتّٰی تنکح زوجًا غیرہ نکاحًا صحیحًا ویدخل بہا ثم یطلقہا او یموت عنہا۔
(الہدایۃ ج ۲ ص ۳۹۹ باب الرجعۃ کتاب الطلاق)

ومثلہٗ فی رد المحتار ج ۳ ص ۴۰۹ باب الرجعۃ، مطلب فی العقد علی المبانۃ۔

حلالہ کے نکاح میں وطی کے بغیر عورت شوہر اوّل کیلئے حلال نہیں ہوسکتی

سوال:- اگر مطلقہ عورت کسی مرد کے ساتھ نکاح کرے مگر وطی سے قبل اس کی وفات ہوجائے توکیا یہ عورت شوہر اوّل کے ساتھ تجدیدِ نکاح کرکے اس کے لیے حلال ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حنفیہ کے نزدیک حلالہ کے نکاح میں وطی کرنا ضروری ہے بغیر وطی کے یہ عورت شوہرِ اول کے لیے حلال نہ ہوگی، چونکہ موت قائم مقام وطی نہیں اس لیے شوہر ثانی کی وفات سے عورت شوہرِ اول کے لیے حلال نہیں ہوسکتی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: لو مات عنہا قبل الوطء لا یحلہا للاوّل..... لان الشرط ھنا الوطء۔ (ردالمحتار جلد ۲ ص ۵۳۹ کتاب الطلاق۔ باب الرجعۃ)[1]

حلالہ کے نکاح میں جماع کے لیے کنڈوم (ساتھی) استعمال کرنا

سوال:- اگر حلالہ کے نکاح میں وطی کے دوران کنڈوم استعمال کیا جائے اور اس کے ساتھ مباشرت ہو توکیا اس طریقے سے عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:- حلالہ کے نکاح میں مشتہی مرد کا ادخالِ ذکر ضروری ہے تاکہ دونوں کو کچھ لذت حاصل ہو انزال کرنا ضروری نہیں، لہٰذا اگر کنڈوم کے ساتھ وہی لذت حاصل ہوتی ہو تو یہ وطی (جماع) پہلے شوہر کے لیے محلل بن سکتی ہے ورنہ نہیں۔

وفی الھندیۃ: اذالف ذکرہ بخرقۃ وادخل فرجہا فان وجد الحرارۃ تحل والافلا۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۴۷۳ الباب السادس فی الرجعۃ، فصل فیما تحل بہ)[2]

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: والموت لا یقوم مقام الدخول فی حق التحلیل۔ (البحر الرائق ج ۴ ص ۵۶ کتاب الطلاق)

[2] قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید الانصاری رحمہ اللہ: اذا لف ذَکَرَہ بخرقۃ وادخل فرجہا فان وجد الحرارۃ تحل والافلا۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۱۲۱ الجنس الثانی فی المحلل)

حلالہ کے نکاح میں بوقتِ جماع انزال کرنے یا نہ کرنے کا حکم

سوال :- ایک شخص مثلاً زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہے، اب وہ اس عورت سے دوبارہ نکاح کے لیے حلالہ شرعی کروانا چاہتا ہے، تو جس شخص سے وہ حلالہ کرواتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جماع کرتے وقت انزال کرے یا بغیر انزال کے بھی حلالہ ہو جائے گا کیونکہ وہ شخص حمل سے ڈرتا ہے؟ لہٰذا اس بارے میں شرعی حکم کی وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب:- حلالہ شرعی میں ایلاج (دخول حشفہ) ضروری ہے اور وہ بھی منتشر حالت میں ہو تاکہ محلل کو کچھ لذت بھی حاصل ہو جائے، البتہ انزال ضروری نہیں، جس شخص سے بھی حلالہ کرایا جائے اور وہ جماع کرتے وقت نفس دخول حشفہ کر کے بغیر انزال کے جماع ختم کر دے اور عورت کو طلاق دے دے تو اب یہ عورت عدتِ طلاق گذارنے کے بعد پہلے خاوند کے لیے حلال ہوگی۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: وان لم ينزل لان الشرط الزوق لا الشبع تلتؒ وفى المجتبىٰ الصواب حلها بدخول الحشفة مطلقاً۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار جلد۲ ص۵۴۱ كتاب الطلاق۔ باب الرجعة)[1]

نابالغ سے حلالہ کرانے کا شرعی حکم

سوال :- ایک نابالغ لڑکا جس کی عمر ابھی ۱۳، ۱۴ سال ہے لیکن وہ جماع کرنے پر قادر ہے تو کیا اس کے حلالہ سے عورت شوہر اول کے لیے حلال ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- حلالہ کے لیے محلل (حلالہ کرنے والے) کا بالغ ہونا ضروری نہیں صرف جماع کرنے پر قادر ہونا ضروری ہے، اس لیے فقہاء کرام نے مراہق (قریب البلوغ لڑکے) کو جو جماع کرنے پر قادر ہو بالغ کے حکم میں داخل کیا ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر یہ نابالغ جماع پر قادر ہے تو اس کا حلالہ کرنا صحیح ہے۔

لما قال العلامة الكاسانى رحمه الله، وسواء كان الزوج الثانى بالغاً او

---

[1] وفى الهندية:- اما الانزال فليس بشرط للاحلال۔
(الفتاوىٰ الهندية جلد ۱ ص۴۷۳ كتاب الطلاق فصل فيما تحل به المطلقة)

صبیاً یجامع فجامعها او مجنوناً فجامعها لقوله تعالیٰ : حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجاً غَیْرَهٗ۔ من غیر فصل بین زوج و زوج ولانه الصبیّ والمجنون یتعلق به احکام النکاح من المهر والتحریم کوطی البالغ العاقل۔

(بدائع الصنائع ج ۳ ص۱۸۹ فصل فی ان یکون النکاح الثانی صحیحاً)[1]

دُبر میں جماع کرنے سے حلالہ کا حکم

سوال :۔ اگر کوئی شخص حلالہ کے نکاح میں بیوی کے ساتھ قومِ لوط والا عمل کرے (یعنی دُبر میں جماع کرے) تو کیا اس سے یہ عورت زوجِ اوّل کے لیے حلال ہو گی یا نہیں ؟

الجواب :۔ حلالہ شرعی کے لیے ضروری ہے کہ اس میں جماع فی القُبل ہو، دُبر میں جماع کرنا حلالہ کے لیے کافی نہیں، اور ویسے بھی یہ عمل کبیرہ گناہ ہے۔

کما فی الفتاویٰ القنیة : اذا أتاها فی دُبرها لا تحل للاوّل۔

(الفتاویٰ القنیة ص۲۳ کتاب الطلاق۔ باب الرجعة)

موت قائم مقام وطی نہیں

سوال :۔ جناب مفتی صاحب ! ایک عورت نے زوجِ ثانی سے نکاح کیا جبکہ زوجِ اوّل اس کو طلاقِ مغلظہ دے چکا تھا، نکاح کے بعد زوجِ ثانی حقوقِ زوجیت ادا کئے بغیر فوت ہو گیا ہے، اب یہ عورت زوجِ اوّل سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہے تو کیا اسے یہ حق حاصل ہے اور یہ نکاح صحیح ہو گا یا نہیں ؟

الجواب :۔ حلالہ کے نکاح میں شوہرِ ثانی کا اپنی منکوحہ سے جماع کرنا ضروری ہے صورتِ مسئولہ کے مطابق بدون جماع کئے موت وطی کا قائم مقام نہیں بن سکتی اسلئے یہ عورت زوجِ اوّل کے لیے حلال نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله : والموت لا یقوم مقام الدخول

---

[1] وفی الهندیة : وفی الانفع الصبی المراهق فی التحلیل کالبالغ ...... فسر المراهق فی الجامع الصغیر فقال غلام لم یبلغ ومثله یجامع جامع امرأته وجب الغسل علیها واحلها علی الزوج الاوّل ومعنی هذا الکلام ان تتحرك آلته ویشتهی۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۴۷۳)

ومثله فی مجموعة الفتاویٰ (فارسی) ج ۲ ص۱۲ کتاب الطلاق)

فی حق التحلیل۔ (البحر الرائق ج۴ ص۵۶ کتاب الطلاق۔ باب الرجعۃ) [لہ]

عورت کا قول کہ میں حلالہ کرچکی ہوں....

سوال:۔ طلاق ثلاثہ کے بعد ایک عورت اپنے میکے چلی گئی اور ایک سال کے بعد پہلے شوہر کو پیغام دیا کہ میں حلالہ کرچکی ہوں لہٰذا میں آپ سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہوں، تو کیا عورت کے اس طرح کہنے سے زوجِ اوّل کے لیے اس سے دوبارہ نکاح کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عورت کا صرف یہ کہنا کہ میں حلالہ کرچکی ہوں زوجِ اوّل سے دوبارہ نکاح کی حلت کے لیے کافی نہیں، بلکہ زوجِ اوّل کو چاہیئے کہ عورت کی بات کی خوب تحقیق کرے اور اُس سے جُملہ کیفیّات اور حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرے، اگر وہ صحیح معلومات مہیا کرے اور وہ حلالہ کے لیے کارآمد بھی ہوں تو پھر اس صورت میں دوبارہ اس عورت سے نکاح کرنا صحیح ہوگا ورنہ نہیں۔

لما فی القنیۃ، لو قالت حللت لک او قال حلالہ کردم لایحل لہ التزوج مالم یستفسرھا لاختلاف الناس فی کیفیّۃ التحلیل وھو الصواب۔

(القنیۃ ص۸۴ کتاب الطلاق۔ باب الرجعۃ)

حلالہ کے نکاح میں دوسرے خاوند سے ہمبستری ضروری ہے

سوال:۔ کیا حلالہ کیلئے کی گئی شادی میں دوسرے شوہر سے ہمبستری کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ہمبستری نہ کی جائے تو کیا عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ حلالہ کی شادی میں دوسرے شوہر سے ہمبستری کرنا شرط ہے، بغیر ہمبستری کے یہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی۔

ھٰکذا فی الھدایۃ ج۲ ص۹۴ فصل فیما تحل بہ المطلقۃ۔ کتاب الطلاق۔

[لہ] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ولو مات عنھا قبل الوطء لا یحلّھا للاوّل..... لان الشرط ھنا الوطء۔ (رد المحتار ج۲ ص۵۲۹ کتاب الطلاق۔ باب الرجعۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۴۷۳ کتاب الطلاق۔ فصل فیما یتعلق بہ المطلقۃ۔

باب ثبوت النسب

(ثبوتِ نسب کے مسائل واحکام)

قبل از وقت پیدا ہونے والے بچے کے ثابت النسب ہونے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی کے ہاں شادی کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو وہ ثابت النسب شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ شادی کے چھ ماہ یا اس سے زائد عرصہ کے بعد پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب شمار ہوگا البتہ چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب شمار نہیں ہوگا۔

قال فی الهندیة: واذا تزوّج الرجل فجاءت بالولد لأقل من ستة اشهر منذ تزوّجها لم یثبت نسبه وإن جاءت به لستة أشهر فصاعدا یثبت نسبه اعترف به الزوج أو سكت۔ (الفتاوى الہندیہ ج ۱ ص ۵۳۶ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب)[1]

مانع حمل ادویات کے استعمال کا حکم

سوال:۔ مانع حمل ادویات کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کن حالات اور صورتوں میں ایسی ادویات استعمال کی جا سکتی ہیں؟

الجواب:۔ نکاح سے مقصد اولاد پیدا کرنا ہے اس لیے مانع حمل ادویات وآلات کا استعمال بعض جزئی صورتوں کے علاوہ شرعاً جائز نہیں اور خصوصاً رزق ووسائلِ معاش کے خوف کی وجہ سے تحدیدِ نسل اسلامی احکامات سے متصادم ہے، تاہم اگر بعض حالات میں عورت کو حمل کی وجہ سے بیماری یا غیر فطری طریقہ ولادت (آپریشن وغیرہ) کی ضرورت پڑتی ہو یا اس کے مثل دیگر ضروریاتِ شدیدہ کی صورت میں مانع حمل ادویات وآلات کا استعمال جائز ہے، یہاں تک کہ

---

[1] قال الحصکفیؒ: اکثر مدة الحمل سنتان لخبر عائشة رضی الله عنها کما مر وعند الائمة الثلاثة اربع سنین وأقلها ستة اشهر اجماعًا۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۵۴۲ فصل فی ثبوت النسب) ومثلهٗ فی البحر الرائق ج ۴ ص ۱۵۷ باب النسب۔

بعض مہلک بیماریوں کی صورت میں انقطاعِ رحم بھی مرخص ہے۔

وفی الفتاوی الاسلامیة.... تحدید النسل محرم مطلقاً لما جاء فی الشریعة الغراء من النهی عن التبتل والتشدید فی ذٰلك والترغیب فی التزوج بالولود الودود فیکون حبوب منع الحمل محرماً إلّا فی حالات فردیة نادرة لاعموم لها کما فی حالة الّتی تدعو الحامل إلی ولادة غیر عادیة ویضطر معها إلی إجراء عملیة جراحیة لإخراج الولد وفی حالة ما إذا کان علی المرأة خطر من الحمل لمرض ونحوه وهذا لاینطبق علی حالة المرأة۔ (الفتاوی الاسلامیة لکبار العلماء بالعربیة السعودیة ج۲ ص۳۶۷) [1]

استقاطِ حمل کے جواز کا حکم

سوال: وہ کون سے اعذار و وجوہات ہیں جن کی بناء پر اسقاطِ حمل جائز ہوجاتا ہے؟

الجواب: حمل کے چار مہینے پورے ہونے سے پہلے پہلے بعض اعذار معتبر فی الشرع کے ہوتے ہوئے اسقاطِ حمل جائز ہے اور اعذار نہ ہونے کے وقت جائز نہیں، اعذار معتبرہ جیسے ظہورِ حمل کے بعد دودھ منقطع ہوجائے اور خاوند دائیہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا عورت پر شدید بیماری کا غلبہ ہو یا غیر عادی طریقہ ولادت پیش آتا ہو، تاہم بعض اشد صورتوں میں جن میں ہلاکت یقینی ہو تو پھر چار ماہ کے بعد بھی اسقاطِ حمل کی گنجائش ہے۔

قال فی الهندیة، إمرأة مرضعة ظهر بها حبل وانقطع لبنها وتخاف علی ولدها الهلاك ولیس لأبی هذا الولد سعة حتی یستأجر الظئر یباح لها أن تعالج فی استنزال الدم مادام نطفة أو مضغة أو علقة لم یخلق له عضو۔ (الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۵۶ الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات) [2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ: ویکره أن تسقی لإسقاط حملها وجاز لعذر کالمرضعة اذا ظهر بها الحبل وانقطع لبنها ولیس لأبی الصبی ما یستأجر به الظئر ویخاف هلاك الولد قالوا یباح لها أن تعالج فی استنزال الدم مادام الحمل مضغة أو علقة ولم یخلق عضو وقدروا تلك المدة بمائة و عشرین یوماً وجاز لأنه لیس بآدمی وفیه صیانة الآدمی۔ (رد المحتار ج۵ ص۳۰۵ کتاب الکراهیة)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۵ ص۳۵۶ الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات۔

[2] ایضاً (حوالہ مذکورہ بالا)

وَمِثْلُهٗ فی الفقه الاسلامی وَاَدِلَّتُهٗ ج۷ ص۱۰۸ کتاب النکاح۔ الاسقاط۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

سوال:۔ آجکل ایک خاص انجکشن کے ذریعے مادۂ منویہ عورت کے رحم میں پہنچایا جاتا ہے جس سے بغیر بچہ پیدا ہوتا ہے، اولاد کے حصول کیلئے اس طریقہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ سوال میں ذکر شدہ طریقہ جسے ٹیسٹ ٹیوب بے بی یا تلقیح صناعی بھی کہتے ہیں مفاسد کثیرہ پر مشتمل ہونے اور فحاشی و بے دینی کا ذریعہ بننے کی وجہ سے باتفاق علماء جائز نہیں، تاہم اگر کسی میاں بیوی کے ہاں اولاد پیدا نہ ہوتی ہو اور دونوں میں اولاد کیلئے مطلوبہ صلاحیت موجود ہو لیکن خاوند کسی وجہ سے اپنا مادۂ منویہ بیوی کے رحم میں پہنچانے پر قادر نہ ہو یا عورت کے رحم میں امساک واستقرار کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے بچے کی پیدائش ممکن نہ ہو تو اس صورت میں مصنوعی نسل کشی کا یہ طریقہ جائز رہے گا بشرطیکہ مادۂ منویہ عورت کے اپنے خاوند کا ہی ہو، دونوں کی رضامندی ہو اور دونوں کے سامنے یہ عمل قرار پا رہا ہو اور مستند مسلمان ڈاکٹر یہ طریقہ تجویز کرے۔

قال في يسئلونك في الدين والحياة: وقد قرر الفقهاء أن حمل المرأة بهذه الطريقة الصناعية يعد جريمة خلقية واجتماعية وجناية شرعية..... بل هناك من الفقهاء من قرر أن هذه العملية في معنى الزنى وتستوجب التعزير والتأديب ولولا صورة الجريمة فيها مستورة بعض الشيء لكان حكمها الحد الذي شرعه الله للزاني أما إذا كانت هناك إمرأة متزوجة برجل وهي صالحة للإنجاب وهو كذلك صالح للإنجاب ولكن هذا الزوج لا يستطيع بسبب ما أن يدخل مادته التناسلية وتحقن في رحم زوجته هو ورأى الطب المستقيم أن هذا هو الطريق الوحيد والأيسر للحمل فلا مانع شرعاً من ذلك..... وهذه الحالة تكون نظرة الشريعة إلى التلقيح الصناعي بين الزوجين تنظر بها إلى علاج الأمراض والعلل ونظرتها إلى استبقاء العترة الزوجية الطيبة بين هذين الزوجين۔ (يسئلونك في الدين والحياة ج ۱ صـ۲۵)[1]

---

[1] وقال الشيخ الوهبة الزحيلي: التلقيح الصناعي هو استدخال المني لرحم المرأة بدون الجماع فإن كان بماء الرجل لزوجته جاز شرعاً إذ لا محذور فيه.... وأما إن كان بماء رجل اجنبي عن المرأة لا زواج بينهما فهو حرام لأنه بمعنى الزنا الذي هو إلقاء ماء رجل في رحم إمرأة ليس بينهما رابطة زوجية ويعد هذا العمل أيضاً منافياً للمستوى الإنساني ومضارعاً للتلقيح في دائرة النبات والحيوان۔ (الفقه الاسلامي وأدلته ج ۳ صـ۵۵۹ المبحث الرابع۔ التلقيح الصناعي)

جماع کے وقت کنڈوم (ساتھی) کا استعمال کرنا

سوال: کیا شادی شدہ آدمی کیلئے بوقتِ جماع کنڈوم (ساتھی) استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کنڈوم (ساتھی) کا حکم عزل کی طرح ہے اس لیے فی نفسہٖ جماع کے وقت کنڈوم کا استعمال مباح ہے مگر بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے بدون بیوی کی اجازت کے مکروہ ہے، تاہم اگر کوئی شرعی عذر ہو تو بلا اجازت عزل کرنے یا کنڈوم استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویعزل عن الحرۃ باذنہا لکن فی الخانیۃ انہ یباح فی زماننا لفسادہ قال الکمال فلیعتبر عذرًا مسقطاً لاذنہا۔

(الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۴۱۲ باب نکاح الرقیق) [1]

عزل کرنے کی شرعی حیثیت

سوال: جناب مفتی صاحب! ایک شادی شدہ آدمی کے لیے عزل کرنے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: عزل کرنا اگرچہ شرعاً جائز ہے مگر اس میں آزاد عورت (بیوی) سے اجازت لینا ضروری ہے، بغیر اجازت کے عزل کرنا مکروہ ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویعزل عن الحرۃ باذنہا لکن فی الخانیۃ انہ یباح فی زماننا لفسادہٖ قال الکمال فلیعتبر عذرًا مسقطاً لاذنہا۔ (الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۴۱۲ باب نکاح الرقیق) [2]

خاوند کے مادۂ تولید کا کسی اجنبیہ کے رحم میں نشوونما پانا

سوال: جدید طریقۂ تولید میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے مادۂ منویہ کو ملا کر ٹیوب کے ذریعہ کسی اجنبیہ کے رحم میں رکھا جاتا ہے اور یہ مادہ اُس کے جسم میں

---

[1] و [2] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: لان العزل جائز عن امۃ نفسہ بغیر اذنہا والاذن فی العزل عن الحرۃ لہا ولا یباح بغیرہٖ لانہ حقہا، وفی الخانیۃ ذکر فی الکتاب انہ لا یباح بغیر اذنہا وقالوا فی زماننا یباح سوء الزمان۔ الخ

(البحر الرائق ج۳ ص۲۱۳ کتاب النکاح، باب نکاح الرقیق)

وَمِثْلُہٗ فی الہدایۃ ج۲ ص۳۱۱ باب نکاح الرقیق۔

نشوونما پا کر بچہ بن کر پیدا ہو جاتا ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ اس بچے کا نسب کس سے ثابت ہوگا اور اس اجنبیہ کی کیا حیثیت ہوگی؟

الجواب:۔ ثبوتِ نسب کے لیے ابتدائی وقت سے میاں بیوی کے نطفوں کا اختلاط ہونا کافی ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں جدید طریقۂ تولید میں ابتداءً میاں بیوی کا نطفہ مختلط ہو جاتا ہے اور اس اختلاط سے وہ ایک عَلَقَۃ کی صورت اختیار کرتا ہے اور پھر کسی اجنبیہ کے رحم میں رکھا جاتا ہے، تو ثبوتِ نسب کے لیے اختلاط کی صورت تک یعنی عَلَقَۃ بننے تک کا زمانہ کافی ہے، باقی یہ اجنبیہ ہونے والے بچے کے لیے بمنزلہ مرضعہ کے ہوگی، اُس کے حقیقی ماں باپ وہی میاں بیوی ہیں جن کا یہ نطفہ تھا۔

لما قال العلامة ابو بکر الکاسانی رحمه الله: النسب الثابت بالنکاح لا ینقطع الا باللعان۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص۲۴۶ باب النسب)

جدید نظامِ تولید کا شرعی حکم

سوال:۔ بعض یورپی ممالک میں جدید نظامِ تولید کے لیے اجنبیہ خواتین کے ارحام کو بطورِ اجارہ لیتے ہیں، یعنی میاں بیوی کے نطفوں کے اختلاط کے بعد جب اس کی نشوونما کا مرحلہ آتا ہے تو بجائے بیوی کے رحم میں رکھنے کے کسی اجنبی عورت کو معاوضہ دے کر نشوونما کے لیے اس کے رحم کو استعمال کیا جاتا ہے، کیا یہ طریقہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ اس طریقہ سے ہونے والا بچہ اصحابِ نطفہ سے منسوب ہوگا مگر اس ثبوت سے کسی اجنبیہ کے رِحم کو بطورِ اجارہ لینا جائز نہیں ہوتا بلکہ شریعتِ مقدسہ میں اس قسم کی اشیاء صرف اپنے خاوندوں کے استعمال کے لیے جائز ہیں دوسروں کے لیے ان کا استعمال کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔

لما قال الله تبارك وتعالىٰ: نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ۔ (سورة البقرة آیت ۲۲۳)[1]

---

[1] روی العلامه جلال الدین السیوطیؒ: عن ابن سیرینؒ وحسن بن زیاد لا یعار الفرج۔ (الدر المنثور ج ۶ ص۵ سورة الشوریٰ)

وَمِثْلُہٗ فی جواہر الفتاویٰ ج ۱ ص۲۰۷ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

طلاقِ رجعی کے دوسال بعد پیدا ہونیوالے بچے کا ثابت النسب ہونا

سوال:۔ زید نے اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دیدی، طلاق کے دوسال بعد بچہ پیدا ہوا، جب زید کو بچہ پیدا ہونے کی خبر پہنچی تو زید نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ لڑکا میرا نہیں ہے، تو کیا یہ بچہ زید سے ثابت النسب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاقِ رجعی کے بعد اگر عورت نے عدت گذر جانے کا اقرار کیا ہو اور اس کے بعد بچہ پیدا ہو تو اس بچے کا نسب زید سے ثابت نہیں ہوگا، البتہ اگر عورت نے قبل از ولادت عدت گذر جانے کا اقرار نہیں کیا ہو تو بچہ زید سے ثابت النسب تسلیم کیا جائے گا۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ:۔ (فیثبت نسب) ولد (معتدة الرجعی ...... وان ولدت لاکثر من سنتین ...... ما لم تقر بمضی العدة والمدة تحتمله وکانت لولادة رجعة لو فی الاکثر۔ (تنویر الابصار علی ہامش ردّ المحتار ج ۲ ص ۶۲۶ فصل فی ثبوت النسب، مکتبہ رشیدیہ) [1]

باپ کا بچے کے نسب سے انکار کرنا

سوال:۔ کوئی شخص اپنی منکوحہ کی اولاد سے انکار کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اس کا انکار کرے تو اولاد کا نسب اس سے ثابت ہوگا یا کسی اور سے؟

الجواب:۔ منکوحہ سے اولاد کا نسب قوی ہے، اس کے ثبوت کے لیے نہ تو کسی دعوٰی کی ضرورت ہے اور نہ خاوند کے انکار سے اس کی نفی ہوسکتی ہے، جو بچہ بھی منکوحہ سے پیدا ہو وہ خاوند سے ثابت النسب ہوگا، تاہم اگر خاوند بیوی کے پیدا ہونے والے کسی بچہ سے انکار کرکے لعان کرے تو پھر خاوند سے اس بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا لیکن بعد ازاں میاں بیوی کی حیثیت سے دونوں کا اکٹھا رہنا مشکل ہے جس کیلئے یا تو خاوند بیوی کو طلاق دے گا یا پھر قاضی کو دونوں کے درمیان تفریق کرنی پڑے گی۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: حیث قسم الفراش الی قوله وقوی وهو فراش

---

[1] قال ابن الهمامؒ: ویثبت نسب ولد المطلقة الرجعة اذا جاءت به لسنتین او اکثر ما لم تقر بانقضاء عدتها۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۱۷۲ باب الحضانة)
ومثله فی کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج ۴ ص ۱۵۶ باب ثبوت النسب۔

المنکوحۃ ومعتدۃ الرجعی فانہ فیہ لاینتفی الّا باللعان ۔ (ردّالمحتار ج۲ ص۶۹۳ باب الثبوت النسب ، کتاب الطلاق ، مطلب الفراش علیٰ اربع مراتب) [1]

ولدالزنا کا نسب

سوال:۔ جو بچہ زنا سے پیدا ہو اُس کا نسب کس سے ثابت ہو گا؟ کیا زانی اس کو اپنا بیٹا کہہ کر پکار سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ زنا سے پیدا ہونے والے بچے کا زانی سے نسب ثابت ہونا ممکن نہیں اور نہ ہی زانی اس کو بیٹا کہہ سکتا ہے ۔ اگر مزنیہ کسی کے نکاح میں ہو تو زنا سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب مزنیہ کے خاوند سے ثابت ہوگا اور اگر کسی غیر شادی شدہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو تو اس کی نسبت والدہ (مزنیہ) کی طرف ہوگی ۔

لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام : الولد للفراش وللعاھر الحجر ۔

(مشکوٰۃ ج ۱ ص۲۸۷ باب اللعان ۔ کتاب النکاح ۔ فصل الاول) [2]

حاملہ من الزنا سے نکاح کے بعد بچہ کا نسب

سوال:۔ ایک شخص نے آزاد عورت سے زنا کیا ، حاملہ ہونے کے بعد اس شخص نے مزنیہ سے نکاح کر کے معاملہ کو دبا دیا ، لیکن زنا سے جو بچہ پیدا ہوا اور شخص مذکور یہ اقرار کرے کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے ہے تو کیا اس سے نسب ثابت ہوگا یا نہیں ؟

الجواب:۔ زنا سے نسب کبھی ثابت نہیں ہوتا ، مذکورہ شخص کا دعویٰ نسب ناقابلِ التفات

---

[1] قال فی الہندیۃ :۔ قال اصحابنا لثبوت النسب ثلاث مراتب الاول النکاح الصحیح وما ھو فی معناہ من النکاح الفاسد والحکم فیہ انہ یثبت النسب من غیر دعوۃ ولا ینتفی بمجرد النفی وانما ینتفی باللعان فان کان ممن لا لعان بینہما لا ینتفی نسب الولد ۔
(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص۵۳۶ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب ، کتاب الطلاق)
ومِثلُہٗ فی الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۴ ص۸۷ باب الثبوت النسب ، کتاب الطلاق ۔

[2] قال فی الہندیۃ : اذا زنی رجل بامرأۃ فجاءت بولد فادعاہ الزانی لم یثبت نسبہ منہ واما المرأۃ فیثبت نسبہ منہا ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۴ ص۱۲۷ فی الفصل الثامن فی دعوۃ الولد من الزنا وما فی حکمہ ۔ کتاب الدعویٰ)
ومِثلُہٗ فی الہندیۃ ج ۱ ص۵۴۰ فی الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب ، کتاب الطلاق ۔

ہے، تاہم اگر نکاح سے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو پھر قصداً ناکح سے نسب ثابت ہوگا اور اگر نکاح کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہو تو پھر اگر خاوند یہ اقرار کرے کہ یہ بچہ میرا ہے اگرچہ نسب کے ثبوت کے لیے یہ اقرار مفید نہیں لیکن اس کے اقرارِ نسب سے یہ بچہ میراث لے سکتا ہے، جبکہ زنا کا اقرار کرکے بچے کے نسب کا دعویٰ کرنے سے نہ نسب ثابت ہوتا ہے اور نہ میراث میں حصہ مل سکتا ہے۔

قال فی الھندیة: ولو زنیٰ بامرأة فحملت ثم تزوجها فولدته ان جاءت به لستة أشھر فصاعداً ثبت نسبه الا ان یدعیه ولم یقل انه من الزنا اما ان قال انه منی من الزنا فلا یثبت نسبه ولا یرث منه۔ (الفتاویٰ الھندیة ج۱ ص۵۴۰ فی الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب۔ کتاب الطلاق)[1]

داشتہ کی اولاد کے نسب کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے کسی کی منکوحہ کو اغوا کرکے مدتوں سے اپنے پاس رکھا ہوا ہے جس سے اُس کے بچے بھی پیدا ہوئے ہیں جبکہ خاوند نے طلاق بھی نہیں دی ہے، ایسی حالت میں اس عورت کی اولاد کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟

الجواب:۔ اغوا کنندہ کا منکوحۃ الغیر سے منافع لینا زنا ہے اور زنا سببِ ثبوتِ نسب نہیں، ایسی داشتہ کے بچوں کا نسب خاوند سے ثابت ہوگا جن سے نفی کے لیے خاوند لعان کا ذریعہ اختیار کرسکتا ہے۔ ایسی عورت کو جب تک خاوند سے باقاعدہ آزادی نہ ملے تو مدتوں تک پاس رکھنے سے نہ تو اس سے نکاح جائز ہے اور نہ اس کی اولاد کا نسب ثابت ہوگا۔

لحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الولد للفراش وللعاھر الحجر۔ (مشکوٰۃ ج۱ ص۲۸۷ باب اللعان۔ کتاب النکاح)

وقال ابن عابدینؒ: اما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته ۔۔۔۔ لانه لم یقل احد

---

[1] قال العلامة ابن الھمام رحمه الله تعالیٰ: واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بولد لاقل من ستة اشھر منذ یوم تزوجها لم یثبت نسبه۔

(فتح القدیر ج۴ ص۲۸۰ باب ثبوت النسب۔ کتاب الطلاق)

ومثله فی البحر الرائق ج۴ ص۱۵۵ باب ثبوت النسب۔ کتاب الطلاق۔

بجوازه فلم ينعقد اصلاً۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۰۰ باب المحرمات۔ کتاب النکاح) [1]

گھر سے نکالے جانے کے بعد منکوحہ غیر مطلقہ کے ہاں پیدا ہونے والے بچہ کا حکم

سوال:۔ زید نے اپنی بیوی کو کسی وجہ سے بغیر طلاق دیئے اپنے گھر سے نکال دیا، دو سال بعد اس مذکورہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا، خاوند نے اطلاع ملتے ہی انکار کیا کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے، کیا اس کا یہ انکار شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ منکوحہ غیر مطلقہ کے ہاں نکاح کے چھ ماہ پورے ہونے کے بعد جو بچہ پیدا ہو خواہ زوج اس کا اعتراف کرے یا خاموشی اختیار کرے ہر حالت میں بچہ اس سے ثابت النسب ہوگا، گویا گھر سے نکالے جانے کے بعد جب تک اس کے نکاح میں رہی اس عرصہ میں پیدا ہونے والا بچہ خاوند سے ثابت النسب ہوگا تاہم اگر اس کو واقعی بچے سے انکار کرنا مقصود ہو تو لعان کا طریقہ اختیار کر سکتا ہے جو اس کے لیے نسبت کے انکار کے لیے مفید رہے گا۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بولد لاقل من ستة اشهر منذ يوم تزوجها لم يثبت نسبه..... وان جاءت به لستة اشهر فصاعداً يثبت منه اعترف الزوج او سكت..... فان جحد الولادة يثبت بشهادة امرأة واحدة تشهد بالولادة حتى لو نفاه الزوج يلاعن لان نسب يثبت بالفراش القائم۔ (الهداية ج۲ ص۴۰۹ باب ثبوت النسب) [2]

---

[1] وقال امام فخرالدين حسن بن منصور رحمه الله: الاوزجندي ولا يجوز نكاح منكوحة الغير عند الكل۔ (فتاوىٰ خانية على هامش الهندية ج۱ ص۳۶۶ في باب المحرمات۔ كتاب النكاح)
وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج۳ ص۹۲ باب المحرمات۔ كتاب النكاح۔

[2] قال في الهندية: واذا تزوج الرّجل امرأة فجاءت بالولد لاقل من ستة أشهر منذ تزوّجها لم يثبت نسبه وان جاءت به لستة أشهر فصاعداً يثبت نسبه منه اعترف به الزوج أو سكت۔ (الفتاوىٰ الهندية ج۱ ص۵۳۶ الباب الخامس عشر في ثبوت النسب)
وَمِثْلُهٗ في ردّ المحتار ج۲ ص۶۲۷ فصل في ثبوت النسب۔ الباب الخامس عشر في ثبوت النسب۔

خاوند کی طویل غیر حاضری میں بیوی کا حاملہ ہونا

سوال: اگر ایک شخص چند سالوں سے سفر میں ہو، اُس کی غیر حاضری میں اس کی بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے تو اس کا نسب ثابت ہوگا یا نہیں؟

الجواب: نسب کے ثبوت کے لیے نکاح اہم سبب ہے، اس لیے نکاح کی موجودگی میں جو بچہ پیدا ہو تو وہ ثابت النسب ہوگا، صورتِ مرقومہ کے مطابق اگر خاوند کی طویل غیر حاضری میں بچہ پیدا ہوا ہو تو خاوند نفی کے لیے لعان کا طریقہ اپنا سکتا ہے۔

لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام: الولد للفراش وللعاھر الحجر۔
(مشکوٰۃ ج۱ ص۲۸۷ باب اللعان۔ کتاب النکاح)[1]

مدتِ حمل

سوال: بچہ زیادہ سے زیادہ کتنی مدت تک ماں کے پیٹ میں رہ سکتا ہے اور کم از کم کتنی مدت ماں کے پیٹ میں رہ کر صحیح و سالم پیدا ہو سکتا ہے؟

الجواب: حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اور زیادہ سے زیادہ دو برس، یعنی کم سے کم چھ ماہ بچہ ماں کے پیٹ میں رہ کر صحیح و سالم پیدا ہو سکتا ہے اور زیادہ سے زیادہ دو برس تک بچہ ماں کے پیٹ میں رہ سکتا ہے، فقہ حنفی کی رو سے مدتِ حمل دو سال سے زائد نہیں ہو سکتی۔

لما قال العلامة المرغيناني رح: واكثر مدة الحمل سنتان۔ لقول عائشة رض: الولد لا يبقى في البطن اكثر من سنتين ولو بظل مغزل واقله ستة اشهر۔ لقوله تعالى: وحمله وفصاله ثلثون شهرا ثم قال وفصاله في عامين فبقي للحمل ستة اشهر۔ (الهداية ج۲ ص۴۲۱ باب ثبوت النسب)[2]

کم از کم مدتِ حمل سے پہلے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا حکم

سوال: ایک شخص نے کسی مطلقہ عورت سے نکاح کیا

---

[1] وقال ابن عابدين رح: حيث قسم الفراش على اربع مراتب وقوى وهو فراش المنكوحة ومعتدة الرجعي فانه فيه لا ينتفي الا باللعان۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۸۴ مطلب الفراش على اربع مراتب)
ومثله في الهندية ج۱ ص۵۳۶ الباب الخامس عشر في ثبوت النسب۔

[2] وقال شيخ الاسلام محمد بن عبد الله التمرتاشي رح: واكثر مدة الحمل سنتان لخبر عائشة رضي الله عنها..... واقلها ستة اشهر اجماعا۔ (تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج۲ ص۶۲۶ فصل في ثبوت النسب)
ومثله في الكنز الدقائق على هامش البحر الرائق ج۴ ص۱۶۳ باب ثبوت النسب۔

عورت نے نکاح کے وقت اطمینان دلایا تھا کہ میرا حمل نہیں ہے اور میری عدت گذر چکی ہے، اس شخص نے عورت کے قول پر اعتماد کیا، اب صورتحال یہ ہے کہ نکاح کے پانچ ماہ بعد اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا، ایسی حالت میں یہ بچہ پہلے خاوند کا شمار ہوگا یا دوسرے کا؟

الجواب:- نکاح کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ کا پیدا ہونا اس شخص سے ممکن نہیں، جب اس عورت کے ہاں اقل مدتِ حمل سے قبل بچہ پیدا ہو تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ عورت نے کذب بیانی کا سہارا لے کر دوسرے شخص کے ساتھ دھوکہ سے نکاح کیا ہے اسلیے اس نکاح کا کوئی اعتبار نہیں اور بچہ پہلے خاوند سے ثابت النسب ہوگا، اور یہ شخص بچہ پیدا ہونے کے بعد دوبارہ نکاح کرکے اس عورت کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔

لما فی الهندیة: واذا تزوجت المعتدة بزوج آخر ثم جاءت بولد ان جاءت به لاقل من سنتین منذ طلقها الاول او مات ولاقل من ستة اشهر منذ تزوجها الثانی فالولد للاول۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۵۳۸ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب) [1]

حمل کی کم از کم مدت

سوال:- اگر ایک شخص کے ہاں شادی کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو کیا یہ بچہ ثابت النسب ہوگا یا نہیں؟ اور اگر والد اس کے نسب سے انکاری ہو تو اس سے بچے کے نسب کی نفی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- نکاح کے بعد اقل مدتِ حمل یعنی چھ ۶ ماہ کے بعد جو بچہ پیدا ہوا اس کا نسب باپ سے ثابت ہوگا اور اس کے لیے انکار کرنے کی گنجائش نہیں، نسب سے اِنکار کیلئے لعان کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ مفید اور بہتر نہیں۔

لما فی الهندیة: واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بالولد لاقل من ستة اشهر منذ تزوجها لم یثبت نسبه وان جاءت به لستة اشهر فصاعدًا یثبت نسبه منه اعترف به الزوج او سکت فان جحد الولادة یثبت بشهادة امرأة واحدة تشهد بالولادة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۵۳۶ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب) [2]

---

[1] قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: واذا تزوج امرأة فجاءت بولد لاقل من ستة اشهر منذ یوم تزوجها لم یثبت نسبه۔ (الهدایة ج ۲ ص ۴۰۹ باب ثبوت النسب)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج ۴ ص ۱۷۸ باب ثبوت النسب۔

[2] قال التمرتاشی رحمہ اللہ: واقلها ستة اشهر اجماعًا فیثبت نسب۔ (تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۲۶ باب ثبوت النسب) ــــ وَمِثْلُهٗ فی کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج ۴ ص ۱۶۳ باب ثبوت النسب۔

ثبوت النسب کے لیے مدت کا اعتبار وقتِ نکاح سے ہے

سوال :۔ ایک لڑکا جس کا نکاح اپریل ۱۹۸۸ء میں ہُوا اور لڑکی کی رخصتی ۸ر جولائی ۱۹۸۸ء کو ہوئی، رخصتی کے تقریباً تین ماہ بعد لڑکی کے ہاں سسرال میں بچہ پیدا ہُوا، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس بچے کا نسب اس لڑکے سے ثابت ہوگا یا نہیں؟ جبکہ لڑکی اور لڑکا آپس میں خالہ زاد ہیں اور ان کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا بھی تھا۔

الجواب :۔ صورتِ مذکورہ میں اگر نکاح واقعی اپریل ۱۹۸۸ء میں ہی ہُوا ہو اور رخصتی جولائی ۱۹۸۸ء میں ہوئی ہو اور پھر جولائی سے تین ماہ بعد ستمبر میں بچہ پیدا ہو جائے تو اندریں صورت ثبوت النسب کے لیے مدت کا اعتبار نکاح کے وقت سے ہوگا رخصتی کے وقت سے نہیں۔ لہٰذا اگر نکاح سے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہُوا ہو تو یہ بچہ اس خاوند سے ثابت النسب ہوگا تاہم اگر خاوند اس سے انکار کرے تو اس کے لیے لعان کا ذریعہ اختیار کرنا ضروری ہے اور چھ ماہ سے کم مُدّت کی صورت میں بچہ ثابت النسب نہ ہوگا۔

لما فی الھندیة : واذا تزوّج الرجل امرأة فجاءت بولدٍ لاقل من ستة اشھرٍ منذ تزوّجھا لم یثبت نسبه وان جاءت به ستة اشھر فصاعدًا یثبت نسبه الخ وفیه بعد اسطرٍ: ولو جاءت لاقل من ستة أشھر من وقت النکاح لا یثبت الخ

(الفتاوی الھندیة ج۱ ص۵۳۶، ۵۳۷ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب) [۱]

---

[۱] قال العلامة المرغینانی رحمه الله : واذا تزوّج الرجل امرأة فجاءت بولدٍ لاقلَ من ستة اشھرٍ منذ یوم تزوّجھا لم یثبت نسبه لانّ العلوق سابق علی النکاح فلا یکون منه وان جاءت به لستة اشھرٍ فصاعدًا یثبت نسبه منه .... لانّ الفراش قائم والمدّة تامة الخ

(الھدایة ج۲ ص۴۱۱ باب ثبوت النسب)

وَمِثلُهٗ فی فتاوٰی قاضیخان علیٰ ھامش الھندیة ج۱ ص۵۵۸ فصل فی النسب۔

سادات کا نسب اور سیدہ فاطمہؓ کی فضیلت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کئی دنوں سے ایک سوال ذہن میں ابھر رہا ہے کہ اولاد کی نسبت تو باپ کی طرف ہوتی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد نہیں تھی تو سادات کا نسب کیسے باقی رہا؟ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو خود سید نہ تھے؟

الجواب:۔ یہ ٹھیک ہے کہ اسلام میں اولاد کا نسب باپ کی طرف ثابت ہوتا ہے، مگر سیدہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کی اولاد کی نسبت آپ کی طرف ہے اور آپ کے واسطہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، آپ کے علاوہ کسی بھی عورت کو یہ شرف حاصل نہیں، اسی لیے آج سادات کا سلسلہ نسب دنیا میں قائم ہے۔

روی الحاکم عن جابر بن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل بنی ادم ینتمون الی عصبة الا ولد فاطمة فانا ولیهم وعصبتهم۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۷۰ رقم حدیث ۱۵۰۱۳، کتاب المناقب۔ الباب ۱۴)[1]

تین سال بعد پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص کے انتقال کے تین سال بعد اس کی بیوہ کے ہاں بچہ ہو جبکہ اس نے دوسری شادی بھی نہ کی ہو تو اس بچے کے نسب کے بارے میں شریعتِ مقدسہ کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ بچہ میت کی طرف منسوب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ مفتیٰ بہ رائے کے مطابق حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دو سال ہے، اس دوران جو بچہ پیدا ہو وہ ثابت النسب ہوگا، لیکن جو بچہ کسی کے انتقال کے دو سال بعد پیدا ہو جبکہ اس کی بیوہ نے دوسری شادی بھی نہ کی ہو تو وہ باپ سے ثابت النسب نہیں ہوگا، اس لیے صورتِ مسئولہ میں جو بچہ باپ کے مرنے کے تین سال بعد پیدا ہوا ہے وہ باپ سے غیر ثابت النسب ہے اُس کو صرف ماں

---

[1] قال الشیخ المفتی عزیز الرحمنؒ: روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ گو نسب باپ کی طرف سے ثابت ہوتا ہے لیکن بنی فاطمہ اس سے مستثنیٰ ہیں، امام حسنؓ اور امام حسینؓ کا نسب حضرت فاطمہؓ کے واسطہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے..... آئندہ کسی عورت کی جانب سے خواہ وہ سیدہ ہی کیوں نہ ہو نسب ثابت نہ ہوگا۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۱۱ ص ۴۵ باب ثبوت النسب)

کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

لما فی الہندیۃ: ولوفات عنہا قبل الدخول اوبعدہ ثم جاءت بولدٍ من وقت الوفاۃ الیٰ سنتین یثبت النسب منہ وان جاءت بہ لاکثر من سنتین من وقت الوفاۃ لایثبت النسب ۔(الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۔ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب)۔

بارہ۱۲ سال کے لڑکے سے ثبوتِ نسب کا مسئلہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! یہاں علاقہ غیر میں لوگ اپنے بچوں کی شادیاں بہت کم سنی میں کر دیتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کسی لڑکے کی عمر ۱۲، ۱۳ سال ہو اور اس کی بیوی کو حمل ہو جائے تو کیا حمل کا نسب اِس لڑکے سے ہو گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر لڑکا مراہق یعنی قریب البلوغ ہو (جس کی ادنیٰ مدتِ عمر لڑکے کے لیے ۱۲ سال اور لڑکی کے لیے ۹ سال ہے) تو اس سے حمل کا نسب ثابت ہو سکتا ہے ورنہ نہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اِس حمل کا نسب اس لڑکے سے ہو گا۔

قال الحصکفیؒ: ولانسب فی حالیہ اذ لاماء للصبی نعم ینبغی ثبوتہ من المراھق احتیاطاً۔ قال ابن عابدینؒ: (قولہ اذلا ماء للصبی) ای فلا یتصور منہ العلوق وانما ثبت نسب ولد المشرقی من مغربیۃ اقامۃ للعقد مقام العلوق لتصورہ حقیقۃ بخلاف الصبی کما فی البحر قولہ نعم ینبغی) عبارۃ الفتح ثم یجب کون ذلک الصبی غیر المراھق اما المراھق فیجب ان یثبت النسب منہ۔ (رد المحتار ج۲ ص۸۳۲ باب العدۃ)

وقال ایضًا: وادنیٰ مدتہ ای البلوغ لہ اثنتا عشرۃ سنۃ ولہا تسع سنین فان راھقا بان بلغا ھٰذا السن۔ (رد المحتار ج۵ ص۱۳۲ فصل فی بلوغ الغلام)[1]

◆ ◆

---

[1] قال الشیخ الامام ابوزھرۃؒ: الشرط الاول: ان یکون الزوج یتصور منہ حمل فان کان صغیرًا لایتصور منہ الحمل لایثبت النسب لان ھذہ قرینۃ قاطعۃ علی ان الحمل لیس منہ وقد اتفق علی ذلک الائمۃ۔
(الاحوال الشخصیۃ ص۳۸۹ القسم الرابع ثبوت النسب)

بغیر حلالہ کے نکاح ثانی سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیدیں، پھر چند دنوں کے بعد دوبارہ بغیر حلالہ شرعی کے اس سے نکاح کر لیا، اس لیے کہ اس کو ایک غیر مقلد عالمِ دین نے تجدیدِ نکاح کا فتوٰی دیا تھا، جبکہ یہ شخص حنفی مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نکاحِ ثانی سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا ہے اس کے نسب کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ نکاحِ ثانی شرعاً فاسد ہے، بغیر کسی تاخیر کے ان دونوں کو جدا ہو جانا چاہیئے، البتہ بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہے۔

لما فی الهندية: ولو طلقها ثلاثا ثم تزوجها قبل ان تنكح زوجا غيره فجاءت منه بولد ولا يعلمان بفساد النكاح فالنسب ثابت وان كان يعلمان بفساد النكاح يثبت النسب ايضا عند ابی حنيفة رحمه الله، كذا فی التاتارخانية۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۵۴۰ الباب الخامس فی ثبوت النسب)[1]

عدت کے دوران سالی سے نکاح کرنا اور اس سے پیدا ہونیوالے بچے کے نسب کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، طلاق کی وجہ یہ تھی کہ موصوف کی بیوی کو شک تھا کہ اس کے سالی سے ناجائز تعلقات ہیں اور اسی وجہ سے دونوں اکثر اوقات خلوت میں رہتے ہیں۔ اب یہ عورت حاملہ ہے اور اس کا شوہر سالی سے نکاح کر کے فرار ہو گیا ہے اور ان کے ہاں ایک بچہ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ تو کیا اس بچے کا نسب اس شخص سے ثابت ہو گا یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق دورانِ عدت سالی کے ساتھ نکاح جائز نہیں اگر کر لیا جائے تو نکاح فاسد ہو گا جو واجب الفسخ ہے۔ جہاں تک بچے کا تعلق ہے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نکاحِ فاسد سے پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب ہوتا ہے اس لیے اس بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہے تاہم ان دونوں کے لیے زوجۂ اوّل مطلقہ کی عدت ختم ہونے کے بعد دوبارہ نکاح

---

[1] لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمه الله، ولو طلقها ثلاثاً ثم تزوجها قبل ان تنكح زوجاً غيره فجاءت منه بولد ولا يعلمان بفساد النكاح فالنسب ثابت وان كان يعلمان بفساد النكاح يثبت النسب ايضاً عند ابی حنيفة رحمه الله۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۴ ص۸۰ كتاب الطلاق۔ الفصل التاسع والعشرون باب ثبوت النسب)

کرنا ضروری ہے بدون اس کے دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

لما قال العلامة الکاسانیؒ: ان تزوج احداهما بعد الاخریٰ جاز نکاح الاولیٰ وفسد نکاح الثانیة۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶ کتاب النکاح)

وقال ایضاً: واما نکاح الفاسد فلا حکم له قبل الدخول واما بعد الدخول فیتعلق به احکام منها ثبوت النسب۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۲۵ باب ثبوت النسب)[1]

ساس سے نکاح کے بعد پیدا ہونیوالے بچوں کے نسب کا حکم

سوال: ایک شخص نے اپنی منکوحہ کے انتقال کے بعد ساس سے شادی کر لی، کئی سال تک دونوں غائب رہے اس دوران ان کے ہاں چار بچے بھی پیدا ہوئے، اب اس شخص کا انتقال ہو گیا ہے تو کیا وہ بچے ثابت النسب ہو کر موصوف کے ترکہ میں میراث کے حقدار ہیں یا نہیں؟ جبکہ مرحوم کی پہلی بیوی سے ہونیوالے بچے ان بچوں کو اپنے بہن بھائی نہیں مانتے اور باپ کے ترکہ سے ان کے حصۂ میراث کو تسلیم نہیں کرتے۔ مہربانی فرما کر قرآن وسنت کی روشنی میں اس نزاع کو ختم فرمائیں؟

الجواب: ساس سے نکاح کرنا شرعاً ناجائز ہے اور اگر کر لیا جائے تو نکاح فاسد ہے جبکہ نکاحِ فاسد سے عدت اور ثبوت النسب کے مسائل ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگرچہ ساس سے نکاح فاسد اور واجب الفسخ تھا مگر پیدا شدہ بچوں کا نسب باپ سے شرعاً ثابت ہے اور یہ بچے باپ کے مرنے کے بعد دیگر بھائی بہنوں کی طرح ترکہ میراث میں برابر کے حقدار ہونگے، کوئی بھی شخص ان کو اپنے حصۂ میراث سے منع نہیں کر سکتا اور نہ ہی منع کرنے کا کسی کو اختیار ہے۔

لما فی الهندیة: رجل مسلم تزوج بمحارمه فجئن باولاد یثبت نسب الاولاد منه عند ابی حنیفةؒ خلافاً لهما بناءً علیٰ ان النکاح فاسد عند ابی حنیفةؒ باطل عندهما۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۵۴۰ باب ثبوت النسب)

---

[1] وفی الهندیة: وان تزوجهما فی عقدتین فنکاح الاخیرة فاسد یجب علیه ان یفارقها ---------- یجب الاقل من المسمی ومن مهر المثل وعلیها العدة ویثبت النسب ویعتزل عن امرأته حتیٰ تنقضی عدة اختها۔
(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۷۷/۲۷۸ کتاب النکاح، القسم الرابع المحرمات بالجمع)

مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کے بعد پیدا ہونے والی بچی کے نسب کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی کے کسی عورت سے ناجائز تعلقات تھے جن کو برقرار رکھنے کیلئے موصوف نے اس عورت کی لڑکی سے شادی کرلی، اس کے بعد بھی ان کے تعلقات اسی طرح قائم رہے، دو سال بعد اس لڑکی سے ایک بچی پیدا ہوئی۔ اب سوال یہ ہے کہ اس بچی کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟ کیونکہ علاقے کے علماء نے موصوف سے کہا تھا کہ اس لڑکی سے تمہارا نکاح صحیح نہیں لیکن پھر بھی اس نے نکاح کرلیا اور یہ بچی پیدا ہوئی؟

الجواب:۔ بشرط صحتِ سوال نہایت قبیح اور ناجائز تعلقات کے باعث اس عورت کی بیٹی اس مرد پر اپنی بیٹیوں کی طرح حرام ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر محارم کے ساتھ نکاح کرلیا جائے تو وہ واجب الفسخ ہے مگر فاسد ہونے کے باوجود اولاد کا نسب باپ سے ہی ثابت ہوگا۔ اور عوام وخواص کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان دونوں کو الگ کردیں۔

لما فی الهندیة: رجل مسلم تزوج بمحارمه فجئن باولاد یثبت نسب الاولاد منه عند ابی حنیفةؒ خلافاً لهما بناءً علی ان النکاح فاسد عند ابی حنیفةؒ باطل عندهما۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۴۰ باب ثبوت النسب)[1]

اپنی ذات یعنی شجرۂ نسب بدلنا

سوال:۔ ذات (شجرۂ نسب) بدلنا یا کسی دوسری قوم کی طرف اپنی نسبت کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ایک مسلمان کیلئے اپنی ذات (شجرۂ نسب) بدلنا یا کسی دوسری قوم کی طرف اپنی نسبت کرنا شریعت کی رو سے حرام اور گناہ ہے، حدیث شریف میں اس پر بڑی وعید آئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نسب بدلنے والے آدمی پر جنت حرام ہے۔

عن سعدؓ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول من ادعیٰ الی غیر ابیه وهو یعلم انه غیر ابیه فالجنة علیه حرام۔ (صحیح البخاری ج۲ ص۱۰۰۱ کتاب الفرائض)

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: نکاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عنده خلافاً لهما۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۵۹ باب العدة۔ مطلب عدة المنکوحة فاسداً)

وقال ایضاً: قوله لانه نکاح باطل ای فالوطء فیه زنا لا یثبت به النسب بخلاف الفاسد فانه وطء بشبهة فیثبت به النسب ولا تکون بالفاسد فراشاً لا بالباطل۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۸۲ باب ثبوت النسب قبیل باب الحضانة)

غیر کی منی کا انجکشن لگوانے سے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا حکم

سوال:- ہمارے گاؤں گھلوڑ ضلع مظفر آباد آزاد کشمیر میں ایک آدمی ہے جس کی شادی ہوئے پندرہ سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے لیکن وہ خدا کی قدرت سے ابھی تک اولاد جیسی نعمت سے محروم ہے، اس نے اپنی جائیداد کا وارث بنانے کے لیے ایک کھیل کھیلا کہ شاید اس طرح میرے ہاں بیٹا پیدا ہو جائے، اس طرح اس نے اپنی بیوی کو کسی نامعلوم شخص کی منی کا) ٹیکہ لگوایا جس سے وہ حاملہ ہوگئی، مقررہ مدت کے بعد اس کے ہاں بچی پیدا ہوئی جو کہ قدرتی نشوونما سے محروم اور ہر وقت بیمار رہتی ہے، اس کا قد بڑھنے کا عمل بہت سست ہے، بچی کی شکل بھی اس کے خاندان کے کسی فرد سے معمولی مشابہت بھی نہیں رکھتی اس بچی کی پیدائش کے بعد چھ سال تک اس کے ہاں کوئی بچی، بچہ نہیں ہوا، واضح ہو کہ اس شخص کا باپ اپنے آپ کو اسلام کا بہت بڑا دعویدار سمجھتا ہے اور کسی کا حق دبانے میں ذرا برابر فرق نہیں کرتا، بینک کے سودی معاملات میں بڑی گہری دلچسپی رکھتا ہے، اسے بھی اپنے بیٹے کی اس گھناؤنی حرکت کا بخوبی علم ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسے شخص کا اسلام میں کوئی مقام ہے؟ اگر ہے تو اس کی وضاحت فرمائیں؟ اور اگر وہ اسلامی حدود و قیود سے تجاوز کا مرتکب ہوا ہے، تو قرآن و سنت کا اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ امید ہے کہ آپ تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب:- مذکورہ بالا طریقہ (انجکشن کے ذریعے) سے اولاد حاصل کرنا حرام اور اسلامی اصولوں کے خلاف ہے تاہم اگر اس طرح تولید کا عمل مکمل کر لیا جائے تو نسب ثابت ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: الولد للفراش وللعاهر الحجر (الحدیث) تو اس آدمی سے اس بچے کا نسب ثابت ہوگا اور وراثت اور رضاعت وغیرہ کے احکام جاری ہوں گے ۔ ثبوت نسب کے لیے وطی کی فطری صورت ضروری نہیں، اس کے بغیر بھی اگر کسی طرح خاوند کا مادۂ منویہ عورت کے رحم میں پہنچ جائے تو نسب ثابت ہو جائے گا، فقہاء کرام کی بعض عبارتوں سے اس کا اشارہ ملتا ہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

البكر إذا جومعت في ما دون الفرج فحملت بأن دخل الماء في فرجها فلما قرب أوان ولادتها تزال عذرتها ببيضة أو بحرف درهم۔ (ج ۴ ص ۱۱۴) (کنواری لڑکی سے شرمگاہ کے باہر ہمبستری کی جائے پھر وہ حاملہ ہو جائے بایں طور کہ (مرد کا) مادۂ منویہ اس کی شرمگاہ میں

داخل ہوجائے اور جب ولادت کا وقت آئے تو انڈے یا درہم کے کونوں کے ذریعے اس کا پردۂ بکارت (کنوارپن) چاک کر دیا جائے گا"۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حرمتِ نسب کا حکم بھی ثابت ہو جائے گا یعنی ماں باپ، دادا دادی وغیرہ کا سلسلہ نسب ٹھیک اسی طرح حرام ہو جائے جس طرح فطری توالد و تناسل کی وجہ سے ہوتا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ صورت عملاً زنا ہوگی اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد ولد الزنا، البتہ اس پر اسلامی ممالک میں زنا کی شرعی سزا نافذ نہیں کی جا سکتی، اس لیے کہ یہ سزا صرف ناجائز حمل پر ہی نہیں ہے بلکہ باہم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہونے پر ہے۔ (جدید فقہی مسائل جلد ص۱۵۲)

مذکورہ بالا صورت میں اس آدمی کا کیا ہوا عمل جائز نہیں بلکہ حرام ہے، البتہ اس پر نسب وغیرہ کے احکام سب ثابت ہوتے ہیں، خواہ اس بچی کی شکل و صورت اس خاندان کے افراد مشابہ ہو یا نہ ہو۔ واللہ اعلم

چودہ پندرہ سال جدائی کے باوجود بچہ ثابت النسب ہے

سوال:۔ ایک صاحب ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ میں لاپتہ ہوگیا کئی سال تک اس کی موت و حیات کا کوئی اتہ پتہ نہ چل سکا، اب اس کے لاپتہ ہونے کے تقریباً چودہ پندرہ سال بعد اس کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس بچے کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟ برائے مہربانی قرآن و سنت کی روشنی میں اس مسئلہ کا جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:۔ اسلام نے ہر ممکن حد تک بچے کا نسب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، صورتِ مسئولہ میں اگرچہ بظاہر شوہر سے اثباتِ نسب مشکل نظر آتا ہے، مگر شریعتِ مطہرہ نے اس بچے کے نسب کو بھی ثابت کر دیا ہے اور اس کے لیے ایک قانونی دفعہ چھوڑی ہے کہ "الولد للفراش وللعاهر الحجر (بخاری شریف) بچہ فراش کا تابع ہوگا اور زانی کے لیے صرف پتھر ہے"۔ اسی قانون کے تحت صورتِ مسئولہ میں بھی اس بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہے اگرچہ وہ حقیقتاً نہیں ہے، اس کا نسب علاوہ لعان کے ختم نہیں ہوگا۔

لما فی الهندیة: والحکم فیه انه یثبت النسب من غیر دعوة لاینتفی بمجرد النفی وانما ینتفی باللعان۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۶۳ باب ثبوت النسب)

مسائلِ شتّٰی

(طلاق کے متفرق مسائل)

طلاقِ مغلظہ سے بچنے کے لیے حیلہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میری اور میرے بھائی کے درمیان کچھ ناراضگی تھی، اب ہماری صلح ہو چکی ہے اور صلح کے وقت میں نے بھائی سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں نے فلاں شخص کے ساتھ تعلقات رکھے تو میری بیوی کو تین طلاق ہو، اب جرگہ مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں اُس شخص کے ساتھ بول چال شروع کر دوں کیونکہ یہ شخص میرا قریبی رشتہ دار بھی ہے، اب از روئے شرع مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ مجھے کوئی ایسی ترکیب بتائیں کہ ہماری بول چال بھی شروع ہو جائے اور بیوی پر طلاق بھی نہ پڑے؟

الجواب:۔ ویسے تو صورتِ مسئولہ میں تین طلاق مشروط بشرط ہیں، جب بھی شرط پوری ہو جائے تو طلاقِ مغلظہ واقع ہو جائے گی۔ اب اس سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ اوّلاً آپ اپنی بیوی کو ایک طلاق دے کر جُدا کر دیں اور جب اس کی عدّت ختم ہو جائے تو آپ اُس شخص سے بول چال شروع کر دیں اور پھر دوبارہ عورت سے نکاح کر لیں، صرف اِس صورت میں آپ کی بیوی طلاقِ مغلّظہ کے وقوع سے بچ سکتی ہے ورنہ شخص مذکور کے ساتھ بول چال اور تعلقات شروع کرتے ہی آپ کی بیوی پر طلاقِ مغلّظہ واقع ہو جائے گی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: فحیلة من علق الثلاث بدخول الدار ان یطلقها واحدة ثم بعد العدّة تدخلها فتنحل الیمین فینکحها۔ (الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۵۴۵ قبل مطلب اختلاف الزّوجین فی وجود الشّرط)

مضارع کے صیغہ سے طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر کسی عورت سے کوئی غلط کام ہو جائے اور اس کا شوہر بطورِ تنبیہ کے اسے یہ کہے کہ اگر تم نے آئندہ یہ کام کیا تو میں تجھے طلاق دے دوں گا، چند دنوں بعد اُس عورت سے وہی کام سرزد ہو گیا تو کیا اس عورت پر طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ گرامر کے اصول کے مطابق مضارع کے صیغے دو طرح کے ہیں، بعض ایسے صیغے ہیں جو حال کے معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں اور بعض صیغے مستقبل کے لیے استعمال ہوتے

ہیں، چونکہ صورتِ اولیٰ میں انشاء فی الحال اور انشاء فی الماضی ہے لہٰذا مضارع کے ان صیغوں کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی اور صورتِ ثانیہ میں چونکہ اظہارِ ارادہ ہوتا ہے لہٰذا اس میں بغیر انشاء طلاق واقع نہ ہوگی۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں فقط اظہارِ ارادہ ہے اس لیے طلاق واقع نہ ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: صیغة المضارع لا یقع بها الطلاق الا اذا غلب فی الحال، کما صرح به الکمال ابن الهمام۔ (تنقیح الحامدیة ج۱ ص۳۸ کتاب الطلاق)[1]

بلا نیتِ طلاق بیوی کو ”دوسرا خاوند تلاش کرلو“ کے الفاظ کہنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص بیوی سے لڑائی جھگڑے کے دوران یہ کہدے کہ ”جاؤ دوسرا خاوند تلاش کرلو“ مگر اس میں اس کی نیت طلاق کی نہ ہو تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ ”جاؤ دوسرا خاوند تلاش کرلو“ یہ طلاقِ کنائی کے الفاظ ہیں جو وقوعِ طلاق میں نیت یا دلالتِ حال وقرینہ وقیاس کے محتاج ہیں۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں اس آدمی کی نیتِ طلاق کی نہیں اس لیے طلاق واقع نہ ہوگی ورنہ بصورتِ نیت بیوی پر طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی۔

وفی الهندیة: وابتغی الازواج تقع واحدة بائنة ان نواها او اثنتین وثلاث ان نواها۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۷۵ الفصل الخامس فی الکنایات)[2]

اور طلاقِ بائن کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر یا عدت گذر جانے کے بعد تجدیدِ نکاح سے بیوی خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی حلالہ کی ضرورت نہیں۔

---

[1] قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: صیغۂ مضارع ہے اور مضارع سے وقوعِ طلاق نہیں ہوتا مگر جب مضارع بمعنی حال غالب ہو جائے تو فقہاء نے اس سے وقوعِ طلاق کی تصریح کی ہے۔ (امداد الاحکام جلد۲ ص۳۸۷ کتاب الطلاق)

[2] قال العلامة ابو البرکات النسفی رحمه الله: وغیرها بائنة وان نوی ثنتین وتصح نیة الثلاث وهی بائن بتة بتلة حرام ...... قومی ابتغی الازواج۔ (کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۳ ص۳۰۰، ۳۰۲ باب الکنایات)

نافرمان بیوی کو طلاق دینا مستحب ہے

سوال: ایک شخص کی بیوی فاحشہ اور نافرمان ہے، اب اگر یہ شخص اس کو طلاق دیدے تو گنہگار تو نہیں ہوگا؟

الجواب: جو عورت اپنے شوہر کی نافرمان ہو اور اس کے حقوق میں کوتاہی کرتی ہو اور حدودِ شرعی کو بھی پامال کرتی ہو تو اس کو طلاق دینے سے شوہر گنہگار نہ ہوگا بلکہ ایسی عورت سے خلاصی حاصل کرنا مستحب امر ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وایقاعه مباح وقیل الاصح خطره الا لحاجة کریبة وکبر..... بل یستحب لو مؤذیة او تارکة صلوٰة غایة ومفاده ان لا اثم بمعاشرة من لا تصلی ویجب لو فات الامساك بالمعروف۔ قال ابن عابدینؒ تحت قوله (ومؤذیة) اطلقه فتشمل المؤذیة له او لغیره بقولها او بفعلها۔ الخ

(ردّ المحتار ج۲ ص۴۲۵ کتاب الطلاق)[1]

لڑکی پسند نہ آنے کی صورت میں طلاق دینے کا حکم

سوال: والدین نے ایک جگہ میری شادی کر دی، رخصتی کے بعد مجھے لڑکی پسند نہیں، تو کیا اب میں اس کو طلاق دے سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب: طلاق دینا شوہر کی ملکیت ہے وہ جس وقت چاہے طلاق دے سکتا ہے مگر بلا عذرِ شرعی طلاق دینا کراہت سے خالی نہیں۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ طلاق کی صورت میں والدین کی نافرمانی بھی لازم آتی ہے اس لیے حتی الامکان طلاق دینے سے گریز کیا جائے، اور اگر باوجود کوشش کے نباہ ممکن نہ ہو تو پھر طلاق دینا مباح ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وایقاعه مباح عند العامة لاطلاق الآیات اکمل وقیل قائله الکمال الاصح خطره ای منعه الا لحاجة کریبة وکبر۔ (الدر المختار علی ہامش ردّ المحتار ج۲ ص۵۷۱ کتاب الطلاق)[2]

---

[1] و [2] قال الشیخ وهبة الزحیلیؒ: ذهب الحنفیة علی المذهب الی أن ایقاع الطلاق مباح لاطلاق الآیات...... قال الکمال بن الهمام الاصح خطر الطلاق أی منعه الا لحاجة کریبة وکبر وزجر۔ قال ابن عابدینؒ: هذا الرأی ولیست الحاجة مختصة بالکبر والریبة بل هی اعم۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۳۶۲ البحث الاول..... حکم الطلاق)

صرف طلاق کا خیال آنے سے طلاق نہیں ہوتی

سوال:۔ اگر کسی شخص کے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہو کہ میری بیوی مجھ پر طلاق ہے جبکہ ابھی تک اس نے زبان سے یہ الفاظ ادا نہیں کیے ہیں، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق کے وقوع کے لیے الفاظِ طلاق کا زبان سے ادا کرنا لازمی اور ضروری ہے، نفسِ طلاق کا خیال آنے سے طلاق نہیں ہوتی۔

قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: فقد افاد ان رکنه ای الطلاق اللفظ الدال علی ازالة حل المحلیة۔ (البحر الرائق ج۳ ص۳۵۲ کتاب الطلاق)[1]

شک کی صورت میں کتنی طلاقیں واقع ہوں گی

سوال:۔ اگر کسی شخص کو طلاق کی تعداد میں شک پڑ جائے کہ اُس نے بیوی کو ایک طلاق دی ہے یا دو یا تین، تو اس صورت میں اس شخص کی بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟

الجواب:۔ تعداد طلاق میں شک پڑ جانے چونکہ عدد اقل متیقن ہوتا ہے وہی واقع ہوگا حتیٰ کہ اس کو اکثر کا یقین ہو جائے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بصورتِ شک دو طلاق واقع ہوں گی، تاہم اگر تین طلاق کا گمان زیادہ ہو تو تین ہی واقع ہوں گی۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: رجل حلف بالطلاق وشكّ الرجل انه طلق واحدة او ثلاثًا فهی واحدة حتی یستیقن او یکون اکثر ظنه علی خلافه۔ (خلاصة الفتاوی ج۲ ص۱۲ کتاب الطلاق)[2]

---

[1] قال الشیخ وهبة الزحیلی: یشترط بالاتفاق القصد فی الطلاق وهو ارادة التلفظ به ولو لم ینوه۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۳۶۸ البحث ما یشترط فی الرکن الثانی للطلاق القصد)

[2] قال الشیخ الدکتور وهبة الزحیلی: ومن شكّ فی صفة الطلاق: انه طلقها رجعیة او بائنة یحکم بالرجعیة لانها اضعف الطلاقین فکانت متیقنًا بها۔
(الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۴۵۵ البحث السادس الشك فی الطلاق)

مرض الموت کی طلاق سے حق وراثت ختم نہیں ہوتا

سوال:۔ ایک شخص نے مرض الموت کی حالت میں بیوی کو طلاق دی، اسکے چند دن بعد وہ اس بیماری سے فوت ہوگیا، تو کیا اس مطلقہ عورت کو خاوند کی میراث سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ مرض الوفات میں طلاق دینے سے خاوند کے بارے میں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ شاید اس نے بیوی کو میراث سے محروم کرنے کے لیے یہ قدم اٹھایا ہو، اس لیے ازروئے شرع مرض الموت میں طلاق دینے سے عورت کا حق میراث ختم نہیں ہوتا۔

لما فی الهندیة: الرجل اذا طلق امرأته طلاقاً رجعیاً فی حال صحته او فی حال مرضه برضاها او بغیر رضاها ثم مات وهی فی العدة فانهما یتوارثان بالاجماع۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۴۶۲ الباب الخامس فی طلاق المریض) [1]

فاحشہ عورت کو طلاق واجب نہیں مستحب ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص کی بیوی آوارہ پھرتی رہتی ہو اور خاوند کی طرف سے پابندی کو ایک بوجھ سمجھ کر ہمیشہ اس کی خلاف ورزی کرتی ہو یہاں تک کہ اس سے فسق وفجور میں مبتلا ہونے کا خطرہ بھی ہو تو ایسی حالت میں عورت کو طلاق دینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ فاحشہ اور فاسقہ عورت کے بارے میں اس کے خاوند کو فکرمند ہونا چاہیئے اوّلین فرصت میں اس کی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہیئے، ممکن ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرکے فسق وفجور سے باز آجائے، لیکن اگر خاوند تمامتر کوشش کے باوجود اس کی اصلاح سے کلی طور پر ناامید ہوجائے تو پھر ایسی عورت کو طلاق دینا مستحب ہے تاہم واجب نہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: بل یستحب (ای الطلاق) لو مؤذیة او تارکة صلوٰة۔ قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: اطلقه فشمل المؤذیة له او لغیره بقولها۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۲۵ کتاب الطلاق) [2]

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: الطلاق اذا کان رجعیاً فانها ترثه وکذا یرثها لو ماتت فی العدة۔ (ردالمحتار ج۲ ص۵۶۷ باب طلاق المریض)
ومثلهٗ فی کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۴ ص۴۲ باب طلاق المریض۔

وفیه کذلك فی موضع آخر لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۱۸ فصل فی المحرمات، مطلب فیما لو زوج المولی أمته) [1]

طلاق کے لیے خاوند پر جبر کرنے کا حکم

سوال:۔ کن صورتوں میں خاوند پر جبر و اکراہ کر کے طلاق حاصل کی جا سکتی ہے؟

الجواب:۔ طلاق میں خاوند مستقل ہے، طلاق حاصل کرنے کے لیے اس پر جبر کرنا اس کے حقوق میں دخل اندازی کے مترادف ہے، تاہم لعان کی صورت میں جب خاوند طلاق نہ دے تو قاضی میاں بیوی کے درمیان تفریق کر سکتا ہے، ایسے ہی ظہار میں کفارہ کی ادائیگی یا طلاق دینے پر مجبور کر سکتا ہے۔

لما قال الهندیة: المظاهر اذا لم یکفر ورفع امره الی القاضی یحبسه القاضی حتی یکفر او یطلق۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۵۰۷ الباب التاسع فی الظهار) [2]

والدین کی رضامندی کے لیے بیوی کو طلاق دینا

سوال:۔ ایک شخص کی بیوی میں کوئی شرعی نقص نہیں کہ جس کی وجہ سے اسے طلاق دیدی جائے لیکن خاوند کے والدین اور بیوی کا آپس میں اکٹھا رہنا مشکل ہے، ایسی حالت میں کیا یہ شخص محض والدین کی رضامندی کے لیے بیوی کو طلاق دے سکتا ہے؟

الجواب:۔ والدین کی رضامندی کے لیے بیوی کو قربان کرنا اگرچہ بیٹے کی فرمانبرداری کا اعلیٰ نمونہ ہے، لیکن ایسی حالت میں جبکہ عورت کا کوئی جرم بھی نہ ہو ایک عورت کی زندگی سے کھیلنا

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ: وفی غایة البیان یستحب طلاقها اذا کانت سلیطة مؤذیة او تارکة للصلوٰة۔ الخ (البحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۷ کتاب الطلاق)

وفیه هکذا۔ وفی المجتبیٰ من آخر الحظر والاباحة لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة ولا علیها تسریح الفاجر۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۰۱ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

[2] وقال العلامة الحصکفی رحمه الله: وعلیها ان تمنعه من الاستمتاع حتی یکفر وعلی القاضی الزامه به بالتکفیر دفعاً للضرر عنها بحبس او ضرب الی ان یکفر او یطلق۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۲۶ باب الظهار)

ومِثلُهٗ فی الفتاوی الخانیة علی هامش الهندیة ج ۱ ص ۵۲۴ باب الظهار، مطلب بلاغات محمد مسندة)

اور اس کو جدائی کی وادی میں دھکیلنا یا اپنے آپ کو جدائی کے ناقابلِ برداشت بوجھ کے نیچے دبانا کسی بڑے امتحان سے کم نہیں، عام معاشرہ میں حضرت عمرؓ جیسے والد کس کو نصیب ہوتے ہیں کہ جس سے ابن عمرؓ کے کردار کی توقع رکھی جاسکے، اس لیے والدین کی رضامندی کے لیے طلاق دینا اگرچہ جائز ہے لیکن حالات پر نظر رکھنے کے بغیر یہ اقدام کرنا کسی مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ط (النساء آیت ۱۲۹)

وایضاً قال: وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۳۱) [1]

مطلقہ کی میراث کا حکم

سوال:- اگر عدت کے دوران مطلقہ کے خاوند کا انتقال ہو جائے تو کیا مطلقہ معتدہ کو خاوند کی جائیداد میں ارث کا حق مل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر عورت کے مطالبہ پر خاوند نے طلاق دی ہو تو ایسی حالت میں مطلقہ حق وراثت سے محروم رہے گی اسکے علاوہ چونکہ معتدہ خاوند کے نکاح میں پابند رہتی ہے اس لیے اس کو میراث سے حصہ ملے گا اگرچہ عورت مطلقہ مغلظہ ہی کیوں نہ ہو۔

لما فی الهندیة: الرجل اذا طلق امرأته طلاقاً رجعیاً فی حال صحته او فی حال مرضه برضاها او بغیر رضاها ثم مات وهی فی العدة فانهما یتوارثان.... ولو طلقها طلاقاً بائناً او ثلاثاً ثم مات وهی فی العدة فکذلک عندنا ترث، الخ۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۴۶۲ الباب الخامس فی طلاق المریض) [2]

---

[1] وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: قال کانت تحتی امرأة احبها وکان عمرؓ یکرهها فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلقها۔ رواه الترمذی۔ (مشکوٰة ص۴۲۱ کتاب الطلاق)

وقال الشیخ عبد الحقؒ فی شرح هذا الحدیث: ان کان الحق فی جانب الوالدین فطلاقها واجب للزوم العقوق فی الحقوق وان کان فی جانب المرأة فان طلقها لرضاء الوالدین فهو جائز۔ (اللمعات شرح المشکوٰة)

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: اذا طلق المریض امرأته طلاقاً رجعیاً ورثت مادامت فی العدة۔ وفیه۔ ولو طلقها بائناً او ثلاثاً ثم مات وهی فی العدة فکذلک عندنا ترث۔
(الفتاوی التاتارخانیة ج۳ ص۵۷۷ الفصل العشرون فی طلاق المریض کتاب الطلاق)

ومثله فی رد المحتار ج۲ ص۵۶۷ باب طلاق المریض۔

بغیر رجوع کیے عدت گذرنے پر عورت جدا ہوگی

سوال:- ایک شخص نے بیوی سے غصہ کی حالت میں کہا کہ "تو مجھ پر طلاق ہے" جبکہ اس وقت طلاق دینے کا ارادہ نہ تھا لیکن عورت کو ناچاقی کی وجہ سے کہہ دیا، اس کے بعد عورت والدین کے گھر چلی گئی، پانچ سال تک ان کے باہمی تعلقات نہیں رہے، اب وہ دونوں دوبارہ نکاح بحال کرنا چاہتے ہیں تو انہیں شرعاً کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:- "تو مجھ پر طلاق ہے" کے الفاظ صریح ہیں، ایسے الفاظ میں نیت و ارادہ کی ضرورت نہیں اس کے بغیر بھی طلاق ہو جاتی ہے، صورت مذکورہ میں چونکہ ایک طلاق واقع ہو کر عدت گذر گئی ہے، اگرچہ عدت کے دوران خاوند کیلئے رجوع بالقول یا بالفعل کافی تھا لیکن رجوع کے بغیر عدت گذرنے سے عورت جدا ہو گئی ہے، اب دونوں باہمی رضامندی سے تجدیدِ نکاح کے ذریعے دوبارہ اپنا گھر آباد کر سکتے ہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: والرجعی لا یزیل الملك الا بعد مضی العدة۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۲۶ کتاب الطلاق، باب الرجعة)[1]

مطلقہ مغلظہ کا خاوند کے گھر رہنا

سوال:- ایک شخص نے بیوی کو طلاقِ مغلظہ دے کر فارغ کر دیا ہے، حلالہ کے لیے تیار نہ ہونے کی وجہ سے اگر یہ عورت خاوند کے گھر میں بطور خادمہ کے رہے تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب:- اگر خاوند فاسق فاجر نہ ہو اور اس سے زنا کا خطرہ نہ ہو تو مطلقہ مغلظہ کا بطور خادمہ خاوند کے گھر میں رہنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم پھر بھی احتیاط ضروری ہے تاکہ کسی قسم کی بے راہروی میں مبتلا نہ ہو۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: سئل شیخ الاسلام عن زوجین افترقا ولکل منهما ستون سنة وبینهما اولاد تتعذر علیهما مفارقتهم فیسکنان فی بیتهم ولا یجتمعان

---

[1] قال العلامة اکمل الدین البابرتیؒ: فما دامت العدة باقیة کانت ولایة الرجعة باقیة واذا انقضت من غیر رجعة بانت۔ (العنایة شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر ج ۳ ص ۳۵۲ باب ایقاع الطلاق، کتاب الطلاق)
ومثله فی البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۳ ص ۲۵۶ باب الطلاق۔

فی فراش ولا یلتقیان التقاء الازواج هل لهما ذلك قال نعم۔
(الدر المختار علیٰ هامش ردّ المحتار ج ۲ ص ۶۷۵ باب العدة۔ کتاب الطلاق)[1]

عدت گذرنے میں عورت کے بیان پر اعتماد کرنا

سوال:۔ اگر کسی عورت نے یہ کہا کہ میرا خاوند فوت ہوگیا ہے اور اس کے بعد میری عدت گذر گئی ہے، تو کیا اس کے بیان کو درست تسلیم کرتے ہوئے اس سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عورت کا بیان غلبۂ ظن کا مفید ہو اور اس کے بیان میں سچائی کی طرف میلان زیادہ ہو تو اس سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں تاہم بہتر یہ ہوگا کہ عورت کے بیان کو معاشرہ کے حالات کے مطابق پرکھا جائے، قرائنِ خارجیہ کا سہارا لیے بغیر شاید صرف اس عورت کا بیان ظن کے لیے مفید نہ بن سکے۔

لما فی الهندیة: ولو ان امرأة قالت لرجل ان زوجی طلقنی ثلاثاً وانقضت عدتی فان کانت عادلة وسعه ان یتزوجها وان کانت فاسقة تحری وعمل بما وقع علیه تحریه کذا فی الذخیرة۔ (الفتاوى الهندیة ج ۱ ص ۳۱۳ کتاب الطلاق۔ الباب الثالث عشر فی العدة)[2]

نفاس کی عدتِ طلاق

سوال:۔ ایک آدمی نے حالتِ نفاس میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اب یہ عورت عدت گذارنے کے بغیر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عورت حیض کے آنے سے ناامید نہ ہوچکی ہو تو اس صورت میں اس پر

---

[1] وفی الهندیة: اذا طلّقها ثلاثاً او واحدة بائنة ولیس له الا بیت واحد فینبغی له ان یجعل بینهما حجاباً حتی لا تقع الخلوة بیته وبیت الاجنبیّة۔
(الفتاوى الهندیة ج ۱ ص ۵۳۵ کتاب الطلاق۔ الباب الثالث عشر فی العدّة)
ومِثلُهٗ فی الخانیة علیٰ هامش الهندیة ج ۱ ص ۵۳۵ کتاب الطلاق الباب الرابع عشر فی الحداد)

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: وحل نکاح من قالت طلقنی زوجی وانقضت عدّتی او کنت امة فلان واعتقنی۔ (الدر المختار علیٰ هامش ردّ المحتار ج ۲ ص ۶۹۸ کتاب الطلاق۔ باب العدة)
ومِثلُهٗ فی الفتاوى الخانیة علیٰ هامش الهندیة ج ۱ ص ۴۲۱ کتاب الطلاق باب العدة۔

تین حیض گذارنا لازم ہیں اور اگر سنِ ایاس کو پہنچنے کی وجہ سے حیض آنے سے نا امید ہو چکی ہو تو اس صورت میں تین ماہ کی عدّت گذارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، بہرحال عدّت گذارنا ضروری ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: واذا طلق الرجل امرأته وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة اقراء۔ (الهداية ج٢ ص٤٢٢ كتاب الطلاق۔ باب العدة)[1]

نومسلم عورت کی عدّت کا حکم

سوال:۔ اگر ایک عورت اسلام سے مشرف ہو جائے اور اس کا خاوند اسلام قبول کرنے پر تیار نہ ہو تو یہ عورت اگر کسی مسلمان سے نکاح کرنا چاہے تو اس کی عدّت کیا ہوگی؟

الجواب:۔ مسلمان عورت کا خاوند اگر اسلام قبول کرنے سے انکار کر رہا ہو تو یہ عورت کسی غیر مسلم شخص کے نکاح میں نہیں رہ سکتی، اس لیے مسلمان حاکم یا قاضی خاوند کے اسلام لانے سے انکار کے بعد دونوں کے درمیان جدائی کا حکم صادر کرے گا جو عورت کے حق میں طلاق شمار ہوگی، ایک اسلامی ملک اور معاشرہ میں رہائش رکھتے ہوئے عورت کے لیے یہ زیادہ مناسب ہے کہ عدّت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: واذا اسلمت المرأة وزوجها كافر عرض عليه الاسلام فان اسلم فهي امرأته وان ابى فرق القاضي بينهما و كان ذلك طلاقاً عند ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ۔
(الهداية على صدر فتح القدير ج٣ ص٢٨٨ كتاب النكاح۔ باب نكاح اهل الشرك)[2]

---

[1] وفي الهندية: واذا طلق الرجل امرأته..... وهي ممن تحيض فعدتها ثلاثة اقراء۔ (الفتاوى الهندية ج١ ص٥٢٦ كتاب الطلاق۔ باب الثالث عشر في العدة)
ومثله في الدر المختار على هامش رد المحتار ج٢ ص٦٥١ كتاب الطلاق، باب العدة۔

[2] قال العلامة الحصكفي رحمه الله: واذا اسلم احد الزوجين المجوسيين او امرأة الكتابي عرض الاسلام على الآخر فان اسلم فبها والا بان ابى او سكت فرق بينهما۔
(الدر المختار على هامش رد المحتار ج٢ ص٤٢٢ باب نكاح الكافر)
ومثله في البحر الرائق ج٣ ص٢١٢ باب نكاح الكافر۔

"تجھے طلاق دی، دی، دی" سے تین طلاق کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی، دی، دی، تو کیا اس سے ایک طلاق واقع ہو گی یا تین؟ جبکہ اس کی نیت بھی تین ہی کی ہو؟

الجواب: جب کسی آدمی کی نیت ایسے الفاظ سے تین طلاق کی ہو تو اس سے تین طلاق واقع ہوں گی اور بدون حلالہ شرعی کے میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں ہو سکتے۔

لما فی الھندیة: ولو قالت مرا طالق کن، مرا طالق کن، مرا طالق کن۔ فقال کردم، کردم، کردم، تطلق ثلثا وھو الاصح۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۳۸۴ کتاب الطلاق) [1]

"بنتِ فلاں کو طلاق ہو" کا شرعی حکم

سوال: ایک شخص نے کئی آدمیوں کے سامنے یہ کہا کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو فلاں کی بیٹی (اپنے سسر کا نام لیا) کو طلاق ہو، چند دنوں بعد ہی اس نے وہی کام کر لیا، اب وہ شخص یہ کہتا ہے کہ ان الفاظ میں میں نے اپنی سالی کی نیت کی تھی بیوی کی نہیں، تو کیا شریعتِ مقدسہ کی رو سے موصوف کی بیوی کو طلاق ہو گئی ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ کے مطابق موصوف کا متعلقہ کام سرانجام دینے کے بعد اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی، قضاءً اس کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں، دیانۃً اور معاملہ ہے۔

لما قال العلامة قاضی خانؒ: وکذا قال بنت فلان طالق ذکر اسم الاب ولم یذکر اسم المرأة وامرأته بنت فلان وقال لم اعن به امرأتی لا یصدق قضاءً وتطلق امرأته۔ (الفتاوی قاضی خان ج ۲ ص ۲۱۵ کتاب الطلاق)

---

[1] لما قال العلامة اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: **الجواب:** یہ زبان سے کہا ہے کہ میں نے طلاق دے دی، دے دی، دے دی اگر د میرا کہا کرتی ہو الخ دیکھا جائے گا کہ اس کا مطلب کیا تھا، اگر مطلب یہ تھا کہ گو اب تک نہ دی تھی مگر اب دے دی تب تو تین طلاق واقع ہو گئیں، بدون حلالہ تجدید نکاح درست نہیں۔ الخ
(امداد الفتاوی ج ۲ ص ۲۳۰ کتاب الطلاق)

لفظ تلاق سے طلاق کے وقوع کا حکم

سوال:- ایک عورت نے اپنے شوہر پر دعویٰ کیا کہ اس نے مجھے طلاق دیدی ہے جبکہ اس کے شوہر کا کہنا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی بلکہ صرف یہ کہا ہے کہ میری بیوی کو تلاق ہو یعنی تاء کے لفظ کہا ہے طاء کے ساتھ نہیں، تو کیا لفظ تلاق سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- طلاق کے معاملہ میں اگر فا یا لام کے کلمات کو کچھ تبدیل کردیا جائے اور لام کا کلمہ اپنی حالت پر رہے تو اس سے قضاءً طلاق واقع ہوجاتی ہے، اسی طرح صورتِ مسئولہ میں بھی تلاق کے لفظ سے طلاق واقع ہوگئی ہے اور عورت کا دعویٰ صحیح ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: ويقع بها اي بهذه الالفاظ وما بمعناها من الصريح ويدخل نحو طلاغ وتلاغ وطلاك۔ قال ابن عابدين رحمه الله: ومنه الالفاظ المصحفة وهي خمسة فزاد على ما هنا تلاق۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ٣ ص ٢٤٨ كتاب الطلاق، باب الصريح)[1]

طلاق نامہ میں بیوی کے باپ کا نام غلط لکھنا مانع وقوع طلاق نہیں

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق نامہ ارسال کیا جس کا متن یہ ہے: "کہ من مسمّی محمد عمران بن محمد سلطان نے اپنی بیوی سعیدہ بنت سعید الرحمٰن کو تین طلاق دیدی ہے" جبکہ سعیدہ کے والد کا نام عبدالرحمٰن ہے، تو کیا اس طلاق نامہ سے سعیدہ پر طلاق واقع ہوچکی ہے یا نہیں؟

الجواب:- جب طلاق میں کسی اضافت سے اپنی منکوحہ کا قصداً ارادہ ہو تو باپ کا نام غلط لکھا جانا مانع وقوع طلاق نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں محمد عمران کی بیوی سعیدہ تین طلاق سے مطلقہ غلیظہ ہوچکی ہے جو بدون حلالہ شرعی کے موصوف کے لیے حلال نہیں۔

لما في الهندية: قال امرأته عمرة بنت صبيح طالق وامرأته عمرة بنت حفص

---

[1] قال العلامة ابن نجيم رحمه الله: ومنه الالفاظ المصحفة وهي خمسة تلاق وتلاغ وطلاغ وطلاك وتلاك فيقع قضاء ولا يصدق الا اذا اشهد على ذلك قبل التكلم۔
(البحر الرائق ج ٣ ص ٢٥٢ كتاب الطلاق، باب الصريح)

ولا نية له لا تطلق...... وان نوى امرأته فى هذه الوجوه طلقت امرأته فى القضاء وفيما بينه وبين الله. كذا فى خزانة المفتين۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۳۶۳ الفصل الاول فى الطلاق الصريح، مطلب اذا شك انه طلق الخ)[1]

کسی جاہل سے امرأتی طالق کے الفاظ کہلوانے کا حکم

سوال: ایک صاحب نے ایک جاہل آدمی سے کہا کہ تم یہ الفاظ کہو کہ امرأتی طالق، تو اس نے یہ الفاظ کہہ دیئے، حالانکہ یہ الفاظ کہنے والا نہ تو ان کے معانی کو جانتا ہے اور نہ اس کی نیت طلاق کی تھی، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

الجواب:۔ الفاظ صریح میں اگرچہ نیت کی ضرورت نہیں تاہم وقوع طلاق کیلئے ضروری ہے کہ طلاق کی اضافت میں بیوی کا قصد و ارادہ ہو، اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی، لہٰذا بشرط صحت سوال صورت مذکورہ میں اس شخص کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لما قال لعلامة ابن عابدينؒ: ولكن لابد فى وقوعه قضاء وديانة من قصد اضافة لفظ الطلاق اليها عالما بمعناه ولم يصرفه الى ما يحتمله كما افاده فى الفتح وحققه فى النهر احترازا عما لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها او كتب ناقلا من كتاب امرأتى طالق مع التلفظ او حكى يمين غيره فانه لا يقع اصلا ما لم يقصد زوجته وعما لو لقنته لفظ الطلاق فتلفظ به غير عالم بمعناه فلا يقع اصلا على ما افتى به مشائخ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۳ كتاب الطلاق)

"تیرا میرا معاملہ ختم" کہنے کے نکاح پر اثرات

سوال:۔ میاں بیوی کے مابین کسی وجہ سے تلخ کلامی پیدا ہوگئی تو شوہر نے بیوی کو مخاطب کرکے کہا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ اسلئے کہ میرا اور تیرا معاملہ ختم

---

[1] قال العلامة ابن نجيمؒ: وكذا لو قال بنت فلان طالق ذكر اسم الاب ولم يذكر اسم المرأة وامرأته بنت فلان وقال لم اعن امرأتى لا يصدق قضاء وتطلق امرأته۔

(البحر الرائق ج ۳ ص ۲۵۳، كتاب الطلاق، باب الصريح)

ہو چکا ہے، تو کیا ان دونوں کا نکاح برقرار ہے۔ یا ختم ہو چکا ہے؟

الجواب:۔ "میرا تیرا معاملہ ختم ہو چکا ہے" یہ الفاظ طلاق کنائی کے ہیں، اگر شوہر نے اس سے طلاق کی نیت کی ہو تو اس کی بیوی مطلقہ بائنہ ہو چکی ہے ورنہ الفاظ لغو ہیں۔

لما فی الھندیة: لم یبق بینی وبینك عمل ونوی یقع۔

(الفتاوی الھندیة ج۱ ص۳۷۶ کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات)

اثباتِ طلاق کے لیے باپ کی گواہی کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک مسئلہ درپیش ہے کہ ایک عورت نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کے خاوند نے اسے تین طلاق دی ہیں جبکہ اس کا خاوند اس بات کا منکر ہے، عورت گواہی میں اپنے باپ اور ایک ہمسایہ کو پیش کرتی ہے، کیا اس گواہی سے عورت کا دعویٰ طلاق درست ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دعویٰ طلاق کے اثبات کے لیے دیگر مقدمات کی طرح دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے بشرطیکہ گواہوں میں کوئی ایسا گواہ نہ ہو جس کی گواہی سے اقربا پروری کی تہمت لگ سکتی ہو۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں اثباتِ طلاق کا ایک گواہ عورت کا باپ ہے جس کی گواہی اس دعویٰ طلاق کے اثبات کے لیے شرعاً درست نہیں، لہٰذا ایک گواہ سے دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا اس لیے عورت پر وقوعِ طلاق کا فیصلہ کرنا مشکل ہے، تاہم اگر واقعتاً ایسا معاملہ ہو چکا ہو تو عورت کسی اور ذریعہ (خلع) سے شوہر سے جدائی اختیار کر سکتی ہے۔

لما فی الھندیة: لا تجوز شھادة الوالدین لولدیھا۔ (الفتاوی الھندیة ج۱ ص۴۶۹ باب الشھادة) لہ

تعدادِ طلاق میں شک ہو تو

سوال:۔ اگر کسی شخص کو یہ شک پڑ جائے کہ اس نے بیوی کو دو طلاق دی ہیں یا تین، تو کیا یہ شخص بیوی سے رجوع کر سکتا ہے یا یہ کہ حلالہ شرعی لازمی ہے؟

الجواب:۔ اگر کسی شخص کو تعدادِ طلاق میں شک پڑ جائے تو اس کو چاہیئے کہ وہ

لہ قال المرغینانیؒ: ولا شھادة الوالد لولدہ وولد ولدہ ولا شھادة الولد لابویہ ولا جدادہ والاصل فیہ قولہ علیہ السلام لا یقبل شھادة الولد لوالدہ ولا الوالد لولدہ ولا المرأة لزوجھا الخ۔ (الھدایة ج۳ ص۱۶۱ کتاب الشھادة، فصل من یقبل شھادتہ ومن لا یقبل)

کم عدد پر عمل کرے اس لیے کہ وہ یقینی ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق عورت پر دو طلاق واقع ہوچکی ہیں اور طلاق رجعی ہونے کی بناء پر آدمی رجوع کرسکتا ہے۔

لما قال العلامة الحصكفیؒ: ولو شك أطلق واحدة او اكثر بنی علی الاقل۔

(الدر المختار علی صدر رد المختار ج۳ ص۲۸۳ باب الصريح)[1]

رجوع میں بیوی کی رضامندی شرط نہیں

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دے دی، اب وہ اپنے اس اقدام پر نادم اور پشیمان ہے، گواہوں کے سامنے اس نے رجوع کا اعلان کیا ہے لیکن بیوی نہیں مانتی وہ کہتی ہے کہ مجھے رجوع قبول نہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا عورت کی رضامندی کے بغیر خاوند رجوع کرسکتا ہے؟

الجواب:۔ فقہ حنفی کی رُو سے طلاقِ رجعی میں نکاح زائل نہیں ہوتا صرف عدد میں کمی آتی ہے، اس لیے خاوند کے رجوع کرنے کے لیے بیوی کی رضامندی شرط نہیں، منکوحہ راضی ہو یا نہ ہو، لیکن جب خاوند باقاعدہ رجوع کرے تو دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں۔

لما فی الهندية: واذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية او تطليقتين فله ان يراجعها فی عدتها رضيت بذلك او لم ترض۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۴۷۰ كتاب الطلاق، الباب السادس فی الرجعة)[2]

* * *

---

[1] وفی الهندية: عن محمدؒ اذا شك فی انه طلق واحدة او ثلاثا فهی واحدة حتی يستيقن او يكون اكبر ظنه الخ۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۳۶۳ كتاب الطلاق، الفصل الثانی فی طلاق الصريح)

[2] قال الحصكفیؒ: وتصح الرجعة بتزوجها فی العدة۔ وفيه: ان لم يطلق بائنا فان ابى فلا وان أبت۔ قال ابن عابدينؒ: ای سواء رضيت بعد علمها او أبت۔

(رد المحتار ج۲ ص۵۲۷ كتاب الطلاق۔ باب الرجعة)

ومثلهٗ فی فتح القدير ج۴ ص۱۳۱ كتاب الطلاق۔ باب الرجعة۔

موجودہ جج قاضی شرعی کے قائم مقام ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب ایک عورت نے کسی مرد سے شادی کی، شادی کے چند ماہ بعد شوہر نے بیوی کو نان ونفقہ دینا چھوڑ دیا، کئی بار علاقائی جرگوں کے ذریعے اُسے سمجھانے کے باوجود وہ لیت ولعل سے کام لیتا رہا، آخرکار عورت نے مجبور ہوکر عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ کر دیا، عدالتی حکم پر شوہر صرف ایک بار عدالت میں حاضر ہوا، اس کے بعد عدالتی اطلاع اور سمن کے باوجود عدالت میں حاضر نہ ہوا۔ آخرکار عدالت نے عورت کے حق میں تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کر دی۔ اب دریافت طلب امر یہ کہ:۔

(۱) کیا موجودہ عدالتوں کے جج صاحبان قاضی شرعی کے قائم مقام ہیں یا نہیں؟

(۲) کیا ان عدالتوں کے جج صاحبان بیوی کو نان ونفقہ نہ دینے والے شوہر کی بیوی کی درخواست پر اس کا نکاح فسخ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ پاکستان کے فیملی لاء میں سے بعض کا تعلق قضاء قاضی کے ساتھ ہے بغیر اس کے وہ حکم تمام نہیں ہوتا، مگر قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ گورنمنٹ یعنی حاکم وقت کا مقرر کردہ ہو، بغیر حاکم کی اجازت کے کوئی شخص قاضی یا جج نہیں بن سکتا۔

قال الامام ماوردیؒ: والثانی لان التقلید لا یصح الا من جهته وایضاً فتقلید القضاء من جهته فرض یتعین علیه۔ (ادب القاضی ج۱ ص۱۳۷ م)

اگرچہ حکومت کسی فاسق وفاجر یا کافر کی ہی کیوں نہ ہو۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: فیه دلیل علیٰ جواز التقلید من الکافر المسلم الجائر بالاولیٰ۔ (اعلاء السنن ج ۱۵ ص۵۴ کتاب القضاء، باب صحة تقلد القضاء ...الخ)

اسی طرح مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے کہ: ”جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔“ (جلد ۲ تا جزء ۵ ص۱۴۸ المرقومات للمظلومات)

اس لیے موجودہ جج ومجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے ان احکامات کے اجراء کیلئے مقرر ہوں قاضی شرعی کے قائم مقام ہیں بشرطیکہ فیصلہ شرعی قواعد کے مطابق ہو۔

اسی طرح جو شخص بیوی کو باوجود وسعت کے نان ونفقہ نہ دیتا ہو اور نہ ہی اُسے طلاق دینے پر آمادہ ہو اور نہ خلع کرنا چاہتا ہو تو اگرچہ حنفیہ کے ہاں عورت کو نکاح کی تنسیخ کی

اجازت نہیں مگر بنا بر مجبوری متاخرین علماء نے مالکیہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے بشرطیکہ شوہر طلاق یا خلع سے بھی انکاری ہو اور نان ونفقہ بھی نہ دیتا ہو اور عورت کے نان ونفقہ کا کوئی متبادل انتظام بھی نہ ہو سکتا ہو، جیسا کہ صورت مسئولہ میں مذکور ہے کہ بار بار سمجھانے اور وسعت کے باوجود شوہر بیوی کو نان ونفقہ نہیں دیتا اور طلاق وغیرہ سے کنارہ کشی کر رہا ہے تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ اپنے اس مسئلہ کے حل کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے۔

اب اگر عدالت تحقیق حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے عورت کو تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کر دے تو یہ عورت شوہر کے نکاح سے آزاد ہو جائے گی اور عدت گزار کر جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: لا يجوز في مذهب الحنفية والامامية التفريق لعدم الانفاق، اجاز الائمة الثلاثة التفريق لعدم الانفاق ...... والراجح لدى رأى الجمهور لقوة ادلتهم ودفعاً للضرر عن المرأة ولا ضرر ولا ضرار في الاسلام۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ۷ ص ۵۱۲ كتاب الطلاق)

(وهكذا في الحيلة الناجزة ص ۷۳ حكم زوجه متعنت)

برطانیہ میں شریعت کونسل کی طرف سے فسخ نکاح کے فیصلے کی شرعی حیثیت

سوال:- جناب مفتی صاحب!

یہاں برطانیہ کی شریعت کونسل نے ایک مقدمہ میں مدعیہ کے حق میں فسخ نکاح کی ڈگری جاری کی ہے، اب آنجناب سے عرض ہے کہ قرآن وسنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں اس کی شرعی حیثیت سے آگاہ فرمائیں، اس مقدمہ کا پس منظر یہ ہے کہ:۔

مسمی صفدر زمان نے ۱۹۸۳ء دسمبر میں بی بی فاطمہ سے پاکستان میں شادی کی اور کچھ عرصہ بعد انگلینڈ آ گئے، پانچ سال تک اچھے تعلقات رہے، اس کے بعد اس نے ظلماً بی بی فاطمہ کو گھر سے نکال دیا اور وہ اس وقت سے اب تک (تقریباً بارہ سال سے) بہن کے گھر بیٹھی ہوئی ہے، کوئی بھی اسے منانے نہیں آیا، اس دوران صفدر زمان نے دوسری شادی کر لی جس سے اس کی چار بچیاں بھی ہو گئی ہیں، چونکہ صفدر زمان نہ تو بی بی فاطمہ کو طلاق دینے پر تیار تھا اور نہ آباد کرنے کے لیے، مجبوراً بی بی فاطمہ نے شرعی کونسل برطانیہ میں دعویٰ دائر کر دیا، ایک سال تک کیس چلتا رہا، اس کے بعد شریعت کونسل نے بی بی فاطمہ کے حق میں فسخ نکاح کی ڈگری جاری

کر دی اور لکھ دیا کہ بی بی فاطمہ عدت گذار کر نکاح ثانی کر سکتی ہے۔

شریعت کونسل برطانیہ کے چیئرمین مفتی محمد اسلم صاحب ہیں، دیگر ممبران حضرات بھی علماء کرام ہیں، مفتی صاحب جمعیۃ علماء برطانیہ کے جنرل سیکرٹری بھی ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا محمد امداد اللہ قاسمی صاحب خطیب مسجد حمزہ برمنگھم فاضل بنوری ٹاؤن کراچی، مولانا حافظ محمد تمکین صاحب خطیب جامع مسجد سینٹ البن شاگرد حضرت غور غشتی رح، مولانا محمد زمان صاحب فاضل جامعہ اشاعت القرآن حضرو ضلع اٹک بھی شریعت کونسل کے ممبر ہیں۔

فسخ نکاح کے فیصلہ نقل حاضر خدمت ہے۔

(بی بی فاطمہ۔ یوکے۔ انگلینڈ)

الجواب:۔ اسلام نے کسی کو بھی دوسرے پر ظلم و زیادتی کرنے کا کوئی حق نہیں دیا ہے چاہے وہ اس کا مملوک ہو یا منکوحہ ہو، بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر کسی عورت کا شوہر ظالم ہو اور ہر وقت بیوی کو بلا وجہ زد و کوب کرتا رہتا ہو، سب و شتم سے اس کا جینا دوبھر کر رکھا ہو، نان و نفقہ سے بھی پہلو تہی کرتا ہو، بیوی کو نہ تو اچھے طریقہ سے آباد کرتا ہو اور نہ اس کو چھوڑتا ہو۔ تو مذہب مالکیہ کے مطابق ایسی مجبور عورت اپنی گلوخلاصی کے لیے عدالت میں دعویٰ کرنے کا حق رکھتی ہے اور عدالت پوری تحقیقات اور کوشش کے بعد صلح نہ ہونے کی صورت میں عورت کو تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کرنے کی مجاز ہے، تنسیخ نکاح کی ڈگری ملنے کے بعد عورت عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ اور اگر کہیں شرعی عدالت نہ ہو یا دار الحرب ہو تو وہاں اس عہدہ کو پنچایت (جو کہ دیندار مسلمان ممبران پر مشتمل ہو) سنبھال سکتی ہے اور اس کی طرف سے جاری کی گئی تنسیخ نکاح کی ڈگری شرعی قواعد کے مطابق مقبول ہوگی اور اس کا بھی وہی مقام ہے جو کسی شرعی عدالت کے فیصلے کا ہوتا ہے۔ فقہ حنفی میں بھی بنا بر ضرورت شدیدہ دوسرے مذہب پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ کے مطابق برطانیہ میں شرعی عدالت کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہاں کی شریعت کونسل (جو ایک گونہ پنچایت ہے) اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کرنے کی حقدار ہے اور اس فیصلہ نافذ العمل ہوگا۔ چونکہ بی بی فاطمہ کے نکاح کی تنسیخ کا فیصلہ بھی اس ضرورت شدیدہ کے تحت ہوا ہے کہ اس کا شوہر مسمی صفدر زمان نہ تو خلع کے لیے تیار تھا اور نہ طلاق دینے پر آمادہ تھا، اور نہ اس کو اچھی طرح آباد کرنے کے لیے تیار تھا، اس لیے شریعت کونسل کا تنسیخ کا یہ فیصلہ شرعاً

درست اور صحیح ہے، بی بی فاطمہ عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اس کا نکاح شوہر اول سے ختم ہو چکا ہے ۔

(۱) لما قولہ تعالیٰ: وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۔ (الآیۃ) وقال اللہ تعالیٰ: فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (الآیۃ) وان البقاء مع عدم الانفاق ضرارة وامساک بغیر معروف وکان حقًا علیہ ان یطلق زوجة ولما لم یقم بذلک وقد تعین علیہ قام القاضی مقامہ فیہ ۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم لا ضرر ولا ضرار وان الامساک مع عدم الانفاق ضرار وان الامساک مع عدم الانفاق مضارة وعلی القاضی ان یزیل الضرر بفک تلک العقد الی اصبحت ضررًا لا مصلحۃ فیہا ۔ (الاحوال الشخصیۃ لابی زہرہؒ ص ۳۲۹)

(۲) فی مقدمات لابن رشدؒ: ان تبین ان الضرر من قبل الزوج فرق بینہما بغیر عدم تغرمہ المرأۃ ۔ (الاحوال الشخصیۃ ص ۳۶۴ التفریق للضرر ۴)

(۳) واجاز المالکیۃ التفریق للشقاق او للضرر منعا للنزاع وحتی لا تصبح الحیاۃ الزوجیۃ جحیما وبلاء ۔ ولقولہ علیہ السلام لا ضرر ولا ضرار وبناء علیہ ترفع المرأۃ امرہا للقاضی فان اثبت الضرر او صحۃ دعواہا طلقہا ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۵۲۷ البحث الثالث التفریق للشقاق الخ)

(۴) اگر کسی جگہ مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا اس کی عدالت میں مقدمہ لے جانے کا قانوناً اختیار نہ ہو یا مسلمان حاکم قواعد شرعیہ کے مطابق فیصلہ نہ کرتا ہو تو اس وقت مذہب امام مالکؒ کے موافق جس کا اختیار کرنا بضرورت شدیدہ حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہے، مسلمانوں کی جماعت کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جائے گا اور اس کی صورت یہ ہے کہ محلہ یا بستی کے دیندار اور بااثر مسلمانوں کی ایک جماعت جس کا عدد کم از کم تین ہو، کے سامنے اپنا معاملہ پیش کیا جائے اور وہ جماعت اس معاملے کی تحقیق کر کے شریعت کے مطابق فیصلہ کر دے ۔

(حیلۃ ناجزہ ص ۱۲۸-۳۴ المرقومات للمظلومات و تفریق بین الزوجین لحکم حاکم)

وھکذا فی اسلام کا مکمل نظام طلاق ص ۲۰۹ تا ۲۱۱ ۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

ہر دور میں سائنسی ایجادات نے کوئی نہ کوئی نیا مسئلہ پیدا کیا ہے علماء اُمت اور مفتیانِ کرام نے شرعی نقطہ نظر سے ان ایجادات پر بحث و تحقیق کرتے ہوئے قرآن و سنت کے دلائل و شواہد کی روشنی میں ان مسائل کو حل کرنے کے لئے پُرمغز مقالے، مضامین اور کتابیں تحریر فرمائیں جن کو اپنے اور بیگانے سب نے تسلیم کیا۔ ٹیسٹ ٹیوب بے بی بھی ان ہی سائنسی ایجادات کی کرشمہ سازی ہے جس میں انسانی تولید کے جدید (مگر حیا سوز اور اخلاق باختہ) طریقے وضع کئے گئے ہیں۔

دارالعلوم حقانیہ کے نائب مفتی حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب نے اس کے جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے جس کو دارالعلوم کے ترجمان ماھنامہ الحق نے اپنی اشاعت کی زینت بنایا۔ فتاویٰ اور فقہی مباحث کی مناسبت سے افادۂ عام کے لئے فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ (از مرتب)

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

نیک اور صالح اولاد انسان کی زندگی کا سب سے قیمتی اور گراں مایہ سرمایہ ہے، اولاد والدین کے لیے صرف دنیاوی عزت و افتخار کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ اُخروی سعادت اور نجات کیلئے بھی بہترین توشہ ہے، اسلام میں اولاد کی زیادتی پر کوئی پابندی نہیں، افرادی قوت کے اضافہ کے لیے اسلامی تعلیمات میں نکاح کی بار بار ترغیب دلائی گئی ہے، پھر ایسی عورت سے نکاح کرنے کو ترجیح دی گئی ہے جو زیادہ بچے جننے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

تزوّجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الاُمم ۔ (ابوداؤد، نسائی)

(ترجمہ) ”تم ایسی عورت سے نکاح کرو جو اپنے خاوند سے محبت کرنے والی ہو جو زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہو، کیونکہ میں دوسری اُمتوں کے مقابلے میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔“

یہی وجہ ہے کہ جب ضبطِ تولید (FAMILY PLANNING) کی تحریک چلی تو علماء حق نے اس بے مقصد اور بے فائدہ تحریک کی شدید مخالفت کی، بحیثیت مسلمان ہونے کے ہمارا عقیدہ ہے کہ اولاد کا دینا یا نہ دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اسباب اور وسائل اور ذرائع کا حصول اور استعمال اپنی جگہ ضروری اور مسنون ہے مگر اولاد جیسی نعمتِ عظمیٰ کے حصول کا توقف اور دارومدار مشیتِ الٰہی پر موقوف ہے، قرآنِ مجید میں اس حقیقت کو یوں واضح کیا گیا ہے :۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ (سورۃ الشوریٰ آیت ۴۹، ۵۰)

(ترجمہ) ”اللہ ہی کی ہے سب سلطنت آسمانوں کی اور زمینوں کی، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے اور

یا ان کو جمع کر دیتا ہے یعنی بیٹے اور بیٹیاں دونوں دے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے، بیشک وہ بڑا جاننے والا اور بڑی قدرت والا ہے ''۔

اس آیتِ کریمہ کے مطابق اولاد کے اعتبار سے افرادِ انسانی چند اقسام میں منقسم ہیں۔

(ا) ایسے افراد جن کو اللہ تعالیٰ بیٹیاں دیتا ہے جیسا کہ انبیاء کرام میں سے حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کی صرف بیٹیاں تھیں، ان کا کوئی بیٹا نہیں تھا حضرت لوط علیہ السلام کی تین یا دو بیٹیاں (زیتا اور زعورا) اور حضرت شعیب علیہ السلام کی دو (ریا، صفوریا) بیٹیاں تھیں۔

(ب) ایسے افراد جن کو بیٹے دے کر بیٹیوں سے محروم کرتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صرف بیٹے دیئے تھے آپؑ کی کوئی بیٹی نہیں تھی۔ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ بیٹے تھے۔ اسماعیل، اسحٰق، مدین، مدائن، نعشان، زمران، نعشیق اور شیوخ۔

(ج) ایسے افراد جن کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں دے کر دونوں نعمتوں سے نوازتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹیاں زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ اور تین یا چار بیٹے بھی عطا فرمائے، قاسمؓ، طاہرؓ و طیبؓ اور ابراہیمؓ۔

(د) آخرالذکر وہ قسم ہے جن کو اللہ تعالےٰ ہر دو نعمتوں سے محروم کر دیتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے انبیاء ہیں جو اولاد سے محروم رہے۔

اگرچہ نوعِ انسانی کی یہ تمام اقسام معاشرہ کے عام افراد میں پائی جاتی ہیں لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے تذکرہ سے مقصد یہ ہے کہ نبی ہونے کے باوجود بیٹے یا بیٹی سے محروم ہونے میں یہ سبق ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے بیٹوں کے دائرے میں محبوس کر دیتا ہے تو وہ بیٹی کے لیے ترستا ہے اور کسی کی زندگی بھر میں صرف ایک بیٹی ہوتی ہے اور وہ بیٹے کے حصول کے لیے سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہوتا ہے لیکن مرتے دم تک اس کی یہ آرزو پوری نہیں ہوتی، عربی میں اسے ''عقیم'' اور اردو میں ''بانجھ'' کہتے ہیں۔

بانجھ پن کے اسباب

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لانے کے باوجود اولاد کا نہ ہونا مشیتِ الٰہی

کا نتیجہ ہے، ممکن ہے کہ میاں اور بیوی میں ہر لحاظ سے (بچے کی پیدائش کی) صلاحیت موجود ہو لیکن جب اللہ تعالیٰ ہی نہ چاہے تو دُنیا بھر میں گھومنے اور بہتر سے بہتر علاج کرانے کے باوجود محروم ہمیشہ کے لیے محروم ہی رہتا ہے۔

اس باطنی اور حقیقی سبب کے علاوہ "اہل طبائع" کے نزدیک کچھ ظاہری اسباب اور عوامل کا بھی اثر رہتا ہے، اگرچہ امام رازی رحمۃ اللہ نے تفسیر کبیر میں اس کا سختی سے انکار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ کسی کے نطفہ میں بچے کی پیدائش کی صلاحیت اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا نتیجہ ہے طبعی اسباب کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں، لیکن زیر نظر مسئلہ پر بحث کرنے کے لیے ہمیں ان طبعی اسباب کو مدِ نظر رکھنا ہوگا تاکہ اصل مسئلہ کے فہم و ادراک میں کوئی دشواری نہ رہے۔ جملہ ضروری اور موقوف علیہ امور اور وسائل و ذرائع کے اختیار کر لینے کے باوجود اولاد نہ ہونے کے چند عوارض ہو سکتے ہیں، مثلاً :۔

(ا) ممکن ہے کہ مرد کے مادۂ تولید یعنی نطفہ میں وہ صلاحیت ہی نہ ہو کہ جس سے بچہ پیدا ہو۔

(ب) یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قصور عورت کی طرف سے ہو، عورت میں قصور ہونے کے مختلف اسباب ہیں، کبھی مادۂ تولید میں صلاحیت نہیں ہوتی اور بعض اوقات مادۂ تولید میں صلاحیت تو موجود ہوتی ہے لیکن "رحم" میں استقرار کی طاقت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے نطفہ مقررہ مُدت تک "رحم مادر" میں نہیں رہ سکتا۔ انفرادی نقصان کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اگر اس جوڑے کے درمیان جدائی ہو جائے تو کسی ایک طرف کے ذی صلاحیت ہونے کی صورت میں کسی دوسرے ذی صلاحیت فرد سے رشتہ ہو جانے کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ موجودہ دور میں یہ پہچان لیبارٹری ٹیسٹ کے ذریعہ آسانی سے ہو سکتی ہے۔

(ج) ممکن ہے کہ دونوں جانب قصور کی وجہ سے یہ جوڑا عمر بھر بچے کی نعمت سے محروم رہے، جوڑے کی تبدیلی کے باوجود کسی ایک طرف سے ثمر آور ہونے کی اُمیدیں بہت کم ہوتی ہیں۔

بانجھ پن کے علاج کی ممکنہ صُورتیں

بانجھ پن کے علاج کی جدید صورت "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ اس سے بانجھ پن کی تمام صورتوں کا علاج ممکن ہے کیونکہ اس طریقۂ علاج کے باوجود کئی محروم جوڑوں کی ناامیدی غلط ثابت کر دیا ہے۔ ہمارے ہاں سب سے پہلے یہ تجربہ گیارھویں مرتبہ کامیاب ہُوا ہے۔ گویا متعلقہ ڈاکٹروں کی شبانہ روز کوششوں کے باوجود اگر سَو بیماروں کا علاج کیا گیا ہے تو ان میں صرف دس افراد کے

بارے میں کامیابی ہوئی ہے اور باقی نوے فیصد کے بارے میں ناکامی ہوئی۔ اس قلیل اندازے میں کامیابی سے یہ نشاندہی ہوتی ہے کہ بانجھ پن کی بعض صورتیں ابھی تک لا علاج ہیں۔ بہرحال مرد یا عورت کی جانب سے قصور کی صورت میں علاج کی چند صورتیں ہیں:۔

(الف) مرد کے مادۂ تولید میں ضعف کا علاج ہو جائے یا متضاد مادہ کی علیحدگی کے لیے علاج کیا جائے تاکہ اصلاح کے بعد اس سے مطلوبہ نتائج برآمد ہوں، ازروئے شرع یہ عام علاجوں کی طرح ایک علاج ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

(ب) ایسا ہی عورت کے قصور کی صورت میں اگر مادۂ تولید میں کوئی نقص ہو تو اس کی اصلاح کیلئے کوئی دوائی کھانا یا کھلانا جائز اور مشروع ہے۔

(ج) لیکن عورت میں نقص کی صورت میں اگر یہ نقص "رحم" میں ہو یعنی "رحمِ مادر" میں استقرار کی صلاحیت موجود نہ ہو تو اس صورت میں بھی اگر عورت کوئی ایسی دوائی کھائے جس سے رحم میں امساک اور استقرار کی صلاحیت پیدا ہو جائے، بظاہر یہ علاج بھی ممنوع نہیں بلکہ دوسری بیماریوں کے علاج کی طرح یہ بھی مشروع ہے۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا طریقۂ علاج

"ٹیسٹ ٹیوب بے بی" کے ذریعہ آخر الذکر بیماری کا علاج دریافت کیا گیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے مادۂ تولید میں بچے پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہو لیکن "رحمِ مادر" میں امساک اور استقرار کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے بچہ پیدا نہ ہوتا ہو تو جدید تحقیقات کی روشنی میں یہ طریقۂ علاج ایجاد کیا گیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے مادۂ تولید کو ملا کر ایک خاص ترتیب کے بعد عورت کے پیٹ میں ایک خالی جگہ میں معمولی اپریشن کرنے کے بعد رکھ دیا جاتا ہے اور متعلقہ ضروریات پہنچانے کے بعد مقررہ مدت میں یہ مادہ تدریجی ادوار طے کرنے کے بعد مکمل بچہ بن جاتا ہے۔

روزنامہ مشرق کے میگزین ۲۳ راکتوبر ۱۹۸۷ء کے ایک جائزہ کی "تجرباتی رپورٹ" سے اس طریقۂ علاج کی نشاندہی ہوتی ہے جیسا کہ اخبار لکھتا ہے:۔

"آج سے آٹھ سال قبل نیوزی لینڈ کی ایک ۲۷ سالہ عورت مارگریٹ نے مئی ۱۹۷۹ء میں پانچ پونڈ کی ایک تندرست بچی کو جنم دیا، اس بچی کی پیدائش معمول کے مطابق نہ تھی، چونکہ اس عورت کا جسمانی نظام بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت سے عاری تھا اس لیے

> اس کے شوہر کے نُطفہ کو لیبارٹری میں "پیٹری ڈش" تکنیک کے ذریعہ "امبریو" کی شکل دے کر اس کی پرورش اس کے بطن میں کی گئی جہاں اس بچے نے بغیر "یوٹیرس" کی مدد کے تمام غذائیت حاصل کی اور پروان چڑھ کر اپنے دن پورے کیے، بچے کی پیدائش اپریشن کے ذریعہ ہوئی تھی۔"

یہ طریقہ علاج دن بدن متعارف ہو رہا ہے، ایک اندازے کے مطابق اس وقت دنیا میں تین ہزار بچے ایسے ہیں جو اس جدید طریقہ تولید کی برکت سے پیدا ہوئے ہیں اور اب پاکستان بھی ان ممالک کی صف میں شامل ہو گیا ہے جو اس طریقہ تولید کے مطابق صفِ اوّل میں ہیں۔

بعض سادہ لوح احباب بھی عجلت پسندی میں بغیر کسی تحقیق کے حکم لگانے کے قائل ہیں چنانچہ ہمارے چند معزز ڈاکٹروں کے حوالے سے چند روز قبل یہ خبر شائع ہوئی کہ:۔

> "ٹیسٹ ٹیوب بے بی کسی مرتبان یا ٹیسٹ ٹیوب میں نہیں بلکہ ماں کے جسم میں ہی پروان چڑھتی ہے اور اس کا نام ٹیسٹ ٹیوب نہیں ہونا چاہئے، یہ ایک جدید طریقہ علاج ہے اس کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اگر یوں شتر بے مہار کی طرح علاج کو بھی چھوڑ دیا جائے تو معلوم نہیں فائدے کی جگہ اس کے نقصان کیا ہوں گے"؟

اگرچہ تجربہ کی رُو سے اس جدید عملِ تولید میں میاں بیوی کے مادۂ تولید سے کام لیا گیا ہے لیکن کیا اس بات کی کوئی ضمانت موجود ہے کہ آئندہ بھی یہ عمل صرف میاں بیوی تک ہی محدود رہے گا؟ ہرگز نہیں! بلکہ بطور ترقی کے اس تجربہ کو اور بھی وُسعت دی گئی ہے جس میں اب میاں بیوی کی تمیز باقی نہیں رہی بلکہ عمدہ اور حسین نسل کے تخم حاصل کئے جا رہے ہیں اور معلوم نہیں کہ آئندہ اس کو کہاں تک پہنچانے کا امکان ہے (العیاذ باللہ) اور اگر امکانی صورتوں کو مدنظر رکھ کر اس عمل کو دیکھا جائے تو اس کے بہت سے خطرناک نتائج کی نشاندہی بھی ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ یہ نتائج کسی وقت بھی محض امکان کی جگہ ایک حقیقتِ واقعہ کی صورت اختیار کر لیں۔ اب اصل مسئلہ کا حکم بیان کرنے سے قبل ایک مقدمہ بطورِ تمہید پیشِ خدمت ہے:۔

سدِّ ذرائع اور اسلام

اسلامی نقطہ نظر سے کسی شے کے حکم میں اس کے اسباب و عوامل طریقہ کار یا نتائج کا بہت زیادہ اثر رہتا ہے، اسلام کسی شئے کی عارضی اور وقتی مصلحت کو دیکھ کر عجلت پسندی کے فیصلے کا حامی نہیں۔ اسلام چونکہ ابدی اور دائمی دین ہے اسلئے

اس میں موجودہ اور آئندہ ہر دور میں ہر حالت کی امکانی صورتوں کو مدِنظر رکھ کر حکم دیا جاتا ہے، ممکن ہے کہ بہت سے امور بظاہر اچھے اور خوبصورت ہوں، ان میں کوئی قصور اور نقص نہ ہو لیکن اس ظاہری حُسن کے باجود اگر کوئی شے کسی دوسرے ناجائز کام کے لیے مقدمہ اور پیش خیمہ ہو تو شریعت میں ناجائز کام کے لیے ذریعہ ہونے کی حیثیت سے اس کام کا درجہ بھی ناجائز کام کا ہو جاتا ہے، اُس دوسرے ناجائز فعل کی وجہ سے اِس ذریعہ اور مقدمہ کو بھی حرام کے زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے فقہاء کرام کے ہاں یہ حکم "سدّ الذرائع" کے نام سے متعارف ہے، علماء کرام کے ہاں یہ معتبر ہے، خاص کر حنابلہ اور مالکیہ اس کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں، قرآن و حدیث کی رُو سے اس قاعدہ کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔

قرآنِ کریم کی رُو سے قاعدہ کی وضاحت

مثلاً صحابہ کرامؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ شفقت اور توجہ دلانے وقت "رَاعِنَا" کا لفظ استعمال کرتے تھے جس کا مقصد واضح تھا کہ یا رسول اللہ ہماری مصلحت کی رعایت فرمائیے، اس میں کوئی بے ادبی نہیں تھی، لیکن یہود اور منافقین اس لفظ کو بول کر اس سے ایسا معنیٰ مراد لیتے تھے جو منصب نبوت کے مناسب نہیں تھا اور اس سے یہودیوں کو شرارت کے لیے ایک موقع ملتا تھا، اللہ تعالیٰ نے شرارت اور فساد کا پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے اس جائز لفظ کے کہنے پر پابندی لگا کر متبادل لفظ تجویز فرمایا،

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا۔ (سورۃ البقرۃ ۱۰۴)

(ترجمہ) "اے ایمان والو تم رَاعِنَا کا لفظ مت کہا کرو اور اس کی جگہ لفظ اُنْظُرْنَا کہہ دیا کرو۔"

حدیث سے قاعدہ کی وضاحت

ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو قریشِ مکہ کے تعمیر کردہ بیت اللہ میں متعدد نقائص نظر آئے، آپؐ کو محسوس ہوا کہ بیت اللہ کی تعمیر میں قریشِ مکہ نے اختیاری یا غیر اختیاری اسباب کی وجہ سے ایسے تصرفات کیے ہیں جو بناءِ ابراہیمی کے خلاف ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:-

> "میرا دل چاہتا ہے کہ موجودہ تعمیر کو منہدم کر کے اسے بالکل بناءِ ابراہیمی کے مطابق بنا دوں لیکن اس سے ناواقف عوام کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے اس لیے سر دست اس کو اسی حال پر چھوڑتا ہوں۔"

ظاہر ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر ایک اہم اور ضروری مسئلہ تھا لیکن ناجائز امور یعنی فتنہ و فساد کے لیے پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے آپؐ نے قریشِ مکہ کی تعمیر کو اُسی حالت پر چھوڑ دیا۔

اس قاعدہ کے ذہن نشین ہونے کے بعد اب ہم "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" کے طریقۂ علاج کے نتائج پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس طریقۂ علاج کے معاشرہ پر مذہبی، اقتصادی اور معاشرتی لحاظ سے کیا اثرات پڑتے ہیں؟ اس سے معاشرہ کس حد تک متاثر ہوتا ہے؟ تاکہ مسئلہ واضح ہو جائے۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ نسب محفوظ نہیں رہتا

اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو انسانیت کے لیے سب سے اہم مسئلہ تحفظ نسب کا ہے، دنیا باوجود ترقی کے آج اس میدان میں حیران ہے اور غیر ثابت النسب بچوں کی تعلیم و تربیت موجودہ دنیا کے لیے ایک عظیم مسئلہ ہے۔ اسلام ہی وہ واحد دین اور مذہب ہے جس میں تحفظ نسب کی مکمل ضمانت موجود ہے۔ زنا اور دواعی زنا کی حرمت اور ممانعت سے وہ تمام راستے مسدود ہو گئے ہیں جس سے نسب متاثر ہوتا ہو، لیکن مذکورہ طریقہ علاج کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں انسان کا نسب محفوظ نہیں رہ سکتا، کیونکہ اس عمل کا تجربہ اگرچہ ایک میاں بیوی کے مادۂ تولید سے کیا گیا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس کو صرف میاں بیوی تک محدود رکھا جائے گا۔ کیونکہ ایک خاوند کے نطفہ میں جب خود صلاحیت موجود نہ ہو اور مذکورہ طریقہ علاج میسر ہو تو اس میں مانع کیا چیز ہے؟ کہ ایک غیر شخص کے ذی استعداد نطفہ سے یہ کام لیا جائے اور یا ایک عورت کو یہ معلوم ہو کہ میرا خاوند ناقابل اور نالائق ہے تو ممکن ہے کہ اس کے نطفہ سے پیدا ہونے والا بچہ بھی باپ کی طرح نالائق اور ناقابل ہو اور عورت بہ نفس نفیس یا خاوند کے مشورہ سے حسین، قابل اور ماہر شخص کے نطفہ سے یہ مسئلہ حل کر سکتی ہے تاکہ اس سے پیدا ہونے والا بچہ قابل اور ذہین ثابت ہو۔ چنانچہ اس تجربہ سے کامیابی کے بعد ایک اخباری اطلاع ملاحظہ فرمائیے:۔

> "آجکل امریکین کیلی فورنیا کے علاقہ "ریکسو ڈیڈو" میں رابرٹ گراہم نے عالی ظرف نطفوں کا ایک بینک قائم کیا ہے جس میں بڑے بڑے فنکار، سائنسدان، موسیقار، فلسفی اور بیشمار اعلیٰ صلاحیت کے حامل لوگوں کو تخ بستہ کر کے محفوظ رکھ لیا گیا ہے اور ان نطفوں کی تفصیل کیٹلاگ شائع کی جاتی ہے اور وہ ایسی ماؤں کی تلاش میں رہتے ہیں جو نطفوں کے لیے مختلف خصوصیات کی حامل ہوں جو "امبری ٹو" سے اولاد پیدا کر کے اعلیٰ عقل و خرد کے لوگوں کی آبادی میں اضافہ کر سکیں۔"

ظاہر ہے کہ غیر کے نطفہ سے پیدا ہونے والا بچہ اگرچہ قضاءً (الولد للفراش وللعاہر حجر) سے باپ کا بیٹا کہلائے گا لیکن خود جب اس بچے کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں اس شخص کے نطفہ سے نہیں ہوں میری پیدائش کے لیے مادۂ تولید کسی غیر شخص سے حاصل کیا گیا ہے، تو یہ بچہ کبھی بھی اس کو باپ تسلیم نہیں کرے گا اور نہ دیانۃً یہ شخص باپ کہلانے کا مستحق ہے ۔

مادۂ تولید کا مذموم کاروبار روزمرہ کا معمول بن جائے گا

اگر اس عمل کو جاری رکھا گیا اور ان عالی ظرف نطفوں سے بچوں کی پیدائش کے اس طریقہ کو آگے بڑھا دیا گیا تو ظاہر ہے کہ عوام الناس کے رجحان کو دیکھ کر نطفوں کا باقاعدہ کاروبار شروع ہو جائے گا، کیونکہ بغیر قیمت کے میسر نہ ہونے کی صورت میں خواہ مخواہ خریدنے کی ضرورت ہوگی، شریعت میں مال نہ ہونے کی وجہ سے بیع باطل ہے، لیکن عام انسان بھی طبعی طور پر اس مذموم کاروبار سے متنفر ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ خون کی خرید و فروخت کی طرح اس کو بھی بعض لوگ آمدنی کا ذریعہ بنا لیں ۔

معاشرہ میں نکاح کی اہمیت ختم ہو جائے گی

موجودہ دور میں ہر ایک معاشرہ کے اندر نکاح کے لیے خاص صورتیں موجود ہیں، زنا سے نفرت کے لیے مذہب، قانون یا فطرت ایک اہم سبب ہے ۔ اگرچہ یورپی درندوں کے ہاں اخلاق سوز رابطوں کو قانونی تحفظ حاصل ہے لیکن پھر بھی زنا سے کچھ ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہوں گے ۔ لیکن زیر نظر طریقۂ علاج اپنانے سے نکاح کی یہ وقعت بھی ختم ہو جائے گی اور ایک نوجوان عورت کیلئے اس میں کون سی رکاوٹ ہے کہ وہ بغیر خاوند کے کسی غیر شخص کے نطفہ سے حاملہ ہو کر ماں بن جائے، بغیر خاوند کے حاصل ہونے والے بچے کو کنواری ماں اپنا بچہ سمجھے گی، اور یہ بچہ کل بڑا ہو کر اپنی پہچان کے لیے صرف ماں کی طرف نسبت پر اکتفا کرے گا، یوں اس کی بچے کی خواہش تو پوری ہو جائے گی جبکہ طبعی خواہشات کی تکمیل کے لیے غیر شرعی اور غیر فطری طریقے اپنائے جائیں گے اور نکاح کو زائد از ضرورت چیز سمجھا جائے گا ۔

افزائش نسل انسانی کے فارم

جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ ایک مرد کے نطفہ سے متعدد عورتیں حاملہ ہو سکتی ہوں تو پھر جس ملک کو افرادی قوت کی ضرورت ہوگی اور جہاں افزائش نسل پر متعلقہ جوڑوں کو انعام دیا جاتا ہے وہاں اس ضرورت کی تکمیل کے لیے ایک آسان نسخہ ہاتھ آجائے گا کہ اعلیٰ ظرف اشخاص کے نطفوں کو اکٹھا کر کے

ذی استعداد عورتوں کے مرغیوں، گائے اور بھیڑ بکریوں کی طرح فارم بنا کر بچے پیدا کر لئے جائیں گے، ایک ہی انجکشن سے نا معلوم کتنے بچے پیدا ہوں گے؟ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان فارمی نوزائیدہ بچوں سے قوم و ملک اور معاشرہ کی اصلاح کے لیے کیا آمید کی جا سکتی ہے؟ جبکہ ایسے بچوں کا مستقبل تو درکنار خود افزائش نسل کا یہ طریقہ ایک قبیح حرکت ہے۔

ممکن ہے کہ اس سفر کی انتہا ریہ نہ ہو بلکہ اس کے بعد ان فارموں کے لیے ذی استعداد عورتوں کی ضرورت ہوگی اور اس مقصد کے لیے رضا کار عورتوں کے میسر نہ ہونے کی صورت میں مطلوبہ عورتوں کو قیمتاً خریدنا پڑے گا۔ چنانچہ عورتوں کی خرید و فروخت کا ایک مذموم کاروبار شروع ہو کر زمانہ جاہلیت کی یاد تازہ ہوگی۔

مرد بھی بچے پیدا کر سکیں گے

جب ایک نطفہ بغیر رحم مادر کے تولیدی ادوار طے کر کے بچہ بن جانے کی صلاحیت رکھتا ہو اور عورت کے پیٹ کے ایک خالی حصہ سے یہ مقصد پورا ہوتا ہو تو پھر ممکن ہے کہ آئندہ اس عمل کا عورت کے پیٹ سے کوئی تعلق نہ رہے بلکہ مرد کے پیٹ میں بھی اس عمل کو جاری رکھ کر بچہ پیدا کیا جا سکے گا جیسا کہ اس کا تجربہ ہو چکا ہے، تو مرد کے ماں بن جانے کی صورت میں دوسرے مسائل تو درکنار خود مرد کیلئے بھی یہ ذلت اور رسوائی کا مقام ہے۔ مزید برآں عورت طبعی طور پر بچے کی تربیت اور پرورش کی صلاحیت رکھتی ہے، ایک عورت بچے کی جو تربیت کر سکتی ہے مرد میں اس ذمہ داری اور بوجھ کو اٹھانے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواہ میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو جائے یا نکاح قائم رہے حق حضانت یعنی بچوں کی تربیت کا حق عورت کو ہی حاصل رہے گا۔

فتاویٰ عالمگیری جلد ا ص میں ہے کہ میاں بیوی میں جدائی کے بعد بھی لڑکے کے لیے سات یا نو سال تک اور لڑکی کیلئے تا بلوغ حق حضانت والدہ کو حاصل ہے۔ جبکہ مرد کے ماں بن جانے کے بعد دوسرے مسائل کے علاوہ ماں کی شفقت اور اس کے حق تربیت سے محروم رہ جائیں گے۔

زنا کاری کا بند نہ ہونے والا دروازہ کھل جائے گا

جب مرد خود بچے پیدا کرنے کا بوجھ اپنے کندھوں پر ڈال لے تو اس کو عورت کی ضرورت ہی کیا رہے گی، ایسے ہی جب ایک عورت خاوند کے بغیر بچے کو جنم دے سکتی ہے تو ایسی حالت میں وہ شادی کی ضرورت محسوس نہیں کرے گی، مرد اور عورت الگ الگ بچے پیدا کر لیں گے تو طبعی اور فطری خواہشات کی تکمیل کے لیے ناجائز ذرائع استعمال کریں گے اور پھر زنا اور لواطت کا ایک بند نہ ہونے والا دروازہ

کھل جائے گا جس سے پوری انسانیت کی ہلاکت اور بربادی یقینی ہے ۔

انسان کا رشتہ بندروں اور کتوں سے جڑ جائے گا

جب اس جدید طریقہ تولید کو جاری رکھا گیا اور تحقیق وریسرچ کسی خاص حد تک منتہی نہ ہوئی تو عین ممکن ہے کہ انسانی مادۂ تولید کسی بندریہ یا کتیا کے پیٹ کی خالی جگہ میں رکھ کر اس عمل کو پورا کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ انسانی نطفہ سے پیدا ہونے والا بچہ انسان ہی شمار ہوگا لیکن مامتا کا یہ پیارا رشتہ پھر بندروں اور کتوں کی نوع سے منسلک ہو جائے گا۔

سوچنے کا مقام ہے کہ یہ ترقی ہے یا تنزل! کہ اشرف المخلوقات اور مخدوم عالم کسی کتیا یا بندریہ کا بچہ کہلائے ۔

ان متعدد ناجائز اور غیر شرعی امور کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ تولیدی عمل از روئے شرع ناجائز ہے۔ اگرچہ موجودہ دور میں لوگ اسے علمی اور سائنسی ترقی سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں رسوائی اور تباہی کا پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے آئندہ اس پر کنٹرول کرنا ایک مشکل مسئلہ ہوگا ۔

خاندانی منصوبہ بندی

عالمِ کفر مسلمانوں کی ایمانی قوت کے ساتھ ساتھ ان کی افرادی قوت سے بھی خائف ہے۔ ان دونوں کو ختم کرنے کے لیے یورپ نے خاندانی منصوبہ بندی کا غیر فطری طریقہ ایجاد کیا، اور اپنے اس منصوبہ کو کامیاب بنانے کے لیے اس نے سبز باغ کے طور پر وسائل کی کمی، رزق کی تنگی، صحیح تعلیم و تربیت خصوصاً عورتوں کی صحت وغیرہ کا نعرہ لگایا، جبکہ اس دلفریب نعرہ کی آڑ میں یہود و ہنود کا اصل مقصد مسلمانوں میں جنسی اختلاط کے ساتھ ساتھ ان کی ایمانی و افرادی قوت کو ختم کرنا ہے۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے خاندانی منصوبہ بندی کے خطرات اور نتائج پر انوکھے انداز میں روشنی ڈالی ہے، مولانا صاحب کے اس مضمون کو افادۂ عام کے لیے فتاویٰ حقانیہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

خاندانی منصوبہ بندی

خطرات و نتائج

ایک خبر ہے کہ منسٹر فیملی پلاننگ (خاندانی منصوبہ بندی) نے حیدرآباد میں اپنے ضلعی افسروں کے ایک اجلاس میں اس بات پر زور دیا ہے کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی (ضبط ولادت) کی تحریک کو عوام میں پوری طرح مقبول کرائیں۔ ہم بقول ایک معاصر اس "بانگ بے ہنگام" پر خاموش نہیں رہ سکتے۔ ضبط ولادت کی تحریک پہ ملک کے سنجیدہ علمی و دینی حلقے ابتدا ہی سے اظہار ناراضگی کر رہے ہیں اور برابر اس تحریک کی مضرتوں پر معاشی، اخلاقی، شرعی و عقلی ہر پہلو سے روشنی ڈالی جا چکی ہے اور اب تک ڈالی جا رہی ہے۔ طویل مشاہدات و تجربات کی روشنی میں مرتب کردہ اس تحریک کے عقلی و شرعی تجزیہ سے ہمیں کلی اتفاق ہے کہ اس مہم کا براہ راست اثر ہماری معاشرتی زندگی کی قدروں پر ہوگا لذت پرستی اور جنسی بے راہ روی کی ساری رکاوٹیں ختم ہو کر ایک اسلامی ملک میں اخلاقی انارکی فحاشی بے حیائی اور زنا کاری کا شجرہ خبیثہ خوب پروان چڑھے گا۔ ضبط ولادت کی غیر فطری کوششوں سے عورت و مرد کی جسمانی اور نفسیاتی صحت پر برا اثر پڑے گا۔ خانگی ذمہ داریوں اور اولاد کی تعلیم و تربیت سے سبکدوشی کے احساس سے نہ صرف شہوانی جذبات میں اضافہ ہوگا بلکہ پورا معاشرہ جو خاندان کے مضبوط و مستحکم رشتوں پر استوار ہوتا ہے بگڑ جائے گا۔ گھریلو فرائض جن کے نباہنے پر اولاد ہی ایک فرد کو مجبور کر سکتی ہے اس سے فرار بہت آسان ہو کر معاشرہ باہمی حقوق سے گریز طلاق اور ناچاقی کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔

قومی خودکشی

ان لازمی نتائج و خطرات کے علاوہ ایک ایسا منصوبہ جو ہمارے مسلم معاشرہ کے شرعی و معاشی اور اخلاقی اقدار کے کسی پہلو سے بھی جوڑ نہیں کھا رہا موجودہ سنگین حالات میں جو بھارت جیسے جبار سامراج کے مقابلہ کی شکل ہمارے سامنے ہے ضروری ہے کہ اس منصوبہ کے اس مہلک پہلو پر بھی توجہ کی جائے جس کا خمیازہ ساری قوم و ملت کو بھگتنے کا اندیشہ ہے۔ اس وقت جب کہ ظاہری اسباب میں ہماری کامیابی کا تمام تر دارومدار اس ملک کی عددی قوت اور افرادی اضافہ پر ایسی سکیموں کو زیر بحث لانا بھی قومی خودکشی کے مترادف ہے جن سے تحدید نسل یا نسل کشی کی حوصلہ افزائی ہو۔

افرادی قوت اور یورپ یورپ نے جو اس لعنت کا اولین سرچشمہ اور داعی ہے انیسویں صدی کے آغاز سے اس تحریک کو اپنایا مگر بالآخر اس زوال پذیر تہذیب پر عیاں ہوا کہ قلت آبادی کی اس تحریک نے اگر ایک طرف اسے اخلاق و شرافت سے عاری بنا دیا تو دوسری طرف اس پر واضح ہوا کہ قلت آبادی کی یہی مساعی اس کی اجتماعی قوت کے اضمحلال اور سیاسی طاقت کے انحطاط کا باعث بن رہی ہیں۔ چنانچہ بعد از خرابی بسیار مغربی اقوام نے اپنا رویہ تبدیل کر لی فرانس کے مارشل پیٹن نے اسے اپنے ملک کے زوال کا بنیادی سبب قرار دیا۔ برطانیہ کے ایک مشہور مدبر اور ممبر اسمبلی رینڈالف چرچل نے شرح پیدائش کے گرنے کے خطرات سے ملک کو آگاہ کیا۔ یہی حال یورپ کی دیگر اقوام کا ہے۔ فرانس، جرمنی اور اٹلی نے اسقاط حمل اور تحدید نسل کے تمام اقدامات کو سخت تعزیری جرم قرار دیا بلکہ ملک کی معاشی ترقیات کے متبادل انتظامات کے ساتھ ساتھ افزائش نسل کی [illegible] کر رہے ہیں۔ چنانچہ سویڈن وغیرہ میں بچوں کی تعداد بڑھانے والوں پر ٹیکس کی شرح میں تخفیف کی گئی۔ اس وقت یہی پالیسی امریکہ اور یورپ کی تمام اقوام کی ہے۔ ان پر بالآخر یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ اس ایٹمی دور میں کسی ملک کے استحکام، سیاسی برتری اور بین الاقوامی اہمیت

کے اسباب میں کثرت آبادی کا بھی کافی دخل ہے۔ کوریا کی جنگ میں چین نے اور جنگ عظیم نے جاپان میں محض اپنی عددی قوت سے دشمن کے منصوبوں کو بے اثر بنایا۔ آج ہمارے پڑوس میں چین اور روس کو جو سیاسی اقتدار اور تفوق حاصل ہے بالخصوص چین جو اپنی عظیم قوم ہی کے بل بوتے پر مغربی استبداد کے غرور و گھمنڈ کو چیلنج کر رہا ہے۔ اس میں کثرت آبادی کا بھی بڑا دخل ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ممالک اگر ایک طرف ملکی معیشت کی خوشحالی کے لیے قدرت کے عطا کردہ تمام وسائل اور ذرائع کو کام میں لا رہے ہیں تو دوسری طرف آبادی کے لحاظ سے اپنی تفوق اور برتری کو بھی برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہی حال ہمارے عظیم مسلم ملک انڈونیشیا کا ہے۔

سیاسی اور دفاعی ضرورت

مغربی ممالک میں تکثیر آبادی کے مساعی کے باوجود مشرقی اقوام اور عالم اسلام کی شرح آبادی کی رفتار کی وجہ سے مغربی اقوام کو اپنی سیاسی قیادت خطرہ میں نظر آ رہی ہے اور مغرب کی کوشش ہے کہ اپنی بین الاقوامی پوزیشن برقرار رکھنے کے لیے اسلامی اور مشرقی ممالک کی شرح اضافۂ آبادی کو روکا جا سکے اور ان ممالک میں تحدید نسل اور ضبط ولادت کی تحریک پروان چڑھا کر انہیں اپنی موت آپ مار دیا جائے۔ ادھر ہماری فریب خوردگی کا یہ عالم کہ ؎

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں دام کا۔
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

ان وجوہات سے تحدید نسل کا مسئلہ صرف اخلاقی اور معاشی یا مذہبی مسئلہ نہیں رہا بلکہ بین الاقوامی حالات نے اسے پاکستان اور عالم اسلام کے لیے سیاسی اور فالحقیقت ایک دفاعی مسئلہ بنا دیا ہے پھر ہمارا ملک جغرافیائی لحاظ سے ایسی پوزیشن میں ہے کہ ہماری چاروں طرف کی آبادی ہم سے تین گنا بلکہ آٹھ گنا تک زیادہ ہے۔ خود بھارت جس کے سامراجی عزائم کو جب تک خاک میں نہ ملا دیا جائے ہم لحظہ بھر اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتے وہاں کی آبادی ساڑھے چار گنا زیادہ ہے۔

ایسے حالات میں عواقب و نتائج سے بے پرواہ ہو کر اس تحریک کے ڈھنڈورے پیٹنا ربوبیت عامہ اور شان رزاقیت کے لیے چیلنج اور قومی و ملی موت کے مترادف ہے اور اسلامی و قومی تقاضوں

کو بالائے طاق رکھ کر اس تحریک کی سرپرستی اور اسے قوم میں مقبول بنانے کی دعوت دینا قومی ناعاقبت اندیشی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

تعمیر و ترقی کا صحیح راستہ ہماری دلی خواہش ہے کہ ملک کے حقیقی مفادات کی بنا پر آئندہ ہر اس تحریک، منصوبہ اور تکمیل سے اجتناب کیا جائے جو ہمارے ملی اور قومی مزاج اور تقاضوں سے جوڑ نہ کھائے اور اگر مغربی تہذیب و تمدن کی تقلید میں ہم سے کچھ غلطیاں سرزد ہوئی ہوں تو حالیہ واقعات سے سبق لے کر انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے اور ہر اس علمی و عملی اقدام کو سختی سے روک دیا جائے جو ملت مسلمہ کے لئے دینی اور اخلاقی فتنوں کا سامان مہیا کرے جو اسلامی جمہوریہ اور اس کے غیور مسلمانوں کو دینی اقدار اور مجاہدانہ کردار سے دور ہٹائے اور جس سے اس عظیم قوم کی مومنانہ اور مجاہدانہ روح مجروح ہو۔ خواہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک ہو یا عائلی قوانین کی پرفریب شکل یا تجدد، ترقی اور فیشن کے فکر انگیز نام اور یا اسلامی ریسرچ و تحقیق کے نام پر تحریف دین کی تحریکیں —— ہمارے خیال میں یہی وہ طرز عمل ہے جو ہمارے مستقبل کی تعمیر اور خوشحالی اور ملک کی بقا و سلامتی کا ضامن ہو سکتا ہے اور یہی وہ طرز حیات ہے جسے حالیہ واقعات کے نتیجہ میں ہمارے لائق اور قابل احترام صدر مملکت محمد ایوب خان نے حسب ذیل الفاظ میں اشارہ فرمایا کہ:۔

> یہ تجربات گہرے اور ہمہ گیر ہیں کسی عارضی جوش و خروش کا نتیجہ نہیں اور نہ وقتی اور نہ گزرنے والی باتیں ہیں۔ ان واقعات نے ہمیں زندگی کے ہر میدان کے لئے ایک مستقل طریق عمل بخشا ہے اور یہی دراصل اسلام کا ضابطہ حیات ہے۔ انشاء اللہ اب یہی طریق عمل ہمارے آئندہ طرز فکر و عمل کے لئے مشعل راہ ہوگا۔ (نومبر ۶۵ء)

منصوبہ بندی کا اخلاقی اور سماجی پہلو

تحریک خاندانی منصوبہ بندی (ضبط ولادت) کی ترویج میں ہمارے ملک کی پوری

مشینری مصروف عمل ہے۔ اقتصادی فوائد کے علاوہ اس کی اخلاقی اور سماجی خوبیوں کا پرچار بھی ہو رہا ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ نئے اسلام کی تخلیق کرنے والی ایک فیکٹری "ادارہ تحقیقات اسلامیہ" اور اس کے نام نہاد محققین کی ایک پوری کھیپ بھی قتل اولاد کی اس انسانیت کش تحریک کے ڈانڈے قرآن وسنت اور فقہاء اسلام کے اقوال سے ملانے میں مصروف ہے —— اخبارات کے پورے ایڈیشن اور ضمیمے اس نسخہ شفاء کے پرچار کے لئے نکل رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس نقار خانہ میں اہل حق کی صدائے غربت پر کوئی توجہ دے بھی تو کیسے! پھر بھی اہل حق علماء اپنے فریضہ احتساب کی بنا پر علماء بلا خوف و خشیت اس تحریک کے روحانی، سماجی اور سیاسی عواقب اور تباہ کن نتائج سے قوم کو آگاہ کر رہے ہیں۔ وہ قوم جو بلا جھجک یورپ کی بھیانہ کھیٹی میں کودتی چلی جا رہی ہے۔ آج کی فرصت میں ہم اس ماہ کی دو ایک خبریں اخلاقی اور تحریک نسل کشی کے پرچار کرنے والوں کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ اس تحریک کے طبی پہلو پر اس خبر سے روشنی پڑتی ہے۔

"لندن کے ایک فزیشن نے کہا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی اور برتھ کنٹرول کے لئے جو انسدادی گولیاں استعمال کی جاتی ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ بعد ازاں مرد کی صحت پر اثر انداز ہوں اور مثانے کی بیماری پیدا ہو جائے۔ ایسے کئی واقعات ہوئے ہیں"

(روزنامہ جنگ راولپنڈی ۷ر اکتوبر ۱۹۶۶ء)

"عورتوں کیلئے اس عمل کے بے شمار بیماریوں کا باعث ہونے کی خبریں بھی روزمرہ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ برتھ کنٹرول کے سیاسی مضرات کا اندازہ اس خبر سے ہوتا ہے کہ اس ماہ رومانیہ (ایک اشتراکی ملک) میں اسقاط حمل کو ممنوع قرار دینے کے لئے قانون نافذ کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں نافذ کئے جانے والے قانون کے تحت صرف شدید طبی ضرورت کے علاوہ اسقاط حمل کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ (روزنامہ جنگ راولپنڈی ۲۵ر اکتوبر ۱۹۶۶ء)

اس سے قبل افرادی قلت اور قومی خودکشی کا تلخ تجربہ فرانس اور کئی دیگر ممالک کو ہو چکا ہے اور اس حماقت نے ان ممالک کی عظمت کو خاک میں ملا کے رکھ دیا ہے۔ رہا اس تحریک کا اخلاقی اور سماجی پہلو تو اس کا اندازہ آج یورپ کے ہر اس ملک سے لگایا جا سکتا ہے جہاں اخلاق و شرافت کے تمام بندھن لوٹ گئے ہیں اور جنسی ہیجان کے طوفان میں انسان محض ایک "انسان نما بھیڑیا" بن کر رہ گیا ہے۔ ذیل کے چند تازہ اعداد و شمار سے اس حیوانیت کا اندازہ لگائیے اور اس آئینہ میں اپنے ملک اور معاشرہ کے سیاہ مستقبل کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے امریکہ میں صرف پچھلے ایک سال میں ۲ لاکھ ۵۰ ہزار طالبات کا اسقاط حمل کرایا گیا۔ (مجلۃ العربی تمبر کویت)

خاندانی منصوبہ بندی کے آلات و ادویات نے جن لوگوں کو اس دھندہ سے چھٹکارہ دیا ہو گا۔ اس کا اندازہ آپ خود لگائیے۔ پھر مذکورہ تعداد بھی صرف طالبات کی ہے۔ انگلستان میں پچھلے ایک سال کے اندر ایک لاکھ ۲۶ ہزار ناجائز (حرامی) بچے پیدا ہوئے (العربی کویت) اور اس طرح حرامیوں کے اس لشکر نے "قلال پیداوار" کا کوٹہ پورا کر دیا ——— اب ایک ایسے ملک کا حال سنئے جو یورپ کا نہیں مشرق وسطیٰ کا ملک ہے اور جہاں کی تقریباً" نصف آبادی مسلمانوں کی ہے۔ کویت کا مشہور رسالہ "العربی" رقمطراز ہے:۔

بیروت میں ۸۰ فیصد طالبات شادی سے پہلے ہی جنسی تعلقات قائم کر لیتی ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں ہمارے ہاں کے سرکاری حلقوں میں بھی اس تحریک کے ناجائز استعمال پر تشویش ظاہر کی گئی ہے جس کی خبریں اخبارات میں آ چکی ہیں۔ انسان کے حقیقی رشد و ہدایت کی سچی اور لاجواب کتاب قرآن مجید نے بہت پہلے "قتل اولاد" سے منع کرنے کے فوراً" بعد زنا اور اس کے محرکات روک کر اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے کہ قتل اولاد کی ہر شکل اور زنا و فحاشی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دونوں آیات کے باہمی تعاون سے عیاں ہے کہ پہلا جرم "قتل اولاد" دوسرے جرم (زنا اور فحاشی) کا محرک ہے ——— پڑھیئے اور قربان جائیے اس لافانی کتاب کے اعجاز سے ارشاد ربانی ہے۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیتہ املاق	اور مت کرو قتل اپنی اولا کو مفلسی کے
نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم	خوف سے۔ ہم ان کو بھی روزی دیں
کان خطأً کبیرا۔	گے اور تم کو بھی دیتے ہیں۔ بیشک
بنی اسرائیل ۳۱	اولاد کو قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے

اس آیت کے فوراً بعد ارشاد ہے۔

ولا تقربوا الزنی انہ	اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو کیونکہ
کان فاحشۃً ط	زنا بڑی بے حیائی کی بات ہے
وساءَ سبیلاً۔ ۳۲	اور بہت بری راہ ہے۔

نہ صرف اس مقام پر بلکہ دوسری جگہ انعام میں بھی قتل اولاد سے منع کرنے کے معاً بعد فحاشی اور بے حیائی کی نمایاں اور خفیہ تمام صورتوں سے روک دیا۔ اس انداز بیان سے بھی صاف نمایاں ہے کہ دوسرا جرم (بے حیائی اور فحاشی) پہلے جرم (قتل اولاد) برتھ کنٹرول کا لازمی اور طبعی رد عمل ہے۔ ارشاد ہے :۔

ولا تقتلوا اولادکم من املاک	اور مت قتل کرو اپنی اولاد کو غربت
نحن نرزقکم وایاھم ولا تقربوا	کے سبب۔ ہم تم کو بھی رزق دیتے
الفواحش ما ظھر منھا	ہیں اور ان کو بھی اور بے حیائی کی
وما بطن ج	باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ۔ خواہ وہ
آیت ۱۵۱ - انعام	اعلانیہ ہوں یا پوشیدہ -

(نومبر ۶۶ء)